لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

قصص الانبیاء

انبیاء کرام کے عبرت و نصیحت سے
بھرپور حالات و واقعات

تالیف:
حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

ترجمہ و تخریج و تہذیب:
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

تاریخ اشاعت ____________ جون 2007ء

مطبوعہ ____________ آصف یٰسین پرنٹرز لاہور

ناشر

لاہور - پاکستان

Phone: 0300-4206199

E-mail: fiqhulhadith@yahoo.com

ملنے کا پتہ

حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور

Phone: 042-7321865

E-mail: nomania2000@hotmail.com

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لأولی الألباب

قصص الانبیاء

انبیاء کرام کے عبرت و نصیحت سے بھرپور حالات و واقعات

تالیف:
حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

ترجمہ و تخریج و تہذیب:
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

فقہ الحدیث پبلیکیشنز
تفہیم کتاب و سنت کا تحقیقی و طباعتی ادارہ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
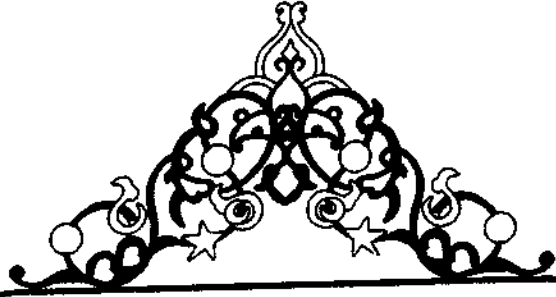
ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾

”(اے نبی!) قصے بیان کیجئے تا کہ یہ لوگ غور و فکر کریں۔“

[الاعراف : 176]

تقریظ

انبیاء علیہم السلام اس کائنات کی وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کا مقام انسانوں میں سب سے بلند ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دین کی تبلیغ کے لیے منتخب فرمایا، لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے انہیں مختلف علاقوں اور قوموں کی طرف مبعوث فرمایا اور پھر انہوں نے بھی اشاعتِ حق کے لیے شب وروز اَنتھک محنت وکوشش کی اور عظیم قربانیاں پیش کر کے پرچم اسلام بلند کیا۔

انبیاء علیہم السلام کے حالات قرآن کریم سے پہلے دیگر الہامی کتابوں میں بھی بیان کیے گئے تھے مگر چونکہ وہ کتب تحریف کا شکار ہوگئیں اس لیے قابل اعتماد نہ رہیں۔ البتہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر کہیں مختصر اور کہیں مطول انبیاء علیہم السلام کے قصوں کو بیان کیا گیا ہے جس کا مقصد جہاں لوگوں کو ان برگزیدہ پیغمبروں کے حالات سے آگاہ کرنا ہے وہاں انہیں عبرت ونصیحت پکڑنے کی دعوت دینا بھی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے انہی ایمان افروز حالات وواقعات کو قصص الانبیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پیش نظر کتاب "**قصص الانبیاء**" امام ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتابوں میں سے ایک ہے اور اپنے موضوع پر لکھی جانے والی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ یہ کتاب عربی میں ہے جسے اردو قالب میں ڈھالنے کی سعادت ہمارے نہایت ہی محنتی اور ذہین فاضل دوست **حافظ عمران ایوب لاھوری** نے حاصل کی ہے۔

موصوف نے اس کتاب کا نہایت ہی سلیس اور رواں ترجمہ پیش کیا ہے، اسلوب عام فہم ہے، آیات واحادیث کی مکمل تخریج وتحقیق اور اکثر مقامات سے ضعیف اور موضوع روایات کے اخراج کے باعث یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب بن کر سامنے آئی ہے، مزید برآں کتاب کے آخر میں تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات سے حاصل ہونے والے فوائد ونتائج کا ذکر جہاں ایک طرف مترجم کی محنتِ شاقہ کی علامت ہے وہاں اس لحاظ سے بھی نہایت اہم ومفید ہے کہ ہم ان پاکیزہ نفوس کے قصص سے اپنی زندگیوں کے لیے بہترین لائحہ عمل اور حسب حال رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

یقیناً یہ کتاب جہاں واعظین وخطباء اور علماء کے لیے اردو زبان میں ایک قابل قدر اضافہ ہے وہاں عوام کے لیے بھی یکساں مفید ہے۔ لہٰذا اسے خود بھی حاصل کیجئے اور دوسروں تک بھی پہنچایئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اعجاز حفظہ اللہ
اسلامک سینٹر پنجاب یونیورسٹی، لاہور
10 جولائی 2008ء

پیش لفظ

ساری امت اس بات پر متفق ہے کہ کائنات کی افضل اور بزرگ ترین ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہیں، جنہوں نے تبلیغ دین اور اشاعتِ توحید کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، کھانا پینا بھول گئے، لوگوں کے استہزا و تمسخر کی پرواہ نہ کی، دشمنوں کی قوت و طاقت اور شان و شوکت سے خائف نہ ہوئے، بے پناہ قربانیاں پیش کیں حتی کہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہیں جلا دیا گیا، بعض کو آرے کے ساتھ چیر دیا گیا اور بعض کو دوسرے طریقوں سے قتل کر دیا گیا، مگر ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی، وقت کے فراعنہ کا کوئی ظلم ان کے قدموں کی زنجیر نہ بن سکا، مخالفین کی کوئی تدبیر ان کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکی، وہ اپنے مشن پر زندگی کے آخری لمحات تک گامزن رہے۔ ان کی انہی بے نظیر کوششوں اور قربانیوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم مرتبوں پر فائز کیا اور انہیں بلند درجات کا مالک بنایا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا ان پاکیزہ نفوس کا واقعاتی انداز میں ذکر فرمایا ہے، جن کا مقصد محمد ﷺ کو سابقہ انبیاء و اقوام کے حالات سے باخبر کرنا، آپ کو تسلی دینا اور لوگوں کو عبرت و نصیحت پکڑنے کی دعوت دینا ہے۔ بہت سی احادیث میں بھی انبیاء علیہم السلام کے قصص و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

زیر نظر کتاب "قصص الانبیاء" میں امام ابن کثیرؒ نے کتاب و سنت میں موجود انہی مقدس ہستیوں کی پاکیزہ حیاتِ مبارکہ کو بڑے احسن اسلوب میں پیش کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ امام موصوف کا نام "اسماعیل بن عمر بن کثیر" کنیت "ابوالفداء" اور لقب "عماد الدین" ہے۔ آپ کی ولادت بصریٰ (شام) میں 701ھ میں ہوئی۔ آپ کے والدین حافظ تھے۔ والد علاقے کے خطیب اور فقہ شافعی کے عالم تھے۔ جب آپ 3 برس کے ہوئے تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور آپ کا گھرانہ دمشق منتقل ہو گیا۔ پھر آپ نے وہیں تعلیم حاصل کی اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا۔

آپ نے 10 برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور پھر مختلف علوم وفنون کے حصول کے لیے کوشاں ہو گئے حتی کہ ایک وقت آیا کہ آپ کے اساتذہ بھی آپ کی قابلیت وعلمیت کے معترف ہو گئے۔ بڑے بڑے علمانے آپ کو امام ومفتی تسلیم کر لیا۔ بالآخر ساری زندگی کتاب وسنت کی خدمت کرنے کے بعد آپ 774ھ میں دمشق میں ہی انتقال کر گئے۔ آپ نے کچھ کتب بھی تالیف کیں جن کی مجموعی تعداد تو 23 کے قریب بتائی جاتی ہے، البتہ ان میں زیادہ معروف ''تفسیر ابن کثیر'' اور ''البدایہ والنہایہ'' ہے۔ قصص الانبیاء اسی البدایہ والنہایہ سے ہی ماخوذ ہے۔

راقم الحروف نے اس کتاب کے حوالے سے جو خدمت انجام دینے کی کوشش کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسے عربی سے اردو قالب میں ڈھالا ہے، ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، آیات کے ترجمے کے لیے اکثر مقامات پر مولانا محمد جونا گڑھی کے ترجمے کو پیش نظر رکھا ہے، آیات واحادیث کی مکمل تخریج کی ہے، اکثر احادیث پر علامہ ناصر الدین البانی ؒ کی تحقیق لگائی ہے، بہت سی ضعیف اور موضوع روایات کو حذف کر دیا ہے تا کہ قارئین اپنے قیمتی وقت کو صرف صحیح معلومات تک رسائی میں ہی صرف کر سکیں' البتہ جہاں کہیں کسی ضرورت کے تحت ضعیف روایت کو باقی رکھا ہے وہاں حتی الامکان اس کا ضعف بھی بیان کر دیا ہے، کتاب کی اصل ترتیب کو بھی درست کیا ہے، ایک ہی واقعہ میں روایات کی تکرار کو ختم کیا ہے، قارئین کی سہولت کے لیے بہت سے مقامات پر نئے عنوانات بھی قائم کیے ہیں جو کہ امام موصوف نے قائم نہیں کیے تھے اور کتاب کے آخر میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات سے جو نتائج وفوائد سامنے آتے ہیں ان کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔

اس کوشش کے بعد امید ہے کہ قارئین اس کتاب سے بھرپور استفادہ کر سکیں گے اور انبیاء علیہم السلام کی پرانوار شخصیات کو آئیڈیل بنا کر اپنے لیے راہِ نجات کا تعین کر سکیں گے۔

اس سے فائدہ اٹھانے والے ہر خاص وعام سے التماس ہے کہ وہ راقم کے لیے مغفرت ونجات کی دعا ضرور کرے اور اگر کہیں کوئی نقص ظاہر ہو تو اصلاح کے لیے مطلع بھی ضرور کرے۔ (واللہ الموفق)

کتبہ

حافظ عمران ایوب لاہوری

20 مئی 2007ء ، 3 جمادی الاول 1428ھ

ای میل: hfzimranayub@yahoo.com

ویب سائٹ: www.fiqhulhadith.com

فہرست

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسحٰق ویعقوب علیہما السلام

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

أصحاب الرّس

أصحاب القرية

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت شعیا بن امصیا علیہ السلام

حضرت ارمیا بن حلقیا علیہ السلام

حضرت دانیال علیہ السلام

حضرت عزیر علیہ السلام

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام

حضرت یوشع علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت حزقیل علیہ السلام

حضرت یسع علیہ السلام

حضرت شمویل علیہ السلام

حضرت داود علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے فوائد و نتائج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ

صحیح احادیث میں انبیاء کے حوالے سے جو مسائل ومعلومات ذکر کی گئی ہیں ان کا مختصر بیان حسب ذیل ہے:

- انبیاء کی میراث علم ہے مال نہیں اور انبیاء کے وارث علما ہیں۔(۱)
- انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔(۲)
- انبیاء سے جب کوئی خطا سرزد ہوتی تو اللہ تعالیٰ فوراً تنبیہ فرما دیتے جیسے ایک نبی کو چیونٹی نے کاٹ لیا تو اس نے تمام چیونٹیوں کا گھر ہی جلوا دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما دی کہ صرف ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہ مارا؟(۳)
- انبیاء کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔(٤)
- ہر نبی کو ایسے معجزات عطا کیے گئے تھے جنہیں دیکھ کر انسان ان پر ایمان لا سکتا تھا۔(٥)
- انبیاء کے ناموں پر نام رکھنا جائز ہے۔(٦)
- انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانا حرام ہے، یہود ونصاریٰ نے ایسا کیا تھا، نبی ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی۔(۷)
- تمام انبیاء کا دین ایک ہے مثلاً توحید، رسالت وغیرہ، البتہ ان کی شریعتیں مختلف ہیں۔(۸)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح ابو داود ، ابو داود (3641) ابن ماجه (223) صحیح الجامع الصغیر (6297)]

(۲) [بخاری (138) کتاب الوضوء : باب التخفيف في الوضوء]

(۳) [بخاری (3319) کتاب بدء الخلق : باب خمس من الدواب فواسق يقتلن في الحرم]

(٤) [بخاری (3570) کتاب المناقب : باب كان النبي تنام عينه ولا ينام قلبه]

(٥) [بخاری (4981) کتاب فضائل القرآن : باب كيف نزل الوحي وأول ما نزل]

(٦) [بخاری (قبل الحدیث ، 6194) کتاب الأدب]

(۷) [بخاری (435) کتاب الصلاة : باب الصلاة في البيعة]

(۸) [بخاری (3442) کتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله واذكر في الكتاب مريم اذ انتبذت]

- بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی، ایک نبی دنیا سے رخصت ہوتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین بنا دیا جاتا، لیکن محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، البتہ آپ کے بعد بہت سے خلفاء آئیں گے، جن کا حق ادا کرنے اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)
- انبیاء سے بکثرت (بے مقصد) سوال کرنے کے باعث بہت سی سابقہ اقوام کو ہلاک کر دیا گیا۔(۲)
- انبیاء کا جسم زمین پر حرام ہے (یعنی ان کے جسم قبروں میں بالکل صحیح سلامت ہیں، انہیں مٹی نہیں کھاتی)۔(۳)
- لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہے جس پر روزِ قیامت انبیاء بھی رشک کریں گے اور وہ گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو بغیر کسی رشتہ داری کے محض اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے۔(٤)
- لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش انبیاء پر آتی ہے پھر ان پر جو درجہ بدرجہ ان جیسے ہیں یعنی جو جتنا زیادہ دین کے قریب ہے اس پر اتنی ہی زیادہ آزمائش آتی ہے۔(٥)
- انبیاء میں سے کوئی نبی ایسا بھی آئے گا جس پر ایمان لانے والا صرف ایک شخص ہی ہوگا۔(٦)
- انبیاء روزِ قیامت اس بات پر ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے کہ کس کے ساتھی زیادہ ہیں۔(٧)
- انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔(٨)
- انبیاء پر جب گھبراہٹ طاری ہوتی تو وہ نماز شروع کر دیتے تھے۔(٩)

---

(۱) [بخاری (3455) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب ما ذکر عن بنی اسرائیل]

(۲) [بخاری (7288) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة : باب الاقتداء بسنن رسول الله]

(۳) [صحیح : صحیح ابوداود ، ابوداود (1047) کتاب الصلاة : باب فضل یوم الجمعة]

(٤) [صحیح : صحیح ابوداود ، ابوداود (3527) کتاب الاجارة : باب فی الرهن]

(٥) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (992)]

(٦) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (1458)]

(٧) [حسن : صحیح الجامع الصغیر (1586)]

(٨) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (2790) السلسلة الصحیحة (621) یہ روایت نقل کرنے کے بعد علامہ البانیؒ نے خود ہی یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ اس حدیث میں انبیاء کے لیے جس زندگی کو ثابت کیا گیا ہے وہ ہماری اس دنیاوی زندگی کی مانند نہیں ہے بلکہ وہ برزخی زندگی ہے جس کی حقیقت کا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے اس لیے اس کی کیفیت وصورت بیان کرنا درست نہیں جیسا کہ کچھ حضرات نے اس زندگی کو دنیاوی زندگی کے مشابہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر میں کھاتے پیتے ہیں اور عورتوں سے ہم بستری بھی کرتے ہیں۔[دیکھئے: مراقی الفلاح] واضح رہے کہ قبر کی زندگی برزخی زندگی ہے جس کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔]

(٩) [صحیح : السلسلة الصحیحة (3466)]

- سابقہ تمام انبیاء بھی وضوء کرتے وقت محمد ﷺ کی طرح اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا کرتے تھے۔(۱)
- ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے تمام پیغمبروں کی تعداد 1 لاکھ 24 ہزار بیان فرمائی ہے۔(۲)
- ہر نبی حتی کہ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو مسیح دجال سے ڈرایا تھا۔(۳)
- محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں، آپ کے بعد تا قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا۔(٤)
- محمد ﷺ مجموعی لحاظ سے تمام انبیاء سے افضل ہیں، البتہ آپ نے کسر نفسی اور تواضع کا اظہار کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے کہ آپ کو باقی انبیاء پر فضیلت دی جائے۔(٥)
- محمد ﷺ کو پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں: ① آپ کے دشمن پر ایک مہینے کی مسافت پر آپ کا رعب ڈال دیا گیا۔ ② ساری زمین کو آپ کے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا۔ ③ آپ کے لیے غنائم کو حلال کر دیا گیا۔ ④ پہلے ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا لیکن آپ ﷺ کو ساری انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا۔ ⑤ آپ ﷺ کو شفاعت عطا کی گئی۔(٦)
- محمد ﷺ کے پیروکار باقی تمام انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔(۷)
- محمد ﷺ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔(۸)

---

(۱) [صحیح : المشکاۃ (424)]

(۲) [صحیح : المشکاۃ (5737)]

(۳) [بخاری (3337) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی انا أرسلنا نوحا الی قومہ]

(٤) [بخاری (3534) کتاب المناقب : باب خاتم النبیین]

(٥) [بخاری (3414) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی وان یونس لمن المرسلین]

(٦) [بخاری (438) کتاب الصلاۃ : باب قول النبی جعلت لی الأرض مسجدا وطھورا]

(۷) [مسلم (196) کتاب الایمان : باب فی قول النبی أنا أول الناس یشفع فی الجنۃ]

(۸) [مسلم (196) کتاب الایما : باب قول النبی أنا أول الناس یشفع فی الجنۃ]

شجرۂ انبیاء

آدم علیہ السلام 1

ادریس علیہ السلام 2 — نوح علیہ السلام 3

سام — حام — یافث

ھود علیہ السلام 4 — صالح علیہ السلام 5 — ابراھیم علیہ السلام 6 — لوط علیہ السلام 7

اسماعیل علیہ السلام 8 — اسحق علیہ السلام 9 — مدین — شعیب علیہ السلام 12

یعقوب علیہ السلام 10 — عیص — ایوب علیہ السلام 13 — ذوالکفل علیہ السلام 14

یوسف علیہ السلام 11 — لاوی — یھودا

عمران — داود علیہ السلام 17 — سلیمان علیہ السلام 18 — زکریا علیہ السلام 22 — یحییٰ علیہ السلام 23

موسیٰ علیہ السلام 15 — ھارون علیہ السلام 16

یونس علیہ السلام 21 — الیاس علیہ السلام 19 — یسع علیہ السلام 20

عمران — عیسیٰ علیہ السلام 24

محمد ﷺ 25

انبیاء صرف وہ ہیں جن کے آگے علیہ السلام اور نمبر لگایا گیا ہے۔

انبیاء کی تخمینی پیدائش' وفات اور عمر

نام	پیدائش	وفات	عمر	نام	پیدائش	وفات	عمر
آدم علیہ السلام	30000ق م	29000ق م	1000/950	یعقوب علیہ السلام	2052ق م	1905ق م	147
ادریس علیہ السلام	20740ق م	20657ق م	83	یوسف علیہ السلام	1906ق م	1796ق م	110
نوح علیہ السلام	16110ق م	15160ق م	950	موسیٰ علیہ السلام	1571ق م	1451ق م	120
ھود علیہ السلام	11480ق م	11330ق م	150	ہارون علیہ السلام	1574ق م	1452ق م	122
صالح علیہ السلام	6850ق م	6782ق م	58	داؤد علیہ السلام	1035ق م	965ق م	70
ابراہیم علیہ السلام	2222ق م	2047ق م	175	سلیمان علیہ السلام	950ق م	897ق م	53
لوط علیہ السلام	1275ق م	2000ق م	175	زکریا علیہ السلام	100ق م	20ء	120
اسماعیل علیہ السلام	2136ق م	1999ق م	137	یحییٰ علیہ السلام	1 ق م	20ء	19
اسحٰق علیہ السلام	2122ق م	1942ق م	180	عیسیٰ علیہ السلام	ابتدائے سن عیسوی	زندہ آسمان پر	33

پیغمبروں کی تعداد: ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پیغمبروں کی تعداد 1 لاکھ 24 ہزار بیان فرمائی ہے۔[المشکاۃ (5737)]

اولو العزم پیغمبر: پانچ انبیاء کو اولوالعزم پیغمبر کہا جاتا ہے۔نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ علیہم السلام اور محمد ﷺ۔

نبی اور رسول میں فرق: رسول اس پیغمبر کو کہا جاتا ہے جس پر نئی شریعت اور نئی کتاب نازل ہو اور نبی اس مقدس ہستی کو کہا جاتا ہے جس پر وحی تو نازل ہوتی ہو مگر وہ کوئی نئی شریعت نہ لائے بلکہ وہ پہلی شریعت اور کتاب کو ہی برقرار رکھے اور اسی کے مطابق لوگوں کو تبلیغ کرے۔

قصص الانبیاء

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴾

”یقیناً ان کے قصوں میں اہل عقل کے لیے عبرت ہے۔“

[یوسف : 111]

حضرت آدم علیہ السلام

تخلیقِ آدم سے متعلقہ آیات

(1) ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں' تو انہوں نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟ اور ہم تیری تسبیح' حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا' اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے' پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو۔ جب انہوں نے بتا دیے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمانوں کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا' اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہوگا۔ اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو' لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔ لیکن شیطان نے ان کو بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ (اس جنت سے) اتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ حضرت آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ' جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں۔ اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں' وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''(۱)

(2) اور فرمایا ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ ... كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) کی مثال کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔''(۲)

(3) اور ارشاد فرمایا ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا ... عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو' جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں' اس سے ڈرو

(۱) [البقرۃ : 39-30]

(۲) [آل عمران : 59]

جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔''(۱)

(4) اور ارشاد ہے کہ ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ ... عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ ''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں' اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے' بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم والا اور باخبر ہے۔''(۲)

(5) اور اللہ عزوجل نے فرمایا ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا (یعنی حضرت حوا علیہا السلام) تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔''(۳)

(6) اور ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ... وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴾ ''اور ہم نے تم کو پیدا کیا' پھر ہم ہی نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (اللہ عزوجل نے) فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تو تجھے کس نے سجدہ کرنے سے روکا ہے؟ جبکہ میں تجھے حکم دے چکا ہوں' کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں' آپ نے مجھے آگ سے اور اسے خاک سے پیدا کیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ اس نے کہا مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیجیے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی۔ اس نے کہا جب تو نے مجھے گمراہ کر دیا میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لیے تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان پر ان کے آگے سے' ان کے پیچھے سے' ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں (الغرض ہر) جانب سے ان پر حملہ کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا' جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں دونوں کے سامنے بے پردہ (یعنی لباسِ جنت سے محروم) کر دے اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے صرف اس وجہ سے منع فرمایا ہے کہ کہ تم دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور ان

(۱) [النساء : 1]

(۲) [الحجرات : 13]

(۳) [الأعراف : 189]

دونوں کے سامنے (شیطان نے) قسم کھائی کہ یقین مانو میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ پس اس نے ان دونوں کو دھوکے میں مبتلا کر دیا' انہوں نے جب درخت کو چکھا تو دونوں کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکارا' کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ دونوں نے کہا' اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا' اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور (اب) تمہیں ایک مدت تک زمین میں قیام کرنا اور نفع اٹھانا ہے۔ فرمایا تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور پھر اسی میں سے نکالے جاؤ گے۔"(۱)

(7) جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ﴿ مِنۡهَا خَلَقۡنَاكُمۡ وَفِيهَا نُعِيدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً أُخۡرَىٰ ﴾ "اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔"(۲)

(8) اور فرمایا ﴿ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ ... جُزۡءٌ مَّقۡسُومٌ ﴾ "یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ سے پیدا کیا۔ اور (یاد کرو) جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ تو جب میں اسے پورا بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے' وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں ایسا نہیں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو جنت سے نکل جا کیونکہ تو راندۂ درگاہ ہے۔ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری پھٹکار ہے۔ کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگوں کو دوبارہ اٹھا کھڑا کیا جائے گا (یعنی قیامت تک)۔ فرمایا اچھا تو ان میں سے ہے جنہیں مہلت ملی۔ روزِ مقرر کے وقت تک۔ (شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان (تمام انسانوں) کے لیے گناہوں کو مزین کروں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ہاں یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی راہ ہے۔ میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں' ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں۔ یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ جس کے سات دروازے ہیں' ہر دروازے کے

---

(۱) [الأعراف : 11-25]

(۲) [طه : 55]

لیے ان کا ایک حصہ تقسیم کیا ہوا ہے۔''(۱)

(9) اور ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا ... وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴾ ''جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے (سجدہ) کیا' اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اچھا دیکھ لے تو نے اسے مجھ پر بزرگی تو دی ہے' لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو سوائے بہت تھوڑے لوگوں کے' اپنے بس میں کر لوں گا (یعنی گمراہ کر دوں گا)۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ جا ان میں سے جو بھی تیرا تابع دار ہو جائے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے جو پورا پورا بدلہ ہے۔ ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز (یعنی پر فریب دعوت' موسیقی یا دیگر لہو ولعب کے آلات وغیرہ) سے بہکا سکے بہکا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے (یعنی انسانوں اور جنوں میں سے شیطان کے تابعدار) چڑھا لا اور انہیں (جھوٹے) وعدے دے لے۔ ان سے جتنے بھی وعدے شیطان کے ہوتے ہیں سب کے سب سراسر فریب ہیں۔ میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی قابو اور بس نہیں' تیرا رب کارسازی کرنے والا کافی ہے۔''(۲)

(10) اور فرمایا کہ ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا ... لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا' یہ جنوں میں سے تھا (معلوم ہوا شیطان فرشتہ نہیں تھا)' اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی' کیا پھر بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے۔ ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدلہ ہے۔''(۳)

(11) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ ... الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴾ ''ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا' اس نے صاف انکار کر دیا۔ تو ہم نے کہا اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے' پھر تو مصیبت میں پڑ جائے۔ یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ بے لباس۔ اور نہ یہاں تو پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے۔ لیکن شیطان نے اسے (یعنی آدم علیہ السلام کو) وسوسہ ڈالا' کہنے لگا کہ کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور بادشاہت بتلاؤں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو۔ چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا' تو ان کے ستر کھل گئے اور بہشت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی

---

(۱) [الحجر : 26-44]

(۲) [الاسراء : 61-65]

(۳) [الكهف : 50]

نافرمانی کی اور وہ بہک گیا۔ پھر اس کے رب نے اسے نوازا' اس کی توبہ قبول کی اور اس کی رہنمائی فرمائی۔ فرمایا' تم دونوں یہاں (یعنی جنت) سے اتر جاؤ' تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو' اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی' اور ہم اسے روز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ الٰہی! مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا۔ (جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جاتا ہے۔"(۱)

(12) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ... بَعْدَ حِينٍ ﴾ "(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے۔ جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو۔ مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی (بات چیت کا) کوئی علم ہی نہیں جبکہ وہ تکرار کر رہے تھے۔ میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں۔ جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں' تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے (نہ کیا)' اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا' اے ابلیس! جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا' کیا تو کچھ تکبر میں آ گیا ہے یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے؟۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا۔ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے۔ کہنے لگا' میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگوں کو اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا' تو مہلت والوں میں سے ہے۔ مقرر وقت کے دن تک۔ کہنے لگا' پھر تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب (انسانوں) کو یقیناً بہکا دوں گا۔ سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ فرمایا سچ تو یہ ہے' اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں' کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (دعوت و تبلیغ کے کام) پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت (و عبرت) ہے۔ یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد (صحیح طور پر) جان لو گے۔"(۲)

---

(۱) [طٰہٰ : 115-126]

(۲) [ص : 67-88]

آیات کا مفہوم و مقصود

قرآن کے ان مختلف مقامات پر حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ذکر ہوا ہے۔ہم نے اپنی تفسیر (یعنی تفسیر ابن کثیر) میں ان تمام آیات کے متعلق بالتفصیل بحث کی ہے۔ یہاں ہم مذکورہ آیات کے مفہوم اور اس سے متعلقہ احادیث کا ذکر کریں گے۔(واللہ المستعان)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ﴿ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ ''میں زمین میں جانشین بنانے والا ہوں۔''(۱) اللہ تعالیٰ نے انہیں اطلاع دی کہ وہ آدم (علیہ السلام) اور اس کی اولاد کو تخلیق فرمانا چاہتا ہے جو ایک دوسرے کے جانشین ہوں گے' اس کا ذکر ایک دوسری آیت میں یوں ہے کہ ﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ ﴾ ''اور وہی ذات ہے جس نے تم کو زمین کے جانشین بنایا۔''(۲) ایک اور آیت میں ہے کہ ﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ﴾ ''اور وہ تم کو زمین میں جانشین بناتا ہے۔''(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) اور اس کی اولاد کو پیدا کرنے کا ذکر فرشتوں سے اس لیے کیا تاکہ اس کی عظیم شان ظاہر ہو جائے جیسے کسی بھی بڑے کام کو انجام دینے سے پہلے اس کی اطلاع دی جاتی ہے۔فرشتوں نے جو یہ بات کہی کہ ﴿ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ﴾(٤) تو اس سے مقصود تخلیقِ آدم پر اعتراض یا حسد یا اسے حقیر جاننا نہ تھا بلکہ محض اس کی حکمت دریافت کرنا تھا۔ بعض مفسرین کو یہاں یہ وہم ہوا کہ فرشتوں نے یہ بات تخلیقِ آدم پر اعتراض یا حسد یا اسے حقیر جانتے ہوئے کہی تھی۔ لیکن فی الحقیقت فرشتوں نے تو صرف تخلیقِ آدم کی حکمت ہی جاننا چاہی تھی' وہ ایسی تمام باتوں سے پاک ہیں۔قتادہؒ نے کہا کہ فرشتوں نے اولادِ آدم کے زمین میں فساد مچانے اور خون بہانے کی بات اس لیے کی کیونکہ آدم علیہ السلام سے پہلے زمین میں آباد جنوں نے یہی کام کیے تھے۔(٥)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ آدم (علیہ السلام) کی تخلیق سے 2 ہزار سال پہلے زمین میں جن آباد تھے' انہوں نے زمین میں خوب خونریزی کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتوں کو بھیجا تو فرشتوں نے انہیں سمندروں میں موجود جزیروں کی طرف بھگا دیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔(٦) امام حسنؒ سے مروی ہے کہ فرشتوں کو اس کا الہام ہوا تھا۔ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے لوحِ محفوظ سے یہ اطلاع پائی تھی۔ایک قول یہ بھی ہے کہ ہاروت اور ماروت نے ایک فرشتے سے یہ بات جان کر انہیں اطلاع دی تھی (اسے ابو حاتمؒ نے ابو جعفر باقرؒ سے

---

(۱) [البقرة : 30]
(۲) [الأنعام : 165]
(۳) [النمل : 62]
(٤) [البقرة : 30]
(٥) [تفسير ابن كثير (129/1)]
(٦) [مستدرك حاكم (261/2)]

روایت کیا ہے' امام ابن کثیرؒ نے اس قول کی تردید فرمائی ہے)۔ ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں نے یہ اس لیے کہا کیونکہ اغلباً زمین سے پیدا کردہ چیز اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بہر حال فرشتوں نے اس تجربے کے پیش نظر عرض کیا ﴿ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ ''اور ہم تیری تسبیح' حمد اور پاکی بیان کرتے ہیں۔''(۱) مطلب یہ تھا کہ ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے ہیں' ہم کوئی بھی نافرمانی نہیں کرتے' اگر انسان کو پیدا کرنے کا مقصد عبادت ہی ہے تو ہم دن رات عبادت کے لیے پہلے ہی موجود ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ ''میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''(۲) مراد یہ تھا کہ انہیں پیدا کرنے کی حکمت جو مجھے معلوم ہے وہ تمہیں معلوم نہیں اور وہ یہ ہے کہ ان میں نبی' رسول' صدیق' شہداء اور صلحا پیدا ہوں گے۔

آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر علمی فضیلت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کی' فرمایا ﴿ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ﴾ ''اور آدم کو تمام نام سکھا دیے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان ناموں سے مراد عام روز مرہ استعمال کے نام ہیں جنہیں لوگ عموماً جانتے پہچانتے ہیں مثلاً انسان' حیوان' زمین' میدان' سمندر' پہاڑ' اونٹ اور گدھا وغیرہ۔ مجاہدؒ نے فرمایا کہ پیالہ' ہنڈیا' پرندے اور ہر ضرورت کی چیز کے نام سکھائے۔ سعید بن جبیرؒ اور قتادہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ربیعؒ نے کہا کہ فرشتوں کے نام سکھائے۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ نے کہا کہ آدم علیہ السلام کو اپنی اولاد کے نام سکھائے۔(۳) صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چھوٹی اور بڑی چیز اور ان کے افعال کے نام سکھائے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' روزِ قیامت مومن جمع ہو کر کہیں گے کہ کاش! ہم کسی سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارش کرائیں' تو وہ آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے' آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا ہے اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔۔۔''(٤)

---

(۱) [البقرة : 30] (۲) [البقرة : 22]

(۳) [تفسیر ابن کثیر (131-130/1)]

(٤) [بخاری (7410،4476) کتاب التفسیر : باب قول الله تعالیٰ وعلم آدم الأسماء كلها' کتاب التوحید : باب قول الله تعالى لما خلقت بیدی' مسلم (193) کتاب الایمان : باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها' ترمذی (2593) مسند احمد (12154) طیالسی (1966) ابن أبی شیبة (450/11) شرح السنة (4333)]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ ''پھر وہ اشیاء فرشتوں کے سامنے پیش کیں اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔''(۱) کے متعلق حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو فرشتوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ جو مخلوق بھی پیدا کرے گا ہمارے پاس اس سے زیادہ علم ہوگا۔ لہٰذا ان کا امتحان لیا گیا اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ ''اگر تم سچے ہو۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! تو پاک ہے۔ تیرے سکھانے کے بغیر کوئی بھی تجھ سے علم حاصل نہیں کر سکتا' جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ﴾ ''اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔''(۲) اسی طرح اس فرمان الٰہی ﴿ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ ... ﴾(۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے ظاہری اُمور کو جانتا ہے اسی طرح باطنی اُمور کو بھی جانتا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ ﴿ أَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ ﴾ ''میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو۔'' سے مراد فرشتوں کا یہ قول ہے ﴿ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا ﴾ ''کیا تو زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو اس میں فساد مچائے گی۔'' اور ﴿ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴾ ''جو تم چھپاتے ہو۔'' سے مراد ابلیس کا (اس کے دل میں چھپا) تکبر اور یہ خیال ہے کہ وہ آدم علیہ السلام سے برتر ہے۔ سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، سدیؒ، ضحاکؒ، ثوریؒ اور ابن جریرؒ سے یہی قول مروی ہے۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ ﴿ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴾ سے مراد فرشتوں کا یہ قول ہے ''اللہ تعالیٰ جسے بھی پیدا کرے گا ہمارا علم اس سے زیادہ ہی ہوگا۔''(۴)

حضرت آدم علیہ السلام کا شرف و مرتبہ

حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ عظیم شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا اور ان میں اپنی روح پھونکی جیسا کہ ایک آیت میں ہے کہ ﴿ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴾ ''جب میں اسے صحیح طور پر برابر کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدے میں گر جانا۔''(۵) آدم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ چار لحاظ سے ظاہر ہوتا ہے: ① اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا۔ ② ان میں اپنی روح پھونکی۔ ③ فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا۔ ④ اور انہیں تمام اشیاء کے نام سکھائے۔

(۱) [البقرة : 31]
(۲) [البقرة : 255]
(۳) [البقرة : 33]
(۴) [تفسیر ابن کثیر (131/1)]
(۵) [الحجر : 29]

یہی باعث ہے کہ جب ملأ اعلیٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان کی باہم بحث وتمحیص ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''اے آدم! تو انسانوں کا جد امجد ہے' اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے ہاتھ سے بنایا' تجھ میں اپنی روح پھونکی' فرشتوں سے تجھے سجدہ کرایا اور تجھے تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ اسی طرح جب روزِ قیامت لوگ اکٹھے ہو کر (سفارش کرانے کے لیے) آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو ان سے یہی بات کہیں گے۔ اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے اور اِن شاء اللہ آئندہ بھی آ رہا ہے۔

دوسری آیت میں ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ... خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴾ ۔(اس آیت کے متعلق) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ ابلیس نے قیاس کیا اور وہی سب سے پہلا قیاس کرنے والا ہے۔ امام ابن سیرینؒ نے فرمایا ہے کہ ابلیس نے ہی سب سے پہلے قیاس کیا اور قیاس کے سبب ہی شمس وقمر کی عبادت شروع ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے قیاس کرتے ہوئے اپنے آپ پر اور آدم علیہ السلام پر غور کیا تو اس نے اپنے آپ کو افضل سمجھا اور سجدہ نہ کیا حالانکہ اسے اور دیگر تمام فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ فی الحقیقت نص کے مقابلے میں قیاس معتبر نہیں ہوتا' مزید برآں یہ قیاس فی نفسہ بھی درست نہ تھا کیونکہ مٹی آگ سے کہیں زیادہ نفع مند ہے۔ مٹی میں عاجزی و بردباری اور زرخیزی جیسی اچھی صفات ہوتی ہیں جبکہ اس کے برعکس آگ محض جلانے اور تکلیف پہنچانے کے ہی کام آتی ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنا کر' ان میں اپنی روح پھونک کر اور تمام فرشتوں سے سجدہ کروا کر انہیں عز وشرف سے بھی نوازا (جیسا کہ اس ضمن میں آیات پیچھے گزر چکی ہیں)۔

ابلیس لعنت کا مستحق اس لیے ٹھہرا کیونکہ اس نے آدم علیہ السلام کو حقیر سمجھا۔ اس سے بڑھ کر اس نے اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کی مخالفت بھی کی۔ نیز اس نے ایک بڑا گناہ یہ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمام اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا (جیسا کہ اس کا بیان پیچھے آیت نمبر 9 اور 10 کے تحت گزر چکا ہے)۔ شیطان نے عمداً تکبر کرتے ہوئے اللہ کے حکم کو چھوڑا اور اپنے فطری مادے (آگ) کے باعث بغاوت وسرکشی کی راہ اختیار کر لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں' جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم (علیہ السلام) کو جس چیز سے بنایا گیا ہے اس کے متعلق تمہیں بتا دیا گیا ہے۔''(۱) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ ابلیس کبھی ایک لمحہ بھر کے لیے بھی فرشتہ نہیں رہا۔(۲) شہر بن حوشبؒ نے کہا ہے کہ ابلیس جن تھا' جب جنات نے زمین میں

---

(۱) [مسلم (2996) کتاب الزھد : باب فی أحادیث متفرقہ' مسند احمد (153/6) بیھقی فی السنن الکبری (17709) بیھقی فی شعب الایمان (155/1) مصنف عبد الرزاق (425/11) عبد بن حمید (105/4) صحیح الجامع الصغیر (3238) المشکاۃ (5701) السلسلۃ الصحیحۃ (458)]

(۲) [تفسیر ابن کثیر (93/3)]

فساد برپا کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین میں بھیجا جنہوں نے کچھ جنوں کو قتل کر ڈالا اور کچھ کو جزیروں کی طرف بھگا دیا' اس وقت ابلیس کو قیدی بنا کر آسمان کی طرف لے جایا گیا' وہ وہیں تھا کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو ابلیس نے انکار کر دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، صحابہ کے ایک گروہ، سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور چند دیگر اہل علم نے کہا ہے کہ ابلیس آسمانِ دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کا نام عزازیل تھا۔ انہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کا نام حارث تھا۔ نقاش رحمہ اللہ کے مطابق اس کی کنیت ابو کردوس تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یوں ہے کہ ابلیس فرشتوں کی اس جماعت میں تھا جنہیں جن کہا جاتا تھا' وہ ان کا سردار اور عبادت و ریاضت میں سب سے بڑھ کر تھا اور اس کے چار پر تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے شیطان مردود بنا دیا۔ (۱)

ابلیس کا تمام اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کا واضح اعلان

سورۂ اعراف میں مذکور ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے (تا قیامت مہلت حاصل کرنے کے بعد) واضح طور پر اعلان کیا کہ ﴿ فَبِمَآ أَغْوَيْتَنِي ... شَاكِرِيْنَ ﴾ (۲) چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اس لیے میں ان (اولادِ آدم) کے لیے ہر گھات کے مقام پر بیٹھوں گا اور ہر طرف سے ان کے پاس آ کر انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ لہٰذا ابلیس کا ہر مخالف نیک اور اس کا ہر تابع فرمان بد ہے۔ حضرت سبرہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شیطان ابن آدم کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے ہر راستے پر بیٹھا ہوا ہے۔'' (۳)

مفسرین نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم تمام فرشتوں کو تھا۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ایک رائے یہ بھی ہے کہ سجدے کا حکم صرف زمین کے فرشتوں کو ہوا تھا۔ یہ قول ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے لیکن یہ منقطع و منکر ہونے کی بنا پر درست نہیں۔ اگرچہ بعض متاخرین نے اسے راجح قرار دیا ہے لیکن پہلی رائے ہی زیادہ قرین صواب ہے' نیز اس حدیث ﴿ وَأَسْجَدَ لَهُ مَلَائِكَتَهُ ﴾ ''اور اس (اللہ) نے اپنے فرشتوں سے اسے (آدم علیہ السلام کو) سجدہ

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (81/1)]

(۲) [الأعراف : 16-17]

(۳) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (1652) نسائی (3134) کتاب الجهاد : باب ما لمن أسلم وهاجر وجاهد' صحیح الترغیب والترهیب (1299) کتاب الجهاد : باب الترغیب فی الجهاد فی سبیل الله تعالی وما جاء فی فضل ...' السلسلة الصحیحة (2979)]

کرایا۔" کا عمومی مفہوم بھی یہی ہے۔ (واللہ اعلم) اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جو یہ کہا کہ "اس سے اتر جا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ آسمان میں تھا' پھر وہاں سے اسے اترنے کا حکم ہوا۔ اس نے اطاعت وفرمانبرداری اور عبادت وریاضت کے ذریعے اللہ کے ہاں جو مقام حاصل کیا تھا' ایک سجدے سے انکار اور تکبر وحسد کی وجہ سے اسے کھو دیا اور ذلیل کر کے زمین میں اتار دیا گیا۔

حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کو حکم دیا تھا کہ تم جنت میں سکونت اختیار کرو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾ "اور ہم نے کہا کہ تو اور تیری بیوی جنت میں رہائش پذیر رہو۔"(۱) سورۂ اعراف میں ارشاد ہے کہ ﴿ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا ... مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ "(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا' جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"(۲) سورۂ طہ میں ہے کہ ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ... ﴾ "اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا' اس نے صاف انکار کر دیا۔ تو ہم نے کہا اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے' پھر تو مصیبت میں پڑ جائے۔"(۳)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش ہو چکی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو۔" اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے صراحت کے ساتھ یہی فرمایا ہے اور ان آیات کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ تاہم سدی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد صحابہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابلیس کو جنت سے نکالا گیا تو آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرایا گیا' وہ وہاں اکیلے رہتے جس بنا پر اجنبیت محسوس کرتے تو ایک روز جب وہ نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے پاس ایک عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ حواء علیہا السلام تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے راحت وسکون کے لیے ان کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔ آدم علیہ السلام نے دریافت کیا' تم کون ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا' میں عورت ہوں۔ انہوں نے پھر دریافت کیا' تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ حواء علیہا السلام نے جواب میں کہا' تمہیں سکون پہنچانے کے لیے۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا

(۱) [البقرۃ: 35]
(۲) [الأعراف: 18-19]
(۳) [طٰہٰ: 116-117]

علمی امتحان لینے کے لیے ان سے پوچھا' اے آدم! اس کا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا' حواء۔ انہوں نے پھر پوچھا' اس کا نام حواء کیوں ہے؟ آدم علیہ السلام نے جواب دیا' اس کا نام حواء اس لیے ہے کیونکہ اس کی تخلیق زندہ انسان سے ہوئی ہے۔ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب کی چھوٹی پسلی سے پیدا کیا گیا' اس وقت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے' پھر اس جگہ کو گوشت سے بھر دیا گیا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی معلوم ہوتی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا ... كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ﴾ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو' جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔''(۱) ایک دوسری آیت میں ہے کہ ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ... اِلَیْهَا ﴾ ''وہ ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) ایسی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا (یعنی حضرت حواء علیہا السلام) تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔''(۲) اس کی مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورتوں کے ساتھ خیر و بھلائی سے پیش آؤ' بلاشبہ انہیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی کا سب سے ٹیڑا حصہ اس کا اوپر والا حصہ ہوتا ہے' اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی اس لیے تم عورتوں کے ساتھ خیر و بھلائی سے ہی پیش آؤ۔''(۳)

شجرۂ ممنوعہ کا بیان

جس درخت کے قریب جانے سے حضرت آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا اس کے متعلق مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔

① کچھ نے اسے انگور کا درخت کہا ہے، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ، جعدہ رحمہ اللہ اور محمد بن قیس رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ ② یہود کے خیال میں وہ گندم کا پودا تھا، یہ قول ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور حسن بصری رحمہ اللہ، وہب بن منبہ رحمہ اللہ، عطیہ عوفی رحمہ اللہ، ابو مالک رحمہ اللہ، محارب بن دثار رحمہ اللہ اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے۔ ③ حضرت وہب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس درخت کا دانہ مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔

---

(۱) [النساء : 1] (۲) [الأعراف : 189]

(۳) [بخاری (5186) كتاب النكاح : باب الوصاة بالنساء' مسلم (2670) كتاب الرضاع : باب الوصية بالنساء' ترمذی (1188) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فى مدارة النساء' بيهقى فى السنن الكبرى (295/7) طبرانى كبير (117/19) ابو عوانة (239/9) حميدى (499/2) المشكاة (3239) صحيح الترغيب والترهيب (1927) السلسلة الصحيحة (3517)]

④ امام ثوریؒ نے ابو مالک سے (ابو حصین کے واسطے سے) نقل کیا ہے کہ یہ کھجور کا درخت تھا۔ ⑤ امام ابن جریجؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ⑥ حضرت ابو العالیہؒ نے کہا ہے کہ اس درخت کا پھل کھانے سے قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ یہ تھے شجرۂ ممنوعہ کے متعلق مختلف اقوال۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا تعین نہیں فرمایا' اگر اس کی تعیین میں کوئی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کا تعین فرما دیتے۔ اسی طرح قرآن میں اور بھی کئی چیزیں مبہم رکھی گئی ہیں (جن کی توضیح میں انسانوں کا کچھ فائدہ نہیں تھا)۔

جس جنت میں آدم علیہ السلام کو داخل کیا گیا تھا وہ آسمان میں تھی یا زمین میں؟

اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کا کہنا ہے کہ وہ آسمان میں تھی اور وہ جنت الماویٰ تھی، قرآنی آیات اور احادیث کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾ ''اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔''[1] اس آیت میں لفظ الجنة پر الف لام نہ تو عموم کے لیے ہے اور نہ ہی معہود لفظی کے لیے بلکہ معہود ذہنی کے لیے ہے۔ لہٰذا اس سے مراد جنت الماویٰ یعنی آسمانی جنت ہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ تو نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے کیوں نکلوایا؟ (اس کا مزید بیان آئندہ آئے گا)۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائیں گے، جب لوگوں کے سامنے جنت آئے گی تو اہل ایمان حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ ہمارے لیے جنت کھلوائیے تو وہ یہ جواب دیں گے کہ تمہیں تمہارے باپ کی غلطی نے ہی تو جنت سے نکالا تھا....''[2] یہ حدیث قوی ہے اور اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ جنت الماویٰ ہی تھی تاہم اس میں غور و فکر کی مزید گنجائش ابھی باقی ہے۔

کچھ علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ جنت الخلد (ہمیشگی کی یعنی آسمانی جنت) نہیں تھی کیونکہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو حکم تکلیفی دیا گیا کہ وہ اس درخت سے مت کھائیں (حالانکہ جنت میں حکم تکلیفی کا کیا دخل)۔ پھر اس میں آدم علیہ السلام سوئے بھی' اس سے نکالے بھی گئے اور اس میں ابلیس بھی داخل ہوا' یہ تمام اشیاء ہمیشگی کی جنت کے منافی ہیں۔ یہ قول حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، وہب بن منبہؒ اور سفیان بن عیینہؒ سے مروی ہے۔ ابن قتیبہؒ

---

(۱) [البقرة : 35]

(۲) [مسلم (193) كتاب الايمان : باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها' بخارى (4476،44) مسند احمد (12154) ترمذى (2593) ابن ماجه (4312) ابن حبان (6464) أبو يعلى (2889) طيالسى (1966) ابن أبى شيبة (450/11) أبو عوانة (178/1)]

نے المعارف میں اور قاضی منذر بن سعیدؒ نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو پسندیدہ کہا ہے۔ قاضی منذرؒ نے اس موضوع پر باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں معتزلہ اور قدریہ سے بھی یہی قول نقل فرمایا ہے۔ تورات میں بھی اسی کی صراحت ہے۔ اس سلسلے میں اختلافی آراء امام ابن حزمؒ نے الملل والنحل میں اور امام ابن عطیہؒ نے اپنی تفسیر میں اور ابوعیسیٰ الرمانی نے اپنی تفسیر میں نقل فرمائی ہیں۔ پہلا قول جمہور کی طرف منسوب ہے۔ ابوالقاسم الراغبؒ اور قاضی ماوردیؒ نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ جس جنت سے آدم علیہ السلام کو نکالا گیا اس کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جنت الخلد تھی اور دوسرا یہ کہ وہ کوئی خاص جنت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا علیہما السلام کے لیے ہی بنایا تھا اور پھر اسے ان کے لیے دارالابتلاء بنا دیا' وہ جنت الخلد نہیں تھی جسے دارالجزاء بنایا گیا ہے۔

جن حضرات کا خیال ہے کہ دارالابتلاء کے طور پر دونوں کے لیے کوئی الگ جنت بنائی گئی تھی ان میں سے کچھ کا کہنا ہے کہ وہ آسمان میں تھی جس سے دونوں کو اتارا گیا۔ یہ قول حسنؒ سے مروی ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ وہ زمین میں تھی کیونکہ اس میں دونوں کا امتحان ہوا تھا کہ فلاں درخت کا پھل مت کھاؤ۔ یہ قول ابن یحییٰ سے مروی ہے۔ علاوہ ازیں یہ قصہ ابلیس کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دینے کے بعد کا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاضی ماوردیؒ' جنہوں نے اس سلسلے میں تین اقوال نقل فرمائے ہیں' کے متعلق مشہور ہے کہ وہ خود اس بارے میں کوئی خاص رائے نہیں رکھتے تھے۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس بارے میں چار اقوال نقل فرمائے ہیں۔ تین قاضی ماوردی والے اور چوتھا یہ کہ اس بارے میں توقف کرنا چاہیے۔ ابوعلی جبائی سے مروی ہے کہ وہ جنت آسمان میں تھی لیکن جنت الماویٰ کے علاوہ کوئی اور تھی۔

جن حضرات کا کہنا ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی انہوں نے ایک سوال کیا ہے' جس کا جواب دینا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسے اللہ کے دربار سے نکلنے اور اترنے کا حکم دیا گیا۔ یہ حکم شرعی نہیں تھا کہ جس کی مخالفت ہو سکتی' یہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک فیصلہ تھا جسے رد کرنا ناممکن تھا۔ اسی باعث اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یہاں سے ذلیل اور راندہ درگاہ ہو کر نکل جا۔''[۱] ایک دوسرے مقام پر فرمایا ''اس سے اتر جا' تیرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرتا۔''[۲] ایک اور مقام پر فرمایا ''اس سے نکل جا یقیناً تو راندۂ درگاہ ہے۔''[۳] اللہ تعالیٰ کے

(۱) [الأعراف : 17]

(۲) [الأعراف : 13]

(۳) [الحجر : 34]

فرمان ''اس سے نکل جا یا اتر جا'' میں ضمیر جنت یا آسمان یا شیطان کے مقام و مرتبہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تاہم ضمیر کسی جانب بھی لوٹے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جہاں سے نکلنے کا حکم دیا وہ وہاں نہ تو ٹھہر سکتا ہے اور نہ ہی وہاں سے تجاوز کر سکتا تھا۔ اور قرآن کے ظاہری سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کے لیے وسوسہ ڈالتے ہوئے کہا ''کیا میں تمہاری رہنمائی ہمیشہ کے درخت اور ایسی بادشاہت پر نہ کروں جو کبھی ختم نہ ہوگی۔''(۱) اور یہ بات کہہ کر بھی وسوسہ ڈالا کہ ''تمہیں تو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ تم فرشتے بن جاؤ گے یا پھر ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اور اس نے دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں' پس اس نے دونوں کو دھوکے سے جھکا دیا...''(۲) ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ شیطان جنت سے نکلنے کے بعد دونوں کے ساتھ ان کی جنت میں اکٹھا ہوا تھا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ شیطان ان کے ساتھ ٹھہرا نہیں بلکہ گزرتے ہوئے مخاطب ہوا تھا' اس نے انہیں یا تو جنت کے دروازے پر وسوسہ ڈالا یا آسمان کے نیچے سے۔ یہ تینوں اقوال حتمی نہیں بلکہ ان میں مزید تدبر و تفکر کی گنجائش ہے۔ (واللہ اعلم) جنہوں نے اس رائے کو اپنایا ہے (کہ آدم علیہ السلام کی جنت زمین میں تھی) انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ''جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب تھا تو انہوں نے انگور مانگا۔ ان کے بیٹے انگور لینے کے لیے نکلے تو ان کی ملاقات فرشتوں سے ہوئی۔ فرشتوں کے پوچھنے پر انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا باپ جنت کا انگور کھانا چاہتا ہے۔ فرشتوں نے کہا اب اس کی ضرورت نہیں پڑے گی' چنانچہ جب وہ واپس آئے تو فرشتے آدم علیہ السلام کو فوت کر چکے تھے۔ انہوں نے اسے غسل دیا' خوشبو لگائی اور کفن پہنایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور فرشتوں کی ایک جماعت نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور انہیں دفن کیا اور کہا کہ تمہارے فوت شدگان کو اس طرح چھپایا جائے گا۔'' یہ حدیث آدم علیہ السلام کی وفات کے بیان میں آئندہ تفصیلاً آرہی ہے۔ اس سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے وفات کے وقت جنت کا انگور کھانے کی خواہش کی اور بیٹے اسے لینے کے لیے نکل پڑے' اگر وہ جنت زمین میں نہ ہوتی تو بیٹے اس کا پھل لینے کے لیے کیوں نکلتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنتِ آدم زمین میں تھی۔ (واللہ اعلم)

ان حضرات نے اس آیت ﴿ يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾ ''اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو''(۳) کے متعلق کہا ہے کہ اس میں لفظ الجنۃ پر اگرچہ الف لام عہد ذہنی کا ہے' کیونکہ اس سے قبل کسی معہود کی

(۱) [طه: 120] (۲) [الأعراف: 20-22]

(۳) [الأعراف: 19]

طرف اشارہ نہیں' لیکن اس سے مراد وہی جنت ہے جس پر سیاقِ کلام دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ یہ تو معلوم ہے کہ آدم علیہ السلام زمین سے پیدا ہوئے لیکن ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ پھر انہیں آسمان پر لے جایا گیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام کو زمین کے لیے ہی پیدا کیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ﴿ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ ''میں زمین میں خلیفہ و جانشین بنانے والا ہوں۔''(۱) انہوں نے بطورِ دلیل قرآن سے یہ مثال بھی پیش کی ہے کہ ﴿ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ ﴾ (۲) اس آیت میں لفظ الجنۃ کا الف لام نہ تو عموم کے لیے ہے اور نہ ہی معہود لفظی کے لیے بلکہ معہود ذہنی کے لیے ہے جس پر سیاقِ کلام دلالت کرتا ہے اور وہ ''باغ'' ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لفظِ هبوط (یعنی اترنا) صرف آسمان سے اترنے کے لیے ہی نہیں آتا۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ ﴾ (۳) جب نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری اور پانی خشک ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ زمین کی طرف اترو' تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر ہماری طرف سے برکت و سلامتی ہو۔ ایک دوسری آیت یوں ہے کہ ﴿ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ﴾ ''تم شہر میں اترو بلاشبہ تمہارے لیے وہاں وہ کچھ ہوگا جس کا تم نے سوال کیا ہے۔''(٤) اور ایک مقام پر ہے کہ ﴿ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ﴾ ''اور بلاشبہ ان میں سے بعض اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔''(٥) احادیث اور لغت میں اس کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر یوں کہہ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ جنتِ آدم زمین کے عام علاقوں کی نسبت زیادہ بلند تھی' جہاں ہر قسم کے پھل' درخت' سائے' نعمتیں' تروتازگی اور خوشی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴾ ''بلاشبہ اس میں نہ تو بھوکا ہوگا اور نہ ہی بے لباس۔''(٦) ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ﴾ ''اور بلاشبہ نہ تو اس میں پیاسہ ہوگا اور نہ دھوپ (کی سختی) محسوس کرے گا۔''(٧) ان آیات میں دو دو چیزیں اکٹھی اس لیے بیان کی گئی ہیں کیونکہ ان کا باہم گہرا تعلق ہے۔

---

(۱) [البقرہ : 30]

(۲) [قلم : 17]

(۳) [هود : 48]

(٤) [البقرة : 61]

(٥) [البقرة : 74]

(٦) [طه : 118]

(٧) [طه : 119]

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھایا تو انہیں شدت وسختی' ابتلاء وآزمائش اور محنت ومشقت کی زمین میں اتار دیا گیا' ایسی زمین کہ جس کے باشندوں کے مابین مذہب' عادات واطوار اور معیشت ومعاشرت اور افعال واقوال میں اختلاف تھا' یہ ایک سخت امتحان کی صورت تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ ﴾ ''اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانہ اور فائدہ ہے۔''(۱) اب یہاں کوئی وجہ نہیں کہ آدم علیہ السلام کا آسمان میں ہونا لازم قرار دیا جائے۔ اسی انداز سے ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے کہ ﴿ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴾ ''اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمادیا کہ اس سرزمین پر تم رہو سہو' ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم سب کو سمیٹ اور لپیٹ کر لے آئیں گے۔'' یہ بات ظاہر ہے کہ وہ زمین میں تھے آسمان میں نہیں۔ زمین میں رہنے کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ پہلے زمین میں نہ تھے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ اس سے نہ تو جنت وجہنم کے وجود کا انکار لازم آتا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو جنت وجہنم کے وجود کے منکر ہیں' بلکہ جنتِ آدم کے زمین پر ہونے کے سب کے سب قائلین جنت وجہنم کے وجود کے بھی قائل ہیں۔ قرآنی آیات اور صحیح احادیث بھی اسی کو ثابت کرتی ہیں۔ (واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان﴿ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے انہیں جنت سے بہکا دیا' یعنی انہیں جنت کی نعمتوں سے محروم کر کے دنیوی مشقتوں میں مبتلا کر دیا' ان کے دل میں وسوسہ ڈال کر برائی کو ان کے لیے مزین کر دیا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ ... مِنَ الْخَالِدِينَ ﴾(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تم ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ' مراد یہ ہے کہ اگر تم اس کا پھل کھالو گے تو تم ہمیشہ کے لیے اس مقام کے رہائشی بن جاؤ گے اور اس نے قسمیں کھا کھا کر انہیں کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں' جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ ﴿ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ ... لَا يَبْلَى ﴾(۳) یعنی اس نے کہا کہ میں تمہیں ایسے درخت کے متعلق نہ بتاؤں جس کا پھل کھانے سے تمہیں ہمیشہ کی نعمتیں اور بادشاہت حاصل ہو جائے گی۔ یہ شیطان کا جھوٹ اور فریب تھا جس کا حقیقت سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ تاہم شجرة الخلد جس کا پھل کھانے سے ہیشگی کی زندگی حاصل ہوتی ہے' ممکن ہے کہ اس کا حقیقی وجود بھی ہو جیسا کہ امام احمدؒ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار 100 سال تک چلتا رہے گا

(۱) [البقرة : 36]
(۲) [الأعراف : 20]
(۳) [طه : 120]

لیکن اس کا سایہ ختم نہیں ہوگا اور وہ ہمیشگی کا درخت ہے۔''(۱)

ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کے بعد دونوں کی حالت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ... وَرَقِ الْجَنَّةِ ﴾ ''پس وہ (شیطان) ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا' پھر انہوں نے درخت کو چکھا تو دونوں کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہوگئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔''(۲) سورۂ طٰہ میں ہے کہ ﴿ فَأَكَلَا مِنْهَا ... وَرَقِ الْجَنَّةِ ﴾ ''چنانچہ دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا تو ان کے ستر کھل گئے اور جنت کے پتے اپنے اوپر جوڑنے لگے۔''(۳) پہلے حضرت حواء علیہا السلام نے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اس پر ابھارا' جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے ﴿ لَوْلَا حَوَّاءَ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا ﴾ ''اگر حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے خاوند کی خیانت نہ کرتی۔''(۴) اہل کتاب کے پاس موجود تورات میں ہے کہ سب سے پہلے ایک سانپ نے حواء علیہا السلام کو پھل کھانے کی رہنمائی کی تھی' وہ سانپ خوبصورت اور ضخیم الجثہ تھا۔ اسی کے کہنے پر حواء علیہا السلام نے خود بھی پھل کھایا اور آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا۔ اس روایت میں ابلیس کا ذکر نہیں۔ جب انہوں نے پھل کھا لیا تب ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں' پھر وہ انجیر کے پتوں سے اپنا ستر چھپانا شروع ہو گئے۔

حضرت وہب بن منبہؒ نے کہا ہے کہ وہ پہلے ہی بے لباس تھے' ان کا لباس صرف نور ہی تھا۔ واضح رہے کہ تورات کی یہ روایت تحریف شدہ ہے۔ کیونکہ قرآن' جو پہلی کتابوں کو پرکھنے کے لیے کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے' سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے بدنوں پر لباس موجود تھا۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ ﴿ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا

---

(۱) [مسند احمد (455/2) مسند طیالسی (332/10)، (2547) سنن دارمی (2895) كتاب الرقاق : باب في اشجار الجنة' مسند عبد الله بن مبارك (122) مسند عبد بن حميد (1461) لفظ شجرة الخلد کے علاوہ باقی حدیث کے لیے دیکھئے: بخاری (3251) كتاب بدء الخلق : باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة' مسلم (2826) كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها : باب ان في الجنة شجرة يسير الراكب في ظلها عام لا يقطعها' ترمذی (2523) نسائی فی السنن الکبری (11564) ابن حبان (7412)]

(۲) [الأعراف : 22]

(۳) [طه : 121]

(٤) [بخاری (3330) كتاب احاديث الأنبياء : باب خلق آدم وذريته' مسلم (1470) كتاب الرضاع : باب لو لا حواء لم تخن أنثى زوجها الدهر' مسند احمد (249/2) مستدرك حاكم (7449) أبو عوانة (3652) صحيح ابن حبان (4243)]

سَوْآتِهِمَا﴾ ''ان کا لباس بھی اتروا دیا تا کہ وہ انہیں ان کی شرمگاہیں دکھائے۔''(۱) یہ آیت تورات کی مذکورہ بالا روایت کا رد کرتی ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو وہ لمبے قد والے، بہت زیادہ سر کے بالوں والے تھے، گویا وہ کھجور کا لمبا درخت ہیں۔ جب انہوں نے (ممنوعہ درخت کا) پھل کھایا تو ان کا لباس اتر گیا، سب سے پہلے ان کے سامنے ان کی شرمگاہ ظاہر ہوئی، جب انہوں نے اپنے ستر کو دیکھا تو جنت میں بھاگنے لگے کہ ایک درخت نے ان کے بال پکڑ کر انہیں کھینچ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آواز دی ''آدم! کہاں بھاگ رہے ہو؟'' جب انہوں نے رحمٰن کا کلام سنا تو کہا، اے رب! میں بھاگ نہیں رہا بلکہ مجھے تو حیا آ رہی ہے۔''(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت کے جن پتوں سے حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام نے اپنے ستر کو ڈھانپا تھا، وہ انجیر کے درخت کے تھے۔(۳) اس روایت کی سند ابن عباس رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے۔ یہ معنی اہل کتاب سے ماخوذ ہے۔ آیت کے الفاظ عام ہیں لیکن اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کو تسلیم کر لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلاشبہ تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) کھجور کے لمبے درخت کی مانند، 60 ہاتھ لمبے، بہت زیادہ بالوں والے اور ستر پوشی کرنے والے تھے۔ جب انہوں نے جنت میں غلطی کی تو ان کی شرمگاہ ظاہر ہوگئی، وہ جنت سے نکلے۔ پھر ایک درخت نے ان کے سامنے آ کر ان کے پیشانی کے بال پکڑ لیے۔ پھر ان کے رب نے انہیں پکارا کہ اے آدم! کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، نہیں بلکہ تجھ سے حیا آ رہی ہے۔(٤)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ ... مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''اور ان کے رب نے انہیں پکارا کہ کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے؟ دونوں نے کہا، اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''(٥) یہ اپنی غلطی کا اعتراف، اس پر ندامت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی

(۱) [الأعراف : 27]

(۲) [مستدرك حاكم (262/2) امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔]

(۳) [مستدرك حاكم (319/2) امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔]

(٤) [تفسير طبرى (188/1) تفسير ابن أبى حاتم (132/2)]

(٥) [الأعراف : 22-23]

ومحتاجی کا اظہار تھا۔اسی فقیری ومسکنت کے انداز سے جو بھی آدم علیہ السلام کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا وہ یقیناً دنیا وآخرت میں فلاح پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ قَالَ اهْبِطُوْا ... اِلٰی حِیْنٍ ﴾ ''ایسی حالت میں نیچے اتر جاؤ کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور تمہارے لیے زمین میں رہنے کی جگہ اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا ہے۔''(۱) یہ آدم، حواء اور ابلیس کو خطاب ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے ساتھ سانپ بھی تھا' انہیں کہا گیا کہ تم سب جنت سے اتر جاؤ' تمہاری آپس میں عداوت ومخاصمت ہوگی۔ یہ خطاب سانپ کو بھی تھا اس کے لیے بطورِ دلیل وہ روایت پیش کی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپ قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا'' جب سے ہم نے ان سے لڑائی کی ہے اس وقت سے ان سے صلح نہیں کی۔''(۲) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان﴿ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ ''تم سب اس سے اتر جاؤ' تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔''(۳) میں خطاب آدم علیہ السلام اور ابلیس کو ہے اور حواء آدم کے جبکہ سانپ ابلیس کے تابع تھا۔ البتہ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ اگرچہ تثنیہ ہے لیکن خطاب سب کو ہے' جیسے ایک آیت میں ہے کہ ﴿ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ ... شٰهِدِیْنَ ﴾ ''اور داود اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جبکہ وہ کھیت کے معاملے میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چر چگ گئی تھیں اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے۔''(٤) واضح رہے کہ حاکم مدعی اور مدعا علیہ کی موجودگی میں ہی فیصلہ کرتا ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں جمع کا صیغہ استعمال فرمایا﴿ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴾۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تثنیہ کے صیغے سے بھی جمع ہی مراد ہے۔

تاہم ھبوط (یعنی اترنے) کے دوبارہ حکم﴿ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا ... هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾(٥) کے متعلق بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ پہلا حکم جنت سے آسمانِ دنیا پر اترنے کا تھا اور دوسرا آسمانِ دنیا سے زمین پر۔ لیکن یہ رائے درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ''اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانہ اور فائدہ ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا حکم زمین پر اترنے کا ہی تھا۔ صحیح قول یہ ہے کہ دونوں سے ایک ہی اترنا مراد

(۱) [الأعراف : 24]

(۲) [حسن صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (5248) کتاب الأدب : باب فی قتل الحیات ' مسند احمد (247/2) صحیح الجامع الصغیر (6141) صحیح الترغیب والترھیب (2983) کتاب الأدب وغیرہ : باب الترغیب فی قتل الوزغ وما جاء فی قتل الحیات وغیرھا]

(۳) [طه : 23]

(٤) [الأنبیاء : 78]

(٥) [البقرة : 36-39]

ہے۔ یہ محض لفظی تکرار ہے اور ہر حکم کے ساتھ ایک الگ حکم دیا گیا ہے۔ پہلے کے ساتھ فرمایا کہ ان کی باہمی عداوت ہو گی اور دوسرے کے ساتھ فرمایا کہ جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ خوش بخت اور جو مخالفت کرے گا وہ بد بخت ہو گا۔ قرآن کریم میں اس انداز کی کئی آیات موجود ہیں۔

حافظ ابن عساکرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم و حواء کو اس کے جوار و پڑوس سے جدا کر دیں۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کے سر کا تاج اتارا اور میکائیل علیہ السلام نے ان کی پیشانی سے موتیوں سے بنا پٹکا اتارا اور اسے ایک ٹہنی پر لٹکا دیا تو آدم علیہ السلام نے گمان کیا کہ انہیں جلد سزا دی گئی ہے تو انہوں نے اپنا سر جھکا کر اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا' نہیں بلکہ حیاء کی وجہ سے (ایسا کر رہا ہوں) اے میرے آقا! امام اوزاعیؒ نے حسان بن عطیہؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں 100 سال ٹھہرے رہے۔ ایک روایت میں 60 سال کا ذکر ہے۔ جنت سے نکلنے پر 70 سال' اپنی غلطی پر 70 سال اور اپنے بیٹے کے قتل پر 40 سال روئے۔ اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ''دحنا'' نامی ایک وادی میں اتارا گیا جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ حسنؒ سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو ہند میں' حواء علیہا السلام کو جدہ میں' ابلیس کو دستمیان (مقام) میں' جو بصرہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے' اور سانپ کو اصبہان میں اتارا گیا۔ اسے ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ سدیؒ[1] نے کہا ہے کہ آدم علیہ السلام ہند میں اترے' وہ اپنے ساتھ حجر اسود اور جنت کے خوشبودار پتے لے کر آئے اور انہوں نے وہ پتے زمین میں پھیلا دیئے' پھر اسی باعث خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو صفا اور حواء علیہا السلام کو مروہ میں اتارا گیا۔ اسے بھی ابن ابی حاتم نے ہی نقل کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کا فن سکھا دیا اور جنت کے کچھ پھل بھی ساتھ دے دیئے۔ یہ تمہارے پھل جنت کے پھلوں سے ہی ہیں' فرق صرف یہ ہے کہ یہ خراب ہو جاتے ہیں اور جنت کے پھل خراب نہیں ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت

(۱) [سدیؒ کا مکمل نام اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابو کریمہ القرشی ہے۔ امام احمدؒ اور امام عجلیؒ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ابن حبانؒ نے اسے ''ثقات'' میں ذکر کیا ہے۔ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ نے کہا ہے کہ میں نے ہر ایک کو سدی کے متعلق خیر کے کلمات ہی کہتے ہوئے سنا ہے۔ امام نسائیؒ نے اسے صالح کہا ہے۔ امام ابن عدیؒ نے کہا ہے کہ وہ میری نزدیک مستقیم الحدیث صدوق ہے۔ امام ابن معینؒ' امام عقیلیؒ اور امام ابو زرعہؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے صدوق یہم کہا ہے۔ [الثقات للعجلی (ص / 66) الجرح والتعدیل (184/2) الکامل لابن عدی (274/1) المغنی (137/1) الکاشف (75/1) التهذیب (313/1)]

آدم جنت میں صرف اتنا وقت ٹھہرے جتنا نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیان ہے۔(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اسی میں جنت میں داخل کیے گئے اور اسی میں اس سے نکالے گئے۔" اور ایک دوسری صحیح روایت میں ہے کہ "اسی روز قیامت قائم ہوگی۔"(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدم وحواء علیہما السلام کو اکٹھے عریاں حالت میں زمین پر اتارا گیا' ان کے بدن پر صرف پتے ہی تھے' آدم علیہ السلام کو گرمی محسوس ہوئی تو رونا شروع کر دیا اور حواء علیہا السلام کو بتایا کہ مجھے گرمی کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس روئی لائے اور حواء علیہا السلام کو روئی کاتنے کا طریقہ سکھایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو کپڑا بننے کا طریقہ سکھایا۔ اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام جنت میں اپنی بیوی سے ہم بستر نہیں ہوئے یہاں تک کہ (ممنوعہ) درخت کا پھل کھا بیٹھے اور جنت سے نکال دیئے گئے۔ اور فرمایا کہ وہ دونوں الگ الگ سوتے تھے' ان میں سے ایک وادی کے ایک کنارے اور دوسرا دوسرے کنارے سوتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا' اپنی بیوی کے قریب جاؤ اور پھر انہیں بیوی کے قریب جانے کا طریقہ سکھایا۔ پھر جب آدم علیہ السلام اپنی بیوی کے قریب گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا' تم نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ انہوں نے کہا' اچھا پایا۔(۳) یہ روایت غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا نہایت منکر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سلف میں سے کسی سے یہ منقول ہو۔ اس روایت میں سعید بن میسرہ ابوعمران بکری بصری راوی ہے جسے امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے' ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ یہ من گھڑت روایتیں بیان کرتا ہے اور امام ابن عدیؒ نے اس کے معاملے کو تاریک قرار دیا ہے۔

توبہ کے لیے آدم علیہ السلام کو کون سے کلمات سکھائے گئے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ "آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔"(۴) بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ ان کلمات سے مراد یہ الفاظ ہیں ﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ

(۱) [مستدرك حاکم (542/2) امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔]

(۲) [مسلم (854) كتاب الجمعة : باب فضل يوم الجمعة ' ترمذی (488) كتاب الجمعة : باب ما جاء فی فضل يوم الجمعة ' نسائی (89/3) أحمد (401/2) ابن خزيمة (1729)]

(۳) [تاريخ ابن عساكر (353/2) اس روایت کی سند کو امام سیوطیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ [الدر المنثور (138/1)]

(٤) [البقرة : 37]

نہ کرتا۔''(۱) بیہقی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی منفرد اور ضعیف ہے۔

یہ آیت ﴿ فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مانند ہے ﴿ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى، ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى ﴾ ''آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گیا۔ پھر اس کے رب نے اسے منتخب فرمایا' اس کی توبہ قبول فرمائی اور اسے ہدایت سے نوازا۔''(۲)

آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے مابین بحث وتمحیص

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے بحث ومباحثہ کیا اور کہا کہ آپ نے اپنی غلطی کے ذریعے تمام لوگوں کو جنت سے نکلوا دیا۔ آدم علیہ السلام نے جواب میں کہا' اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے منتخب فرمایا ہے' کیا آپ مجھے ایسے کام پر ملامت کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے بھی پہلے لکھ رکھا تھا۔ پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے (ایسا دو مرتبہ ہوا)۔''(۳)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین جھگڑا ہوا' موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے آدم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی' پھر آپ نے لوگوں کو جنت سے نکلوا دیا؟ آدم علیہ السلام نے کہا کہ آپ وہی موسیٰ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے' کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کرتے ہو جسے میں نے کیا مگر زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ پر لکھ رکھا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ کہہ کر) آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''(٤)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین جھگڑا ہوا' موسیٰ علیہ السلام نے کہا' اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں مگر آپ نے ہمیں خسارے میں مبتلا کر دیا اور جنت سے نکلوا دیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا کہ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا، کیا تم مجھے ایسے کام پر ملامت کرتے ہو

---

(۱) [موضوع : السلسلة الضعيفة (25) التوسل وأنواعه وأحكامه (ص / 118) مستدرك حاكم (565/2) امام امام حاکم ؒ نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے، جبکہ امام ذہبیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔]

(۲) [طه : 121-122]

(۳) [بخاري (4738) كتاب تفسير القرآن : باب قوله فلا يخرجنكما من الجنة فتشقى ' مسلم (2652) كتاب القدر : باب باب حجاج آدم وموسى ' موطا (1394) ابوداود (4701) كتاب السنة : باب في القدر ' ابن ماجه (80) مقدمة : باب في القدر ' ترمذی (2134) كتاب القدر : باب ما جاء في حجاج آدم وموسى ' السلسلة الصحيحة (909) مسند احمد (268/2) السنن الكبرى للنسائي (394/6)]

(٤) [مسند احمد (398/2)]

جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے ہی میری تقدیر میں لکھ دیا تھا۔ پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ فرمایا۔''(۱) ابن ماجہ کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دس سندوں سے روایت کیا ہے۔

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے ملے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا' آپ آدم ہیں' آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا' آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا' آپ کو جنت میں آباد کیا' پھر بھی آپ نے وہ کچھ کر دیا جو کہ آپ جانتے ہی ہیں؟ آدم علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ تم وہی موسیٰ ہو کہ تم سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا' لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے تمہارا انتخاب فرمایا اور تجھ پر تورات بھی نازل فرمائی؟ انہوں نے کہا' ہاں۔ تو آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے تورات میں یہ پایا ہے کہ یہ کام میری تخلیق سے بھی پہلے میری تقدیر میں لکھا جا چکا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا' ہاں۔ پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا۔(۲)

(5) ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' آدم علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پاس مناظرہ ہوا' تو آدم علیہ السلام غالب آ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے آدم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا' آپ میں اپنی روح پھونکی' آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا' آپ کو اپنی جنت میں آباد کیا' پھر آپ نے اپنی غلطی کی وجہ سے تمام لوگوں کو جنت سے نکلوا دیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم موسیٰ ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام کے لیے منتخب فرمایا' تمہیں تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا بیان ہے' اس نے سرگوشی کرنے کے لیے تمہیں اپنے قریب کیا۔ بتاؤ اللہ تعالیٰ نے یہ تورات میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے لکھی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا' 40 سال پہلے۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا' کیا اس میں یہ مکتوب ہے ﴿ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ﴾ ''اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گیا۔''(۳) کہا' ہاں لکھا ہے۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا' تم مجھے ایسے کام پر ملامت کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مجھے پیدا کرنے سے 40 سال پہلے لکھ دیا تھا۔ پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔(٤)

(6) مسند ابو یعلی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا' اے رب! مجھے اس آدم سے ملواؤ جس نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکلوا دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ملاقات کرا دی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا'

---

(۱) [مسند احمد (248/2)]

(۲) [صحیح : السلسلة الصحیحة (909/2) مسند احمد (464/2)]

(۳) [طه : 121]

(٤) [مسند احمد (268/2)]

کچھ کمی کرے۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین کو پناہ دے دی اور مٹی لیے بغیر ہی واپس لوٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کو جا کر قصہ سنا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو مٹی لینے بھیجا تو انہوں نے بھی واپس آ کر اسی طرح کا قصہ سنا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتوں کو روانہ کیا' جب وہ زمین پر پہنچے تو زمین نے ان سے بھی اسی طرح کی بات کہی تو انہوں نے جواب دیا ہم اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیے بغیر واپس جانے سے پناہ مانگتے ہیں' چنانچہ انہوں نے زمین کے مختلف مقامات سے سفید' سرخ اور سیاہ (ہر طرح کی) مٹی پکڑ لی۔ یہی وجہ ہے اولادِ آدم بھی مختلف رنگوں کی ہے۔ جب وہ فرشتے مٹی لے کر اوپر گئے تو انہوں نے اس میں پانی ملا کر اسے چپکنے والی لیس دار مٹی بنا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا ﴿اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا ... فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ﴾ ''میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب میں اسے ٹھیک طور پر بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔''(۱) اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا تا کہ ابلیس اپنے آپ کو اس سے بڑا نہ سمجھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے انسانی صورت دی تو وہ چالیس سال تک مٹی کے ڈھانچے کی شکل میں پڑا رہا' یہ مدت جمعہ کے دن کے برابر تھی۔ جب اس کے قریب سے فرشتے گزرتے تو گھبرا جاتے' ابلیس سب سے زیادہ گھبرایا' جب وہ اس کے قریب سے گزرتا تو اسے مارتا' جس سے اس کے جسم سے کھنکھناتی مٹی کی مانند آواز پیدا ہوتی۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ ''(اسے) ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے (پیدا کیا)۔''(۲)

ابلیس نے (اللہ تعالیٰ سے) کہا' تو نے اسے کیوں پیدا کیا ہے؟ پھر وہ اس کے منہ سے داخل ہوا اور پشت سے باہر نکل آیا اور فرشتوں سے کہنے لگا' اس سے مت گھبراؤ' بلاشبہ تمہارا رب ٹھوس ہے اور یہ خالی ہے' اگر مجھے اس پر مسلط کیا گیا تو میں اسے ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مخاطب ہو کر کہا' جب میں اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گر جانا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی اور روح اس کے سر میں داخل ہوئی تو آدم علیہ السلام کو چھینک آئی۔ فرشتوں نے آدم سے کہا' الحمد للہ کہو۔ تو انہوں نے الحمد للہ کہا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کہا رحمك ربك ''تیرا رب تجھ پر رحم کرے۔'' روح آنکھوں میں داخل ہوئی تو آنکھوں نے جنت کے پھل دیکھے۔ جب پیٹ میں داخل ہوئی تو پیٹ نے بھوک محسوس کی۔ پھر اس سے پہلے کہ روح پاؤں تک پہنچتی وہ اُچھلے تا کہ جلدی سے جنت کے پھلوں تک پہنچ جائیں۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ ''انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے۔''(۳) پھر تمام فرشتوں نے سجدہ کیا

---

(۱) [ص : 71-72] (۲) [الرحمن : 14]

(۳) [الأنبياء : 37]

لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔[(۱)] اس قصے کا کچھ حصہ دیگر احادیث سے ثابت ہے مگر اس کا اکثر حصہ اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا تو جب تک چاہا اسے بغیر روح کے ہی چھوڑے رکھا۔ (اس دوران) ابلیس نے اس کے گرد چکر لگائے اور جب دیکھا کہ وہ اندر سے خالی ہے تو کہا' یہ مخلوق اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکے گی۔''[(۲)]

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا '' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی اور روح سر تک پہنچی تو آدم علیہ السلام کو چھینک آئی' اس پر انہوں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں کہا يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ''اللہ تجھ پر رحم کرے''۔[(۳)]

(5) حافظ ابو بکر بزارؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں مرفوعا روایت نقل فرمائی ہے۔[(٤)]

(6) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا ہے کہ جب فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو سب سے پہلے اسرافیل نے سجدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے یہ شرف عطا فرمایا کہ اس کی پیشانی پر قرآن لکھ دیا۔ اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

(7) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا' جب مٹی گارا بن گئی تو اسے چھوڑ دیا' جب وہ بدبودار اور کالی ہو گئی تو اس کی صورت بنا دی' پھر جب ٹھیکری کی طرح بجنے لگی تو شیطان گزرتا اور کہتا کہ یقیناً تجھے کسی بڑے کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ روح سب سے پہلے آنکھ اور ناک میں پہنچی تو آدم علیہ السلام کو چھینک آئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے کلمات رحمت سکھائے اور کہا ''اللہ تجھ پر رحم کرے''۔ پھر فرمایا' اے آدم! (فرشتوں کے) اس گروہ کی طرف جا' انہیں سلام کہہ اور دیکھ کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ آدم علیہ السلام آئے اور انہیں سلام کہا' جواب میں انہوں نے بھی سلام کہا' انہوں نے مزید یہ بھی کہا کہ اے آدم! یہ تیرا اور تیری اولاد کا تحفہ ہے۔ یہ سن کر آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا' میری اولاد سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے آدم! میرا ایک ہاتھ پسند کر لے تو آدم علیہ السلام نے دایاں ہاتھ پسند کر لیا اور (واضح رہے کہ)

---

(۱) [تاریخ طبری (1/62-63)]

(۲) [مسلم (2611) کتاب البر والصلة والآداب : باب خلق الانسان خلقا لا يتمالك' مسند احمد (3/152) ابن حبان (6163) طیالسی (2024) حاکم (1/105) عبد بن حمید (1389) ابو یعلی (3232)]

(۳) [صحیح ابن حبان (6271)' (8/14)]

(٤) [طبقات ابن سعد (1/911)]

(13) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی سے ملتی جلتی روایت مروی ہے۔ (۱)

(14) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت ﴿ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ ... قَالُوْا بَلٰى ﴾ (۲) کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے متعلق سوال ہوا تھا' آپ نے جواب میں فرمایا تھا ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اس کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے اس کی اولاد کو نکال کر کہا کہ یہ جنتی ہیں اور جنتیوں جیسے ہی عمل کریں گے۔ پھر اس کی پشت پر ہاتھ پھیر کر اس کی اولاد نکالی اور کہا' میں نے انہیں آتشِ جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں جیسے ہی عمل کریں گے۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ (کیونکہ یہ تو پہلے ہی طے ہے کہ فلاں جنت میں جائے گا اور فلاں جہنم میں)؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے وہ وفات تک اہل جنت جیسے ہی عمل کرتا رہتا ہے اور بالآخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے وہ وفات تک اہل جہنم جیسے عمل کرتا رہتا ہے اور بالآخر جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔'' (۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کو چیونٹیوں کی صورت میں نکال کر ان کے دو گروہ بنائے اور دائیں جانب والوں کو جنتی اور بائیں جانب والوں کو جہنمی قرار دیا اور برملا اعلان کیا کہ مجھے اس کی یکسر کوئی پرواہ دامن گیر نہیں۔ تاہم یہ واضح رہے کہ گواہ بنانے اور بول کر وحدانیت کا اقرار کرانے والی بات معتبر احادیث میں مذکور نہیں۔ لہٰذا سورۂ اعراف کی آیت ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کو اس پر محمول کرنا قابل غور ہے۔ اس سے متعلقہ تمام روایات و آثار مختلف الفاظ کے ساتھ ہم نے اپنی تفسیر (یعنی تفسیر ابن کثیر) میں درج کر دیے گئے ہیں' تفصیل کا طالب اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

(15) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے عرفہ کے روز مقامِ نعمان پر تمام اولادِ آدم کو چیونٹیوں کی صورت میں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا اور ان کے سامنے بکھیر دیا' پھر ان سے آمنے سامنے کلام کیا اور عہد لیا کہ ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ... فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے

(۱) [مسند احمد (299/1)]

(۲) [الأعراف : 172]

(۳) [**ضعیف** : ضعیف ترمذی' ترمذی (3075) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الأعراف' ضعیف الجامع الصغیر (1602) السلسلة الضعیفة (3071) ابوداود (4703) کتاب السنة : باب فی القدر' المشكاة (95) العقیدة الطحاویة للألبانی (ص / 266) مسند احمد (298/1) السنن الكبرى للنسائی (347/6) مستدرك حاكم (391/7) تفسیر ابن أبی حاتم (9298) صحیح ابن حبان (6272) مشكل الآثار للطحاوی (3271) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے جبکہ شیخ البانیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ البتہ شیخ البانیؒ نے سنن ابوداود کی تحقیق میں اسے صحیح اور عقیدہ طحاویہ کی تحقیق میں اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ ہیں۔ (یہ عہد ہم نے اس لیے لیا) تا کہ روزِ قیامت تم لوگ یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔ یا یوں کہو کہ پہلے پہلے شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے' سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہم کو ہلاکت میں ڈال دے گا؟"۔ (۱) اس کی سند قوی وجید اور مسلم کی شرط پر ہے۔ البتہ اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔

(16) جمہور علماء کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے پختہ عہد لیا تھا' اس کے لیے بطورِ دلیل وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزِ قیامت ایک جہنمی سے کہا جائے گا کہ اگر تمہیں زمین کے تمام خزانے عطا کر دیئے جائیں تو کیا تو اپنے آپ کو جہنم سے آزاد کرانے کے لیے وہ تمام خزانے دینے کو تیار ہے؟ وہ اثبات میں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے' میں نے تجھ سے اس سے آسان کام کا مطالبہ کیا تھا۔ تو ابھی آدم کی پشت میں ہی تھا کہ میں نے تجھ سے وعدہ لیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا' لیکن تو نے اس کی مخالفت کی اور میرے ساتھ شریک بنایا۔"(۲)

(17) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ ... ﴾ اور اس کے بعد والی آیت کے متعلق مروی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والوں کو جمع کیا۔ ان کی صورتیں بنانے کے بعد انہیں کہا' کلام کرو' تو وہ کلام کرنے لگے۔ پھر ان سے عہد لیا اور اس پر انہیں ہی گواہ بنایا۔ پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا' کیوں نہیں! پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں تم پر ساتوں آسمانوں' ساتوں زمینوں اور تمہارے باپ (آدم علیہ السلام) کو گواہ بناتا ہوں تا کہ روزِ قیامت تم یہ نہ کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ جان لو کہ میرے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں' میرے علاوہ کوئی پروردگار نہیں' اس لیے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا' میں تمہاری طرف اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تمہیں میرے وعدے سے ڈرائیں گے اور میں تم پر اپنی کتاب نازل کروں گا۔ سب نے کہا' ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا معبود اور پروردگار ہے' تیرے سوا ہمارا کوئی پروردگار نہیں اور تیرے سوا ہمارا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ اس روز سب نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا۔ آدم علیہ السلام کو بلند کیا گیا تو انہوں نے سب کی طرف دیکھا' ان میں امیر و غریب اور خوبصورت و بدصورت ہر طرح کے لوگ نظر آئے۔ یہ دیکھ کر آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ

---

(۱) [مسند احمد (272/1) مستدرك حاكم (27/1) مجمع الزوائد للهيثمي (25/7) مشكل الآثار للطحاوى (378/8) ، (3272)]

(۲) [بخارى (3334) كتاب أحاديث الأنبياء : باب خلق آدم و ذريته ' مسلم (2805) كتاب صفة القيامة والجنة والنار : باب طلب الكافر الفداء بملء الأرض ذهبا ' مسند احمد (127/3) طبراني اوسط (301/15) تفسير ابن أبي حاتم (11229) أبو يعلى (17/8) صحيح ابن حبان (7474) مسند شاميين (360/7)]

بھوسے سے غلے کو الگ کیا' اسے پیسا' آٹا گوندھا اور روٹی پکائی۔ اتنی محنت وتھکاوٹ کے بعد کھانا نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اسی بارے میں ہے ﴿ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ﴾ ''وہ (شیطان) تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے کہ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ۔''(۱)

حضرت آدم وحواء علیہما السلام نے زمین میں سب سے پہلے بھیڑ کی اُون کا لباس پہنا۔ پہلے اُون کو کاٹ کر اسے کاتا' پھر آدم علیہ السلام نے اس سے اپنے لیے جبہ بنایا اور حواء علیہا السلام نے اپنے لیے قمیص اور اوڑھنی۔ کیا جنت میں آدم وحواء کے ہاں اولاد ہوئی تھی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جنت میں اولاد نہیں ہوئی تھی اور بعض کا خیال ہے کہ جنت میں بھی اولاد ہوئی تھی۔ قابیل اور اس کی بہن جنت میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ (واللہ اعلم) بیان کیا گیا ہے کہ ان کے ہاں ہر مرتبہ لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے اور انہیں یہ حکم تھا کہ پہلے جوڑے کی لڑکی کی شادی دوسرے جوڑے کے لڑکے کے ساتھ اور دوسرے جوڑے کی لڑکی کی شادی پہلے جوڑے کے لڑکے کے ساتھ کی جائے۔ ایک جوڑے کا باہمی نکاح ناجائز تھا۔ یوں یہ سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔

ہابیل وقابیل کا قصہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ ... مِنَ النَّادِمِينَ ﴾ ''آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو' ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا' ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا میں تجھے مار ہی ڈالوں گا' اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔ گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا' میں تو اللہ تعالیٰ پروردگارِ عالم سے خوف کھاتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے' ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا' جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دے' وہ کہنے لگا کہ ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا ہوں کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا؟ پھر تو (بڑا ہی) پشیمان اور شرمندہ ہو گیا۔''(۲)

ہم نے اپنی تفسیر (یعنی تفسیر ابن کثیر) میں اس کے متعلق مفصل بحث کی ہے (وللہ الحمد)۔ اب یہاں ہم اس کا

(۱) [طه : 117]

(۲) [المائدة : 27-31]

خلاصہ بیان کرتے ہیں جو اس قصے کے متعلق ائمہ سلف نے ذکر کیا ہے۔

سدیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام ہر پیدا ہونے والے جوڑے میں سے لڑکے کی شادی دوسرے جوڑے کی لڑکی سے کر دیتے اور یوں ہابیل کی شادی قابیل کی بہن کے ساتھ طے پائی۔ قابیل، ہابیل سے بڑا تھا' قابیل کی بہن زیادہ خوبصورت تھی اس لیے وہ خود ہی اپنی بہن کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا۔ آدم علیہ السلام نے اسے روکا مگر وہ اپنی بات پر مصر رہا۔ تو آدم علیہ السلام نے دونوں کو قربانی کا حکم دیا اور خود حج کے لیے روانہ ہو گئے اور جاتے وقت اپنی اولاد کی حفاظت کی ذمہ داری آسمانوں پر ڈالی' مگر انہوں نے انکار کر دیا' پھر زمینوں اور پہاڑوں پر یہ ذمہ داری ڈالی مگر انہوں نے بھی انکار کر دیا تو بالآخر قابیل نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ پھر ہابیل اور قابیل دونوں نے اپنی اپنی قربانی پیش کی۔ ہابیل چونکہ بکریوں والا تھا اس لیے اس نے ایک موٹی تازی اور نہایت عمدہ بکری پیش کی اور قابیل کھیتی والا تھا اس لیے اس نے ایک ردی قسم کی فصل کا گٹھا پیش کیا۔ آسمان سے آگ آئی اور ہابیل کی قربانی کھا گئی لیکن اس نے قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ اس پر قابیل نے ناراض ہو کر اپنے بھائی کو کہا میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ اگر تو بچنا چاہتا ہے تو میری بہن سے شادی کا ارادہ ترک کر دے۔ یہ سن کر ہابیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کا عمل ہی قبول فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ کی قسم! آدم کا قتل ہونے والا بیٹا زیادہ طاقتور تھا لیکن اس نے گناہ سے بچنے کے لیے اپنا ہاتھ اپنے دوسرے بھائی کی طرف نہیں بڑھایا۔

حضرت ابو جعفرؒ سے مروی ہے کہ جب دونوں نے قربانی کی اس وقت آدم علیہ السلام بھی موجود تھے۔ قابیل نے آدم علیہ السلام سے کہا' تم نے ہابیل کے لیے دعا کی ہے اس لیے یقیناً اس کی قربانی ہی قبول ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ہابیل کو قتل کی دھمکی بھی دے دی۔ ایک رات ہابیل دیر تک بکریاں چرا کر واپس نہ آیا تو آدم علیہ السلام نے قابیل کو اس کا پتہ کرنے کے لیے بھیجا۔ دونوں کی ملاقات ہوئی تو قابیل نے کہا' تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہیں ہوئی۔ تو اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کا عمل ہی قبول کرتا ہے۔ یہ سن کر قابیل غصے میں آ گیا' اس نے تیز دھار والے لوہے سے ہابیل کو قتل کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نے سوتے ہوئے ہابیل کے سر پر پتھر مار کر اسے ہلاک کر دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے اس کا گلا دبا کر اور درندوں کی مانند منہ سے کاٹ کر اسے قتل کیا۔ جب قابیل نے قتل کی دھمکی دی تو ہابیل نے کہا ﴿ لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ ... الْعَالَمِيْنَ ﴾ ''گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا' میں تو اللہ تعالیٰ پروردگارِ عالم سے خوف کھاتا ہوں۔''

پتھر کی طرح ہو جاؤ۔‘‘(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جب کسی جان کو ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو اس کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے پر پڑتا ہے کیونکہ اسی نے پہلی مرتبہ قتل کا طریقہ جاری کیا۔‘‘(۲)

دمشق کے شمال میں قاسیون نامی پہاڑ میں ایک غار ہے جس کا نام ’’مغارۃ الدم‘‘ ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قابیل نے اس کے پاس اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔ یہ روایت اہل کتاب سے ماخوذ ہے۔ اس کی صحت کے متعلق اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ حافظ ابن عساکرؒ نے احمد بن کثیرؒ کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ وہ ایک نیک آدمی تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ‘ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ہابیل کو خواب میں دیکھا۔ پھر انہوں (یعنی احمد بن کثیرؒ) نے ہابیل سے قسم لی کیا اسی جگہ پر اس کا خون بہایا گیا تھا‘ تو اس نے قسم اٹھا کر اثبات میں جواب دیا اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ اس مقام کو جائے قبولیت بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات قبول فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرما دی اور فرمایا کہ میں‘ ابوبکر اور عمر ہر جمعرات کو اس مقام کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ محض ایک خواب ہے‘ اگر احمد بن کثیرؒ نے اسے دیکھا بھی ہو تب بھی اس سے شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ (واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ ... ﴾ ’’اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھود رہا تھا...‘‘ کے متعلق بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کیا تو ایک سال اسے اپنی پشت پر اٹھائے رکھا۔ بعض نے 100 سال اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے۔ سدیؒ نے صحابہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ دونوں کوے بھائی تھے۔ ان کی آپس میں لڑائی ہو گئی اور ایک نے دوسرے کو قتل کر ڈالا‘ پھر قاتل کوے نے زمین کرید ی اور مقتول کوے کو اس میں چھپا دیا۔ قابیل نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس نے بھی اپنے بھائی کو زمین میں دفن کر دیا اور کہا‘ ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا ہوں کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا؟۔

مؤرخین اور اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام اپنے بیٹے ہابیل کے قتل پر بہت غمگین ہوئے حتی کہ اس کے متعلق

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود‘ ابو داود (4259) کتاب الفتن والملاحم : باب فی النهی عن السعی فی الفتنة‘ ابن ماجه (3961) کتاب الفتن : باب التثبت فی الفتنة‘ ارواء الغلیل (2451) صحیح الجامع الصغیر (2049) السلسلة الصحیحة (1682) المشکاة (5399) مسند احمد (18897) السنن الکبری للبیهقی (191/8) مستدرك حاکم (5624) طبرانی کبیر (206/20) صحیح ابن حبان (6062)]

(۲) [بخاری (3335) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب خلق آدم وذریته‘ مسلم (1677) کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات : باب بیان اثم من سن القتل‘ ابن ماجه (2616) کتاب الدیات : باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما‘ نسائی (3985) کتاب تحریم الدم : باب تحریم الدم‘ صحیح الجامع الصغیر (7387) مسند احمد (3913) ابن ابی شیبة (402/6) السنن الکبری للبیهقی (15/8) عبد الرزاق (464/10)]

شعر کہہ ڈالے۔ یہ بات ابن جریرؒ نے ابن حمیدؒ سے نقل کی ہے۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

''علاقے اور اہل علاقہ تبدیل ہو گئے' زمین کا چہرہ غبار آلود اور قبیح ہو گیا' ہر رنگ وذائقے والی چیز تبدیل ہو گئی اور خوش وخرم چہرے کی خوشی کم ہو گئی۔''

آدم علیہ السلام کو جواب دیا گیا کہ ''اے قابیل کے باپ! وہ دونوں اکٹھے ہی قتل ہو گئے' زندہ بھی ذبح کیے ہوئے مردہ کی طرح ہو گیا' خوشی کو خوف کھا گیا اور اب صرف چیخ وپکار ہی باقی رہ گئی ہے۔''

یہ اشعار آدم علیہ السلام کی طرف منسوب تو ہیں مگر اس میں غور وفکر کی گنجائش ہے۔ ممکن ہے آدم علیہ السلام نے اپنی زبان میں اپنے غم کا اظہار کیا ہو اور بعد میں کسی نے اسے اشعار کی شکل دے دی ہو۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ (واللہ اعلم)

مجاہدؒ نے بیان کیا کہ قابیل نے جب اپنے بھائی کو قتل کیا تو اسے بھی جلد ہی سزا مل گئی۔ اس کی پنڈلی ران کے ساتھ چمٹ گئی اور اس کا چہرہ ہر وقت سورج کی طرف رہتا خواہ سورج کسی طرف بھی گھوم جاتا۔ اپنے بھائی کے ساتھ حسد اور بغض وعداوت کی وجہ سے اسے یہ سزا دی گئی۔ اور ایک حدیث میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ ''ظلم وزیادتی اور قطع رحمی سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے فاعل کو دنیا میں ہی جلد اس کی سزا دے دے اور آخرت کی سزا الگ ہو گی۔''(۱)

آدم علیہ السلام کی اولاد کا بیان

میں نے اہل کتاب کے ہاتھوں میں ایک کتاب دیکھی جسے وہ تورات کہتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قابیل کو مہلت دی' اس نے ''نود'' مقام پر رہائش اختیار کر لی۔ اہل کتاب اس مقام کو ''قنین'' کہتے ہیں۔ پھر قابیل کی پشت سے ''خنوخ'' پیدا ہوا۔ خنوخ کے گھر ''عندر'' اور عندر کے گھر ''محادیل'' اور محادیل کے گھر ''متوشیل'' اور متوشیل کے گھر ''لامک'' پیدا ہوا۔ اس نے ''عدا'' اور ''صلا'' نامی دو عورتوں سے شادی کی۔ عداء کے گھر ''ابل'' نامی ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ وہ پہلا آدمی تھا جس نے حصولِ سایہ اور رہائش کے لیے خیمے بنائے اور خوب مال جمع کیا۔ اس کے گھر ''نوبل'' پیدا ہوا۔ یہ وہ پہلا آدمی تھا جس نے طبلہ وسارنگی ایجاد کی۔ صلا کے گھر ''توبلقین'' نامی بچہ پیدا ہوا۔ اس نے سب سے پہلے تانبے اور لوہے کی صنعت پر کام کیا اور صلا کے گھر ''نعمی'' نامی لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ اس (تورات) میں یہ بھی مکتوب ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی بیوی حواء علیہا السلام سے قربت اختیار کی تو ان کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا' جس کا نام اس کی ماں نے شیث

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (4902) کتاب الأدب : باب فی النھی عن البغی ' ابن ماجه (4211) کتاب الزھد : باب البغی ' ترمذی (2511) کتاب صفة القیامة والرقائق والورع : باب منه ' صحیح الترغیب (2537) کتاب البر والصلة : باب الترغیب فی صلة الرحم وان قطعت ' المشکاة (4932) صحیح الجامع الصغیر (5391) مسند احمد (19503) السنن الکبری للبیھقی (35/10)]

رکھا۔ یہ بچہ اس ہابیل کا متبادل تھا جسے قابیل نے قتل کیا تھا۔ پھر اس بچے سے ''انوش'' پیدا ہوا۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی پشت سے شیث پیدا ہوا تو آدم علیہ السلام کی عمر 130 برس تھی' اس کے بعد وہ تقریباً 800 سال زندہ رہے' جب انوش کی ولادت ہوئی تو شیث کی عمر 165 برس تھی اور وہ اس کے بعد 807 برس زندہ رہا۔ اس کے گھر انوش کے علاوہ بھی متعدد لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ انوش کے گھر ''قینان'' پیدا ہوا' اس وقت انوش کی عمر 90 برس تھی' وہ اس کے بعد 815 برس زندہ رہا اور اس کے گھر بھی متعدد لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ جب قینان کی عمر 70 برس ہوئی تو اس کے گھر ''مہلائیل'' پیدا ہوا' وہ اس کے بعد 840 برس زندہ رہا' اس کے ہاں بھی بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ جب مہلائیل 65 برس کا ہوا تو اس کے گھر ''یرد'' نامی لڑکا پیدا ہوا' وہ اس کے بعد 830 برس زندہ رہا اور اس کے ہاں بھی بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ جب یرد کی عمر 162 برس ہوئی تو اس کے گھر ''خنوخ'' پیدا ہوا' وہ اس کے بعد 800 سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بھی بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ جب خنوخ کی عمر 65 برس ہوئی تو اس کے گھر ''متوشلخ'' پیدا ہوا' وہ اس کے بعد 800 برس زندہ رہا اور اس کے ہاں بھی بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ جب متوشلخ 187 برس کا ہوا تو اس کے گھر ''لامک'' پیدا ہوا' وہ اس کے بعد 782 سال زندہ رہا۔ جب لامک کی عمر 182 برس ہوئی تو اس کے گھر نوح علیہ السلام پیدا ہوئے' وہ اس کے بعد 595 برس زندہ رہے' ان کے ہاں بھی لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ جب نوح علیہ السلام کی عمر 500 برس ہوئی تو اس کے گھر سام' حام اور یافث تین لڑکے پیدا ہوئے۔

یہ سب باتیں اہل کتاب کی کتاب میں موجود ہیں اور ان تاریخی باتوں کا آسمان سے نازل شدہ کتب میں محفوظ ہونا محل نظر ہے جیسا کہ متعدد علماء نے ان پر تنقید کی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ اضافہ شدہ ہیں۔ بعض نے ان باتوں کو تفسیر وزیادتی کے طور ذکر کیا ہے اور ان میں بہت سی اغلاط ہیں جنہیں ہم آگے اس کی جگہ ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ حواء علیہا السلام نے 20 مرتبہ حمل سے 40 بچوں کو جنم دیا۔ یہ بات ابن اسحاقؒ نے بیان کی ہے اور ان کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔ (واللہ اعلم) ایک قول یہ ہے کہ 120 مرتبہ حمل سے 240 بچوں کو جنم دیا اور ہر مرتبہ ایک بچہ اور ایک بچی پیدا ہوتی' پہلا بچہ قابیل اور اس کی بہن قلیما تھی اور آخری عبد المغیث اور اس کی بہن ام المغیث تھی۔ بعد ازاں لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اور وہ مختلف مقامات پر رہائش پذیر ہو گئے اور مزید ان کی نسلیں بھی بڑھتی رہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ... كَثِيرًا وَنِسَآءً ﴾ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔''(۱) مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں

(۱) [نساء: 1]

اپنے بچوں اور ان کے بچوں میں سے 4 لاکھ افراد دیکھ لیے تھے۔ (واللہ اعلم)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ... عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ "وہ اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اپنے اس جوڑے سے سکون حاصل کرے، پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو ہلکا سا حمل ٹھہر گیا سو وہ اسے لیے چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے سو اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔"[1] اس آیت میں اولاً حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہے، پھر پوری جنس کا ذکر شروع ہو گیا، یہاں صرف آدم وحواء علیہما السلام مراد نہیں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ، ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴾ "یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔"[2] ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ﴾ "بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا۔"[3] یہ بات معلوم ہے کہ شیطان کو صرف آسمانی ستاروں کے ذریعے ہی نہیں مارا جاتا (بلکہ شہاب ثاقب کے ذریعے بھی مارا جاتا ہے) تو یہاں بھی کلام کا رخ خصوص سے عموم کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔

البتہ وہ روایت جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب حواء علیہا السلام کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو شیطان اس کا چکر کاٹتا، نتیجۃً اس کا کوئی بچہ بھی زندہ نہ رہتا۔ پھر ابلیس نے خود کہا کہ بچے کا نام عبدالحارث رکھنا تب وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تو وہ بچ گیا۔ اس نے یہ کام شیطان کے کہنے پر کیا۔"[4] ابن جریر رحمہ اللہ، ابن ابی حاتم رحمہ اللہ اور ابن مردویہ رحمہ اللہ نے اپنی اپنی تفاسیر میں یہ روایت اس آیت کے تحت نقل کی ہے اور حاکم نے اسے اپنی مستدرک میں بیان کیا ہے اور اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ یہ روایت بخاری اور مسلم میں نہیں۔ ترمذی نے اسے حسن اور غریب کہا ہے۔ مذکورہ روایت کے متعلق زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ صحابی کا قول ہے اور ظاہر یہ ہے کہ صحابی نے بھی یہ روایت اسرائیلیات سے لی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت موقوفاً مروی ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ کعب احبار (اہل کتاب کے ایک عالم جو بعد

(۱) [الأعراف : 189-190] (۲) [المومنون : 12-13]

(۳) [الملك : 5]

(٤) [ضعیف : ضعیف ترمذی، ترمذی (3077) كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة الأعراف، ضعيف الجامع الصغير (4769) السلسلة الضعيفة (342) مسند احمد (11/5) مستدرك حاكم (248/9) طبرانی كبير (356/6) تفسير ابن أبي حاتم (9407)]

میں مسلمان ہو گئے) جیسے لوگوں سے لی گئی ہے۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ حسن بصریؒ جو اس روایت کے راوی ہیں' نے خود اس روایت کے خلاف تفسیر کی ہے' اگر ان کے نزدیک یہ روایت مرفوعاً ثابت ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتے۔ نیز آدم وحواء علیہما السلام کی تخلیق کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ ان سے بہت سے افراد دنیا میں پھیلا دیئے جائیں' پھر ایسا کیسے ممکن ہوا کہ ان کا کوئی بچہ زندہ ہی نہیں رہتا تھا؟۔ لہٰذا وہم وگمان نہیں بلکہ قطعی طور پر یہ روایت نبی ﷺ سے ثابت نہیں' اس کا موقوف ہونا ہی درست ہے۔ ہم نے یہ بات اپنی تفسیر میں تفصیلاً درج کر دی ہے۔ (وللہ الحمد)

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ آدم وحواء علیہما السلام اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے' تو پھر ان کے ساتھ ایسا کیونکر ممکن تھا؟ آدم علیہ السلام ابوالبشر (تمام انسانوں کے باپ) ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا' ان میں اپنی روح پھونکی' انہیں فرشتوں سے سجدہ کرایا' انہیں تمام اشیاء کے نام سکھائے اور انہیں اپنی جنت میں رہائش دی۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا' انبیاء کتنے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک لاکھ 24 ہزار۔ پھر پوچھا' ان میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا' 313۔ پھر دریافت کیا پہلا رسول کون سا ہے؟ فرمایا' آدم علیہ السلام۔ پھر عرض کیا' کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ فرمایا ہاں' اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا' ان میں اپنی روح پھونکی اور پھر اسے درست کر دیا۔ (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں سب سے افضل فرشتے کے متعلق نہ بتاؤں اور وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور انبیاء میں افضل آدم علیہ السلام ہیں' افضل دن جمعہ ہے' افضل مہینہ رمضان ہے' افضل رات شب قدر ہے اور افضل عورت مریم بنت عمران ہے۔'' (۲) اس کی سند ضعیف ہے' اس میں نافع بن ہرمز راوی ہے' جسے امام ابن معینؒ نے کذاب اور احمدؒ' ابوزرعہؒ' ابوحاتمؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

حضرت کعب احبارؒ نے فرمایا ہے کہ جنت میں صرف حضرت آدم علیہ السلام کی داڑھی ہوگی اور وہ بھی سیاہ اور ناف تک لمبی' اور جنت میں کنیت بھی صرف انہی کی ہوگی۔ دنیا میں ان کی کنیت ابوالبشر ہے جبکہ جنت میں ابومحمد ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''اہل جنت اپنے اپنے نام سے پکارے جائیں گے سوائے آدم علیہ السلام کے' انہیں ابومحمد کہہ کر پکارا جائے گا۔'' اس روایت کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ (۳) حدیث اسراء میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ آسمان

---

(۱) [ضعیف: مسند احمد (266/5) طبرانی کبیر (7871) صحیح ابن حبان (362) امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اس روایت کے تین راوی' معاذ بن رفاعہ السلامی' علی بن یزید اور قاسم ابوعبدالرحمٰن' ضعیف ہیں۔ [تفسیر ابن کثیر (586/1) امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کا دارومدار علی بن یزید پر ہے اور وہ ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (115/3)]

(۲) [موضوع: السلسلة الضعيفة (2157) طبرانی کبیر (11361) امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند میں نافع بن ہرمز راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (140/3)]

(۳) [دیکھئے: الکامل لابن عدی (302/6) الموضوعات لابن الجوزی (2/ 428)]

دنیا پر پہنچے اور آدم علیہ السلام کے قریب سے گزرے تو آدم علیہ السلام نے کہا' صالح بیٹے اور صالح نبی کے لیے خوش آمدید۔ وہاں آدم علیہ السلام کے دائیں جانب بھی اَرواح تھیں اور بائیں جانب بھی' وہ اپنی دائیں جانب دیکھ کر مسکرائے اور بائیں جانب دیکھ کر رو پڑے۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے ارد گرد ان کی اولاد کی اَرواح ہیں۔ دائیں جانب والے چونکہ جنتی ہیں اس لیے وہ انہیں دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں اس لیے وہ انہیں دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔ (۱)

ابوبکر بزارؒ نے حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی عقل تمام اولادِ آدم کی عقل کے برابر تھی۔ بعض اہل علم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''میں یوسف کے قریب سے گزرا تو (دیکھا کہ) انہیں نصف حسن عطا کیا گیا ہے'' کے متعلق کہا ہے کہ اس سے مراد ہے' یوسف علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے حسن سے نصف حسن دیا گیا۔ یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور ان میں اپنی روح پھونکی' اس لیے انہیں ساری مخلوق سے زیادہ خوبصورت ہی ہونا چاہیے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی تو فرشتوں نے عرض کیا' اے پروردگار! اسے تو ہمارے لیے خاص کر دے کیونکہ اولادِ آدم کے لیے تو نے دنیا بنائی ہے اور وہ وہاں کھاتے پیتے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا' مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جسے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اس کی صالح اولاد کو میں ان کی طرح نہیں کروں گا جن کے لیے میں نے کہا' ہو جاؤ تو وہ وجود میں آ گئے۔ (۲) ایک روایت میں فرمانِ نبوی ہے کہ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔'' (۳) اس کی تشریح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جن کے بیان کا یہ محل نہیں۔

آدم علیہ السلام کی وفات اور وصیت کا بیان

شیث کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ' آدم وحواء علیہما السلام نے اپنے بیٹے کا یہ نام اس لیے رکھا تھا کیونکہ یہ ہابیل کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے عنایت کیا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے آسمان

---

(۱) [بخاری (349) كتاب الصلاة : باب كيف فرضت الصلاة في الاسراء' مسند احمد (17164) دلائل النبوة للبيهقي (266/2) أبو عوانة (283/1) صحيح ابن حبان (94/1) صحيح ابن خزيمة (52/2)]

(۲) [البداية والنهاية (55/1)]

(۳) [بخاری (6227) كتاب الاستئذان : باب بدء السلام ' مسلم (2612) كتاب البر والصلة والآداب : باب النهي عن ضرب الوجه ' صحيح الجامع الصغير (3233) المشكاة (3525) السلسلة الصحيحة (449) الأدب المفرد (173) مسند احمد (7021) عبد الرزاق (444/9) أبو عوانة (389/1) مسند حميدى (1171) صحيح ابن حبان (5696) مسند عبد بن حميد (903) مسند شاميين للطبراني (3286)]

سے 104 صحیفے نازل فرمائے‘ جن میں 50 شیث پر نازل کیے۔ ابن اسحاق ؒ نے بیان کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیث کو وصیت کی اور اسے شب و روز کے مختلف اوقات کی عبادات سکھائیں اور ایک بڑے طوفان کی پیش گوئی کی۔ ابن اسحاق ؒ کا بیان ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اولادِ آدم کے تمام نسب شیث تک پہنچتے ہیں کیونکہ اس کے علاوہ تمام اولادِ آدم تباہ ہو گئی تھی۔ (واللہ اعلم) آدم علیہ السلام کی وفات جمعہ کے روز ہوئی۔ فرشتے ان کے پاس حنوط (خوشبو کی ایک قسم) اور جنت سے کفن لے کر آئے اور اس کے بیٹے شیث سے تعزیت کی۔ ابن اسحاق ؒ نے بیان کیا ہے کہ سورج اور چاند سات دن و رات تک گرہن زدہ رہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر کہا‘ میں جنت کا پھل کھانا چاہتا ہوں‘ وہ پھل لینے نکلے تو راستے میں فرشتوں سے ملاقات ہوئی۔ فرشتوں کے دریافت کرنے پر انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا باپ بیمار ہے‘ وہ جنت کا پھل کھانے کی خواہش رکھتا ہے (ہم اسی کے لیے نکلے ہیں)۔ فرشتوں نے کہا‘ واپس چلو‘ تمہارے باپ کی زندگی پوری ہو چکی ہے۔ فرشتے آئے تو حواء علیہا السلام نے انہیں پہچان لیا اور آدم علیہ السلام کے ساتھ چمٹ گئیں۔ آدم علیہ السلام نے کہا‘ مجھ سے الگ ہو جا‘ میں تجھ سے پہلے پیدا ہوا تھا اس لیے تو میرے اور فرشتوں کے درمیان مت آ۔ پھر فرشتوں نے ان کی روح قبض کی‘ انہیں کفن پہنایا‘ خوشبو لگائی‘ ایک گڑھا کھود کر لحد (قبر) بنائی‘ ان پر نماز جنازہ پڑھی‘ پھر انہیں قبر میں دفن کر دیا۔ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد کہا‘ اے اولادِ آدم! میت کو دفن کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ (۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تک اس روایت کی سند صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتوں نے آدم علیہ السلام پر‘ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر (نماز جنازہ میں) چار تکبیرات کہیں۔ (۲) اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور کچھ رواۃ نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے۔

آدم علیہ السلام کہاں دفن ہوئے‘ اس بارے میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ہند میں جس پہاڑ پر وہ آسمان سے اتارے گئے تھے وہیں دفن کیے گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں جبل ابو قبیس کے قریب دفن کیے گئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب طوفانِ نوح آیا تو نوح علیہ السلام نے آدم و حواء کا تابوت اٹھا لیا اور انہیں بیت المقدس میں جا کر دفن کر دیا۔ یہ ابن جریر ؒ نے نقل کیا ہے۔ ابن عساکر ؒ نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کا سر مسجد ابراہیم کے قریب اور دونوں

---

(۱) [مسند احمد (136/5) مجمع الزوائد للهيثمي (199/8) مسند الروياني (17/3) السنن الكبرى للبيهقي (404/3)]

(۲) [الحلية لأبي نعيم (96/4) مستدرك حاكم (385/1)]

قدم بیت المقدس کے قریب ہیں۔آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سال بعد حواء علیہا السلام فوت ہوئیں۔

آدم علیہ السلام کی عمر کتنی تھی' اس میں بھی اختلاف ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مرفوع حدیث پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ لوح محفوظ میں آدم علیہ السلام کی عمر 1 ہزار برس مکتوب تھی۔تورات میں مذکور ہے کہ ان کی عمر 930 برس تھی۔ یہ بات اس لیے معتبر نہیں کیونکہ تورات اپنی اصل شکل میں موجود نہیں جبکہ حدیث موجود و محفوظ ہے۔اگر تورات کی بات تسلیم کر لی جائے تو ان میں تطبیق یوں ہو گی کہ تورات میں مذکور مدت عمر زمین پر اتارے جانے کے بعد کی ہے اور وہ قمری حساب سے 957 برس بنتی ہے اور 43 سال وہ جنت میں مقیم رہے جیسا کہ ابن جریرؒ کے حوالے سے پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے اور اس طرح آدم علیہ السلام کی عمر 1 ہزار برس مکمل ہو جاتی ہے۔

عطاءؒ نے بیان کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام فوت ہوئے تو 7 دن تک مخلوق ان پر روتی رہی [ابن عساکر]۔آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد تمام معاملات کی ذمہ داری شیث علیہ السلام نے سنبھالی۔حدیث کے مطابق وہ نبی تھے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ ان پر 50 صحیفے نازل ہوئے۔(۱) جب شیث علیہ السلام فوت ہونے لگے تو انہوں نے اپنے بیٹے انوش کو وصیت کی اور اسے تمام معاملات کا ذمہ دار بنایا۔اس کے بعد انوش کا بیٹا قینان اور اس کے بعد اس کا بیٹا مہلاییل ذمہ دار قرار پایا۔ایرانی لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ سات ولایتوں کا مالک تھا اور وہی پہلا آدمی تھا جس نے درختوں کو کاٹا' شہر بنائے' قلعے تعمیر کیے اور بابل وسوس کو آباد کیا۔اسی نے ابلیس کے لشکروں کو مختلف پہاڑوں اور گھاٹیوں کی طرف بھگا دیا اور بہت سے سرکش جنوں کو قتل کیا۔اس کا ایک بہت بڑا تاج تھا' وہ لوگوں کو وعظ کیا کرتا تھا' اس کی حکومت 40 سال قائم رہی۔اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یرد ذمہ دار بنا۔جب اس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹے خنوخ کو وصیت کی اور مشہور قول کے مطابق یہی خنوخ ہی ادریس علیہ السلام ہیں۔

(۱) [صحیح ابن حبان (213/2)، (362)]

حضرت ادریس علیہ السلام

قرآن میں تذکرہ اور نام ونسب

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ ''اور اس کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر' وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھا۔ ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھالیا۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی تعریف فرمائی اور انہیں نبوت وصدیقیت کے بلند مقام کے ساتھ متصف فرمایا اور یہی خنوخ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں متعدد علمائے انساب نے ان کا ذکر کیا ہے۔ آدم اور شیث علیہما السلام کے بعد سب سے پہلے انہیں نبوت عطا کی گئی۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تحریر کے لیے قلم استعمال کیا۔ انہوں نے آدم علیہ السلام کی زندگی کے 360 برس دیکھے۔(۲) لوگوں کے ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہی وہ نبی ہیں جن کا ذکر حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ریت پر لکھنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک نبی اس طرح لکھا کرتا تھا' پس جس کا خط اس کے موافق ہوگا وہی ٹھیک ہوگا۔''(۳) بہت سے لوگوں کے خیال میں ان کا نام ھرمس الھرامسہ ہے۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے ''بہت زیادہ تجربہ کار''۔

وفات کا بیان

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ ''اور ہم نے انہیں بلند مقام پر اٹھایا'' کی وضاحت صحیحین کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ معراج کی رات چوتھے آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے ملاقات

(۱) [مریم: 56-57] ایک دوسرے مقام پر حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر یوں آیا ہے ﴿ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴾ ''(اے نبی!) اسماعیل' ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے' یہ سب صابر لوگ تھے۔'' [الأنبیاء: 85]

(۲) [البدایة والنہایة (92/1)]

(۳) [مسلم (537) کتاب السلام: باب تحریم الکہانة واتیان الکہان' ابوداود (930) کتاب الصلاة: باب تشمیت العاطس فی الصلاة' نسائی (1218) کتاب السہو: باب الکلام فی الصلاة' صحیح الجامع الصغیر (4462) المشکاة (978) مسند احمد (22644) السنن الکبری للبیہقی (250/2) السنن الکبری للنسائی (362/1) طبرانی کبیر (331/14)]

ہوئی تھی۔ (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ کے متعلق دریافت کیا' تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی طرف وحی کی تھی کہ تمام اولادِ آدم کے اعمال کے برابر میں تمہارے اعمال آسمان کی طرف اٹھاتا ہوں (ممکن ہے اس وقت کی اولادِ آدم مراد ہو)۔ یہ سن کر ادریس علیہ السلام کی خواہش ہوئی کہ ان کے اعمال میں مزید اضافہ ہو تو انہوں نے اپنے ایک دوست فرشتے سے کہا کہ آپ ملک الموت سے میری عمر کے متعلق دریافت کریں (تاکہ مجھے اپنی عمر کے بارے میں معلوم ہو جائے اور میں مزید نیکیاں کر سکوں)۔ چنانچہ فرشتے نے ادریس علیہ السلام کو اپنے پروں پر بٹھایا اور آسمانوں کی طرف چڑھا۔ جب چوتھے آسمان پر پہنچا تو ملک الموت سے ملاقات ہوئی' وہ نیچے اتر رہا تھا' فرشتے نے ملک الموت سے ادریس علیہ السلام کے متعلق بات کی تو اس نے پوچھا ادریس کہاں ہے؟ جواب دیا' میرے پروں پر۔ اس نے کہا حیرت ہے کہ مجھے چوتھے آسمان پر ادریس کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا اور میں سوچ رہا تھا کہ ادریس تو زمین میں ہے میں چوتھے آسمان پر اس کی روح کیسے قبض کر سکتا ہوں؟ پھر اس نے وہیں پر ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ ''اور ہم نے انہیں بلند مقام پر اٹھایا''۔ (۲)

اس آیت کی تفسیر میں ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ روایت بیان کی ہے' اس میں ہے کہ ادریس نے فرشتے سے کہا کہ ملک الموت سے میری عمر کے متعلق پوچھیں تو ملک الموت اس کے پاس ہی تھا۔ اس نے ادریس کی عمر پوچھی تو ملک الموت نے کہا' میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔ پھر اس نے دیکھ کر کہا کہ ان کی عمر کا صرف پلک جھپکنے کے برابر ہی وقت باقی ہے۔ اتنے میں فرشتے نے اپنے پر کے نیچے دیکھا تو ادریس علیہ السلام کی روح قبض کی جا چکی تھی اور اسے علم بھی نہ ہوا۔ یہ روایت اسرائیلی روایات میں سے ہے اور اس کے کچھ حصے منکر ہیں۔

آیت ﴿ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ کے متعلق مجاہد رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بغیر فوت کیے آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ اگر اس سے مجاہد رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ وہ ابھی تک فوت نہیں ہوئے تو پھر یہ درست نہیں اور اگر مقصود یہ ہے کہ زمین سے تو زندہ اٹھائے گئے لیکن آسمان میں فوت کر دیئے گئے تو پھر یہ بات گزشتہ کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ہے۔ (واللہ اعلم)

عوفی رحمہ اللہ نے آیت ﴿ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ادریس علیہ السلام کو

---

(۱) [بخاری (349) کتاب الصلاۃ : باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء' مسلم (164) کتاب الایمان : باب الاسراء برسول اللہ الی السماوات ...]

(۲) [تفسیر طبری (121/9)]

چھٹے آسمان تک اٹھایا گیا اور وہاں فوت کیا گیا۔ ضحاکؒ نے بھی یہی کہا ہے۔ لیکن بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر تھے اور یہی بات صحیح ہے۔ مجاہدؒ اور دیگر بہت سے مفسرین کی یہی رائے ہے۔ حسن بصریؒ کے مطابق ادریس علیہ السلام جنت کی طرف اٹھائے گئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے باپ یرد کی زندگی میں ہی اٹھائے گئے اور ایک قول یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام سے پہلے کے نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے دور کے ہیں۔ (واللہ اعلم)

معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الیاس علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام ہی ہیں۔ (۱) انہوں نے بطور دلیل حدیثِ معراج پیش کی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا تھا' نیک بھائی اور نیک نبی کے لیے خوش آمدید۔ جبکہ آدم اور ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا' نیک بیٹے اور نیک نبی کے لیے خوش آمدید۔ (۲) اگر ادریس علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہوتے تو ان دونوں کی طرح آپ کو بیٹا کہتے۔ لیکن یہ حدیث ان کے موقف کی دلیل نہیں بنتی کیونکہ ممکن ہے کہ راوی کو الفاظ ٹھیک طور پر یاد نہ رہے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اظہارِ تواضع کے لیے اپنے آپ کو بھائی کہا ہو۔ آدم علیہ السلام چونکہ تمام انسانوں کے باپ ہیں اس لیے ان کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹا کہتے' اسی طرح ابراہیم علیہ السلام بھی خلیل اللہ اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں جن کا مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ ہے' اس لیے ان کا بھی اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا والد قرار دینا ادریس علیہ السلام سے مختلف ہے۔

(۱) [بخاری (3342) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب ذکر ادریس وھو جد أبی نوح ویقال جد نوح]

(۲) [أیضا]

حضرت نوح علیہ السلام

پیدائش اور نام ونسب

آپ علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے: نوح بن لامك بن متوشلخ بن خنوخ بن يرد بن مهلاييل بن قينان بن انوش بن شيث بن آدم (عليه السلام)۔ ابن جریرؒ وغیرہ کے قول کے مطابق نوح علیہ السلام کی ولادت آدم علیہ السلام کی وفات کے 126 برس بعد ہوئی۔ اہل کتاب کی تاریخ کے مطابق ولادتِ نوح علیہ السلام اور وفاتِ آدم علیہ السلام کے درمیان 146 سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں اور انہیں اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس نے پھر پوچھا' ان کے اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' 10 قرن۔[۱] یہ روایت مسلم کی شرط پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان 10 قرن ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔[۲]

" قـــــرن " سے مراد اگر ایک صدی ہو (جیسا کہ بہت سے لوگوں کی یہی رائے ہے) تو آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان یقیناً 1 ہزار سال کی مدت ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق ان تمام زمانوں کے لوگ مسلمان تھے اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کے درمیان اس سے بھی زیادہ عرصہ ہو اور سارے لوگ اسلام پر قائم نہ رہ سکے ہوں۔ بہر حال ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صرف 10 زمانوں پر دلالت کرتی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ ان تمام زمانوں کے لوگ اہل اسلام تھے۔ مذکورہ دونوں روایات سے اہل تاریخ کی اس بات کا رد ہوتا ہے کہ قابیل اور اس کی اولاد آگ کی پجاری تھی۔ (واللہ اعلم) اگر قرن سے مراد نسل لیا جائے جیسا کہ یہ لفظ متعدد آیات میں اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے' مثلاً ﴿ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ﴾ "اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی امتیں ہلاک کیں۔"[۳] ایک مقام پر ہے ﴿ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴾ "پھر ہم نے ان کے بعد دوسری

(۱) [طبرانی كبير (7545) صحيح ابن حبان (6157) مجمع الزوائد للهيثمی (210/8) مسند شاميين للطبرانی (230/8)، (2795) السلسلة الصحيحة (2668)]

(۲) [مستدرك حاكم (546/2) مجمع الزوائد للهيثمی (218/6) تفسير ابن أبي حاتم (380/7) دلائل النبوة (437/7)]

(۳) [الاسراء: 17]

امتوں کو پیدا کیا۔"(۱) سورۂ فرقان میں ہے ﴿ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴾ "اور اس کے درمیان بہت سی امتوں کو (ہم نے ہلاک کیا)۔"(۲) سورۂ مریم میں ہے کہ ﴿ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ﴾ "اور اس سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کیا۔"(۳) اور فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ﴾ "تمام زمانوں میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔"(٤) اور یہ ثابت ہے کہ نوح علیہ السلام سے پہلے ایک ایک نسل کے لوگ صدیوں تک زندہ رہتے تھے۔ تو اس طرح آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کا درمیانی فاصلہ ہزاروں سالوں تک پہنچ جاتا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اسی وقت نبوت سے نواز کر مبعوث فرمایا جب لوگ شرک و بت پرستی اپنا کر گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرما کر لوگوں پر رحمت فرمائی اور وہ پہلے رسول تھے جنہیں اہل ارض کی طرف بھیجا گیا۔ روزِ قیامت میدانِ محشر میں کھڑے لوگ بھی ان کے پاس آ کر انہیں یہی کہیں گے۔(٥) ابن جریرؒ وغیرہ کی رائے کے مطابق قومِ نوح بنوراسب کہلاتی تھی۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ بعثت کے وقت نوح علیہ السلام کی عمر کیا تھی؟ بعض نے 50 سال' بعض نے 350 سال اور بعض نے 480 سال نقل کی ہے۔ ابن جریرؒ نے ان اقوال کو بیان کیا ہے اور آخری قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے۔

قصہ نوح سے متعلقہ آیات

اللہ تعالیٰ نے حالاتِ نوح' حالاتِ قومِ نوح' کفر کرنے والوں پر طوفان کا عذاب اور نوح علیہ السلام اور ان کی کشتی کے رفقاء کی نجات سے متعلقہ حالات و واقعات کا تذکرہ قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں کیا ہے مثلاً الاعراف' یونس' ہود' الانبیاء' المومنون' الشعراء' العنکبوت' الصافات' القمر اور نوح کے نام سے ایک مکمل سورت نازل فرمائی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے متعلقہ قرآنی آیات حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖ ... قَوْمًا عَمِيْنَ ﴾ "ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں' مجھ کو تمہارے لیے ایک

(۱) [المومنون : 31]

(۲) [الفرقان : 38] (۳) [مریم : 74]

(٤) [بخاری (2652) کتاب الشهادات : باب لا يشهد على شهادة جور اذا أشهد ' ترمذی (2221) کتاب الفتن : باب ما جاء فی القرن الثالث ' صحيح الجامع الصغير (3293) المشكاة (3767) السلسلة الصحيحة (699) مسند احمد (3413) ابن أبي شيبة (548/7) السنن الكبرى للبيهقي (122/10) مستدرك حاكم (6021) طبرانی کبیر (413/2) صحيح ابن حبان (7351) عبد بن حميد (386) مشكل الآثار للطحاوی (445/5)]

(٥) [بخاری (3340) کتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله عزوجل ولقد أرسلنا نوحا الى قومه]

بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔انہوں نے (جواب میں) فرمایا' اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں لیکن میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان اُمور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں۔اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت' جو تمہاری ہی جنس کا ہے' کوئی نصیحت کی بات آگئی تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تا کہ تم ڈر جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور ان کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔بلاشبہ وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔''(۱)

(2) ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ... عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴾ ''اور (اے محمد!) آپ ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ پڑھ کر سنائیے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا قیام اور احکامِ الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔تم اپنی تدبیر اپنے شرکاء سمیت پختہ کر لو پھر تمہاری تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہیں ہونی چاہیے' پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا' میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے' کو نجات دی اور ان کو جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو غرق کر دیا۔پس دیکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جو ڈرائے جا چکے تھے۔''(۲)

(3) ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ ... فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ ''یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں۔(اس بات سے) کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو' مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر سوائے نیچ لوگوں کے اور کوئی نہیں جو بے سوچے سمجھے (تمہاری پیروی کر رہے ہیں)' ہم تو تمہاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے' بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔نوح (علیہ السلام) نے کہا' میری قوم کے لوگو! مجھے بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنی طرف سے کوئی رحمت عطا کی ہو' پھر وہ تمہاری نگاہوں میں نہ آئی تو کیا زبردستی میں اسے

---

(۱) [الأعراف : 59-64]

(۲) [یونس : 71-73]

تمہارے گلے منڈھ دوں' حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔ میری قوم کے لوگو! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا' میرا ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اور نہ ہی میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے بھگا سکتا ہوں' انہیں تو اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت میں پڑے ہو۔ میری قوم کے لوگو! اگر میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے بھگا دوں تو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کون کر سکتا ہے؟ کیا تم کچھ بھی نصیحت نہیں پکڑتے؟ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں' میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا' نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں' نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر تمہاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کوئی نعمت ہی نہیں دے گا' ان کے دل میں جو ہے اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' اگر میں ایسی بات کروں تو یقیناً میرا شمار ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

(قوم کے لوگوں نے) کہا اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی۔ اب تو جس چیز سے ہمیں دھمکا رہا ہے اسے ہمارے پاس لے آ' اگر تو سچوں میں سے ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور ہاں تم اسے عاجز کرنے والے نہیں۔ تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی' گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں' بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو' وہی تم سب کا پروردگار ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہو تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔

نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہیں لائے گا' لہٰذا تو ان کے کاموں پر غمگین نہ ہو۔ اور ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے ایک کشتی تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر' وہ پانی میں غرق کر دیئے جائیں گے۔ وہ (یعنی نوح علیہ السلام) کشتی بنانے لگے' ان کی قوم کے جو بھی سرداران کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے' وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم ہم پر ہنستے ہو۔ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہمیشہ رہنے والی سزا اتر آئے۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آن پہنچا اور تنور اُبلنے لگا' ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جانداروں میں سے) جوڑے (یعنی) دو (جانور' ایک نر اور ایک مادہ) سوار کر لے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی' سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے اور سب ایمان والوں کو بھی' اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا' اس کشتی میں بیٹھ جاؤ' اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے' یقیناً میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے۔

وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی موجوں میں لے کر جا رہی تھی اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے لڑکے کو' جو ایک کنارے پر تھا'

پکارا کہ اے میرے پیارے بچے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی پناہ میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا' نوح (علیہ السلام) نے کہا آج اللہ کے امر سے کوئی بچانے والا نہیں' صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا' اسی وقت دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔ فرما دیا گیا کہ اے زمین! اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان! بس کر تھم جا' اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی ''جودی'' نامی پہاڑ پر جا لگی اور فرما دیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت ہو۔

نوح (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے' یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھرانے میں سے نہیں ہے' اس کے کام بالکل ہی صالح نہیں' تمہیں ہرگز وہ چیز نہیں مانگنی چاہیے جس کا تمہیں مطلق علم نہ ہو' میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں اپنا شمار کرانے سے باز رہو۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا' میرے پروردگار! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم نہیں' اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ فرما دیا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر' جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

(اے محمد!) یہ غیب کی خبریں ہیں' جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں' اس سے پہلے انہیں نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم' اس آپ صبر کرتے رہیے (یقین جانیے) کہ انجام کار پرہیزگاروں کے لیے ہی ہے۔''(۱)

(4) ﴿ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ ... فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''نوح (علیہ السلام) کے اس وقت کو یاد کیجیے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی' ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان کے مقابلے میں ہم نے اس کی مدد کی' یقیناً وہ برے لوگ تھے پس ہم نے انہیں غرق کر دیا۔''(۲)

(5) ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ ... وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴾ ''یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف بھیجا' اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' کیا تم (اس سے) نہیں ڈرتے۔ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے' یہ تم پر فضیلت اور

(۱) [هود : 25-49]

(۲) [الأنبياء : 76-77]

بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہی ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا' ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا ہی نہیں۔ یقیناً اس شخص کو جنون ہے' پس تم اسے ایک وقت مقرر تک ڈھیل دو۔ نوح (علیہ السلام) نے دعا کی' اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر۔ تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا' جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور اُبل پڑے تو تو (حیوانات و نباتات کی) ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لے اور اپنے اہل کو بھی' مگر ان میں سے جن کی بابت ہماری بات پہلے گزر چکی ہے۔ خبردار! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا وہ تو سب غرق کر دیئے جائیں گے۔ جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر اطمینان سے بیٹھ جاؤ تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔ اور کہنا کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اترنا' اتار اور تو ہی بہتر ہے اتارنے والوں میں۔ یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور یقیناً ہم آزمائش کرنے والے ہیں۔"(۱)

(۵) ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ... الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾ "قومِ نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی (یعنی اسی قوم کے ایک فرد) نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں۔ سنو! میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ پس تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے۔ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا' میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے۔ پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو۔ قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں! تیری تابعداری تو رزیل لوگوں نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا' مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے اگر تمہیں شعور ہو۔ میں اہل ایمان کو بھگانے والا نہیں۔ میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔ آپ نے کہا' اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے۔ چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں (سوار کرا کر) نجات دے دی۔ اس کے بعد باقی تمام لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا۔ یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے' ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔ اور بیشک آپ کا پروردگار زبردست رحم کرنے والا ہے۔"(۲)

(۶) ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَلَبِثَ ... آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴾ "اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں 950 سال تک رہے' پھر تو انہیں طوفان نے دھر پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم۔ پھر ہم نے انہیں اور کشتی والوں

(۱) [المومنون : 23-30]

(۲) [الشعراء : 105-122]

کو نجات دی اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا۔‘‘(۱)

(8) ﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ... ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ ’’اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔ ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو اس زبردست مصیبت سے بچا لیا۔ اور اس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنا دیا۔ اور ہم نے اس کا (ذکرِ خیر) پچھلوں میں باقی رکھا۔ نوح (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔‘‘(۲)

(9) ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا ... مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ ’’ان سے پہلے قومِ نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ بتلا کر جھڑک دیا تھا۔ پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر۔ پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا۔ اور زمین سے چشموں کو جاری کر دیا' پس اس کام کے لیے جو مقدر کیا گیا تھا (دونوں) پانی جمع ہو گئے۔ اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی' بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔ اور بیشک ہم نے اس واقعہ کو نشانی بنا کر باقی رکھا' پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔ بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟ اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے' پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔‘‘(۳)

(10) ﴿ اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ ... اِلَّا تَبَارًا ﴾ ’’یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈراؤ (اور خبردار کر دو) اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آ جائے۔ (نوح علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقررہ تک چھوڑ دے گا۔ یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا کاش کہ تمہیں سمجھ ہوتی۔ (نوح علیہ السلام نے) کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے۔ مگر میرے بلانے سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لیے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور اَڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔ پھر میں نے انہیں بآوازِ بلند بلایا۔ اور بیشک میں نے ان سے اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی۔ اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے

---

(۱) [العنکبوت : 14-15]

(۲) [الصافات : 75-82]

(۳) [القمر : 9-17]

اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔ اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیے ہیں۔ اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا ہے اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے۔ اور تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام سے) اُگایا ہے (یعنی پیدا کیا ہے)۔ پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور (ایک خاص طریقے) سے پھر نکالے گا۔ اور تمہارے لیے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا دیا ہے۔ تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی اور ایسوں کی فرمانبرداری کی جن کے مال واولاد نے ان کو (یقیناً) نقصان ہی میں بڑھایا ہے۔ اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا۔

اور انہوں نے کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور نہ ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر کو (چھوڑنا)۔ اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا (الٰہی!) تو ان ظالموں کی گمراہی مزید بڑھا۔ (پھر) وہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیے گئے اور جہنم میں پہنچا دیے گئے اور انہوں نے اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار نہ پایا۔ اور نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے پروردگار! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں کو ہی جنم دیں گے۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔''(۱)

مذکورہ بالا آیات پر مکمل بحث ہم نے اپنی تفسیر (یعنی تفسیر ابن کثیر) میں کر دی ہے۔ یہاں ہم صرف ان کا خلاصہ اور ان سے متعلقہ احادیث اور صحابہ وسلف کے آثار واقوال ہی نقل کریں گے۔ ان آیات کے علاوہ قرآن کے چند دیگر مقامات پر بھی نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے' جہاں نوح علیہ السلام کی تعریف اور ان کے مخالفین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ وہ آیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ ﴿ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا ... عَزِيزًا حَكِيمًا ﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کی طرف اُسی طرح وحی کی ہے جیسے نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی' اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف' اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔

(۱) [نوح : 1-28]

اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔ ہم نے ان (سب) کو رسول بنایا ہے' خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تا کہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔''(۱)

2- ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ ... إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ ''اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی' ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب دیئے' ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو' سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور نیز اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہِ راست کی ہدایت کی۔''(۲)

3- ﴿ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ ... يَظْلِمُونَ ﴾ ''کیا انہیں اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں' قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور قومِ ابراہیم اور اہل مدین اور اہل مؤتکفات (جن کی بستیاں الٹ دی گئیں یعنی قومِ لوط) کی' ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے' اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔''(۳)

4- ﴿ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ... إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴾ ''کیا تمہارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں؟ یعنی قومِ نوح کی اور عاد و ثمود کی اور ان کے بعد والوں کی' جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا' ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے' لیکن انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبا لیے اور صاف کہہ دیا کہ جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور تم ہمیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو ہمیں تو اس میں بہت بڑا شبہ ہے۔''(۴)

5- ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴾ ''اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام)

(۱) [النساء : 163-165]

(۲) [الأنعام : 83-87]

(۳) [التوبة : 70]

(۴) [ابراهيم : 9]

کے ساتھ سوار کیا تھا' وہ ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا۔''(۱)

۶۔ ﴿ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴾ ''ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کیں اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔''(۲)

۷۔ ﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ ... مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بطور خاص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد کیا۔''(۳)

۸۔ ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ... فَحَقَّ عِقَابِ ﴾ ''ان سے پہلے بھی قوم نوح اور عاد میخوں والے فرعون نے جھٹلایا تھا۔ اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور اصحاب ایکہ نے بھی' یہی (بڑے) لشکر تھے۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو' تو میری سزا ان پر ثابت ہو گئی۔''(٤)

۹۔ ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ ... أَصْحَابُ النَّارِ ﴾ ''قوم نوح نے اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا اور باطل کے ذریعہ کج بحثیاں کیں' تاکہ ان سے حق کو بگاڑ دیں' پس میں نے ان کو پکڑ لیا' سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی۔ اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔''(٥)

۱۰۔ ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ ... مَنْ يُنِيبُ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے' اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ تو ان مشرکین پر گراں گزرتی ہے' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔''(٦)

---

(۱) [الاسراء : 3]

(۲) [الاسراء : 17]

(۳) [الأحزاب : 7]

(٤) [ص : 12-14]

(٥) [غافر : 5-6]

(٦) [الشوریٰ : 13]

11- ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحَابُ الرَّسِّ ... فَحَقَّ وَعِيدِ ﴾ ''ان سے پہلے قوم نوح نے، اصحاب الرس نے اور ثمود نے۔ اور عاد نے اور فرعون نے اور قوم لوط نے اور اصحاب الایکہ نے اور قوم تبع نے بھی تکذیب کی تھی۔ سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا' پس میرا وعدۂ عذاب ان پر صادق آ گیا۔''(۱)

12- ﴿ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴾ ''اور اس سے پہلے ہم نے قوم نوح کو (ہلاک کیا کیونکہ) وہ بہت نافرمان لوگ تھے۔''(۲)

13- ﴿ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَى ﴾ ''اور اس سے پہلے ہم نے قوم نوح کو (ہلاک کیا کیونکہ) وہ بہت ظالم اور سرکش تھے۔''(۳)

14- ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴾ ''اور بے شک ہم نے نوح اور ابرہیم (علیہما السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر بہت نافرمان رہے۔''(٤)

15- ﴿ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ ... مَعَ الدَّاخِلِينَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی' یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں' پھر انہوں نے ان کی خیانت کی' پس وہ دونوں (نیک بندے) ان سے اللہ کے (کسی عذاب کو) نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا (اے عورتو!) دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔''(٥)

بت پرستی کا آغاز

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان 10 قرون کا فاصلہ تھا' جو اسلام پر قائم تھے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ قرن سے مراد صدی یا ایک وقت کے لوگ ہیں۔ ان صالح لوگوں کے بعد ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے نتیجے میں شرک و بت پرستی کا آغاز ہوا۔ بت پرستی کا سبب اس روایت سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے جسے امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا

---

(۱) [ق : 12-14]

(۲) [الذاریات : 46]

(۳) [النجم : 52]

(٤) [الحدید : 26]

(٥) [التحریم : 10]

سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑنا اور نہ ودا اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا)۔''(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب وہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے وہاں بت بنا کر رکھ دو اور ان بتوں کے وہی نام رکھ دو جو ان نیک لوگوں کے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت بتوں کی پوجا شروع نہیں ہوئی لیکن جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور علم ختم ہو گیا تب ان کی پوجا شروع ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ قوم نوح کے یہی بت بعد میں عرب میں پوجے گئے۔(۲)

ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ حضرات آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کے زمانے کے صالح لوگ تھے کہ جن کے بہت پیروکار بھی تھے۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا' اگر ہم ان کی تصاویر بنا کر اپنے پاس رکھ لیں تو انہیں یاد رکھ کر ہمارا بھی عبادت کا شوق بڑھ جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تصاویر بنا لیں۔ جب وہ لوگ فوت ہوئے تو بعد والوں کے پاس ابلیس آیا اور اس نے کہا' تمہارے پہلے لوگ ان بزرگوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور انہی کی وجہ سے تم پر بارش برسائی جاتی تھی' تو ان لوگوں نے ان تصاویر کی پوجا شروع کر دی۔(۳)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ود' یغوث' یعوق' سواع اور نسر آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ''ود'' ان میں سب سے بڑا اور زیادہ نیک تھا۔ ابوالمطہرؒ نے روایت کیا ہے کہ ابوجعفرؒ نماز میں مصروف تھے کہ لوگوں نے ان کے پاس یزید بن مہلب کا ذکر کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے کہا' یزید بن مہلب اس جگہ قتل ہوئے تھے جہاں سب سے پہلے غیراللہ کی پوجا ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا ''ود'' ایک نیک آدمی تھا جس وجہ سے لوگ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ جب وہ فوت ہوا تو بابل شہر میں لوگ اس کی قبر پر بیٹھ کر گریہ زاری کرنے لگے۔ ابلیس نے ان کے اس غم کو دیکھا تو انسانی شکل میں آ کر کہنے لگا' تم اس پر اس قدر غمگین وافسردہ ہو کیا میں تمہیں اس جیسی ایک تصویر نہ بنا دوں' جو تمہارے پاس ہوگی اور اس وجہ سے تمہارے ذہنوں میں اس کی یاد بھی تازہ رہے گی۔ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے تصویر بنا کر انہیں دے دی۔ انہوں نے اس تصویر کو اپنی مجلس میں رکھا اور اس کی یاد میں بہت زیادہ محو رہے تو ابلیس نے کہا' میں تم میں سے ہر ایک کو الگ الگ تصویر نہ بنا دوں جو ہر ایک کے گھر میں رہے گی اور وہ زیادہ آسانی سے اسے یاد کر سکے گا۔

---

(۱) [نوح : 23]

(۲) [بخاری (4920) کتاب التفسیر : باب ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق]

(۳) [تفسیر طبری (122/14)]

لوگوں نے کہا' ہاں۔ تو شیطان نے ہر گھر کے لیے الگ ایک تصویر بنا دی۔ اس طرح وہ اسے یاد کرتے رہے اور ان کی اولادیں انہیں اس طرح کرتے ہوئے دیکھتی رہیں حتیٰ کہ یہ سلسلہ نسل در نسل چلا اور بالآخر بعد میں آنے والی اولاد نے ''ود'' کی پوجا شروع کر دی۔ اس طرح اللہ کے سوا سب سے پہلے ''ود'' کی عبادت کی گئی۔ (۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام بتوں کو پوجنے والی الگ الگ ایک جماعت تھی (یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے پہلے تصاویر بنائی تھیں اور بعد میں اس ڈر سے مجسمے بنائے کہ کہیں تصاویر مٹ نہ جائیں)۔

حضرت اُم سلمہ اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس گرجے کا ذکر کیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا' اس کا نام ''ماریہ'' تھا۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی کا ذکر کیا اور کہا کہ اس میں بہت سی تصاویر تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ''ان میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تھا تو وہ اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) بنا لیتے تھے اور اس میں اس (نیک) شخص کی تصاویر بنا کر رکھ لیتے' یہ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔'' (۲)

قوم کو دعوتِ توحید

جب زمین میں بت پرستی پھیل گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور پیغمبر نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا' جنہوں نے ایک اللہ کی طرف لوگوں کو بلایا' جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا ہر چیز کی عبادت سے منع کر دیا۔ نوح علیہ السلام ہی وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اہل ارض کی طرف مبعوث کیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''(روزِ قیامت) سب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ تمام انسانوں کے والد ہیں' اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا' لہٰذا آپ رب کے حضور ہماری شفاعت فرما دیں' آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حال کو پہنچ چکے ہیں۔ آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا رب آج انتہائی غصے میں ہے' اس سے پہلے وہ اتنا غصے میں کبھی نہیں آیا اور نہ ہی آج کے بعد کبھی اتنا غصے میں آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن میں نے اس کی نافرمانی کی' اس لیے مجھے تو اپنی فکر ہے' تم کسی اور کے پاس جاؤ' ہاں نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ

---

(۱) [تفسیر ابن أبی حاتم (3376/10)]

(۲) [بخاری (427) کتاب الصلاة : باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد ' مسلم (528) کتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب النهي عن بناء المساجد على القبور واتخاذ الصور ' مسند احمد (24567) نسائی (703) وفی السنن الكبرى (783/1) أبو عوانة (400/1) شرح السنة للبغوی (509) بیهقی (80/4) ابن حبان (3181)]

نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ اے نوح! آپ اہل ارض کی طرف بھیجے جانے والے سب سے پہلے رسول ہیں اور آپ کو اللہ نے شکر گزار بندے کا خطاب دیا۔ آپ ہی ہمارے لیے اپنے رب کے حضور شفاعت کر دیں' آپ دیکھ ہی رہیں ہیں کہ ہم کس حال کو پہنچ چکے ہیں۔ نوح علیہ السلام جواب میں کہیں گے کہ میرا رب آج اتنے غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اتنے غصے میں نہیں تھا اور نہ آج کے بعد کبھی اتنے غصے میں آئے گا اور مجھے ایک دعا کی قبولیت کا یقین دلایا گیا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر لی تھی' اس لیے مجھے تو آج اپنی فکر ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ... '' پھر پوری حدیث ذکر کی۔(۱)

جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دی اور انہیں کہا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی بھی بت' مجسمے اور طاغوت کی پوجا نہ کریں' اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے یہ تسلیم کریں کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴾ ''اور ہم نے اس (یعنی نوح علیہ السلام) کی اولاد کو ہی باقی چھوڑا۔''(۲) اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام دونوں کے متعلق فرمایا ﴿ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ﴾ ''اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔''(۳) مطلب یہ ہے کہ طوفان وعذاب کے بعد ہم نے صرف اولادِ نوح کو ہی زمین پر باقی چھوڑا اور پھر لامحالہ تمام انبیاء نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہی ہوئے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام بھی نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور ان کے بعد عام نبی و رسول ان کی اولاد سے ہی ہوئے اس لیے دونوں کا اکٹھا ذکر کر دیا گیا ہے۔

تمام انبیاء کو دعوتِ توحید پہنچانے کا ہی حکم تھا

اس ضمن میں آیات حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ ''اور بے شک ہم نے ہر امت کی طرف ایک رسول بھیجا (تا کہ وہ یہ پیغام پہنچا دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''(۴)

(2) ﴿ وَسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ﴾ ''آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے' انہیں پوچھیے کہ کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ معبود بنائے جن کی عبادت کی جائے؟''(۵)

---

(۱) [بخاری (4712) کتاب التفسیر : باب قوله ' ذرية من حملنا مع نوح انه كان عبدا شكورا]

(۲) [الصافات : 77]

(۳) [الحدید : 26]

(۴) [النحل : 36]

(۵) [الزخرف : 45]

(3) ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ أَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ ''تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں' لہٰذا تم سب میری ہی عبادت کرو۔''(۱)

نوح علیہ السلام کی قوم کو دعوتِ توحید

اسی لیے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا ﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ اِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''اللہ کی عبادت کرو' اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں' بلاشبہ میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے خائف ہوں۔''(۲) یہ بھی فرمایا کہ ﴿ أَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيْمٍ ﴾ ''تم صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرو' بیشک میں تم پر دردناک دن کے عذاب سے خائف ہوں۔''(۳) اور فرمایا کہ ﴿ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ، أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں' کیا پس تم ڈرتے نہیں۔''(٤) اور مزید یہ بھی فرمایا کہ ﴿ قَالَ يَا قَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَأَطِيْعُوْنِ ﴾ ''اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں' کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''(۵)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تمام طریقوں سے دعوت پیش کی۔ دن کو بھی اور رات کو بھی' خفیہ بھی اور اعلانیہ بھی' ترغیب سے بھی اور ترہیب سے بھی' لیکن کوئی طریقہ بھی ان کے لیے سود مند ثابت نہ ہوا بلکہ ان میں اکثر لوگ بغاوت و سرکشی اور بت پرستی پر ہی قائم رہے۔ وہ ہر وقت نوح علیہ السلام کی مخالفت اور ان پر ایمان لانے والوں کی تذلیل و توہین کرتے رہتے اور انہیں سنگسار اور جلاوطن کرنے کی دھمکیاں دیتے رہتے۔ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ''ہماری درست رائے یہ ہے کہ آپ گمراہ ہیں۔''(٦) جواب میں نوح علیہ السلام نے فرمایا ''میں گمراہ نہیں بلکہ راہِ راست پر ہوں' میں رب العالمین کی طرف سے تمہارے لیے پیغام لے کر آیا ہوں۔ میں تو تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے ان چیزوں کا علم ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔(۷)

فی الحقیقت اللہ کے رسول کی یہی شان ہوتی ہے کہ فصیح و بلیغ بھی ہو' خیر خواہ بھی ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی بھی سب

---

(۱) [الأنبیاء : 25]
(۲) [الأعراف : 59]
(۳) [ھود : 26]
(٤) [الأعراف : 65]
(۵) [نوح : 2-3]
(٦) الأعراف : 60]
(۷) [الأعراف : 61-62]

سے زیادہ معرفت حاصل ہو۔ قوم کے سرداروں نے کہا کہ تجھے ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں کیونکہ تیرے تابعدار تو نہایت ذلیل، حقیر قسم کے لوگ ہیں۔ انہیں اس بات پر تعجب تھا کہ ایک انسان اللہ کا رسول ہے۔ نیز وہ نوح علیہ السلام کے تابعداروں کو توہین آمیز کلمات بھی کہتے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ نہایت کمزور تھے جیسا کہ حدیث ہرقل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے متبعین کمزور ہی ہوتے ہیں۔ (۱) اس کا سبب یہ ہے کہ قبول حق کے لیے کمزوروں کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی جبکہ امراء وسرداروں کو اپنے اموال اور سرداریاں چھن جانے کا ڈر رہتا ہے۔

"بَادِيَ الرَّأْيِ" سے مراد یہ ہے کہ اے نوح! ان لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے تیری بات قبول کر لی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ جس بات پر نوح علیہ السلام کے پیروکاروں کو معیوب ٹھہرا رہے تھے وہی ان کا قابل تعریف وصف تھا۔ اسی لیے اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ یقیناً حق پہلے ہی اتنا واضح ہوتا ہے کہ اسے سمجھنے کے لیے کسی تدبر وتفکر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ جب بھی سامنے آجائے اسے فوراً قبول کرنا اور اس کے آگے اپنے آپ کو جھکا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی ہے کہ "میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت پیش کی وہ ضرور (ایک مرتبہ) جھجکا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ذرا بھی تامل وتاخیر سے کام نہیں لیا۔" (۲) اسی لیے سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی بھی فوراً بیعت کر لی گئی۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ سے تمام صحابہ بخوبی واقف تھے' اس لیے کسی کو غور وفکر کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وفات خود بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق تحریر لکھوانے کا ارادہ کیا تھا مگر پھر یہ کہہ کر ترک کر دیا کہ "اللہ اور مومن صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ہی راضی ہوں گے۔" (۳)

قوم نوح کے کافروں نے اہل ایمان سے کہا کہ "ہمیں اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نظر نہیں آتی۔" کافر سرداروں نے (نوح علیہ السلام سے) کہا' ہم تو آپ کو اپنے جیسا ایک انسان ہی دیکھتے ہیں اور آپ کے پیروکار بھی انتہائی گھٹیا اور رذیل لوگ ہیں' ہم اپنے اوپر آپ کی کوئی برتری نہیں دیکھتے بلکہ ہماری رائے میں آپ کا درجہ بہت چھوٹا ہے۔

---

(۱) [بخاری (7) کتاب بدء الوحی : باب بدء الوحی' مسند احمد (2252) السنن الکبری للبیهقی (178/9) السنن الکبری للنسائی (310/6) طبرانی کبیر (499/6) أبو عوانة (5409) أبو یعلی (2562) صحیح ابن حبان (6664) مسند شامیین للطبرانی (3060) المشکاة (5861)]

(۲) [البدایة والنهایة (101/1)]

(۳) [مسلم (2383) کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل أبی بکر الصدیق' ابو داود (4660) کتاب السنة : باب فی استخلاف أبی بکر' ابن ماجه (93) مقدمة : باب فضل أبی بکر الصدیق' مسند احمد (3580) نسائی فی السنن الکبری (8104) حمیدی (113) ابن أبی شیبة (473/11) ابن حبان (6855) عبد الرزاق (20398) شرح السنة للبغوی (3867)]

جواب میں نوح علیہ السلام نے کہا' میری قوم کے لوگو! مجھے بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس سے کوئی رحمت عطا کی ہو' پھر وہ تمہاری نگاہوں میں نہ آئی ہو تو کیا زبردستی میں اسے تمہارے گلے منڈھ دوں حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔[1] نوح علیہ السلام کا یہ نرم اندازِ تکلم حق کی طرف دعوت کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق تھا کہ ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ ''تم اس سے نرم بات کرو' ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کرے یا (اللہ تعالیٰ سے) ڈر جائے۔''[2] ایک دوسرا فرمانِ باری تعالیٰ یوں ہے کہ ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے ایسے طریقے کے ساتھ بحث و مباحثہ کرو جو سب سے اچھا ہو۔''[3]

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو یہ فرمایا کہ ''مجھے بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس سے کوئی رحمت عطا کی ہو' اس سے مراد منصبِ نبوت ہے۔ اور اس بات ''اور وہ تمہاری نگاہوں میں نہ آئی ہو'' سے مراد یہ ہے کہ تم اسے سمجھ نہیں سکے اور نہ تم نے اسے ذریعہ ہدایت بنایا۔ ''کیا میں زبردستی اسے تم پر لازم کر دوں'' سے مراد ہے کہ میں تمہیں اس پر کیسے مجبور کر سکتا ہوں جبکہ تم خود اسے پسند ہی نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ تمہاری ہدایت کا ذریعہ بھی کیسے بن سکتی ہے؟ ''اے میری قوم! میں تم سے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا' بلکہ میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے۔'' مراد یہ ہے کہ اس دعوت و تبلیغ کے کام کے بدلے میں کوئی دنیاوی مفاد کا طلب گار نہیں ہوں بلکہ اس کا بدلہ تو مجھے اپنے پروردگار سے لینا ہے' یقیناً وہی بدلہ زیادہ نفع مند ہے۔

نوح علیہ السلام کے اس فرمان ''اور میں اہل ایمان کو بھگانے والا نہیں...'' سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر سرداروں نے یہ شرط لگائی ہوگی کہ پہلے تو ایمان والوں کو اپنے آپ سے دور بھگا پھر ہم تیری بات سنیں گے۔ لیکن نوح علیہ السلام نے واضح طور پر اس کا انکار کرتے ہوئے کہا' وہ تو اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں' اگر انہوں نے وہاں میری شکایت کر دی تو میں کیا جواب دوں گا؟ میں تو اس بات سے خائف ہوں لہٰذا تمہیں بات سمجھ جانا چاہیے۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی کفارِ قریش نے اسی قسم کا مطالبہ کیا تھا کہ آپ عمار، صہیب، بلال اور خبیب رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے کمزور اہل ایمان کو اپنے سے الگ کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے روک دیا تھا۔ ہم اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں سورۂ انعام اور سورۂ کہف میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

نوح علیہ السلام کی اس بات ''میرے جن پیروکاروں کو تم حقیر سمجھتے ہو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ انہیں خیر و بھلائی

(۱) [هود : 27-28] (۲) [طه : 44]

(۳) [النحل : 125]

عطا نہیں کرے گا' ان کے دلوں کی حالت اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے اور اگر میں ایسا کہوں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔'' کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ گواہی نہیں دے سکتا کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے کوئی بھلائی نہیں ہو گی کیونکہ ان کے دلوں کی حالت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ انہیں ان کے دلوں کے حالات کے مطابق ہی بدلہ دے گا' اگر وہ اچھے ہوئے تو اچھا بدلہ ملے گا اور برے ہوئے تو سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ قَالُوٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ . . . نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''قوم نے (نوح علیہ السلام کو) جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں' تیری تابعداری تو رزیل لوگوں نے کی ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا' مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں شعور ہو تو۔ میں اہل ایمان کو دھکے دینے والا نہیں۔ میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں۔''(۱)

نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان یہ بحث ومباحثہ کا سلسلہ طویل عرصے تک جاری رہا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ ''وہ (نوح علیہ السلام) ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے' پھر انہیں طوفان نے آلیا اور وہ ظالم تھے۔''(۱) اتنا لمبا عرصہ لوگوں کو دعوت دینے کے باوجود بہت کم لوگ ایمان لائے' جب ایک زمانے کے لوگ فوت ہونے لگتے تو پیچھے والوں کو وصیت کرتے کہ وہ ساری زندگی نوح (علیہ السلام) پر ایمان نہ لائیں۔ اسی طرح جب کوئی بچہ بالغ ہوتا اور بات سمجھنے لگتا تو والد اسے وصیت کرتا کہ وہ ساری زندگی نوح (علیہ السلام) پر ایمان نہ لائے۔ نوح علیہ السلام کے سارے دور میں یہ سلسلۂ وصیت جاری رہا۔ اسی لیے نوح علیہ السلام نے (اپنے قوم کے متعلق) فرمایا کہ ''وہ صرف نافرمان اور کافر کو ہی جنم دیں گے۔''(۲) اور اسی باعث قوم نے نوح علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی۔ اب تو ہمیں جس چیز سے دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ' اگر تو سچوں میں سے ہے۔ جواب میں نوح (علیہ السلام) نے کہا تھا' اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور ہاں تم اسے عاجز کرنے والے نہیں۔''(۳) یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اسے کسی کی پرواہ نہیں' وہ تو جس کام کے لیے بھی کہتا ہے ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتا ہے۔ پھر نوح علیہ السلام نے جواب میں یہ بھی کہا کہ ''تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی' گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں' بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو' وہی تم سب کا پروردگار ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''(٤) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرنا چاہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا' وہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے' اسے خوب علم ہے کہ کون

(۱) [العنکبوت : 14]
(۲) [الشعراء : 111-115]
(۳) [هود : 32-33]
(٤) [هود : 34]

ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ اللہ کی حکمت نہایت عمدہ دلیل غالب آنے والی اور باطل کو مٹا دینے والی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ﴾ ''نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہیں لائے گا'' دراصل یہاں نوح علیہ السلام کو قوم کی طرف سے انکارِ دعوت کے سلسلے میں پیش آمدہ حالات پر تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کو غمگین نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ اب مدد اترنے والی ہے اور ان کے ساتھ نہایت عجیب معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دے دیا کہ ﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ ... اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴾ ''اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر' وہ پانی میں غرق کر دیئے جائیں گے۔''(۱)

قوم کی نافرمانی پر بددعا اور کشتی کی تیاری کا حکم

امر واقعہ یہ ہے کہ جب نوح علیہ السلام قوم سے بالکل مایوس ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اب ایمان نہیں لائیں گے اور قوم کے لوگوں نے بھی آپ کو اپنے قول و فعل سے اذیت پہنچانے' جھٹلانے اور مخالفت کرنے پر ہر طرح کی کوشش کر لی تو انہوں نے غصہ میں آ کر بددعا کر دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ... الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴾ ''اور بے شک نوح (علیہ السلام) نے ہمیں پکارا اور ہم اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔ ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو اس زبردست مصیبت سے بچا لیا۔''(۲) ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ، فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''(نوح علیہ السلام نے) کہا' اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے' پس میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کر اور مجھے اور میرے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات دے۔''(۳) ایک اور مقام پر فرمایا ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ ''پس اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ میں بے بس ہو چکا ہوں تو میری مدد فرما۔''(۴) اور ارشاد ہے کہ ﴿ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴾ ''(نوح علیہ السلام نے) کہا' اے میرے پروردگار! میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔''(۵) ایک اور ارشاد یوں ہے کہ ﴿ مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا ... كَفَّارًا ﴾ ''یہ لوگ اپنے گناہوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور انہوں نے اللہ کے علاوہ اپنا کوئی مددگار نہ پایا۔ اور (نوح علیہ السلام نے) کہا' اے میرے پروردگار! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے اور

(۱) [ھود : 37] (۲) [الصافات : 75]
(۳) [الشعراء : 117-118] (۴) [القمر : 10]
(۵) [المومنون : 26]

بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور کافروں کو ہی جنم دیں گے۔''(۱)

معلوم ہوا کہ قومِ نوح کی ہلاکت کے کئی اسباب جمع ہو گئے تھے یعنی ان کا کفر، ان کی نافرمانی اور نبی کی بددعا۔ لہٰذا نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا حکم ہوا' یہ اتنی بڑی کشتی تھی کہ نہ تو ایسی کشتی پہلے کبھی بنی تھی اور نہ بعد میں۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے پہلے ہی کہہ دیا کہ جب میرا عذاب نازل ہو جائے تو پھر تم مجھ سے اپنی قوم کے بارے میں رحم کی کوئی سفارش نہ کرنا۔ غالباً یہ اس لیے کہا گیا کہ کہیں اللہ کے عذاب کو دیکھ کر انہیں رحم نہ آ جائے کیونکہ سنی سنائی بات دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ﴿ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴾ ''تم ظالموں کے بارے میں مجھ سے مخاطب مت ہونا کیونکہ وہ تو یقیناً غرق کر دیئے جائیں گے۔''(۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ﴾ ''اس (نوح علیہ السلام نے) کشتی بنانی شروع کر دی تو جب بھی اس کی قوم کا کوئی سردار اس کے قریب سے گزرتا تو اسے مذاق کرتا۔''(۳) کیونکہ جس عذاب سے نوح علیہ السلام نے ڈرایا تھا انہیں اس کی آمد کا یقین نہ تھا۔ نوح علیہ السلام نے ان سے کہا ﴿ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴾ ''اگر تم ہمیں مذاق کرتے ہو تو بلاشبہ ہم بھی تم سے اسی طرح مذاق کریں گے جیسے تم مذاق کرتے ہو۔''(٤) مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات پر مذاق کریں گے کہ تم اپنے کفر پر ہی اَڑے رہے حتیٰ کہ عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اور نوح علیہ السلام نے ان سے یہ بھی کہا ہے کہ ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴾ ''پس عنقریب تم جان لوگے کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر ہمیشگی کا عذاب اترتا ہے۔''(٥)

قومِ نوح کفر و عناد میں اس قدر سخت تھی کہ روزِ قیامت بھی وہ اس بات سے انکار کر دیں گے کہ ان کے پاس کوئی رسول ہدایت کی غرض سے آیا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ اے نوح! کیا تو نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے' جی ہاں اے پروردگار! پھر اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کے متعلق پوچھیں گے تو وہ اس بات سے انکار کر دیں گے کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نوح (علیہ السلام) سے گواہ طلب کریں گے' تو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کو گواہ بنائیں گے۔ پھر وہ امت اس بات کی گواہی دے گی کہ انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا۔''(٦) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے ﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

(۱) [نوح: 25-27] (۲) [هود: 37]
(۳) [هود: 83] (٤) [هود: 38]
(٥) [هود: 39]
(٦) [بخاری (3339) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى انا أرسلنا نوحا الى قومه]

النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دو اور رسول تم پر گواہی دے۔“(۱)

مذکورہ آیت میں لفظِ وسط سے مراد عدل ہے۔ پس یہ امت اپنے صادق مصدوق نبی ﷺ کی گواہی پر گواہی دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' ان پر حق نازل فرمایا اور اسی کا انہیں حکم دیا اور انہوں نے اسے نہایت احسن انداز میں اپنی امت تک پہنچا دیا اور ہر ایسی دین کی بات جس میں ان کا فائدہ تھا اس کا انہیں حکم دے دیا اور ہر ایسی بات جس میں ان کا نقصان تھا اس سے انہیں روک دیا اور ڈرا دیا اور دیگر تمام انبیاء کی بھی یہی شان تھی حتی کہ ہر نبی نے اپنی امت کو مسیح دجال سے بھی ڈرایا حالانکہ ان کے زمانے میں اس کے خروج کی کوئی توقع تک نہ تھی' انہوں نے محض ان پر شفقت و رحم کرتے ہوئے ایسا کیا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ان الفاظ میں تعریف کی جن کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے' پھر دجال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میں تمہیں اس سے ڈرا رہا ہوں اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے' بلاشبہ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے' البتہ میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی بھی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی۔ خبردار ہو جاؤ کہ وہ کانا ہے اور خدائی کا دعویدار ہو گا حالانکہ اللہ کانا نہیں۔(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں دجال کے متعلق ایسی بات نہ بتاؤں جو کسی بھی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی (اور وہ یہ ہے کہ) وہ کانا ہے اور وہ جنت اور آگ کی مانند کوئی چیز لائے گا' جسے وہ جنت کہے گا وہ فی الحقیقت آگ ہو گی اور میں تمہیں اس سے اسی طرح ڈرا رہا ہوں جیسے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔(۳)

نوح علیہ السلام کی کشتی کا بیان

علمائے سلف میں سے بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی تو انہیں زمین میں ایک درخت لگانے کا حکم دیا تا کہ جب وہ بڑا ہو تو اس کی لکڑی سے کشتی بنائی جائے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے اسی طرح کیا اور پھر 100 سال میں وہ درخت تیار ہوا۔ پھر انہوں نے اس کی لکڑی چیر کر کشتی کے لیے تختے بنائے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ

---

(۱) [البقرة : 143]

(۲) [بخاری (3337) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی انا أرسلنا نوحا الی قومه' ابو داود (4757) کتاب السنة : باب فی الدجال' ترمذی (2235) کتاب الفتن : باب ما جاء فی علامة الدجال' صحیح الجامع الصغیر (2495) مسند احمد (6077) مسند شامیین للطبرانی (3074)]

(۳) [بخاری (3338) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی انا أرسلنا نوحا الی قومه]

اس کی تیاری میں 100 سال لگے اور بعض کی رائے میں 40 سال لگے۔ (واللہ اعلم) ابن اسحاق نے ثوریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ ساگوان کا درخت تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ صنوبر کا درخت تھا' تورات میں اس دوسری رائے کے متعلق ہی صراحت ہے۔ امام ثوریؒ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ کشتی کی لمبائی 80 ہاتھ ہو اور اس کے اندرونی اور بیرونی حصے پر تارکول مَلا جائے اور اس کا آگے والا حصہ بلند ہو تا کہ پانی کی لہروں کو چیر سکے۔ قتادہؒ نے کہا ہے کہ اس کی لمبائی 300 ہاتھ اور چوڑائی 50 ہاتھ تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کی لمبائی 1200 ہاتھ اور چوڑائی 600 ہاتھ تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی لمبائی 2,000 ہاتھ اور چوڑائی 100 ہاتھ تھی۔ سب کی رائے میں اس کی بلندی 30 ہاتھ تھی اور اس کی تین منزلیں تھیں۔ ہر منزل کا درمیانی فاصلہ 10 ہاتھ تھا۔ سب سے نچلی منزل چوپایوں اور جنگلی جانوروں کے لیے' درمیانی منزل انسانوں کے لیے اور اوپر والی منزل پرندوں کے لیے تھی۔ اس کا دروازہ چوڑائی کی جانب تھا جسے ایک تختے کے ذریعے اوپر سے بند کر دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''(اے نوح!) ہماری وحی کے مطابق اور ہمارے سامنے کشتی تیار کرو۔'' تا کہ ہم ساتھ ساتھ اس کی تیاری میں درستگی کی طرف تمہاری رہنمائی کرتے جائیں۔ پھر جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور اُبل پڑے تو تم ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اور اپنے اہل کو اس میں سوار کر لینا سوائے ان کے جن کے متعلق ہماری بات پہلے گزر چکی ہے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے مخاطب مت ہونا کیونکہ وہ غرق کیے جانے والے ہیں۔[1] مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو پہلے ہی مطلع کر دیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے تو بقائے نسل کے لیے تمام حیوانات میں سے ایک ایک جوڑا اور کھانے کی مناسب اشیاء کشتی میں رکھ لینا اور اس کے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لینا۔ ''جن کے متعلق اللہ فیصلہ کر چکا ہے'' یعنی جو کافر ہیں وہ تیری دعا کی زد میں آئیں گے اور عذاب سے نہیں بچ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ کا عذاب نظر آ جائے تو کافروں کے متعلق مجھ سے کوئی بات مت کرنا کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کی ہلاکت و بربادی کا فیصلہ ہو چکا ہے' وہ فیصلہ تبدیل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تنور کے متعلق جمہور کا کہنا ہے کہ اس سے مراد روئے زمین ہے' یعنی ساری زمین پانی اُبلنا شروع ہو جائے حتیٰ کہ تنور جو آگ کی جگہ ہے وہاں سے بھی پانی اُبلنا شروع ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تنور ہند میں ایک چشمہ ہے۔ شعبیؒ کے مطابق یہ کوفہ میں چشمہ کا نام ہے۔ قتادہؒ کے بقول یہ جزیرہ میں ایک چشمہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ تنور سے صبح کا روشن ہونا مراد ہے' یعنی جب صبح ہو تو ہر چیز کا جوڑا کشتی میں سوار کر لینا۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔

---

(۱) [المومنون : 27]

اہل کتاب کے مطابق نوح علیہ السلام کو ماکول اللحم جانوروں میں سے سات سات اور باقی جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کرنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن یہ ہماری سچی اور محفوظ کتاب کے مفہوم کے خلاف ہے کیونکہ اس میں "اثـنـیـن" دو کا لفظ ایک ایک جوڑے کے متعلق ظاہر ہے۔ واضح رہے کہ یہ مفہوم اس وقت قرآن کے خلاف ہوگا جب "اثـنـیـن" کو مفعول بنائیں اور اگر اسے زوجین کی تاکید بنائیں اور مفعول کو مقدر مانا جائے تو پھر اہل کتاب کی بات قرآن کے منافی نہیں ہوگی (کیونکہ پھر مفعول کچھ بھی ہوسکتا ہے)۔ (واللہ اعلم)

بعض اہل علم اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق پرندوں میں سب سے پہلے طوطا کشتی میں سوار ہوا اور حیوانات میں سب سے آخر میں گدھا سوار ہوا اور ابلیس نے گدھے کی دم پکڑی اور سوار ہوگیا۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ زید بن اسلمؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب نوح علیہ السلام نے تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کرلیا تو لوگوں نے شکایت کی کہ ہمیں اطمینان کیسے ہوسکتا ہے یا (راوی نے یہ کہا کہ) ہمارے جانوروں کو کیسے سکون ہوسکتا ہے جبکہ شیر بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے بخار میں جتلا کردیا' زمین میں سب سے پہلے اس وقت بخار نازل کیا گیا۔ پھر لوگوں نے چوہے کی شکایت کی کہ وہ سامان خراب کررہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے شیر کی طرف الہام کیا اور اسے چھینک آئی جس سے بلی نکلی اور چوہا اسے دیکھ کر چھپ گیا۔ یہ روایت مرسل ومنکر ہے اس لیے قابل حجت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَ أَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ﴾(۱) کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر والوں میں سے ان کافروں کو سوار نہ کرنا جن کے متعلق یہ فیصلہ ہوچکا ہے کہ انہیں ڈبو دیا جائے گا اور ان میں نوح علیہ السلام کا بیٹا "یام" تھا۔ وہ غرق ہوگیا تھا۔ ﴿ مَـنْ آمَـنَ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ تیری امت کے جو لوگ ایمان قبول کرچکے ہیں انہیں اپنے ساتھ سوار کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴾ "اس پر بہت تھوڑے لوگ ہی ایمان لائے تھے۔" حالانکہ نوح علیہ السلام نے ایک لمبا عرصہ (یعنی 950 سال) ان میں قیام فرمایا تھا۔ وہ انہیں وعظ ونصیحت کرتے رہے اور انہیں ترغیب وترہیب کے تمام طریقوں سے اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے۔

نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار ہونے والوں کی تعداد

اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عورتوں سمیت 80 افراد بتائے ہیں۔ حضرت کعب الاحبارؒ کے مطابق 72 افراد تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ 10 افراد تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ صرف نوح علیہ السلام' ان کے تین بیٹے اور

(۱) [ھود: 40]

ان کی بیویاں اور یام (بیٹے) کی بیوی سوار ہوئی' یام الگ ہو گیا اور نجات نہ پا سکا۔ یہ قول قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ قرآنی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے اہل وعیال کے علاوہ دوسرے اہل ایمان بھی نجات پانے والوں میں تھے۔ ارشاد ہے کہ ﴿ وَنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ "مجھے اور میرے ساتھ ایمان رکھنے والوں کو بھی نجات عطا فرما۔"(۱) علاوہ ازیں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کشتی میں سوار ہونے والے 7 افراد تھے۔

نوح علیہ السلام کی بیوی جو آپ کی تمام اولاد "یعنی حام، سام، یافث، یام (جسے اہل کتاب 'کنعان' کہتے ہیں اور وہ طوفان میں غرق ہو گیا تھا) اور عابر" کی ماں تھی' طوفان سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہوئی تھی اور اس کے کفر کے باعث اس کے متعلق ہلاکت کا فیصلہ پہلے ہو چکا تھا۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ بھی کشتی میں سوار تھی' جس سے یہ احتمال ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے طوفان کے بعد کفر کیا ہو یا اسے تا قیامت مہلت دے دی گئی ہو۔ اس سلسلے میں پہلا قول ہی ظاہر ہے کیونکہ نوح نے تو یہ بددعا کی تھی کہ "کافروں میں سے کوئی بھی زمین پر رہنے بسنے والا مت چھوڑ۔"(۲)

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ "جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالموں سے نجات عطا فرمائی اور یوں کہنا کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر ہے اتارنے والوں میں۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو اس بات پر اپنی حمد وثنا کا حکم دے رہے ہیں کہ انہوں نے اس کے لیے کشتی مسخر کر دی' اس کے ذریعے اسے نجات دی' اس کے اور قوم کے درمیان فیصلہ کر دیا اور مخالفین ومکذبین کو ہلاک کر کے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ ... لَمُنْقَلِبُونَ ﴾ "اور وہ ذات جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جانور پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ تو کہو وہ ذات پاک ہے جس نے اسے ہمارے لیے مطیع کر دیا حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"(۳)

اسی طرح دیگر اُمور کی ابتداء میں بھی خیر وبرکت کی دعا کرنے کا حکم ہے تاکہ ان کا انجام بہتر ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت مدینہ کے وقت فرمایا ﴿ وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ ... نَّصِيرًا ﴾ "اور دعا کیا

---

(۱) [الشعراء : 118]

(۲) [نوح : 26]

(۳) [الزخرف : 12-14]

کر دکہ اے میرے پروردگار! مجھے اچھی جگہ میں داخل فرما اور جہاں سے مجھے نکال اچھی طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرما دے۔''(۱) اس وصیت پر نوح علیہ السلام نے عمل کیا اور فرمایا ﴿ وَقَالَ ارْكَبُوْا ... لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اس کشتی میں سوار ہو جاؤ' اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے' یقینا میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے۔''(۲) یعنی اس کے چلنے کی ابتداء اور انتہاء اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہے۔ میرا رب جہاں رحم والا ہے وہاں دردناک عذاب والا بھی ہے اور مجرموں سے اس کا عذاب کوئی نہیں ٹال سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وہ (کشتی) انہیں پہاڑوں کی مانند (بڑی بڑی) موجوں میں لے کر چل رہی۔''(۳) یہ موجیں اتنی بڑی اس لیے تھیں کیونکہ اس روز بارش ہی اس قدر ہوئی تھی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی ہوئی اور نہ ہی بعد میں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ مشکوں کے منہ کھول دیے گئے ہیں اور زمین کے تمام اطراف واکناف کو پانی اُبلنے کا ہی حکم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ ... وَدُسُرٍ ﴾ ''پس اس (یعنی نوح علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر' تو ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کی بارش سے کھول دیا اور زمین سے چشموں کو جاری کر دیا' پس اس کام کے لیے جو مقدر کیا گیا تھا (دونوں) پانی جمع ہو گئے۔ اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا۔''(٤)

ابن جریرؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قبطی حساب کے مطابق ماہِ آب کی 13 تاریخ کو طوفان آیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ ... وَّاعِيَةٌ ﴾ ''یقینا جب پانی حد سے تجاوز کر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا تاکہ ہم اسے تمہارے لیے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔''(٥) مفسرین کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ پانی زمین پر پہاڑ کی چوٹی سے بھی 15 ہاتھ اونچا ہو گیا' اہل کتاب کی بھی یہی رائے ہے۔(٦) ایک قول یہ ہے کہ پانی 80 ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور اس نے زمین کے طول وعرض میں نرم' سخت' پہاڑی' میدانی اور ریتلے غرض ہر قسم کے علاقوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا' جس کے نتیجے میں زمین پر نہ تو کوئی متحرک آنکھ باقی رہی اور نہ ہی بڑوں یا چھوٹوں میں سے کوئی ایک۔(٧) امام مالکؒ نے زید بن اسلمؒ سے نقل کیا ہے کہ اس وقت کے لوگوں نے میدانی اور پہاڑی تمام علاقوں کو بھر رکھا تھا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ بیان کرتے ہیں کہ زمین کے ہر علاقے کا کوئی نہ کوئی نگران ومالک ضرور موجود تھا۔ [ابن ابی حاتم]

(۱) [الاسراء : 80]
(۲) [هود : 41]
(۳) [هود : 42]
(٤) [القمر : 10-13]
(٥) [الحاقة : 11-12]
(٦) [بائیبل ، کتاب پیدائش ، باب 7 فقرہ 20]
(٧) [تفسیر طبری 67/14]

نوح علیہ السلام کے بیٹے کی غرقابی

سورۂ ہود میں ہے کہ ''اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے لڑکے کو جو ایک کنارے پر تھا' پکارا کہ اے میرے پیارے بچے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی پناہ میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا' نوح (علیہ السلام) نے کہا آج اللہ کے امر سے کوئی بچانے والا نہیں' صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا' اسی وقت دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔''(۱) نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کا نام یام تھا' البتہ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام کنعان تھا۔ یہ سام، حام اور یافث کا بھائی تھا۔ اس نے نوح علیہ السلام کے دین کی مخالفت کی اور کفر پر مصر رہا جبکہ نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے اجنبی لوگ ان کے ساتھ نجات پا گئے۔

طوفان ختم ہو گیا

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''فرما دیا گیا کہ اے زمین! اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان! بس کر تھم جا' اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی ''جودی'' نامی پہاڑ پر جا لگی اور فرما دیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت ہو۔''(۲) یعنی جب اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی نگلنے اور آسمان کو تھمنے کا حکم دے دیا' پس یوں اس قوم کو عذاب میں مبتلا کیا گیا جس کے متعلق پہلے ہی اللہ تعالیٰ تقدیر میں لکھ چکے تھے اور وہ اپنے برے اعمال کے باعث اللہ کی رحمت و بخشش سے محروم کر دیئے گئے۔ اس کے متعلق قرآن میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے مثلاً فرمایا ''ہم نے نوح اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں نجات دی اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا ہم نے انہیں غرق کر دیا' یقیناً وہ اندھی قوم تھی۔''(۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ قومِ نوح میں سے کسی پر رحم کرتا تو بچے کی ماں پر کرتا۔'' ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ''نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں 950 سال قیام فرمایا۔ پہلے انہوں نے 100 سال درخت لگائے' جب وہ درخت بڑے ہوئے تو انہیں کاٹا اور کشتی تیار کی۔ اس دوران جب لوگ ان کے قریب سے گزرتے تو مذاق کرتے اور کہتے کہ تم خشک زمین پر کشتی بنا کر کیسے چلاؤ گے؟ جواب میں نوح علیہ السلام فرماتے' عنقریب تم جان لو گے۔ جب نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کر لی تو زمین نے پانی اُبل کر گلیوں میں پھیلنے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک عورت اپنے بچے کے متعلق خائف ہوئی کہ کہیں وہ ڈوب نہ جائے' چنانچہ وہ اسے لے کر پہاڑ کی ایک

---

(۱) [هود : 42-43] (۲) [هود : 44]

(۳) [الأعراف : 64]

تہائی بلندی پر چڑھ گئی' جب پانی وہاں تک پہنچ گیا تو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گی اور جب پانی اس کی گردن تک پہنچا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے بچے کو اوپر اٹھالیا۔ اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی کو باقی رکھتا تو اس بچے کی ماں کو باقی رکھتا۔''(۱) یہ روایت غریب ہے اور اس جیسا واقعہ کعب الاحبارؒ اور مجاہدؒ وغیرہ سے مروی ہے' معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ (واللہ اعلم)

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر کافروں میں سے کوئی بھی رہنے سہنے والا شخص باقی نہ چھوڑا۔ ہر کافر کے مر جانے کی اس صراحت کے باوجود بعض مفسرین نے خدا جانے کیسے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ عوج بن عنق یا ابن عناق نوح علیہ السلام سے پہلے سے لے کر موسیٰ علیہ السلام تک زندہ رہا۔ جبکہ وہ کافر و سرکش انسان تھا اور اس کی ماں (آدم کی بیٹی) نے اسے زنا کے نتیجے میں جنا تھا۔ وہ اس قدر لمبے قد کا مالک تھا کہ سمندر کی گہرائی سے مچھلیاں پکڑ لیتا اور انہیں سورج سے بھون لیتا۔ وہ نوح علیہ السلام کو کشتی میں سوار دیکھ کر مذاق کرتا تھا۔ تقریباً اس کا قد 3333 ہاتھ تھا۔ علاوہ ازیں اس کے متعلق بعض اور من گھڑت باتیں بھی قیدِ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ اگر ایسی من گھڑت اور جھوٹی باتیں کتب تاریخ و تفسیر میں موجود نہ ہوتیں تو ہم بھی اپنی کتاب میں ان کی وضاحت نہ کرتے۔ یہ روایات عقل و نقل کے خلاف ہیں۔ عقل کے خلاف اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے بیٹے اور بچے کی ماں کو کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو ایسے سرکش و ظالم کو کیسے باقی رکھا جا سکتا تھا اور نقل کے خلاف اس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''پھر ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔'' اور ایک دوسرے مقام پر نوح علیہ السلام کی یہ بددعا بھی مذکور ہے کہ ''اے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بھی رہنے سہنے والا شخص باقی نہ چھوڑ۔'' نیز اس کے اتنے طویل قد والی بات بھی صحیحین کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا' ان کا قد 60 ہاتھ تھا اور اس کے بعد اب تک مسلسل قد میں کمی ہو رہی ہے۔''(۲)

یہ اس صادق و مصدوق نبی کی خبر ہے جو اپنی خواہش کے ساتھ نہیں بلکہ وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے۔(۳) اس کے فرمان کے مطابق آدم علیہ السلام کے بعد اب تک انسانوں کے قد مسلسل کم ہو رہے ہیں اور تا قیامت کم ہوتے رہیں گے۔

---

(۱) مستدرک حاکم (342/2) امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ تفسیر طبری (311/15) تفسیر ابن کثیر (325/4) تفسیر قرطبی (41/9) تفسیر بغوی (179/4) تفسیر ابن ابی حاتم (340/12) تفسیر فتح القدیر (451/3) الدر المنثور (294/5) تفسیر الخازن (456/3)]

(۲) [بخاری (3326) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب خلق آدم وذریته' مسلم (2841) کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها : باب یدخل الجنة أقوام أفئدتهم مثل أفئدة الطیر]

(۳) [النجم : 4]

معلوم ہوا کہ اولادِ آدم میں کوئی بھی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جس کا قد آدم علیہ السلام کے برابر ہو۔ اب اس واضح حقیقت کو ترک کر کے اہل کتاب کے اقوال کی طرف کیسے رجوع کیا جا سکتا ہے جن میں یقیناً تحریف کی جا چکی ہے اور اس جھوٹ کے ناقلین پر اللہ کی لعنتیں برس رہی ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ عوج بن عناق کا قصہ زندیق اور فاسق قسم کے لوگوں کا گھڑا ہوا ہے جو انبیاء کے دشمن تھے۔ (واللہ اعلم)

طوفان تھمنے کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پھر نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لیے التجا کی اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ جب میرے گھر والوں کی نجات کا وعدہ کیا جا چکا ہے تو میرے بیٹے کو کیوں غرق کیا جا رہا ہے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا' وہ تیرے گھر کے ان افراد میں شامل نہیں جن کی نجات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ فرمایا گیا تھا کہ ﴿ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ﴾ ''اور اپنے گھر والوں کو بھی (کشتی میں سوار کر لو) سوائے ان کے جن (کی ہلاکت) کے متعلق پہلے ہی فیصلہ کیا جا چکا ہے۔''(۱) یعنی وہ ان میں شامل تھا جن کے غرق کیے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ تجھ سے الگ ہو گیا اور کافروں کے ساتھ مل گیا اور ان کے ساتھ ہی غرق ہو گیا۔

اولادِ نوح کا بیان اور مختلف روایات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر' جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔''(۲) یعنی جب پانی خشک ہو گیا اور زمین پر چلنا اور ٹھہرنا ممکن ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کشتی سے اترنے کا حکم دیا۔ کشتی مشہور پہاڑ ''جودی'' پر جا کر ٹھہر گئی۔ اللہ کے فرمان ''ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ سلامتی کے ساتھ اتریئے' آپ پر اور آپ کی آئندہ نسلوں پر ہماری طرف سے برکتیں نازل ہو گیں۔ اس طوفان میں نوح علیہ السلام کے سوا کسی کی نسل بھی باقی نہ رہی' اس لیے پھر ساری انسانیت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہی آگے بڑھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴾ ''اور ہم نے اسی کی اولاد کو باقی رہنے والے بنایا۔''(۳)

لہٰذا آج روئے زمین پر جتنی اقوام بھی آباد ہیں وہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سام' حام اور یافث کی طرف ہی منسوب ہیں۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''سام عربوں کا' حام حبشیوں کا اور یافث رومیوں کا باپ

(۱) [المومنون : 27] (۲) [ھود : 48]
(۳) [الصافات : 77]

ہے۔"(۱) شیخ ابو عمر بن عبد البرؒ نے کہا ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مرفوعاً مروی ہے اور کہا ہے کہ روم سے مراد اہل یونان ہیں جو رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح کی طرف منسوب ہیں۔ سعید بن مسیبؒ نے کہا ہے کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے: سام' یافث اور حام اور پھر ان میں سے ہر ایک کے تین تین بیٹے تھے۔ عربی، فارسی اور رومی سام کی اولاد ہیں، یافث کی اولاد ترکی، صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں اور حام کی اولاد قبطی، سوڈانی اور بربری ہیں۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نوح علیہ السلام کے ہاں تین بیٹے سام، حام اور یافث پیدا ہوئے۔ سام کے ہاں عربی، فارسی اور رومی پیدا ہوئے اور ان میں خیر ہے اور یافث کے ہاں یاجوج ماجوج، ترکی اور صقالبہ پیدا ہوئے اور ان میں کوئی خیر نہیں اور حام کے ہاں حبشی، سوڈانی اور تاتاری پیدا ہوئے۔"(۳) میری رائے یہ ہے کہ یہ سعید بن مسیبؒ کا قول ہے جیسا کہ ابو عمرؒ نے کہا ہے۔ وہب بن منبہؒ سے بھی اس طرح کی روایت مروی ہے۔ (واللہ اعلم) مسند بزار کی اس روایت میں یزید بن سنان ابو فروہ راوی ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے۔ علاوہ ازیں ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ تینوں بیٹے طوفان کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ طوفان سے پہلے ایک کنعان پیدا ہوا جو طوفان میں غرق ہو گیا اور دوسرا عابر پیدا ہوا جو طوفان سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے (مذکورہ) تینوں بیٹے اپنی بیویوں اور اپنی ماں کے ساتھ کشتی میں سوار تھے جیسا کہ تورات میں اس کی صراحت موجود ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حام نے کشتی میں اپنی بیوی سے مباشرت کر لی' اس پر نوح علیہ السلام نے اس کے لیے بددعا کی کہ اس کے ہاں بدصورت اولاد پیدا ہو' لہٰذا پھر اس کے ہاں کالا لڑکا کنعان بن حام پیدا ہوا جو سوڈانیوں کا جد امجد ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نوح علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اور آپ کی شرمگاہ سے کچھ کپڑا ہٹا ہوا تھا' اس نے دیکھا تو اسے نہ ڈھانپا جبکہ دوسرے دونوں بھائیوں نے دیکھا تو ڈھانپ دیا۔ اس پر نوح علیہ السلام نے اس کے لیے بددعا کی کہ اس کی اولاد اس کے بھائیوں کی غلام بن جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان سے درخواست کی کہ ہمارے سامنے اس شخص کو زندہ کرو جس نے نوح علیہ السلام کی کشتی کو دیکھا ہو اور وہ ہمیں اس کی تفصیل بتائے۔ چنانچہ وہ انہیں مٹی کے

---

(۱) [ضعیف: ضعیف الجامع الصغیر (3214) السلسلة الضعیفة (3683) ضعیف ترمذی' ترمذی (3231) کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الصافات' مسند احمد (9/5) طبرانی کبیر (349/6) تفسیر ابن ابی حاتم (11712) مسند شامیین للطبرانی (432/7)]

(۲) [تحفة الأحوذی (80/9) تاریخ طبری (210/1) الطبقات الکبری لابن سعد (18/1)]

(۳) [ضعیف: ضعیف الجامع الصغیر (3214)]

ایک ٹیلے پر لے آئے اور مٹھی بھر مٹی پکڑ کر کہا' تمہیں علم ہے کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا' اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ کہا' یہ کعب بن حام بن نوح ہے۔ پھر ٹیلے پر لاٹھی مار کر کہا' اللہ کے حکم سے اٹھ' تو وہ سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا' اس کا سر سفید ہو چکا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ کیا تو اسی حالت میں فوت ہوا تھا' اس نے کہا نہیں بلکہ میں جوان تھا' میں نے سمجھا کہ قیامت قائم ہوگئی ہے اس لیے میرے بال سفید ہو گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا' ہمیں نوح کی کشتی کے متعلق بتاؤ۔ اس نے کہا' اس کی لمبائی 1200 ہاتھ اور چوڑائی 600 ہاتھ تھی۔ اس کی تین منزلیں تھیں' ایک منزل میں چوپائے اور جنگلی جانور' دوسری میں انسان اور تیسری میں پرندے تھے۔ جب کشتی میں جانوروں کا بہت زیادہ گوبر جمع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ ہاتھی کی دم کو حرکت دے' جب انہوں نے اسے حرکت دی تو اس سے نر و مادہ خنزیر پیدا ہوئے اور لید کی طرف لپکے۔ جب چوہوں کے کاٹنے کی وجہ سے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں کشتی میں سوراخ نہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ضرب لگا۔ انہوں نے ضرب لگائی تو اس کے نتھنوں سے بلی اور بلا نکلے اور انہوں نے چوہوں پر حملہ کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ نوح علیہ السلام کو کیسے علم ہوا تھا کہ تمام کافر ہلاک ہو چکے ہیں؟ اس نے کہا' نوح علیہ السلام نے یہ اطلاع لانے کے لیے ایک کوے کو بھیجا' لیکن وہ جب کسی لاش پر بیٹھتا تو اسے کھانا شروع کر دیتا۔ اس پر نوح علیہ السلام نے اس کے لیے بددعا کی کہ وہ ہمیشہ ڈرتا ہی رہے' اسی لیے وہ اب گھروں میں رہنے کا عادی نہیں بلکہ گھر والوں سے ڈرتا ہے۔ پھر انہوں نے اس کام کے لیے کبوتر بھیجا' وہ اپنی چونچ میں زیتون کے پتے اور پاؤں میں مٹی لے کر آیا۔ اس سے انہیں معلوم ہو گیا کہ پوری دنیا غرق ہو چکی ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان پتوں کو اس کے گلے میں ہار بنا کر لٹکا دیا اور اسے یہ دعا دی کہ وہ ہمیشہ مانوس اور محفوظ رہے' اسی لیے وہ گھروں میں رہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ہم اسے اپنے گھر نہ لے جائیں' یہ ہمارے ساتھ بیٹھے اور گفتگو کرے۔ انہوں نے کہا' تم ایسے شخص کو کیسے لے جا سکتے ہو جس کا دنیا میں کوئی رزق نہیں۔ پھر انہوں نے اسے حکم دیا کہ اللہ کے حکم سے دوبارہ اپنی حالت میں لوٹ جا' تو وہ مٹی بن گیا۔ [(۱)] یہ اثر نہایت غریب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں 80 افراد اور ان کے اہل خانہ سوار ہوئے۔ وہ اس میں 150 روز ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ کی جانب پھیر دیا اور کشتی کعبہ کے گرد 40 روز چکر کاٹتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جودی پہاڑ کی طرف پھیر دیا اور وہاں آ کر ٹھہر گئی۔ نوح علیہ السلام نے زمین کی خبر لانے کے لیے کوے کو بھیجا۔ وہ گیا اور مردوں کا گوشت کھانے لگ گیا' جس باعث لیٹ ہو گیا۔ پھر انہوں نے کبوتر کو اس کام کے لیے روانہ کیا' تو وہ اپنی چونچ میں زیتون کے پتے لایا اور اس کے پاؤں کو مٹی لگی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ پانی خشک

(۱) [تفسیر طبری (312/15) تفسیر ابن کثیر (320/4) تفسیر الکشاف (86/3) الدر المنثور (295/5)]

ہو گیا ہے' چنانچہ وہ جودی پہاڑ پر اترے اور وہاں ایک ''ثمانین'' نامی بستی آباد کی۔ ایک روز جب صبح ہوئی تو لوگ 80 زبانیں بول رہے تھے' ان میں سے ایک زبان عربی تھی' لوگ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھتے تھے' اس لیے نوح علیہ السلام ان کی ترجمانی فرماتے تھے۔

قتادہؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ وہ 10 رجب کو کشتی میں سوار ہوئے' 150 پچاس روز سوار رہے' ایک ماہ جودی پہاڑ پر ٹھہرے رہے اور 10 محرم کو کشتی سے اترے' پھر ان سب سے روزہ کھولا۔ اس قول کی موافقت میں ابن جریرؒ نے ایک مرفوع روایت بھی نقل کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی ایک جماعت کے قریب سے گزرے' انہوں نے 10 محرم کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ انہوں نے کہا' اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا اور اسی دن نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہری تھی' اس لیے نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے اللہ کا شکر ادا کرنے کی غرض سے روزہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ قریبی ہوں اور اس دن کے روزے کا بھی زیادہ حقدار ہوں' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ جس نے صبح کے بعد کچھ نہیں کھایا وہ اپنا روزہ مکمل کرے اور جس نے اپنی بیوی سے مباشرت کی ہے وہ اپنا باقی دن اسی طرح مکمل کرے۔[1] صحیح (بخاری) میں ایک دوسری سند کے ساتھ اس کا ایک شاہد موجود ہے' البتہ اس میں نوح علیہ السلام کا ذکر غریب ہے۔ (واللہ اعلم)

کچھ کم علم جاہل لوگوں نے کہا ہے کہ کشتی میں لوگوں کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے کھا لیا۔ ان کے پاس جو غلہ تھا انہوں نے اسے پیس لیا۔ کشتی کے اندھیرے کی وجہ سے ان کی نظر کمزور ہو گئی تھی اس لیے انہوں نے نظر تیز کرنے کی غرض سے اثمد سرمہ پیسا اور اسے لگایا۔ یہ اور اسی جیسی تمام باتیں اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں جن کی اسناد میں انقطاع ہے' اس لیے ان میں سے کچھ قابل اعتماد نہیں۔ (واللہ اعلم)

ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے طوفان روکنے کا ارادہ کیا تو زمین میں ہوا بھیج دی جس کی وجہ سے پانی ٹھہر گیا' زمین کے اُبلتے ہوئے چشمے بند ہو گئے اور پانی کم ہو گیا اور بالآخر ختم ہو گیا۔ اہل تورات کی رائے یہ ہے کہ کشتی ساتویں مہینے (یعنی رجب) کی 17 تاریخ کو جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہری اور 10ویں مہینے (یعنی شوال) میں پہاڑوں کی چوٹیاں دکھائی دینے لگیں۔ پھر 40 دن کے بعد نوح علیہ السلام نے کشتی کی ایک کھڑکی کھولی۔ پھر پانی کی خبر لانے

---

(۱) [مسند احمد (359/2) صحیح بخاری میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ دیکھئے: بخاری (3397, 4680, 4737, 2004, 2005, 3942)]

کے لیے کوے کو روانہ کیا لیکن وہ واپس نہ آیا' پھر کبوتر کو روانہ کیا' وہ کچھ دیر بعد واپس آ گیا لیکن اس پر کوئی ایسی علامت ظاہر نہ تھی جس سے پانی کے متعلق علم ہو سکے۔نوح نے اسے پکڑ کر اندر داخل کر لیا۔پھر سات روز بعد اسے دوبارہ بھیجا تو وہ شام کو واپس آیا' اس کے منہ میں زیتون کے پتے تھے۔پھر سات دن بعد بھیجا تو وہ واپس نہ آیا۔نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ زمین کی بالائی سطح ظاہر ہو چکی ہے۔طوفان کی آمد سے کبوتر بھیجنے تک ایک سال کا عرصہ مکمل ہو گیا اور دوسرے سال کی یکم محرم ہوئی تو زمین مکمل طور پر ظاہر ہو چکی تھی' لہٰذا نوح علیہ السلام نے کشتی کا دروازہ کھول دیا۔ابن اسحاق رحمہ اللہ کی یہ روایت موجودہ تورات کا بیان ہے جسے انہوں نے مکمل طور پر نقل کر دیا ہے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ دوسرے سال کے دوسرے ماہ (یعنی صفر) میں فرما دیا گیا کہ "اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر' جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔"(۱) اہل کتاب کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ تم، تمہاری بیوی، تمہارے بیٹے، ان کی بیویاں اور تمہارے ساتھ سوار تمام چوپائے کشتی سے نکلیں تاکہ افزائش نسل ہو اور آبادی بڑھے۔چنانچہ سب اتر گئے۔نوح علیہ السلام نے ایک ذبح خانہ بنایا اور تمام حلال جانور اور پرندے اللہ کے لیے قربان کر دیئے۔اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی بھی زمین پر ایسا طوفان نہیں آئے گا اور اس کی یاد دہانی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے قوسِ قزاح بنا دی جو عموماً بارش کے بعد آسمان پر ظاہر ہوتی ہے۔اسی کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ طوفان میں غرق ہونے سے بچاؤ کی علامت ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ تانت کے بغیر کمان ہے' مقصد یہ ہے کہ آئندہ کبھی بھی اللہ کی جانب سے کمان سے طوفان کا تیر نہیں چلے گا۔

فارس اور ہند کے کچھ کم علم لوگوں نے وقوعِ طوفان کا کلی طور پر انکار کیا ہے' جبکہ ان ممالک کے کچھ لوگ اس کے معترف بھی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ وہ طوفان بابل کے علاقے میں آیا تھا' جو ہم تک نہیں پہنچا۔بطورِ دلیل وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم آدم علیہ السلام کے دور سے اب تک مسلسل اس علاقے کے بادشاہ بنے ہوئے ہیں۔واضح رہے کہ یہ ایسے لوگوں کا قول ہے جو آتش پرست، زندیق اور شیطان کے پیروکار ہیں اور ان کا یہ قول محض اَوہام پرستی، جہالت اور مشاہد چیز کے انکار اور زمین و آسمان کے رب کی تکذیب پر مبنی ہے۔کیونکہ اس طوفان کی آمد پر تمام آسمانی مذاہب متفق ہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ یہ طوفان ساری زمین پر آیا تھا اور اس نے زمین کے تمام کفار کو ہلاک کر دیا تھا اور اس کا سبب اللہ کے معصوم نبی نوح علیہ السلام کی دعا کی قبولیت تھا' نیز اللہ تعالیٰ بھی اس عذاب کو پہلے سے تقدیر میں لکھ چکے تھے۔

---

(۱) [ھود : 48]

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اپنا شکر گزار بندہ قرار دیا

فرمایا ﴿ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴾ ''بلاشبہ وہ اللہ کا شکر گزار بندہ تھا۔''(۱) بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کھانے، پینے، لباس اور ہر چیز پر اللہ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ بندے سے اس طرح راضی ہوتے ہیں کہ وہ کچھ کھائے اور اس پر اللہ کی تعریف کرے اور کچھ پیئے تو اس پر اللہ کی تعریف کرے۔''(۲) اور ظاہر ہے کہ شکور وہی شخص ہو سکتا ہے جو دل، زبان اور دیگر تمام اعضاء سے ہر وقت اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ ((أفادتكم النعماء مني ثلاثة يدي ولساني والضمير المحجبا)) ''تیری نعمتوں نے میری طرف سے تجھے تین چیزوں کا فائدہ دیا ہے' میرے ہاتھ' میری زبان اور مخفی دل کا۔''

نوح علیہ السلام کے روزے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نوح علیہ السلام نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ سارے زمانے کے روزے رکھے۔''(۳) طبرانی کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''داؤد علیہ السلام نے آدھے زمانے کے روزے رکھے اور ابراہیم علیہ السلام نے ہر ماہ تین دن کے روزے رکھے۔''(٤)

نوح علیہ السلام کا حج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ حج وادیٔ عسفان آئے تو فرمایا' اے ابو بکر! یہ کون سی وادی ہے؟ انہوں نے جواب دیا' یہ وادیٔ عسفان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' نوح' ہود اور ابراہیم علیہم السلام اپنے سرخ جوان اونٹوں پر اس وادی سے گزرے ہیں' ان کے اونٹوں کی مہاریں کھجور کے پتوں سے

---

(۱) الاسراء : 3]

(۲) [صحیح: ارواء الغلیل (1988) السلسلة الصحیحة (1651) المشکاة (4200) صحیح الترغیب (2165) کتاب الطعام : باب الترغیب فی حمد الله بعد الأکل ' ترمذی (1816) کتاب الأطعمة : باب ما جاء فی الحمد علی الطعام اذا فرغ منه]

(۳) [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (3466) السلسلة الضعیفة (459) ضعیف ابن ماجه ' ابن ماجه (1714) کتاب الصیام : باب ما جاء فی صیام نوح علیه السلام]

(٤) [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (3465) ضعیف الترغیب (624) کتاب الصوم : باب الترغیب فی صوم ثلاثة أیام من کل شهر ، شعب الایمان للبیهقی (366/8) طبرانی کبیر (195/3)]

تیار کی ہوئی تھیں' انہوں نے چوغے پہن رکھے تھے اور دھاری دار چادریں اوڑھی ہوئی تھیں' وہ بیت اللہ کا حج کر رہے تھے۔ (۱) اس روایت میں غرابت ہے۔

نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک دیہاتی آیا' اس نے ایک چوغہ پہن رکھا تھا جس پر ریشم سے بنا بٹن لگا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ تمہارا ساتھی شاہسوار کے بیٹے شاہسوار کو ذلیل کر چکا ہے یا فرمایا' شاہسوار کے بیٹے شاہسوار کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اور چرواہے کے بیٹے کو عزت بخشنا چاہتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دامن کو پکڑا اور فرمایا' کیا مجھے تمہارے جسم پر بے وقوفوں جیسا لباس دکھائی نہیں دے رہا۔ پھر فرمایا' جب نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا' میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ دو کام کرنے کا اور دو کاموں سے بچنے کا حکم دیتا ہوں۔ میں تمہیں کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کا ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان ایک پلڑے میں اور ''لا الہ الا اللہ'' دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو ''لا الہ الا اللہ'' بھاری ہو جائے۔ اور میں تمہیں ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کا ورد کرنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اسی کلمے کے ذریعے اللہ کی حمد وثنا بیان کرتی ہے اور ساری مخلوق کو اسی کے ذریعے رزق دیا جاتا ہے اور میں تمہیں دو کاموں 'شرک اور تکبر' سے روکتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یا کسی نے دریافت کیا کہ شرک کا تو ہمیں علم ہے تکبر کیا ہے؟ کسی کا جوتا اچھا ہو کیا یہ تکبر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' نہیں۔ پوچھا' کسی کے پاس زیب تن کرنے کے لیے اچھے کپڑے ہوں تو کیا یہ تکبر ہے؟ فرمایا' نہیں۔ پوچھا' کسی کے پاس اچھی سواری ہو کیا یہ تکبر ہے؟ فرمایا' نہیں۔ پوچھا' کسی کے پاس بیٹھنے کے لیے ساتھیوں کا موجود ہونا تکبر ہے؟ فرمایا' نہیں۔ پوچھا' پھر تکبر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ''حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا تکبر ہے۔'' (۲) اس کی سند صحیح ہے۔ امام بزار رحمہ اللہ نے اس طرح کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (واللہ اعلم)

(۱) [ضعیف: مسند احمد (232/1) امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند کے زمعہ بن صالح راوی میں کلام ہے۔ [مجمع الزوائد (220/3) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التقریب (2035)]

(۲) [صحیح: السلسلة الصحیحة (134) صحیح الأدب المفرد (548) مسند احمد (169/2) مجمع الزوائد للهیثمی (220/4) طبرانی کبیر (74/2) شعب الایمان للبیهقی (7930) مسند ابو یعلی الموصلی (5168)]

نوح علیہ السلام کی عمر

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ کشتی میں سوار ہوتے وقت نوح علیہ السلام کی عمر 600 برس تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی روایت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں مزید یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اس کے بعد 350 برس زندہ رہے۔ لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ قرآنی بیان کا تقاضا یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نبوت سے شرفیاب ہونے کے بعد اور طوفان آنے سے پہلے اپنی قوم میں 950 سال رہے۔ پھر قوم پر عذاب آ گیا۔ اس کے بعد نوح علیہ السلام کتنی دیر زندہ رہے اس کا صحیح علم اللہ کے پاس ہی ہے۔ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی قول صحیح ہے کہ نوح علیہ السلام 480 برس کی عمر میں مبعوث کیے گئے اور طوفان کے بعد 350 برس زندہ رہے تو ان کی مکمل عمر 1780 برس بنتی ہے۔

نوح علیہ السلام کی قبر

ابن جریر اور الازرقی رحمۃ اللہ علیہما نے عبدالرحمٰن بن سابطؒ اور دیگر تابعین سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے۔ یہ قول اُن متاخرین کے قول سے زیادہ قوی ہے جن کے خیال میں نوح علیہ السلام کی قبر بقاع شہر میں ہے جسے آج کل کرکِ نوح کہا جاتا ہے اور اسی باعث وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ (واللہ اعلم)

حضرت ھود علیہ السلام

نام، نسب اور قبیلہ

ھود علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے' ھود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ ایک قول یہ ہے کہ ھود علیہ السلام عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام ہی ہیں۔ ایک دوسرے قول کے مطابق ان کا نسب نامہ یوں ہے' ھود بن عبداللہ بن رباح الجارود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اسے ابن جریرؒ نے بیان کیا ہے۔

ھود علیہ السلام کا تعلق عاد بن عوص بن سام بن نوح کے قبیلہ سے تھا۔ یہ عرب تھے اور احقاف میں رہائش پذیر تھے۔ احقاف سے مراد ریت کے ٹیلے ہیں۔ یہ علاقہ یمن میں عمان اور حضرموت کے درمیان واقع ہے۔ ان کا مسکن ساحل سمندر کا قریبی علاقہ "شحر" تھا اور ان کی وادی مغیث کہلاتی تھی۔ یہ لوگ بڑے بڑے ستونوں کے بنے خیموں میں رہتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ، إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ "کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا یعنی عادِ ارم جو ستونوں والے تھے۔"(۱) عادِ ارم عادِ اولیٰ بھی کہلاتے ہیں' ان کے بعد عادِ ثانیہ آئے جن کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴾ "(وہ عادِ ارم) کہ ان جیسے علاقوں میں پیدا نہیں کیے گئے۔"(۲) میں ﴿ مِثْلُهَا ﴾ کی ضمیر یا تو قبیلے کی طرف لوٹتی ہے اور یا پھر ستونوں کی طرف۔ ان میں پہلی بات درست ہے اور اس کی وضاحت ہم اپنی تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں کر چکے ہیں۔ جن حضرات کا کہنا ہے کہ ارم ایک ایسا شہر ہے جو گھومتا رہتا ہے یعنی کبھی شام میں ہوتا ہے اور کبھی یمن میں' اسی طرح کبھی حجاز میں ہوتا ہے اور کبھی کہیں اور' تو یہ بات حقیقت سے بعید ہے' نہ تو اس کی کوئی قابل اعتماد دلیل موجود ہے اور نہ ہی کوئی سند۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وہ طویل روایت جس میں انبیاء کا ذکر ہے' اس میں ہے کہ ان انبیاء میں چار عرب سے تھے: ھود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم [صحیح ابن حبان]۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے عربی زبان میں ھود علیہ السلام نے ہی کلام کیا تھا۔ وہب بن منبہؒ نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے ان کے والد نے عربی زبان میں کلام کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے عربی میں کلام

---

(۱) [الفجر: 6-7]

(۲) [الفجر: 8]

کیا۔ایک دوسرا قول یہ ہے کہ اس زبان میں سب سے پہلے کلام کرنے والے آدم علیہ السلام ہیں اور یہی رائے زیادہ مناسب ہے۔اس کے متعلق چند دیگر اقوال بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

جو عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے وہ ''عرب عاربہ'' کہلاتے ہیں اور ان کے کئی قبائل ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔عاد،ثمود،جرہم،طسم،جدیس،امیم،مدین،عملاق،جاسم،قحطان اور بنو یقطن وغیرہ۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے پیدا ہونے والے عرب ''عرب مستعربہ'' کہلاتے ہیں۔فصیح عربی زبان بولنے والے پہلے شخص حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔انہوں نے قبیلہ جرہم سے یہ زبان سیکھی۔اس قبیلے کے لوگ اماں ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ حرم میں مقیم تھے۔اسماعیل علیہ السلام کی طرح بعد میں نبی کریم ﷺ بھی نہایت فصیح اللسان تھے۔

بہر حال عادِ اولیٰ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کیا۔ان کے تین بڑے بت تھے۔صمدا،صمودا اور ہرا۔اللہ تعالیٰ نے ہود کو ان کی طرف مبعوث فرمایا'انہوں نے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں قصہ نوح کے بعد ان کے حالات بیان فرمائے ہیں۔

قصہ ہود علیہ السلام کے متعلق آیات

(1) ﴿ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ... وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴾ ''اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا۔انہوں نے فرمایا'اے میری قوم!تم اللہ کی عبادت کرو'اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں'سو کیا تم ڈرتے نہیں۔ان کی قوم میں جو بڑے کافر لوگ تھے انہوں نے کہا'ہم تمہیں کم عقلی میں دیکھتے ہیں۔اور بلاشبہ ہم تمہیں جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم!مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں'میں تو پروردگارِ عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آگئی تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم یہ بات یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور تمہیں زیادہ پھیلاؤ عطا کیا۔پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ فلاح پا جاؤ۔انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں'پس ہمیں جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو اسے ہمارے پاس لے آؤ اگر تم سچے ہو۔انہوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے۔کیا تم مجھ سے ایسے ناموں (یعنی معبودوں) کے بارے میں جھگڑتے ہو

جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیا ہے۔ ان کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ لہٰذا تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ غرض ہم نے انہیں اور ان کے (مومن) ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے نہ تھے۔''(۱)

(2) ﴿ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ... أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴾ ''اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا' اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تم تو صرف بہتان باندھ رہے ہو۔ اے میری قوم! میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں مانگتا' میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا' تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے گناہوں کی معافی مانگ لو اور اس کی جناب میں توبہ کرو' تا کہ وہ تم پر برسنے والے بادل بھیج دے اور تمہاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھا دے اور تم جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔ انہوں نے کہا' اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہی ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تو ہمارے کسی معبود کے برے جھپٹے میں آ گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں' جنہیں تم شریک بنا رہے ہو۔ اچھا تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے' جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے' جو بھی (زمین پر) چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کی پیشانی کو پکڑے ہوئے ہے۔ یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے۔ پس اگر تم روگردانی کرو تو کرو میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا چکا جو مجھے دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ میرا رب تمہارے قائم مقام اور لوگوں کو بنا دے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے' یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اور جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے ہود اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا کی اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بچا لیا۔ یہ تھی قوم عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش نافرمان کے حکم کی تابعداری کی۔ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی' دیکھ لو قوم عاد نے اپنے رب سے کفر کیا' ہود کی قوم عاد پر دوری ہو۔''(۲)

(3) ﴿ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ... فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴾ ''ان کے بعد ہم نے اور بھی امت پیدا کی۔ پھر ان میں ان میں سے ہی رسول بھی بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تم

---

(۱) [الأعراف : 65-72]

(۲) [هود : 50-60]

کیوں نہیں ڈرتے۔قوم کے سرداروں نے جواب دیا' جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیاوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا' کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے' تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے۔اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی ہی تابعداری کر لی تو بے شک تم خسارے والے ہو۔کیا یہ تم سے اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر صرف خاک اور ہڈی رہ جاؤ گے تو پھر زندہ کیے جاؤ گے۔نہیں نہیں دور اور بہت دور ہے وہ بات جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔(زندگی) تو صرف دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اور یہ نہیں کہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔یہ تو بس ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے' ہم تو اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔نبی نے دعا کی کہ اے پروردگار! تو ان کے جھٹلانے پر میری مدد فرما۔جواب ملا کہ یہ بہت جلد اپنے کیے پر پچھتانے لگیں گے۔بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق چیخ نے انہیں پکڑ لیا اور ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ کر ڈالا' پس ظالموں کے لیے دوری ہو۔''(۱)

(4) ﴿ كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ... وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾ ''قومِ عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔جبکہ ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا ثواب تو تمام جہانوں کے پروردگار کے پاس ہی ہے۔کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطورِ کھیل تماشا یادگار (عمارت) بنا رہے ہو۔اور بڑی صنعت والے (مضبوط محل) تعمیر کر رہے ہو' گویا تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو۔اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری امداد کی جنہیں تم جانتے ہو۔اس نے مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی۔باغات اور چشموں سے بھی۔مجھے تو تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔انہوں نے کہا کہ آپ وعظ کریں یا نہ کریں ہم پر برابر ہے۔یہ تو بس پرانے لوگوں کی عادت ہے۔اور ہمیں ہرگز عذاب نہیں دیا جائے گا۔چونکہ قومِ عاد نے حضرت ہود کو جھٹلایا' اس لیے ہم نے انہیں تباہ کر دیا' یقیناً اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر بے ایمان تھے۔بے شک آپ کا رب ہی غالب و مہربان ہے۔''(۲)

(5) ﴿ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ ... لَا يُنصَرُونَ ﴾ ''قومِ عاد نے ناحق زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ زور آور ہے' وہ (آخر تک) ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے۔بالآخر ہم نے ان پر منحوس دنوں میں ایک تیز و تند آندھی بھیج

---

(۱) [المومنون : 31-41]

(۲) [الشعراء : 123-140]

دی تا کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں' اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور (اس روز) ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔"(۱)

(6) ﴿ وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ... الْمُجْرِمِينَ ﴾ "اور قوم عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کو یاد کرو' جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو' بلاشبہ میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے خائف ہوں۔ قوم نے جواب دیا' کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پوجا) سے باز کریں؟ پس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کا آپ وعدہ کر رہے ہیں اسے ہم پر لا ڈالیں۔ (حضرت ہود علیہ السلام نے) کہا' اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے' میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جو دے کر بھیجا گیا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے عذاب کو بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہا' یہ ہم پر برسنے والا ابر ہے' (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے' (یہ) ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی' پس وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانات کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ گناہگاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں۔"(۲)

(7) ﴿ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ۝ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴾ "اسی طرح عادیوں میں بھی (ہماری طرف سے تنبیہ ہے) جبکہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی آندھی بھیجی۔ وہ جس جس چیز پر گرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح (چورا چورا) کر دیتی تھی۔"(۳)

(8) ﴿ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ ... مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ "اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ (کا ایک کلمہ) ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ اور ہم نے تم جیسے بہت لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے' پس ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔ جو کچھ انہوں نے اعمال کیے ہیں سب نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔ (اسی طرح) ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے۔ یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہوں گے۔ راستی اور عزت کی بیٹھک میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔"(۴)

(9) ﴿ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ ... فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴾ "قوم عاد نے بھی جھٹلایا پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں۔ ہم نے ان پر تند و تیز مسلسل چلنے والی ہوا' ایک پیہم منحوس دن میں بھیجی۔ جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر پٹختی تھی

---

(۱) [فصلت : 15-16]

(۲) [الأحقاف : 21-25]

(۳) [الذاريات : 41-42]

(٤) [النجم : 50-55]

"گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔ پس کیسی رہی میری سزا اور میرا عذاب۔ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے' کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔"(۱)

(10) ﴿ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ ... مِنْ بَاقِيَةٍ ﴾ "اور عاد بے حد تند و تیز ہوا کے ساتھ غارت کر دیے گئے۔ جسے (اللہ تعالیٰ نے) ان پر لگاتار سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط کیے رکھا' پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔ کیا ان میں سے کوئی بھی تمہیں باقی نظر آ رہا ہے؟۔"(۲)

(11) ﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ ... لَبِالْمِرْصَادِ ﴾ "کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا۔ ستونوں والے ارم کے ساتھ۔ جس کی مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔ اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے۔ اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ ان سب نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا۔ اور بہت فساد مچا رکھا تھا۔ آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ یقیناً تیرا رب گھات میں ہے۔"(۳)

ہم اپنی تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں ان آیات کے متعلق مفصل ذکر کر چکے ہیں (وللہ الحمد والمنۃ)۔ قوم عاد کا ذکر سورۂ برائت، سورۂ ابراہیم، سورۂ فرقان، سورۂ عنکبوت، سورۂ ص اور سورۂ ق میں بھی کیا گیا ہے۔ اب ہم قرآن کریم کے مختلف مقامات میں موجود قصۂ ہود پر روشنی ڈالیں گے اور متعلقہ احادیث و آثار بھی ذکر کریں گے۔ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ قوم نوح کے بعد سب سے پہلے بتوں کی پوجا کرنے والی قوم عاد تھی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے ﴿ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ ... بَصْطَةً ﴾ "اور تم یہ بات یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور تمہیں زیادہ پھیلاؤ عطا کیا۔"(٤) مطلب یہ ہے کہ اس نے تم کو وقت کے تمام لوگوں میں زیادہ قوی اور قد آور بنایا۔ سورۂ مومنون کے حوالے سے اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ "پھر ان کے بعد ہم نے اور قوم پیدا کی۔" درست رائے یہ ہے کہ اس سے قوم ہود مراد ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قوم ثمود ہے کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ "انہیں چیخ نے آ کر پکڑ لیا۔" اس آیت میں ان حضرات کا مستدل یہ ہے کہ چیخ کے ساتھ ہلاک ہونے والی قوم ثمود ہے' کیونکہ قوم عاد کو تو تند و تیز آندھی کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قوم عاد پر تیز آندھی اور چیخ دونوں عذاب آئے ہوں گے' اس میں کوئی تضاد و منافات بھی نہیں' جیسا کہ ایکہ والوں پر بھی مختلف قسم کا عذاب آیا تھا (اس کا ذکر آئندہ آئے گا)۔ نیز اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں قوم عاد کا زمانہ قوم ثمود سے پہلے کا ہے۔

---

(۱) [القمر : 18-22]

(۲) [الحاقۃ : 6-8]

(۳) [الفجر : 6-14]

(٤) [الأعراف : 69]

ھود علیہ السلام کی بعثت اور قوم کو دعوت

بہر حال قوم عاد بتوں کی پوجا میں حد سے تجاوز کر چکی تھی' ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہی ایک آدمی کو رسول بنا کر ان میں مبعوث فرما دیا تا کہ وہ انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دے۔ لیکن انہوں نے اس کی مخالفت کی' اس کی توہین کی' اس پر مختلف قسم کے عیب لگائے' تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرما دیا۔ جب ھود علیہ السلام نے قوم کو اللہ کی اطاعت پر اُخروی نعمتوں کی نوید اور نافرمانی پر عذاب کی وعید سنائی تو انہوں نے جواب میں کہا ''ہم تو تمہیں کم عقل تصور کرتے ہیں۔''(۱) یہ بات کہنے کا مقصد یہ تھا کہ بتوں کی عبادت سے ہی تو مدد نازل ہوتی ہے اور رزق میں بھی فراوانی ہوتی ہے' اب اس کے مقابلے میں تمہاری دعوت یقیناً بے وقوفی ہے' مزید برآں ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ نے تمہیں رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ھود علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ ''میں کم عقل نہیں بلکہ میں تو رب العالمین کا ایک پیغمبر ہوں۔''(۲) یعنی جو تم سمجھ رہے ہو حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ میں تو صرف تمہیں اپنے رب کے پیغامات ہی پہنچاتا ہوں۔

''پہنچاتا ہوں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغام میں نہ تو جھوٹ بولا گیا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی کمی بیشی کی گئی ہے اور اس میں ایک مفہوم یہ بھی پنہاں ہے کہ مختصر مگر جامع مانع انداز میں پیغام پہنچایا گیا ہے۔ اس خاص انداز کے ساتھ ساتھ ھود علیہ السلام قوم کے نہایت ہمدرد اور شفیق بھی تھے۔ وہ ان سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ تو صرف ان کی خیر خواہی کرنا چاہتے تھے۔ اس کا بدلہ تو وہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے تھے جس نے انہیں رسول بنایا اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کر دیں۔ اسی لیے ھود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اے میری قوم! میں تم سے اس کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا بلکہ میرا بدلہ تو اس اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا' کیا تم سمجھتے نہیں۔''(۳) مطلب یہ ہے کہ کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ جس سے تم یہ سمجھ سکو کہ میں تمہیں اس صریح حق کی دعوت دے رہا ہوں جس کی گواہی تمہاری فطرت بھی دیتی ہے اور یہی وہ دین حق ہے جو نوح علیہ السلام کو دے کر بھیجا گیا تھا اور ان کے مخالفین تباہ کر دیئے گئے تھے۔ میں تمہیں وہی سچی دعوت دے رہا ہوں اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہوں' یقیناً وہی نفع اور نقصان کا مالک ہے۔ سورۂ یٰس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک مومن آدمی کی اسی طرح کی بات نقل فرمائی ہے کہ ﴿ اتَّبِعُوا مَنْ لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ۝ وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾ ''ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''(۴)

(۱) [الأعراف : 66] (۲) [الأعراف : 67]
(۳) [هود : 51] (۴) [يس : 21-22]

قومِ ہود نے یہ جواب دیا کہ تیرے پاس اس بات کی کوئی دلیل تو موجود نہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے' اس لیے ہم صرف تیرے کہنے پر ہی اپنے معبود نہیں چھوڑ سکتے' ہمارے خیال میں تو ہمارے معبود کے کسی برے جھپٹے میں آ گیا ہے۔ یعنی تو نے ہمارے سامنے کوئی معجزہ تو پیش کیا نہیں اور نہ ہی تیرے پاس رسول ہونے کی کوئی دلیل ہے' اس لیے ہم تیری بات تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے کسی معبود نے تجھ سے ناراضگی کی وجہ سے تیری عقل خراب کر دی ہے۔ اسی لیے تو بے تکی باتیں کر رہا ہے۔ ہود علیہ السلام نے کہا ''میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں' جنہیں تم شریک بنا رہے ہو۔ اچھا تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔''(۱)

یہ ہود علیہ السلام کی طرف سے واضح اعلان تھا کہ تمہارے معبود باطل ہیں اور کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں رکھتے' نہ کسی کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ یہ تو محض پتھر ہیں' اس سے زیادہ ان کی کچھ حیثیت نہیں۔ اگر تمہارے خیال میں یہ کسی کے نفع ونقصان کے مالک ہیں تو میں اعلانیہ ان سے اظہارِ براءت کرتا ہوں' تم اپنے معبودوں سمیت جو کر سکتے ہو کر لو۔ مجھے تمہاری کچھ پرواہ نہیں۔ میں تو اپنے پروردگار پر ہی بھروسہ کرتا ہوں جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ ہر جاندار کی پیشانی اس نے تھام رکھی ہے۔ یقیناً میرا پروردگار درست راہ پر ہے۔(۲) ہود علیہ السلام کی صرف یہی بات ان کے سچے رسول ہونے اور قوم کے گمراہ ہونے کی دلیل تھی کہ قوم کے تمام لوگ اور ان کے معبودانِ باطلہ سب مل کر بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اسی طرح کی دلیل ان سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنے قوم کے سامنے پیش کی تھی کہ ﴿ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَ تَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ... وَ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ ''اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور احکامِ الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔ تم اپنے شرکاء کے ساتھ مل کر اپنی تدبیر پختہ کر لو' پھر تمہاری تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہیں ہونی چاہیے' پھر میرے ساتھ (جو چاہو) کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔''(۳)

اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تھا کہ ﴿ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّا ... حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴾ ''اور میں ان چیزوں سے' جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو' نہیں ڈرتا الا کہ میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے' میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے' کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے

---

(۱) [ھود : 54-55] (۲) [ھود : 56]

(۳) [یونس : 71]

جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی' سوان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے' اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ نہیں ملاتے' ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔ اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی' ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ یقیناً آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔"(۱)

ہود علیہ السلام کی قوم کو بڑا تعجب یہ تھا کہ ان جیسا ہی ایک انسان جو ان کے ساتھ کھاتا اور پیتا ہے رسول کیسے ہو سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مومنون میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔(۲) یہ ایسا شبہ ہے جو شروع سے کفار پیش کرتے آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ ﴾ "کیا لوگوں کے لیے یہ بات قابل تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کی طرف وحی کی کہ وہ لوگوں کو ڈرائے۔"(۳) ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا ... مَلَكًا رَّسُولًا ﴾ "لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے کو ہی رسول بنا کر بھیجتے۔"(٤)

ہود علیہ السلام نے بھی اسی لیے قوم سے کہا کہ "کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے رب کی طرف سے نصیحت تم میں سے ہی ایک آدمی پر آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔"(٥) مقصود یہ بتانا تھا کہ اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں' اللہ جسے چاہے رسول بنا سکتا ہے' اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اس کے علاوہ قوم کے سرداروں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلانے کے لیے یہ بھی کہا کہ یہ بات درست نہیں کہ جب ہم مر کر ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا' ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لوگ تو پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں' یہ سلسلہ بس ایسے ہی جاری رہے گا۔ دہریہ کا بھی یہی عقیدہ ہے' ان کا کہنا ہے کہ لوگ مرنے کے 36 ہزار سال بعد دوبارہ دنیا میں واپس آجاتے ہیں۔ فی الواقع یہ تمام باتیں جھوٹ اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی دلیل ہے۔ ایسے لوگ تو صرف ان کو ہی بہکا سکتے ہیں جو خود گمراہ اور بے عقل ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ﴾ "اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور وہ اسے پسند کر لیں اور وہ ان اُمور کے مرتکب ہو جائیں جن کے وہ مرتکب ہوتے ہیں۔"(٦)

---

(۱) [الأنعام : 80-83] (۲) [المومنون : 33-35]
(۳) [یونس : 2] (٤) [الاسراء : 94-95]
(٥) [الأعراف : 63] (٦) [الأنعام : 113]

قوم کو نصیحت کرتے ہوئے ھود علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ تم جو ہر بلند مقام پر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتے ہو' یہ فضول کام ہے۔ انہوں نے قوم سے یہ بات اس لیے کہی کیونکہ ان کی عادت تھی کہ وہ بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کر کے ان میں رہتے' مگر وہ محض فخر و تکبر کے لیے ہی ایسا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے پروردگار نے ستونوں والے عادِ ارم کے ساتھ کیا کیا' ان جیسے لوگ علاقوں میں پیدا نہیں کیے گئے۔''(۱) عادِ ارم سے مراد عادِ اولیٰ ہی ہیں جو بڑے بڑے ستونوں والے خیموں میں رہتے تھے۔ جن حضرات کا کہنا ہے کہ ارم سونے اور چاندی سے بنا ہوا ایک شہر تھا جو زمین میں گھومتا پھرتا رہتا تھا' ان کی بات بالکل غلط اور بلا دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ ﴾ میں مصانع سے مراد محلات ہیں یا وہ بڑے بڑے قلعے ہیں جنہیں وہ موت سے بچنے کے لیے تعمیر کیا کرتے تھے یا پانی جمع کرنے کی جگہیں ہیں۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴾ یعنی انہیں یہ امید تھی کہ وہ ان بڑے بڑے محلات میں ہمیشہ مقیم رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا ﴿ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ ... يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴾ ''اور جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری امداد کی جنہیں تم جانتے ہو۔ اس نے تمہاری مدد کی مال سے اور اولاد سے۔ باغات اور چشموں سے۔ مجھے تو تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔''(۲) قوم نے ھود علیہ السلام سے کہا' کیا تو چاہتا ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کریں' اگر تو سچا ہے تو جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے اسے لے آ۔ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی تیری پیروی کریں گے۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا کہ تو ہمیں نصیحت کر یا نہ کر ہم تیری نہیں مانیں گے' یہ پہلوں کے طریقے ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ قرآن کے لفظ خلق کے خاء پر اگر زبر ہو ﴿ خَلْقُ ﴾ تو معنی ہو گا کہ یہ باتیں تیری گھڑی ہوئی ہیں اور پہلی کتب سے لی گئی ہیں۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے یہ تفسیر مروی ہے۔ اور اگر اس لفظ میں خاء اور لام پر پیش پڑھا جائے ﴿ خُلُقُ ﴾ تو پھر اس کا معنی ہو گا کہ یہ دین ہمارے آباؤ اجداد کا دین ہے' ہم اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا'' ان دونوں قراءتوں کے مفہوم کے مطابق ہے۔

ھود علیہ السلام نے انہیں کہا ''بس اب تم پر اللہ کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں (یعنی معبودوں) کے بارے میں جھگڑتے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیا ہے۔ ان کے

---

(۱) [الفجر: 6-8]

(۲) [الشعراء: 130-135]

معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ لہٰذا تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔'' یعنی تم اب عذابِ الٰہی کے مستحق ٹھہر چکے ہو اور تم اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کر رہے ہو انہیں تم نے خود ہی گھڑا ہے اور خود ہی انہیں معبود بنا لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اب جب تم میری ہر بات کا انکار کر چکے ہو تو پھر اللہ کی طرف سے عذاب کا انتظار کرو اب اس عذاب کو کوئی نہیں روک سکتا۔

قوم کے قبولِ دعوت سے انکار پر ہود علیہ السلام کی فریاد اور عذاب کا نزول

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ﴿ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا ... فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''ہود علیہ السلام نے فریاد کی کہ اے پروردگار! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد فرما۔ جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی جلد اپنے کیے پر پچھتانے لگیں گے۔ بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق چیخ نے پکڑ لیا اور ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ کر ڈالا' پس ظالموں کے لیے دوری ہو۔''(۱) ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا ... الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ ''قوم نے جواب دیا' کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پوجا) سے باز کریں؟ پس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کا آپ وعدہ کر رہے ہیں اسے ہم پر لا ڈالیں۔ (حضرت ہود علیہ السلام نے) کہا' اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے' میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے عذاب کو بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہا' یہ ہم پر برسنے والا ابر ہے' (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے' (یہ) ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی' پس وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانات کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ گنہگاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں۔''(۲)

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کہیں مختصر اور کہیں مفصل قومِ عاد کی تباہی کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا ﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ ... مُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''ہم نے انہیں اور ان کے (مومن) ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے نہ تھے۔''(۳) ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا ... قَوْمِ هُوْدٍ ﴾ ''اور جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے ہود اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا کی اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بچا لیا۔ یہ تھی قومِ عاد

(۱) [المومنون : 39-41] (۲) [الأحقاف : 22-25]

(۳) [الأعراف : 72]

جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش نافرمان کے حکم کی تابعداری کی۔ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی' دیکھ لو قومِ عاد نے اپنے رب سے کفر کیا' ہود کی قومِ عاد پر دوری ہو۔"(۱) ایک مقام پر فرمایا﴿ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ... الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾ "چونکہ قومِ عاد نے ہود کو جھٹلایا' اس لیے ہم نے انہیں تباہ کر دیا' یقیناً اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر بے ایمان تھے۔ بے شک آپ کا رب ہی غالب و مہربان ہے۔"(۲)

عذاب کی تفصیل سورۂ احقاف کے حوالے سے پیچھے گزر چکی ہے کہ ابتداء میں بارش روک کر انہیں قحط میں مبتلا کر دیا گیا' پھر انہوں نے بارش طلب کی۔ جب انہوں نے آسمان میں بادل آتا ہوا دیکھا تو سمجھا کہ ان پر بارش ہونے والی ہے لیکن فی الحقیقت وہ عذاب والا بادل تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ﴾ "بلکہ یہ تو وہ ہے جسے تم جلدی طلب کر رہے تھے۔"(۳) یعنی عذاب ہے۔ اس آیت میں ان کے اس قول کی طرف اشارہ ہے﴿ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴾ "اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کر رہا ہے۔"(۴)

مفسرین و مؤرخین یہاں ابن اسحاق" کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب قومِ عاد نے ہود علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اللہ کے ساتھ کفر پر ہی جمے رہے تو اللہ تعالیٰ نے تین سال تک ان پر بارش نہ برسائی حتی کہ وہ بہت زیادہ مصائب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت یہ رواج تھا کہ جب لوگ مصیبت میں مبتلا ہوتے تو اللہ کے گھر بیت اللہ میں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا و فریاد کرتے اور یہ طریقہ ان میں معروف تھا۔ ان دنوں وہاں عمالقہ قوم آباد تھی' جو عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی نسل سے تھی۔ ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا' اس کی والدہ جلھذہ بنت خیبری' کا تعلق قومِ عاد سے تھا۔ قومِ عاد نے تقریباً 70 افراد بارش کی دعا کے لیے بیت اللہ بھیجے۔ وہ مکہ کے قریب رہائش پذیر معاویہ بن بکر کے قریب سے گزرے تو اس کے پاس ایک ماہ تک مقیم رہے' وہ وہاں شراب پیتے اور معاویہ کی دو رقاصاؤں کا رقص دیکھتے۔ جب ان کا قیام طویل ہو گیا اور معاویہ کو انہیں جانے کے لیے کہنے میں شرم محسوس ہوئی تو اس نے اپنی دو رقاصاؤں سے کہا کہ وہ ان کے سامنے جا کر یہ شعر پڑھیں:

"خبردار! اے قیل! تیرا برا ہو' اٹھ اور نرمی اختیار کر' ممکن ہے اللہ ہمیں ایسا بادل عطا کر دے جو عادیوں کی زمین سیراب کر دے۔ بلاشبہ سخت پیاس کی وجہ سے قومِ عاد سے گفتگو نہیں ہو رہی۔ اس صورتحال میں نہ تو بوڑھے کے بچنے کی امید ہے اور نہ ہی بچے کے۔ کبھی ان کی عورتیں عافیت سے تھیں لیکن اب بیوہ ہو رہی ہیں۔ جنگلی جانوروں کو بھی قومِ عاد

---

(۱) [ھود : 58-60] (۲) [الشعراء : 139-140]
(۳) [الأحقاف : 24] (٤) [الأحقاف : 22]

کے تیروں کا کوئی ڈر باقی نہیں رہا' اس لیے وہ بلاخوف وخطر ان پر حملے کر رہے ہیں اور تم یہاں حسب منشا عیش ونشاط کے دن بسر کر رہے ہو' تم لوگ محروم کر دیئے جاؤ اور کوئی بھی تمہیں خوش آمدید نہ کہے۔''

یہ اشعار سنتے ہی انہیں اپنی آمد کا مقصد یاد آ گیا اور انہوں نے حرم میں پہنچ کر اپنی قوم کے لیے دعا کی' ان میں سب سے بڑے قیل بن عنز نے بھی دعا مانگی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تین مختلف رنگوں (سفید' سرخ اور سیاہ رنگ) کے بادل ظاہر کیے اور آسمان سے آواز آئی کہ ان میں سے کوئی ایک پسند کر لو' تو قیل نے سیاہ پسند کر لیا۔ اس پر پھر آواز آئی کہ تو نے عادیوں کی ہلاکت کو اختیار کر لیا ہے' اس سے نہ تو ان کا کوئی بوڑھا بچے گا اور نہ کوئی بچہ' وہ سب ہلاک کر دیئے جائیں گے' صرف بنی لاوذ محفوظ رہیں گے۔ یہ نسلِ عاد سے ہی تھے اور مکہ میں آباد تھے۔ جو عذاب عادیوں پر نازل ہوا یہ اس سے محفوظ رہے۔ قومِ عاد کے بچ جانے والے لوگ عادِ ثانیہ یا عادِ آمرہ کہلائے۔ قیل بن عنز کا اختیار کردہ سیاہ بادل اللہ تعالیٰ نے عادیوں کی طرف چلا دیا جب وہ مغیث وادی تک پہنچا تو لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ ہم پر بارش برسائے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ ''بلکہ یہ تو وہ عذاب تھا جسے وہ جلدی طلب کر رہے تھے۔''

مہد نامی ایک عورت نے سب سے پہلے صحیح صورتحال کو جانا کہ یہ تو سخت ہوا ہے۔ جب اسے عذاب کے متعلق معلوم ہوا تو وہ چیخی اور بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا تو نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے بتایا کہ میں نے ہوا میں آگ دیکھی ہے جسے کچھ لوگ چلا رہے ہیں۔ پھر یہ تند وتیز آندھی اللہ تعالیٰ نے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلسل چلائی جس سے قومِ عاد کے تمام لوگ ہلاک ہو گئے۔ ہود علیہ السلام اپنے ساتھ ایمان لانے والوں کو لے کر ایک باڑے میں داخل ہو گئے تھے' وہ ہوا ان کے لیے خوشبو اور تازگی کا ذریعہ بنی جبکہ عادیوں کو وہ ہوا فضا میں اڑا رہی تھی اور پتھروں کے ساتھ کچل رہی تھی۔

حارث بن حسان یا حارث بن زید بکری کا بیان ہے کہ میں علاء بن حضرمی کی شکایت کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی طرف گیا۔ جب مقام ربذہ کے پاس پہنچا تو ایک بوڑھی عورت سے ملاقات ہوئی۔ اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی اس لیے اس نے کہا' اے اللہ کے بندے! کیا تو مجھے اللہ کے رسول کے پاس لے جا سکتا ہے؟ تو میں نے اسے اپنے ساتھ سوار کر لیا اور مدینہ لے آیا۔ مسجد میں لوگوں کا ہجوم تھا اور ایک سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ میان میں ڈالی ہوئی تلوار اپنے گلے میں لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ میں نے پوچھا' کیا بات ہے؟ جواب ملا' رسول اللہ ﷺ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میں بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر داخل ہوئے تو میں نے بھی اندر آنے کی اجازت طلب کی' آپ نے اجازت دے دی۔ میں داخل ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا' کیا تمہارے اور بنی تمیم کے درمیان کوئی عداوت تھی؟ میں نے عرض کیا

ہاں اور ہمیں غلبہ حاصل تھا۔ میں بنی تمیم کی ایک عورت کے پاس سے گزرا' اس کے پاس سواری نہیں تھی' اس نے مجھے آپ تک پہنچانے کے لیے کہا تھا' اب وہ دروازے پر کھڑی ہے۔ آپ نے اسے اجازت دی اور وہ داخل ہوئی۔ میں نے کہا' اگر آپ ہمارے اور بنی تمیم کے درمیان کوئی حد مقرر کرنا چاہیں تو صحراء کو حد مقرر کر دیں کیونکہ یہ ہمارا علاقہ ہے۔ یہ سن کر وہ عورت غصہ میں آ گئی اور کہنے لگی' پھر تمہارا پریشان آدمی کہاں جائے گا؟ میں نے کہا' میری مثال تو اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے والے کی ہے۔ میں خود اسے سوار کر کے لایا ہوں اور مجھے احساس بھی نہ ہوا کہ یہ میری دشمن ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں آتا ہوں کہ قومِ عاد کے قاصد کی مانند بن جاؤں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ قومِ عاد کے قاصد کا کیا ماجرا ہے؟ آپ کو مجھ سے زیادہ علم تھا لیکن محض لطف اندوز ہونے کی غرض سے آپ نے وہ واقعہ مجھ سے سننا پسند کیا۔ میں نے عرض کیا کہ جب قومِ عاد قحط میں مبتلا ہوئی انہوں نے چند افراد قیل بن عنز کے ساتھ روانہ کیے' وہ معاویہ بن بکر کے پاس ایک ماہ مقیم رہے' وہ انہیں شراب پلاتا اور اس کی دو رقاصائیں انہیں گانے سناتیں' ان دونوں کو ''جرادتان'' کہا جاتا تھا۔ پھر ایک ماہ بعد قیل تہامہ کے پہاڑوں کی طرف آیا اور دعا کی کہ اے اللہ! تجھے بخوبی علم ہے کہ میں کسی مریض کا علاج کرنے یا کسی قیدی کو فدیہ دے کر چھڑانے نہیں آیا' اے اللہ! قومِ عاد کو سیراب کر دے جس سے تو سیراب کرتا ہے۔ جب اس نے یہ دعا کی تو اس کے قریب سے بادل گزرنے لگے۔ اسے آواز دی گئی کہ ان میں سے کوئی ایک بادل اختیار کر لے' تو اس نے سیاہ بادل کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اسے آواز دی گئی کہ یہ تو جلی ہوئی راکھ ہے' یہ قومِ عاد کے کسی بھی فرد کو باقی نہیں چھوڑے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ ان پر صرف اتنی آندھی بھیجی گئی تھی کہ جو میری انگوٹھی سے گزر جائے لیکن وہ اسی سے تباہ و برباد ہو گئے۔ ابو وائل کہتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے کہ جب بھی کوئی مرد یا عورت اپنا نمائندہ بھیجتا تو کہتا کہ قومِ عاد کے نمائندے کی طرح نہ ہو جانا۔ (۱)

یہ روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور ابن جریرؒ اور دیگر مفسرین نے بھی اسے اپنی اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ عادِ ثانیہ کی ہلاکت کے بارے میں ہو کیونکہ ابن اسحاق ؒ اور دیگر متعدد مؤرخین نے اس میں مکہ کا ذکر کیا ہے اور یہ معروف ہے کہ مکہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد آباد ہوا' جب انہوں نے ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو وہاں لا کر آباد کیا اور پھر قبیلہ جرہم وہاں آ کر آباد ہوا۔ تاہم عادِ اولیٰ کا دور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت میں معاویہ بن حکم کے اشعار کا بھی ذکر ہے۔ یہ اشعار بھی عادِ اولیٰ کے بعد کے ہیں کیونکہ ان کا اسلوب پہلوں کے مشابہ نہیں۔ نیز اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ سیاہ بادل میں آگ کے شرارے تھے جبکہ عادِ اولیٰ ''ریح صرصر'' کے ساتھ ہلاک کیے گئے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کا بیان ہے کہ صرصر سے مراد ٹھنڈی ہوا اور العاتیۃ

(۱) [مسند احمد (3/482) معرفة الصحابه لأبي نعيم الأصبهاني (6/181)]

سے مراد تند و تیز ہوا ہے۔

اس آندھی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ ﴾ ''اللہ نے ان پر اسے سات راتیں اور آٹھ دن چلایا۔''(۱) اسی آیت میں مذکور لفظ حسوما کا معنی ہے مکمل۔ کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے روز ہوا چلنا شروع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ بدھ کے دن شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴾ ''پس آپ لوگوں کو اس میں ایسے گرے پڑے دیکھتے ہیں جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔''(۲) انہیں کھجور کے درختوں کے ایسے تنوں کے ساتھ تشبیہ دی کہ جن کے سرے الگ ہو چکے ہوں' کیونکہ ہوا انہیں اٹھا کر اوپر لے جاتی اور پھر سر کے بل زمین پر دے مارتی' جس سے ان کے سر ٹکڑے ہو جاتے اور دھڑ باقی رہ جاتے' جیسے کھجور کے درختوں کی شاخیں اور پھل کاٹ کر خالی تنے چھوڑ دیئے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ ﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ ... مُّنقَعِرٍ ﴾ ''ہم نے ان پر تند و تیز مسلسل چلنے والی ہوا' ایک پیہم منحوس دن میں بھیجی۔ جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر پٹختی تھی' گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔''(۳) معلوم ہوا کہ وہ دن ان کے لیے منحوس تھا' جس روز ان پر مسلسل عذاب کا سلسلہ شروع ہوا۔

کچھ لوگوں نے اس منحوس دن سے بدھ کا دن مراد لیا ہے اور پھر مستقل طور پر بدھ کے دن کو منحوس قرار دیا ہے حالانکہ یہ تصور غلط اور قرآن کے خلاف ہے کیونکہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ ''پس ہم نے ان پر منحوس دنوں میں تیز ہوا بھیجی۔''(٤) یہ معلوم ہے کہ وہ آٹھ دن تھے۔ اگر وہ دن منحوس تھے تو ہفتے کے سارے دن ہی منحوس ٹھہرے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں' لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ وہ دن ان کے لیے منحوس تھے نہ کہ بذاتِ خود دن ہی منحوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴾ 'اور عاد میں نشانی ہے کہ جب ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی۔''(٥) مطلب یہ ہے کہ اس ہوا میں خیر و برکت نہ تھی۔ نہ تو اس کے ساتھ بادل تھے اور نہ ہی اس سے درخت بار آور ہوئے' یعنی وہ بالکل بے فائدہ تھی' البتہ وہ ہر چیز کی ہلاکت کا ذریعہ تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴾ ''وہ جس چیز پر بھی پہنچتی اسے ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔''(٦)

فرمانِ نبوی ہے کہ '' میری مدد بادِ صبا (مشرقی ہوا) سے کی گئی اور عاد کو دبور (مغربی ہوا) سے

(۱) [الحاقة : 7] (۲) [أيضا]
(۳) [القمر : 19-20] (٤) [فصلت : 16]
(٥) [الذاريات : 41] (٦) [الذاريات : 42]

ہلاک کیا گیا۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اور قوم عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کو یاد کرو' جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو' بلاشبہ میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے خائف ہوں۔''(۲) مزید فرمایا کہ ''پھر جب انہوں نے عذاب کو بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہا' یہ ہم پر برسنے والا اَبر ہے' (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے' (یہ) ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔''(۳) یعنی جب قوم عاد نے آسمان پر بادل کو آتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اسے بارش والا بادل سمجھا لیکن وہ عذاب والا بادل تھا' ان کا خیال تھا کہ وہ ان پر رحمت برسائے گا مگر اس نے ان پر نہایت بری چیز نازل کر دی۔ ممکن ہے کہ اس عذاب سے مراد وہی تند و تیز ہوا ہو جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی اور اس نے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ یہ ہوا پہاڑوں کی غاروں سے بھی لوگوں کو نکال لاتی اور انہیں ہلاک کر دیتی' اسی طرح ان کے مضبوط محلات و رہائش گاہوں کو بھی منہدم کر دیتی۔ انہیں اپنی قوت و طاقت پر بہت فخر تھا' جس کا اظہار وہ یوں کرتے تھے کہ ہم سے طاقت میں کون زیادہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا بھیج دی جو ان سے زیادہ طاقتور تھی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ ہوا ہی بادل لانے کا ذریعہ بنی ہو اور پھر ان بادلوں سے اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ برسا دی ہو جیسا کہ کچھ حضرات نے یہ بھی ذکر کیا ہے اور یوں ان پر متعدد عذاب نازل ہوئے ہوں جیسے اہل مدین پر مختلف عذاب نازل ہوئے تھے۔

قوم عاد پر عذاب کے متعلق مختلف روایات

✦ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے قوم عاد پر صرف اتنی ہوا بھیجی جو انگوٹھی سے گزر جائے اور اسی نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ جب وہ ہوا دیہاتوں کے پاس سے گزری تو اس نے دیہاتیوں اور ان کے مویشیوں کو اوپر اٹھا لیا۔ پھر جب قوم عاد نے ہوا کو دیکھا تو سمجھا کہ وہ برسنے والا بادل ہے لیکن وہ ان کے قریب

(۱) [بخاری (1035) کتاب الاستسقاء : باب قول النبی نصرت بالصبا ' مسند احمد (441/4) ابن أبی شیبة (410/7) السنن الکبری للبیهقی (364/3) عبد الرزاق (89/11) السنن الکبری للنسائی (451/6) طبرانی کبیر (273/9) تفسیر ابن أبی حاتم (14782) أبو عوانة (2022) أبو یعلی الموصلی (2619) صحیح ابن حبان (6528) مسند عبد بن حمید (639) مسند طیالسی (2754) مشکل الآثار للطحاوی (776)]

(۲) [الأحقاف : 21]　(۳) [الأحقاف : 24]

پہنچی تو اس نے دیہاتیوں اور مویشیوں کو ان پر دے مارا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ (۱)

✧ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے قوم عاد پر صرف انگوٹھی (کے سوراخ) کے برابر جگہ سے ہوا بھیجی۔ اس نے دیہاتیوں کو اٹھا کر شہریوں کی طرف اٹھایا۔ جب انہوں نے اسے آتے ہوئے دیکھا تو کہا' یہ بادل ہماری وادیوں پر برسے گا۔ دیہاتی اسی میں تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے انہیں شہریوں پر دے مارا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔'' (۲)

راوی کا بیان ہے کہ ہوا اپنے اوپر مقررہ فرشتوں کے قابو سے باہر ہو گئی اور دروازوں کے اندر سے نکل گئی۔ میرے خیال میں ایک رائے یہ ہے کہ وہ ہوا بلا حساب نکلی تھی اور اس روایت کے مرفوع ہونے میں شبہ ہے (جس میں ہے کہ وہ انگوٹھی کے برابر جگہ سے نکلی تھی)' نیز اس میں مسلم ملائی راوی میں بھی اختلاف ہے اور اس میں اضطراب کی بھی ایک صورت موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

آیت کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ قوم عاد نے بادل ہی آتے ہوئے دیکھے تھے۔ لغوی اعتبار سے بھی عارض کا معنی بادل ہی کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حارث بن حسان بکری کی روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے' بشرطیکہ ہم اسے مذکورہ قصے کے لیے مفسر بنائیں اور اس سے بھی زیادہ واضح صحیح مسلم کی درج ذیل روایت ہے۔

✧ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تند و تیز آندھی چلتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ ﴾ ''اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی کا جو اس میں ہے اور اس چیز کی بھلائی کا جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اور میں تجھ سے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس چیز کے شر سے جو اس میں ہے اور اس چیز کے شر سے جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بادلوں کی وجہ سے آسمان چھپ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو جاتا' آپ (نہایت پریشانی کی وجہ سے) کبھی گھر میں داخل ہوتے اور کبھی نکلتے' کبھی آتے اور کبھی جاتے اور جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی۔ یہ صورتحال دیکھ کر عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے' اے عائشہ! کہیں ایسا نہ ہو جیسا کہ قوم عاد نے بادلوں کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ بادل ہم

(۱) [طبرانی کبیر (13553/12) امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مسلم الملائی راوی ضعیف ہے۔ [المجمع الزوائد (113/7)]

(۲) [طبرانی کبیر (12416/12) امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مسلم الملائی راوی ضعیف ہے۔ [المجمع الزوائد (113/7)]

پر بارش برسائے گا (لیکن اس نے عذاب کا کوڑا برسا دیا)۔ (۱)

✦ ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح منہ کھول کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے منہ کا اندرونی آخری حصہ ظاہر ہو جائے' آپ صرف مسکرایا کرتے تھے۔ آپ جب بادل یا ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرے پر اس کا اثر ظاہر ہو جاتا۔ (ایک دفعہ) میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش برسے گی اور آپ کے چہرے پر بادلوں کے آنے سے ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عائشہ! مجھے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں اس میں عذاب نہ ہو۔ قومِ نوح کو بھی ہوا کے ساتھ عذاب دیا گیا اور ایک قوم نے تو عذاب دیکھ کر کہا' یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے۔ (۲)

یہ حدیث دونوں قصوں کے مختلف ہونے کے بارے میں بالکل صریح ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ لہٰذا سورۂ احقاف میں مذکور قصہ عادِ ثانیہ کے متعلق ہے اور قرآن کے دیگر مقامات پر عادِ اولیٰ کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے قصہ نوح علیہ السلام کے ضمن میں ھود علیہ السلام کے حج کا ذکر کر دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ھود علیہ السلام کی قبر یمن میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دمشق کی جامع مسجد میں قبلہ کی جانب ایک جگہ ہے وہاں ھود علیہ السلام کی قبر ہے۔ (واللہ اعلم)

(۱) [مسلم (899) کتاب صلاۃ الاستسقاء : باب التعوذ عند رؤیۃ الریح والغیم والفرح بالمطر' ابو داود (5098) نسائی فی السنن الکبری (1831) مسند احمد (24401) ابن حبان (658) بیہقی (361/3)]

(۲) [بخاری (4828) کتاب تفسیر القرآن : باب قولہ فلما رأوہ عارضا مستقبل أودیتھم' مسلم (196/6) کتاب الاستسقاء : باب التعوذ عند رؤیۃ الریح والغیم والفرح بالمطر' ابوداود (5098) کتاب السنۃ : باب ما یقول اذا ھاجت الریح' مسند احمد (66/6)]

حضرت صالح علیہ السلام

نام ونسب اور قوم ثمود کا تعارف

ثمود ایک مشہور قبیلہ ہے جو اپنے جد امجد ثمود کی طرف منسوب ہے۔ ثمود جدیس کا بھائی تھا اور یہ دونوں عاثر بن ارم بن سام بن نوح کے بیٹے تھے۔ یہ عرب عاربہ ہیں۔ یہ حجاز اور تبوک کے درمیان ''حجر'' کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہ کے ساتھ تبوک کی طرف جاتے تو وہاں سے گزرتے۔ قوم ثمود کا زمانہ قوم عاد کے بعد کا ہے۔ یہ بھی قوم عاد کی طرح بت پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک اپنے بندے صالح کو ان میں مبعوث فرمایا۔ ان کا نسب نامہ یوں ہے' صالح بن عبید بن ماسح بن عبید بن حادر بن ثمود بن عاثر بن ارم بن نوح (علیہ السلام)۔ صالح علیہ السلام نے قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دی اور انہیں بت پرستی چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس پر کچھ لوگ صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے لیکن اکثر ایمان نہ لائے۔ کافروں نے ان کے ساتھ بہت برا رویہ برتا حتیٰ کہ ان کے قتل کا پروگرام بنالیا اور بطور نشانی اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی کو بھی قتل کر دیا' تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرما دیا۔

قصہ صالح علیہ السلام کے متعلق قرآنی آیات

(1) ﴿ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ... النّٰصِحِيْنَ ﴾ ''اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کہ کہیں تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔ اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانہ دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو' سو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے' جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے' پوچھا کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بلاشبہ جو کچھ بھی انہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس پر ایمان وایقان کا دعویٰ کر رہے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ پس انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! آپ

جس کا ہم سے وعدہ کر رہے ہیں اگر آپ (واقعتا) پیغمبر ہیں تو اسے لے آیئے۔ اس پر انہیں زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ اس وقت (صالح علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔''(۱)

(2) ﴿ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ... أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴾ ''اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا' اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہیں اس زمین میں بسایا ہے' پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا' اے صالح! اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے' کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے' ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! ذرا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے پاس کی رحمت عطا کی ہو' پھر اگر میں نے اس کی نافرمانی کر لی تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔ اور اے میری قوم والو! یہ اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک معجزہ ہے اب تم اسے اللہ کی زمین میں کھاتی ہوئی چھوڑ دو اور اسے کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ' ورنہ فوری عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔ پھر بھی ان لوگوں نے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے' اس پر صالح (علیہ السلام) نے کہا کہ اچھا تم اپنے گھروں میں تین تین دن تک تو رہ لو' یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا فرمان آ پہنچا' ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس سے بھی بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ یقیناً تیرا رب نہایت قوی اور غالب ہے۔ اور ظالموں کو بڑے زور کی چنگھاڑ نے آ دبوچا' پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ ایسے کہ گویا وہ کبھی آباد ہی نہ تھے' آگاہ رہو کہ قوم ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا' سن لو ان ثمودیوں پر پھٹکار ہے۔''(۲)

(3) ﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ... يَكْسِبُونَ ﴾ ''اور حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی عطا فرمائیں لیکن وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔ یہ لوگ بلا خوف و خطر پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے۔ آخر انہیں بھی صبح ہوتے ہوتے چنگھاڑ نے آ دبوچا۔ پس ان کی کسی تدبیر

(۱) [الأعراف : 73-79]

(۲) [هود : 61-68]

دخل نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔''(۱)

(4) ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ ... اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴾ ''اور ہمیں معجزات نازل کرنے سے صرف اس بات نے روکا کہ پہلے لوگوں نے انہیں جھٹلایا' ہم نے قوم ثمود کو بطور بصیرت اونٹنی دی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا' ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں۔''(۲)

(5) ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ... الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ ''ثمودیوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ان کے بھائی صالح نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ؟ میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں ۔تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے۔کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں تم امن کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے۔یعنی ان باغوں اور ان چشموں میں۔اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو۔پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔بے باک حد سے گزر جانے والوں کی اطاعت سے باز آ جاؤ۔جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔وہ بولے کہ بس تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔تو ہم جیسا ہی انسان ہے' اگر تو سچا ہے تو کوئی معجزہ لا۔آپ نے فرمایا' یہ ہے اونٹنی' پانی پینے کی ایک باری اس کی اور ایک مقررہ دن کی باری پانی پینے کی تمہاری۔(خبردار!) اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تمہاری گرفت کر لے گا۔پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پس وہ پشیمان ہو گئے۔اور عذاب نے انہیں آ دبوچا۔بے شک اس میں عبرت ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔اور بے شک آپ کا رب بڑا زبردست اور مہربان ہے۔''(۳)

(6) ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ... يَتَّقُوْنَ ﴾ ''یقیناً ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو' پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔آپ نے فرمایا' اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کو کیوں جلدی مچا رہے ہو؟ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔وہ کہنے لگے ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری بدشگونی اللہ کے ہاں ہے' بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو۔اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ ہم رات ہی کو صالح اور اس کے گھر

---

(۱) [الحجر : 80-84]

(۲) [الاسراء : 59]

(۳) [الشعراء : 141-159]

والوں پر چھاپہ ماریں گے اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے۔اب دیکھ لے ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا کہ ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو غارت کر دیا۔ یہ ہیں ان کے مکانات جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں' جو علم رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔ہم نے اہل ایمان اور پرہیزگاروں کو بچا لیا۔''(۱)

(7) ﴿ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ ... يَتَّقُونَ ﴾ ''رہے ثمود' سو ہم نے ان کی بھی رہبری کی' پھر بھی انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی تو انہیں ان کے کرتوتوں کے باعث ذلت کے عذاب نے پکڑ لیا۔اور ہاں ایمان دار اور متقیوں کو ہم نے نجات دے دی۔''(۲)

(8) ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ... مُّدَّكِرٍ ﴾ ''قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔اور کہنے لگے کیا ہم ہی میں سے ایک شخص کی ہم تابعداری کرنے لگیں؟ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہوں گے۔کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اسی پر وحی اتاری گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خور ہے۔اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور شیخی خور تھا۔بے شک ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے۔پس (اے صالح!) تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر۔ہاں انہیں خبر کر دے کہ پانی ان میں تقسیم شدہ ہے' ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہو گا۔انہوں نے اپنے ساتھی کو آواز دی جس نے (اونٹنی پر) وار کیا اور (اس کی) کونچیں کاٹ دیں۔پس کیوں کر ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی پس ایسے ہو گئے جیسے باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس۔اور ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان بنا دیا' کیا ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے؟''(۳)

(9) ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ... عُقْبَاهَا ﴾ ''قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا۔جب ان میں سے بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا۔انہیں اللہ کے رسول نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو۔ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں' پس ان کے رب نے ان کے گناہوں کے باعث ان پر ہلاکت ڈالی اور پھر ہلاکت کو عام کر دیا اور اس بستی کو برابر کر دیا۔وہ اس کے تباہ کن انجام سے نہیں ڈرتا۔''(٤)

قرآن کے مختلف مقامات مثلاً سورۂ براءۃ، سورۂ ابراہیم، سورۂ فرقان، سورۂ ص، سورۂ ق، سورۂ نجم اور سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد اور قوم ثمود کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔بیان کیا جاتا ہے کہ اہل کتاب کو ان دونوں قوموں کا علم نہیں

---

(۱) [النمل : 45-53]

(۲) [فصلت : 17-18]

(۳) [القمر : 23-32]

(٤) [الشمس : 11-15]

تھا اور تورات میں بھی ان کا ذکر موجود نہیں۔ تاہم قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کے متعلق خبردار کیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں ہے کہ ﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا ... رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ﴾ ''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ کیا تمہارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں؟ یعنی قوم نوح کی اور عاد و ثمود کی اور ان کے بعد والوں کی جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے تھے۔''(۱) بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی ہی کلام ہے جو انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ کی۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ان کے قصے مشہور تھے لیکن چونکہ یہ دونوں قومیں عرب سے تھیں اس لیے اہل کتاب ان کے حالات محفوظ نہ رکھ سکے۔ اس کے متعلق ہم اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ (وللہ الحمد والمنۃ) یہاں ہم قومِ ثمود کے حالات' صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی نجات اور ظالم قوم کی ہلاکت کا حال ذکر کریں گے۔

صالح علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا جواب

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ قومِ ثمود کا تعلق عرب سے تھا اور ان کا زمانہ قومِ عاد کے بعد تھا' انہوں نے عادیوں کا عبرتناک انجام دیکھنے کے باوجود بھی کوئی عبرت حاصل نہ کی تو صالح علیہ السلام نے ان سے کہا ''تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کہ کہیں تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔ اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانہ دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو' سو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔''(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ثمودیوں کا جانشین بنایا تاکہ تم ان سے عبرت حاصل کرو اور ان جیسے کاموں سے اجتناب کرتے ہوئے اچھے کام کرو۔ مزید اللہ نے تمہیں اتنی قوت سے نوازا ہے کہ تم میدانوں میں محل تیار کرتے ہو اور پہاڑوں کو کرید کرید کر گھر بنا لیتے ہو۔ ''فارھین''(۳) کا معنی یہ ہے کہ تم مضبوط گھر بنانے میں ماہر ہو۔ تو تمہیں چاہیے کہ ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے صرف اسی وحدہ لاشریک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے پیغمبر کی اطاعت و فرمانبرداری کرو کیونکہ اس کی مخالفت کا انجام بہت برا ہے۔

صالح علیہ السلام نے قوم کو یہ نصیحت ان الفاظ میں کی کہ ''کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں تم امن کے ساتھ چھوڑ دیے

(۱) [ابراھیم : 8-9] (۲) [الأعراف : 73-74]

(۳) [الشعراء : 146]

جاؤ گے۔ یعنی ان باغوں اور ان چشموں۔ اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پرتکلف مکانات بنا رہے ہو۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے باک حد سے گزر جانے والوں کی اطاعت سے باز آ جاؤ۔ جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔"(۱)
صالح علیہ السلام نے قوم سے مخاطب ہو کر یہ بھی کہا کہ اللہ کی عبادت کرو' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کر کے اس میں آباد کیا ہے۔ (۲) یعنی اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور پھر تمہیں زمین میں رہنے کے لیے جن اشیاء کی ضرورت تھی' مثلاً کھیتیاں' پھل اور دیگر اشیائے ضرورت وغیرہ' وہ بھی تمہیں عطا کر دیں۔ اس نے پیدا کرنے کے بعد تمہیں رزق کی دولت سے بھی نوازا اس لیے عبادت کا بھی وہی مستحق ہے۔ لہٰذا اس سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگ کر صرف اسی کی عبادت میں متوجہ ہو جاؤ' یقیناً وہ تمہیں معاف کر کے تمہارے اعمال قبول فرمالے گا۔

قوم نے جواب دیا کہ اے صالح! اس سے پہلے تو ہم تم سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ (۳) یعنی ہمارے خیال میں تم ایک بہت سمجھدار اور دانا انسان تھے۔ لیکن تمہاری یہ انوکھی دعوت تو ہمیں صرف ایک اللہ کی عبادت اور اپنے تمام معبودوں کی پوجا ترک کرنے کی ہی رہنمائی کرتی ہے۔ تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیں' ہم اس کے متعلق نہایت شک میں ہیں۔ صالح علیہ السلام نے انہیں نرم مزاجی اور نہایت عمدہ گفتگو کے ذریعے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر میری دعوت سچی ہے تو اللہ کے عذاب سے تمہیں کون بچائے گا؟ اور تم جو مجھ سے یہ مطالبہ کر رہے ہو کہ میں تمہیں دعوت دینا چھوڑ دوں' یہ تو میرا فرض ہے اور اگر میں نے اسی کو چھوڑ دیا تو اللہ کی پکڑ سے مجھے نہ تم بچا سکو اور نہ کوئی اور۔ اس لیے میں اس دعوت کو نہیں چھوڑوں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

قوم کے لوگوں نے صالح علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ تم پر تو جادو کر دیا گیا ہے۔ یعنی تم جو ہمیں ایک اللہ کی عبادت اور دوسرے تمام معبودوں کے بطلان کی دعوت دے رہے ہو یہ صرف اس لیے ہے کہ تم پر کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔ اس لیے تمہیں یہ سمجھ ہی نہیں آتی کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک یہاں لفظ مسحرین مفعول کا صیغہ ہے یعنی تم پر جادو کر دیا گیا ہے' البتہ بعض نے اسے فاعل کا صیغہ بھی بنایا ہے تب معنی ہوگا' تم جادو کرنے والے ہو۔ لیکن پہلا معنی ہی درست ہے کیونکہ انہوں نے بعد میں یہ بھی کہا تھا کہ تم تو ہمارے جیسے ایک انسان ہی ہو۔

قوم کی طرف سے معجزے کا مطالبہ اور پھر اس پر ظلم

پھر انہوں نے کہا "اگر تو سچا ہے تو کوئی معجزہ لے آ۔"(۴) یعنی اپنی نبوت کی صداقت کی کوئی دلیل پیش کر۔ تو اللہ

(۱) [الشعراء : 149-152] (۲) [ھود : 61]
(۳) [ھود : 62] (۴) [الشعراء : 154]

تعالیٰ نے ایک اونٹنی بھیج دی اور حکم دیا کہ اس کے لیے اور تمہارے لیے پانی پینے کا وقت مقرر ہے' اس پر زیادتی نہ کرنا ورنہ میرا عذاب تمہیں پکڑ لے گا' لیکن انہوں نے یہ واضح نشانی دیکھنے کے باوجود بھی اس پر ظلم کیا۔ (۱) مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ قوم ثمود کے کچھ لوگ ایک مجلس میں بیٹھے تھے کہ اللہ کے پیغمبر صالح علیہ السلام ان کے پاس آئے اور انہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت پیش کی۔ انہوں نے کہا' اگر تم اس چٹان سے ایک اونٹنی نکال دو جس میں یہ یہ صفات ہوں (انہوں نے صفات بیان کرنے میں غلو کیا مثلاً یہ کہ وہ دس ماہ کی حاملہ ہو' بہت بڑے قد کی ہو وغیرہ وغیرہ) تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ صالح علیہ السلام نے کہا' اگر میں تمہارا مطالبہ پورا کر دوں تو واقعی تم ایمان لے آؤ گے' انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو صالح علیہ السلام جائے نماز پر کھڑے ہوئے اور حسب توفیق نماز ادا کی اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کے مطالبے کی تکمیل کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے چٹان کو پھٹنے کا حکم دیا' پھر اس سے ایک بہت بڑی دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نمودار ہوئی' جو بالکل ان کے مطالبے کے مطابق تھی۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو بہت سے لوگ اسے صالح علیہ السلام کی سچائی کی دلیل سمجھ کر ایمان لے آئے۔ لیکن اکثر اس عظیم الشان نشانی کو دیکھنے کے باوجود بھی کفر و ضلالت پر ہی جمے رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿فَظَلَمُوا بِهَا﴾ یعنی معجزہ دیکھ کر بھی اکثریت حق سے کنارہ کش ہی رہی۔

قوم سے ایمان لانے والوں کا سردار جندع بن عمرو بن محلاۃ بن لبید بن حواس تھا۔ یہ قوم ثمود کا ایک سردار تھا' اس کے علاوہ اور بھی بہت سے سرداروں نے ایمان لانے کا سوچا' لیکن بتوں کے پجاری الحباب' ذؤاب اور رباب نے انہیں روک دیا۔ جندع نے اپنے چچازاد شہاب بن خلیفہ کو توحید کی دعوت دی (یہ بھی قوم کا ایک بڑا آدمی تھا)' اس نے قبول اسلام کا ارادہ کر لیا لیکن دیگر سرداروں نے اسے روکا تو وہ ان کی طرف مائل ہو گیا۔ اس کے متعلق ایک مسلمان مہرش نے کچھ اشعار کہے کہ ''آل عمرو کے ایک گروہ نے شہاب کو اللہ کے پیغمبر کی طرف دعوت دی' جو تمام ثمودیوں کا عزیز تھا۔ اس نے قبول اسلام کا ارادہ کر لیا' اگر وہ دعوت قبول کر لیتا تو صالح علیہ السلام کو ہم پر غلبہ حاصل ہو جاتا اور وہ ذؤاب کو اپنے ساتھی (یعنی صالح علیہ السلام) کی طرح کبھی نہ سمجھتے۔ لیکن آل حجر کے گمراہ لوگوں نے ہدایت کے بعد منہ پھیرا اور کتّوں کی مانند الگ ہو گئے۔''

صالح علیہ السلام نے ان سے کہا ''یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اظہار شرف کی غرض سے اونٹنی کی نسبت اپنی طرف کی' جیسے بیت اللہ ''اللہ کا گھر'' اور عبداللہ ''اللہ کا بندہ'' وغیرہ میں نسبت ہے۔ صالح علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ یہ اونٹنی میری نبوت کی دلیل ہے' اسے نقصان مت پہنچانا ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ لوگوں نے اتفاق کر لیا کہ وہ انہی میں رہے گی' وہ جہاں چاہے چرتی پھرے اور ایک دن کے ناغے کے ساتھ پانی پینے آئے۔ لوگ اپنی باری کے دن

---

(۱) [دیکھیے: الشعراء: 155-156 الاسراء: 59]

اگلے روز کے لیے پانی جمع کر لیتے اور جب اونٹنی آتی تو سارا پانی پی جاتی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لوگ ایک دن حسب ضرورت اونٹنی کا دودھ پی لیا کرتے تھے۔ اسی باعث اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ایک دن پانی پینے کی باری اس کے لیے ہے اور ایک معلوم دن تمہارے لیے۔" اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ "ہم آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے۔" یعنی اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی تم ایمان لاتے ہو یا نہیں۔ ان کے کرتوتوں سے اللہ تعالیٰ تو واقف ہی تھے اسی لیے فرمایا کہ تم انتظار کرو اور دیکھو کہ ان کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ ایک عرصے تک یہ معاملہ یونہی چلتا رہا بالآخر قوم کے سرداروں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی جائیں تاکہ سارا پانی ہمیں حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ ... الْمُرْسَلِينَ﴾ "پس انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! آپ جس کا ہم سے وعدہ کر رہے ہیں اگر آپ (واقعتاً) پیغمبر ہیں تو اسے لے آیئے۔"(۱)

اگرچہ اس اونٹنی کو قتل کرنے والا ایک ہی شخص تھا لیکن اس فعل کی نسبت سب کی طرف اس لیے کی گئی کیونکہ اس کے قتل پر سب متفق تھے۔ جس نے اسے قتل کیا وہ ان کا ایک سردار قدار بن سلف بن جندع تھا' اس کا رنگ اور بال سرخ تھے اور جسم پر نیلے دھبے تھے۔ ایک رائے یہ ہے کہ وہ ولدِ زنا تھا' یعنی پیدا تو سالف کے گھر ہوا لیکن درحقیقت صیبان نامی شخص کا بیٹا تھا۔ امام ابن جریرؒ اور دیگر مفسرین نے نقل کیا ہے کہ قومِ ثمود میں دو عورتیں تھیں' ایک کا نام صدوقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا۔ یہ مالدار خاتون تھی' اس نے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لی کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے چچازاد مصرع کو بلا کر خود کو اس کے سامنے پیش کر دیا' لیکن یہ شرط لگائی کہ وہ اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالے۔ دوسری عورت کا نام عنیزہ بنت غنیم بن مجلز تھا۔ یہ بوڑھی کافر عورت تھی۔ اس کی ذواب سے چار بیٹیاں تھیں۔ اس نے قدار بن سالف سے کہا' اگر تو اونٹنی کی کونچیں کاٹ دے تو میں اپنی چاروں بیٹیوں کا نکاح تجھ سے کر دوں گی۔ یہ دونوں آدمی (یعنی مصرع اور قدار) اس کام کے لیے تیار ہو گئے اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تو سات آدمی مزید تیار ہو گئے' انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "شہر میں 9 آدمی ایسے تھے جو فساد پھیلاتے تھے' اصلاح نہیں کرتے تھے۔"(۲)

یہ لوگ قوم کے دوسرے لوگوں کو بھی اس کام پر آمادہ کرتے رہے اور انہیں اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے فوائد بتاتے رہے' بالآخر سب کا اس پر اتفاق ہو گیا۔ یہ سب اونٹنی کے لیے گھات میں بیٹھ گئے۔ جب وہ پانی پی کر واپس ہوئی تو مصرع نے اسے تیر مارا جو اس کی پنڈلی کی ہڈی میں جا کر لگا۔ پھر عورتوں نے قبیلے کے لوگوں کو اونٹنی کے قتل پر ابھارا حتیٰ کہ اپنے چہرے ننگے کر دیئے۔ اس پر قدار نے تلوار سے اونٹنی پر حملہ کر دیا اور اس کی پچھلی ٹانگ کو زخمی کر دیا۔ وہ زمین پر

---

(۱) [الأعراف : 77]

(۲) [النمل : 48]

گر پڑی اور گرتے ہی اس نے زوردار چیخ لگائی تا کہ اس کا بچہ بچنے کے لیے اپنا بندوبست کر سکے' چنانچہ اس کا بچہ بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور تین مرتبہ بلبلایا۔ پھر قدار نے اونٹنی کے سینہ پر نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔(۱) اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ٥ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴾ ''پھر انہوں نے اپنی ساتھی کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کو) پکڑا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں' سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہے۔''(۲) حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اونٹنی کے بچے نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ میری ماں کہاں ہے؟ پھر وہ ایک چٹان میں داخل ہو کر غائب ہو گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کی بھی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کا اور اس کے قاتل کا ذکر کیا اور فرمایا' اسے قتل کرنے کے لیے ایک بہت دلیر اور قوی سردار اٹھا' جس کی بات مانی جاتی تھی جیسے (قریش میں) ابوزمعہ ہے۔(۳)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا' کیا میں تجھے سب سے بڑے بدبخت کے متعلق نہ بتاؤں؟ انہوں نے کہا' ضرور فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دو آدمی ہیں۔ ایک تو قوم ثمود کا سرخ رنگ کا آدمی ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں اور دوسرا وہ شخص ہے جو اے علی! تجھے اس جگہ (یعنی سر پر) ضرب لگائے گا جس سے یہ (یعنی داڑھی) تر ہو جائے گی۔(٤)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ ... الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ''پس انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! آپ جس کا ہم سے وعدہ کر رہے ہیں اگر آپ (واقعتاً) پیغمبر ہیں تو اسے لے آیئے۔''(٥) انہوں نے اپنے اس قول میں کئی انداز سے حدودِ کفر کو چھوا:

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (396/3)] (۲) [القمر : 29-30]

(۳) [بخاری (4942) کتاب تفسیر القرآن : باب سورة والشمس وضحاها' ترمذی (3343) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الشمس وضحاها' مسند احمد (17/4) السنن الکبری للنسائی (515/6) طبرانی کبیر (482/18) تفسیر ابن ابی حاتم (8708) شعب الایمان للبیهقی (6486) صحیح ابن حبان (5888) مشکل الآثار للطحاوی (261/9)]

(٤) [صحیح : السلسلة الصحیحة (1888) صحیح الجامع الصغیر (4354) مسند احمد (263/4) السنن الکبری للنسائی (153/5) مستدرک حاکم (4662) دلائل النبوة للبیهقی (490/2) معرفة الصحابة لأبی نعیم الأصبهانی (227/2) مشکل الآثار للطحاوی (307/2)]

(٥) [الأعراف : 77]

✦ اللہ تعالیٰ نے بطورِ علامت انہیں اونٹنی عطا کی اور اسے نقصان پہنچانے سے منع کیا' لیکن انہوں نے اسے قتل کر کے کھلی مخالفت کا اظہار کیا۔

✦ انہوں نے ایسا کام کیا جس سے جلد عذاب نازل ہو جائے اور دو وجہ سے وہ اس کے مستحق ہو گئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کی یہ شرط بیان فرمائی تھی کہ اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تمہیں عذاب پکڑ لے گا۔ دوسری یہ کہ انہوں نے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کر لیا۔

✦ ان کے کفر کی تیسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ایسے پیغمبر کو بھی جھٹلا دیا جس کی صداقت کی دلیل وہ خود دیکھ چکے تھے اور انہیں اس کا مکمل یقین بھی تھا' لیکن کفر و ضلالت پر قائم رہنے کی وجہ سے انہوں نے عذاب کو بعید تصور کیا' تو ان پر عذاب آ گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اونٹنی پر قدار بن سالف نے حملہ کر کے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور وہ نیچے گر گئی۔ پھر سب لوگوں نے اپنی اپنی تلواروں کے ساتھ اس کے ٹکڑے کر دیئے۔ جب اس کے بچے نے یہ صورتحال دیکھی تو وہ بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔ اس لیے صالح علیہ السلام نے ان سے کہا ﴿ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ﴾ ''اپنے گھروں میں تین دن تک فائدہ اٹھالو۔''(۱) یعنی انہیں اس دن کے علاوہ مزید تین دن کی مہلت دی گئی۔ انہوں نے اس پختہ وعید پر بھی اعتبار نہ کیا' بلکہ شام ہوتے ہی حضرت صالح کے قتل کا پروگرام بنالیا اور سب نے قسمیں کھا کر کہا ﴿ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ﴾ ''ہم ضرور رات کے وقت اس پر اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے۔''(۲) یعنی ہم رات کے وقت اس کے گھر میں داخل ہو کر اسے اہل وعیال سمیت قتل کر دیں گے۔ پھر اگر اس کے اقارب نے قصاص یا دیت کا مطالبہ کیا تو ہم قتل کا انکار کر دیں گے۔ اسی لیے انہوں نے کہا کہ ﴿ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ ''پھر ہم اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔''(۳)

قوم ثمود پر عذاب کا نزول

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا ... يَشْعُرُوْنَ ﴾ ''انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے۔ اب دیکھ لے ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا کہ ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو غارت کر دیا۔ یہ ہیں ان کے

(۱) [ھود : 65] (۲) [النمل : 49]
(۳) [النمل : 49]

مکانات جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں' جو علم رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔ ہم نے اہل ایمان اور پرہیزگاروں کو بچا لیا۔''(۱) اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنانے والوں پر پتھر برسا کر ان کے سر کچل دیئے اور انہیں قوم کے باقی کافروں سے پہلے ہی ہلاک کر دیا۔ جب مہلت کا پہلا دن یعنی جمعرات کا دن آیا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے جیسا کہ صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا' شام ہوئی تو انہوں نے کہا' مہلت کا ایک دن تو گزر گیا۔ جب دوسرے دن یعنی جمعہ کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے' شام ہوئی تو انہوں نے کہا' مہلت کا دوسرا دن بھی گزر گیا۔ جب مہلت کا تیسرا دن یعنی ہفتہ آیا تو ان کے چہرے سیاہ ہو گئے' شام ہوئی تو انہوں نے کہا' صالح کی بتائی ہوئی مہلت تو ختم ہو گئی ہے۔ جب اتوار کا دن آیا تو خوشبو لگا کر تیار ہوئے اور آنے والے عذاب کا انتظار کرنے لگے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور ان پر کیسا عذاب نازل ہونے والا ہے۔

سورج طلوع ہوا تو آسمان سے ایک سخت چیخ کی آواز آئی اور نیچے زمین پر زلزلہ آ گیا۔ جس سے تمام سرکشوں کی روحیں نکل گئیں اور وہ مر کر بے حرکت و خاموش ہو گئے۔ وہ جس حالت میں بھی اپنے گھروں میں بیٹھے تھے اسی حالت میں بے جان ہو گئے' ذرا سی حرکت بھی نہ کر سکے۔ ان میں صرف ایک لونڈی زندہ بچی جو پاؤں سے معذور تھی۔ اس کا نام ''کلبہ بنت سلق'' تھا' اسے ''ذریعہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ وہ کافرہ تھی اور صالح علیہ السلام کی دشمن تھی۔ عذاب دیکھتے ہی اس کی ٹانگیں صحیح ہو گئیں اور بھاگ اٹھی۔ اس نے عربوں کے ایک قبیلے میں آ کر انہیں اپنی قوم پر عذاب کی خبر دی اور پھر پانی طلب کیا' انہوں نے پانی دیا۔ اس نے پانی پیا تو یہ بھی مر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ﴾ ''گویا کہ وہ کبھی یہاں آباد ہی نہیں ہوئے۔''(۲) یعنی ایسے کالعدم ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجر کے علاقے سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ سے نشانیوں کا مطالبہ نہ کیا کرو۔ تم سے پہلے قوم ثمود نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا' تو انہیں (بطورِ نشانی) اونٹنی عطا کی گئی۔ وہ اِس راستے میں پانی پینے آتی تھی اور اُس راستے سے جاتی تھی۔ قوم ثمود کے لوگوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں حالانکہ ایک دن وہ ان کا پانی پیتی تھی اور وہ ایک دن اس کا دودھ پیتے تھے۔ جب انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو ان پر ایک ایسی سخت چیخ آئی کہ جس نے سب کو ہلاک کر دیا' صرف ایک آدمی بچا جو اس وقت اللہ کے حرم میں تھا۔ صحابہ نے دریافت کیا' اے اللہ کے رسول! وہ کون شخص تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' وہ ابو رغال تھا۔ جب وہ حدودِ حرم سے باہر نکلا تو وہ بھی اسی عذاب میں گرفتار ہو گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا۔(۳)

---

(۱) [النمل : 50-53] (۲) [هود : 68]

(۳) [مسند احمد (296/3) مستدرك حاكم (320/2) مجمع الزوائد للهيثمي (50/7)]

اسماعیل بن امیہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ ابورغال کی قبر کے قریب سے گزرے' تو فرمایا' تمہیں علم ہے یہ کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا' اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' یہ ابورغال کی قبر ہے۔ یہ قوم ثمود کا ایک آدمی تھا' جو حرم میں ہونے کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے بچ گیا تھا' لیکن جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اس پر بھی وہی عذاب آ گیا جو ثمودیوں پر آیا تھا اور یہ یہاں دفن کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ایک سونے کی ٹہنی بھی دفن کی گئی۔ لوگوں نے اس جگہ پر اتر کر اپنی تلواروں کے ذریعے زمین کھودی اور سونے کی ٹہنی نکال لی۔ (۱) امام زہریؒ نے فرمایا ہے کہ ابورغال بنوثقیف کا جدامجد ہے' یہ روایت مذکورہ سند کے ساتھ مرسل ہے۔ البتہ ایک دوسری سند سے متصل بھی مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' جب ہم طائف گئے تو ایک قبر کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' یہ ابورغال کی قبر ہے۔ یہ قبیلہ ثقیف کا جداعلیٰ ہے۔ یہ قوم ثمود کا ایک آدمی تھا' حرم میں ہونے کی وجہ سے عذاب سے بچ گیا' لیکن جب حرم سے باہر نکلا تو اسی عذاب کے گھیرے میں آ گیا جس کے گھیرے میں باقی ثمودی آئے تھے اور یہاں دفن کر دیا گیا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک سونے کی ٹہنی بھی مدفون ہے' اگر تم اسے کھودو گے تو وہ ٹہنی پا لو گے۔ چنانچہ لوگوں نے وہ جگہ کھود کر ٹہنی نکال لی۔ (۲) میرے خیال میں ممکن ہے یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا کلام ہو' نیز گزشتہ روایت اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس کے لیے شاہد ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت صالح علیہ السلام کا اظہارِ افسوس

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ ... النّٰصِحِيْنَ ﴾ ''اس وقت (صالح علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔'' (۳) قوم پر عذاب نازل ہونے کے بعد جب صالح علیہ السلام اس علاقے کو چھوڑنے لگے تو انہوں نے افسوس و حسرت کا اظہار کرتے ہوئے قوم سے مخاطب ہو کر یہ گفتگو فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ہر ممکن کوشش کی اور اپنے قول و عمل اور ہر طرح کی اچھی نصیحت سے تمہاری ہدایت کی حرص کی۔ لیکن تمہاری فطرت ہی حق کی طالب نہ تھی اس لیے تم دردناک عذاب کا شکار ہو گئے اور اس میں تم ہمیشہ ہمیشہ مبتلا ہی رہو گے۔ اب میں کسی طرح بھی تمہیں اس عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ میرا فرض تو یہ تھا کہ تم پر پیغام پہنچا دوں اور خیر خواہی

---

(۱) [مصنف عبد الرزاق (20989/11)]

(۲) [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (6082) السلسلة الضعیفة (4736) ضعیف ابو داود' ابو داود (3088) کتاب الخراج والامارة والفیء : باب نبش القبور العادیة یکون فیها المال' السنن الکبری للبیهقی (156/4)]

(۳) [الأعراف : 79]

کروں' سو میں وہ کر چکا ہوں' اس کے بعد اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

بدر کے کنوئیں میں جن کافر مقتولین کو پھینکا گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے بھی ان سے اسی طرح خطاب فرمایا تھا۔ رات کے آخری حصے میں جب آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو گئے اور کوچ کا ارادہ فرمایا تو کنوئیں کے پاس ٹھہر کر فرمایا' اے کنوئیں والو! کیا تم نے اس چیز (یعنی عذاب) کو پالیا جس کا تم سے تمہارے رب نے وعدہ فرمایا تھا' ہم نے تو وہ چیز (یعنی فتح) پا لی ہے جس کا ہم سے ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ تم اپنے نبی کے لیے برا خاندان ثابت ہوئے ہو' تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ انہوں نے میری تصدیق کی' تم نے مجھے (میرے علاقے یعنی مکہ سے) نکالا جبکہ انہوں نے مجھے جگہ دی' تم نے میرے ساتھ لڑائی کی جبکہ انہوں نے میری مدد کی' غرض تم اپنے نبی کے لیے برا خاندان ثابت ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! آپ مردوں سے باتیں کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میری بات اُن سے زیادہ نہیں سن رہے' البتہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔ (۱)

✦ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ نزولِ عذاب کے بعد صالح علیہ السلام حرم میں جا کر آباد ہو گئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دورانِ حج وادیٔ عسفان آئے تو فرمایا' اے ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے؟ انہوں نے جواب دیا' یہ وادیٔ عسفان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' ہود اور صالح علیہما السلام اپنے اونٹوں پر اس وادی سے گزرے ہیں' ان کے اونٹوں کی مہاریں کھجور کے پتوں سے تیار کی ہوئی تھیں' انہوں نے جبے پہن رکھے تھے اور دھاری دار چادریں اوڑھی ہوئی تھیں' وہ بیت اللہ کا حج کر رہے تھے۔ (۲) اس کی سند حسن ہے۔ نوح علیہ السلام کے قصے میں طبرانی کے حوالے سے روایت گزر چکی ہے' اس میں نوح' ہود اور ابراہیم علیہم السلام کا ذکر ہے۔

غزوۂ تبوک کے دوران نبی کریم ﷺ کا وادیٔ حجر سے گزرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مقامِ تبوک میں آئے تو قومِ ثمود کے علاقے ''حجر''

---

(۱) [بخاری (1370) کتاب الجنائز : باب ما جاء في عذاب القبر ' مسلم (2154) مسند احمد (131/2) مصنف ابن أبي شيبة (480/8) السنن الكبرى للنسائي (665/1) طبراني كبير (494/4) تهذيب الآثار للطبرى (204/2) مسند أبو يعلى موصلي (133/1)]

(۲) [ضعيف : مسند احمد (232/1) امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند کے زمعہ بن صالح راوی میں کلام ہے۔ [مجمع الزوائد (220/3) حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التقريب (2035)]

میں ٹھہرے۔ لوگوں نے ان کنوؤں سے پانی بھرا جہاں سے قوم ثمود کے لوگ پانی بھرا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے اس پانی سے آٹا گوندھا اور ہنڈیاں پکائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہنڈیاں الٹنے اور آٹا اونٹوں کو کھلانے کا حکم دیا' انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ ﷺ انہیں لے کر وہاں سے روانہ ہوئے حتی کہ اس کنویں کے قریب آئے جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو ایسی جگہ ٹھہرنے سے منع فرمایا جہاں کسی قوم پر عذاب نازل ہوا ہو اور فرمایا' مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ مسلط کر دیا جائے جو ان پر مسلط ہوا' اس لیے ایسی جگہوں پر مت جایا کرو۔ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے' جبکہ آپ حجر کے علاقے میں تھے فرمایا' جن پر عذاب نازل کیا گیا ہو ان کے پاس صرف روتے ہوئے جایا کرو' اگر تم روتے ہوئے ان کے پاس نہیں جا سکتے تو پھر ان کے پاس نہ جایا کرو' تا کہ تمہیں بھی ان کی طرح عذاب نہ آن پہنچے۔ (۲) بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ ان کے علاقوں سے گزرے تو آپ نے اپنا سر ڈھانپ لیا' سواری کو تیز کر لیا اور فرمایا' ان علاقوں میں صرف روتے ہوئے داخل ہونا اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر داخل نہ ہونا' تا کہ تم پر بھی ان کی مثل عذاب نہ آ جائے۔

حضرت عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دوران لوگوں نے جلدی جلدی اہل حجر پر داخل ہونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے نماز کے لیے جمع ہونے کا اعلان کیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ اپنے اونٹ کو روکے ہوئے فرما رہے تھے کہ تم لوگ ایسی قوم کے علاقے میں کیوں داخل ہو رہے ہو جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ہم ان سے تعجب کرتے ہیں (یعنی عبرت پکڑتے ہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا' کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ تعجب والی بات نہ بتاؤں؟ (وہ یہ کہ) تمہارا ایک شخص تمہیں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے' اس کی خبر دیتا ہے۔ اس لیے تم سیدھے ہو جاؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تمہیں عذاب دینے میں بھی کوئی پرواہ مانع نہیں اور عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی' جو اپنے آپ سے کچھ بھی عذاب نہیں روک سکے گی۔ (۳) اس کی سند حسن ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ قوم صالح کے لوگوں کی عمریں بہت طویل تھیں۔ وہ مٹی سے گھر بناتے تو ان کی وفات سے پہلے

---

(۱) [مسند احمد (117/2) صحیح ابن حبان (6309)]

(۲) [بخاری (4702) کتاب تفسیر القرآن : باب قوله ولقد كذب أصحاب الحجر المرسلين' مسند احمد (74/2) السنن الكبرى للبيهقي (451/2) مصنف عبد الرزاق (415/1) السنن الكبرى للنسائي (373/6) مسند ابو يعلى موصلي (5450) صحيح ابن حبان (6305)]

(۳) [مسند احمد (231/4)]

ہی وہ گھر خراب ہو جاتے۔ پھر انہوں نے پہاڑ تراش کر گھر بنا لیے۔ جب انہوں نے صالح علیہ السلام سے نشانی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اونٹنی نکال دی اور حکم دیا کہ اس کا اور اس کے پیٹ کے بچے کا خیال رکھنا اور اگر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو عذاب کی پکڑ میں آ جاؤ گے۔ انہیں یہ بھی بتا دیا کہ تم اس کی کونچیں ہی کاٹو گے اور اسی باعث تمہاری ہلاکت ہوگی اور اس کی کونچیں کاٹنے والا شخص سرخ رنگ والا اور نیلے دھبوں والا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے شہروں میں دائیوں کو بھیج دیا تاکہ وہ اس رنگت کے بچے کو جہاں پائیں اسے قتل کر دیں اور یوں ایک عرصہ گزر گیا۔ ایک دور کے لوگ گزر گئے تو دوسرے دور کے لوگ آ گئے۔ ایک سردار نے اپنے بیٹے کی شادی اپنے جیسے ہی ایک دوسرے سردار کی بیٹی سے کر دی۔ پھر ان سے وہ شخص پیدا ہوا جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اس کا نام قدار بن سالف تھا۔ اس بچے کو اس لیے قتل نہ کیا جا سکا کیونکہ اس کے آباؤ اجداد سردار تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے پرورش پائی حتیٰ کہ ایک ہفتے میں اتنی پرورش پاتا جتنی عام بچے ایک ماہ میں پاتے ہیں۔ اس طرح وہ بہت جلد لوگوں کا سردار بن گیا۔ پھر اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کا پروگرام بنایا اور قوم کے آٹھ افراد بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ یہی وہ 9 افراد ہیں جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔

جب اونٹنی کو قتل کر دیا گیا تو صالح علیہ السلام روتے ہوئے قوم کے لوگوں کے پاس گئے' انہوں نے کہا یہ کام ہم نے نہیں بلکہ چند نوجوانوں نے کیا ہے۔ اس عظیم گناہ کے بعد صالح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اونٹنی کے بچے کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ لیکن وہ اسے بھی قتل کرنے کے لیے دوڑے' بچہ پہاڑ پر چڑھ چکا تھا۔ جب وہ پہاڑ پر چڑھے تو وہ اور اونچائی پر چڑھ گیا' جہاں پرندے بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بچے نے رونا شروع کر دیا اور اس کے آنسو بہہ پڑے' پھر اس نے صالح علیہ السلام کو مخاطب کر کے تین مرتبہ زوردار چیخ ماری۔ اس پر صالح علیہ السلام نے قوم کے لیے تین دن کی مہلت کا اعلان کر دیا اور بتا دیا کہ پہلے دن ان کے چہرے زرد، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔ پھر چوتھے روز ایک زبردست چیخ' جس میں بجلی کی کڑک اور شدید آواز تھی' نے انہیں ہلاک کر دیا۔

اس روایت کے کچھ حصے محل نظر ہیں اور قرآن کے ظاہری مفہوم کے بھی خلاف ہیں جیسا کہ ہم نے پیچھے ذکر کر دیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

نام ونسب اور پیدائش

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: ابراہیم بن تارخ (250) بن ناخور (148) بن ساروغ (230) بن راغو (239) بن فالغ (439) بن عابر (464) بن شالخ (433) بن ارفخشد (438) بن سام (600) بن نوح علیہ السلام۔

اہل کتاب کی (بائبل میں) صراحت کے مطابق نسب نامہ اسی طرح ہے۔ہم نے ان کے بیان کے مطابق تمام ناموں کے ساتھ ان کی عمریں بھی لکھ دی ہیں۔(۱)

حافظ ابن عساکرؒ نے اسحاق بن بشر کاہلی سے بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام ''امیلہ'' تھا۔کلبیؒ نے آپ کی والدہ کا نام ''بونا'' ذکر کیا ہے' جو بنوارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) کی نسل سے تھی۔ابن عساکرؒ نے ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے کہ عکرمہؒ نے کہا' آپ کی کنیت ''ابوالضیفان'' تھی۔مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ 75 برس کی عمر میں تارخ کے ہاں ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔پھر ناحور اور ہاران پیدا ہوئے اور ہاران کے ہاں لوط (علیہ السلام) کی پیدائش ہوئی۔مؤرخین نے یہ بھی کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے بھائیوں میں درمیانے تھے۔ہاران اپنے باپ کی زندگی میں ہی اسی علاقے میں فوت ہو گیا جہاں پیدا ہوا تھا' وہ کلدانیوں کا علاقہ یعنی بابل شہر تھا۔اہل سیر وتاریخ کے ہاں یہی معروف ہے۔

ابن عساکرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام دمشق میں برزہ نامی بستی میں واقع قاسیون پہاڑ میں پیدا ہوئے۔لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ بابل میں پیدا ہوئے اور برزہ نامی بستی کی طرف آپ کو اس لیے منسوب کیا گیا کہ جب آپ لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے ان کے علاقے میں گئے تھے تو آپ نے وہاں نماز ادا فرمائی تھی۔(۲) اہل تاریخ کا کہنا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سارہ سے اور ان کے بھائی ناحور نے اپنی چچازاد ملکا بنت ہاران سے شادی کی۔سارہ کے بانجھ ہونے کے سبب اس کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ تارخ نے اپنے بیٹے ابراہیم اور اس کی بیوی سارہ اور اپنے پوتے لوط کو کلدانیوں کی زمین (بابل) سے لا کر کنعانیوں کی زمین میں

(۱) [کتاب پیدائش ، باب : 11]

(۲) [تاریخ ابن عساکر (170/6)]

واقع حران کے علاقے میں آباد کر دیا اور پھر وہیں 250 برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تارخ کی جائے پیدائش حران کا علاقہ نہیں بلکہ کلدانیوں کا علاقہ بابل ہے' بعد میں وہ کنعانیوں کے علاقے حران (یعنی بیت المقدس وغیرہ) میں آ کر آباد ہو گیا۔ اس وقت اکثر و بیشتر کلدانیوں کا جائے سکونت بھی یہی علاقہ تھا اور شام و جزیرہ میں بھی یہی آباد تھے۔ یہ سات ستاروں کے پجاری تھے اور مختلف قسم کے اقوال و افعال کے ذریعے ان کی پوجا کرتے تھے۔ اسی باعث دمشق کے سات دروازوں میں سے ہر دروازے پر انہوں نے ایک ستارے کا ہیکل بنا کر نصب کر رکھا تھا اور انہی کے قریب عیدیں مناتے اور قربانیاں کرتے تھے۔ یہ لوگ ستاروں کے ساتھ بتوں کے بھی پجاری تھے۔ اس وقت ابراہیم علیہ السلام' ان کی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط کے سوا تمام اہل ارض اللہ کے منکر تھے' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم کو شرف نبوت سے نوازا اور انہیں گمراہیوں کے خاتمے کا ذریعہ بنایا۔

بچپن میں ہی رشد کی عطائیگی' بعثت اور دعوت

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن میں رشد و ہدایت سے نوازا اور بڑھاپے میں اپنا خلیل بنایا۔ چنانچہ فرمایا ﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ﴾ ''اور ہم نے پہلے سے ہی ابراہیم کو رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم اسے جانتے تھے۔''(۱) یعنی ہمیں علم تھا کہ وہ اس منصب کا اہل ہے۔

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ... وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴾ ''اور ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو' اگر تم میں دانائی ہے تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو۔ سنو! تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کر رہے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں' اس لیے تمہیں چاہیے کہ تم صرف اللہ تعالیٰ سے ہی روزی طلب کرو' اسی کی عبادت کرو' اسی کی شکر گزاری کرو اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی جھٹلایا تھا' پیغمبر کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتدا کس طرح کی' اللہ تعالیٰ پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا' یہ تو اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔ کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تخلیق کی ابتدا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی دوسری مرتبہ نئی پیدائش کرے گا' اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہے عذاب دے' جس پر چاہے رحم کرے' تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ نہ تم زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں' اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی والی ہے اور نہ کوئی

(۱) [الأنبياء : 51]

مددگار۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھلاتے ہیں وہ میری رحمت سے ناامید ہو جائیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ قوم نے صرف یہی جواب دیا کہ اسے مار ڈالو یا جلا دو۔ بالآخر اللہ نے انہیں آگ سے بچا لیا' اس میں اہل ایمان کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ تم نے اللہ کے علاوہ بتوں کی پوجا کی ہے' دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کی غرض سے (مگر) تم سب روزِ قیامت ایک دوسرے سے کفر اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ پھر حضرت لوط (علیہ السلام) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر ایمان لائے اور کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں' وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے۔ اور ہم نے انہیں (یعنی ابراہیم علیہ السلام کو) اسحق و یعقوب (علیہما السلام) عطا کیے اور ہم نے ان کی اولاد میں ہی نبوت و کتاب رکھ دی۔ اور ہم نے دنیا میں بھی اسے بدلہ عطا کیا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہے۔"(۱)

ابراہیم علیہ السلام کا والد (آزر، تارخ) بتوں کا پجاری تھا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنے گھر سے دعوت کا آغاز کرتے ہوئے اپنے باپ کو بڑے ادب و احترام کے ساتھ توحید کی دعوت پیش کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ... رَبِّي شَقِيًّا ﴾ "اور (اے نبی!) اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کر' بے شک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! آپ ان کی پوجا کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں' نہ دیکھتے ہیں اور نہ آپ کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اے میرے باپ! آپ دیکھیے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں' تو آپ میری ہی مانیں' میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہنمائی کروں گا۔ میرے ابا جان! آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیے' شیطان تو رحم کرنے والے پروردگار کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ ابا جان! میں خائف ہوں کہ کہیں آپ پر کوئی عذابِ الٰہی نہ آن پڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے' اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے قتل کر دوں گا' جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ ہو جا۔ (جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے) کہا تم پر سلام ہو' میں تو اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا' وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے۔ میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو انہیں بھی (یعنی سب کو) چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا' مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا۔"(۲)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نہایت ادب و احترام اور عمدہ اسلوب کے ساتھ اپنے

---

(۱) [العنکبوت : 16-27]

(۲) [مریم : 41-48]

والد کو دعوت توحید پیش کی کہ جو (باطل معبود) اپنے پجاری کی نہ سن سکتے ہیں' نہ اسے دیکھ سکتے ہیں وہ اسے کوئی فائدہ یا نقصان کیسے پہنچا سکتے ہیں یا اسے رزق کیسے عطا کر سکتے ہیں؟ پھر انہوں نے اپنے والد کو اس علمِ نافع اور ہدایت کے متعلق بتایا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں کم عمر کے باوجود عطا کر دی تھی۔ فرمایا ''اے ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا' آپ میری پیروی کیجیے میں آپ کی بالکل سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں گا۔'' یعنی میں آپ کو ایسے راستے پر چلاؤں گا جو بالکل واضح' آسان' ہموار اور یک طرفہ ہے اور وہ آپ کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی جانب لے جائے گا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعوت پیش کی تو والد اسے قبول کرنے کی بجائے الٹا دھمکیاں دینے لگا۔ کہا ''ابراہیم! اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔'' ابراہیم علیہ السلام نے دھمکیاں سن کر بڑے ادب سے جواب میں کہا ''آپ پر سلام ہو'' یعنی میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ بلکہ مزید احسان کرتے ہوئے فرمایا ''میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کے لیے دعا بھی مانگتا رہوں گا' یقیناً وہ میرے ساتھ بڑا مہربان ہے۔'' یعنی یہ اس کی مجھ پر بڑی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت اور اخلاص کی توفیق سے نوازا ہے۔ اسی لیے مزید فرمایا کہ ''میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو انہیں بھی (یعنی سب کو) چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا' مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے کیے ہوئے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اپنے والد کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے لیکن جب انہیں یہ یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کی دشمنی ترک نہیں کرے گا تو اس سے برائت کا اظہار کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴾ ''اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا صرف وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے' واقعی ابراہیم (علیہ السلام) بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔''(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' حضرت ابراہیم علیہ السلام روزِ قیامت اپنے والد سے ملیں گے تو ان کے (والد کے) چہرے پر سیاہی اور غبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری مخالفت نہ کیجیے۔ وہ کہے گا کہ آج میں آپ کی مخالفت نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے پروردگار! تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ روزِ قیامت مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ آج اس رسوائی سے بڑھ کر اور کون سی رسوائی ہوگی کہ میرے والد تیری رحمت سے سب سے زیادہ دور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت

(۱) [التوبة: 114]

حرام کردی ہے۔ پھر کہا جائے گا کہ اے ابراہیم! تمہارے قدموں کے نیچے کیا ہے؟ وہ دیکھیں گے تو ایک نجاست میں لتھڑا ہوا بجو نظر آئے گا' پھر اسے ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مظاہر فطرت میں غور وفکر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ ... اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمان اور زمین کی مخلوقات (عجائبات) دکھائیں' تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ پھر جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا' آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا کہ اگر مجھے میرے رب نے ہدایت نہ دی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ میں اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ان کی قوم ان سے بحث ومباحثہ کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث کر رہے ہو حالانکہ اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا' ہاں جو کچھ میرا پروردگار ہی چاہے۔ میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے' کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی' سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے' اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے' ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔ اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی' ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں' بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔''(۲)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے قوم کے مابین مناظرے کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے قوم سے

---

(۱) [بخاری (3350) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالى واتخذ الله ابراهيم خليلا' صحيح الجامع الصغير (8158)]

(۲) [الأنعام : 75-83]

فرمایا کہ یہ روشن نظر آنے والے ستارے نہ الوہیت کے اہل ہیں اور نہ ہی ان کی پوجا کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ تو خود مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور وہ اس کے حکم کے تابع ہیں۔ وہ کبھی طلوع ہو جاتے ہیں اور کبھی غروب اور کبھی چھپ جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی' وہ ازلی و ابدی ہے اس لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

سب سے پہلے تو آپ نے لوگوں کے سامنے یہ واضح کیا کہ ستارے معبود نہیں ہو سکتے' پھر چاند کا ذکر کیا جو زیادہ روشن اور خوبصورت ہے اور پھر سورج کا ذکر کیا جو اجرامِ فلکی میں سب سے زیادہ چمکدار ہے اور یہ واضح کیا کہ یہ بھی حکم کے تابع ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ... إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ "اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں' تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند کو بلکہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے' اگر تمہیں اسی کی عبادت قبول ہو۔"(۱)

اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ "جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ میں اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ان کی قوم ان سے بحث و مباحثہ کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث کر رہے ہو حالانکہ اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا' ہاں جو کچھ میرا پروردگار ہی چاہے۔"(۲) مطلب یہ ہے کہ مجھے ان نام نہاد معبودوں کی کوئی پرواہ نہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پوج رہے ہو۔ یہ نہ کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں' نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ یہ یا تو خود ستاروں کی طرح اللہ کے پیدا کردہ اور اس کے حکم کے پابند ہیں اور یا پھر تمہارے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے ہیں۔

بتوں کے پجاریوں سے مناظرہ اور ایک عمدہ تدبیر

ابراہیم علیہ السلام نے اہل بابل کے ساتھ بتوں کی پوجا کے متعلق مناظرہ کیا تھا کیونکہ وہی لوگ بتوں کے پجاری تھے۔ آپ نے بتوں کو توڑ کر اور ان کی تذلیل و توہین کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ معبود ہونے کے لائق نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا ... مِن نَّاصِرِينَ ﴾ "(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ تم نے اللہ کے علاوہ بتوں کی پوجا کی ہے دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کی غرض سے (مگر) تم سب روزِ قیامت ایک

(۱) [فصلت : 37]

(۲) [الأنعام : 78-80]

دوسرے سے کفر اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔‘‘(۱)

بتوں کے پجاریوں کو سبق سکھانے کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے ایک نہایت عمدہ تدبیر آزمائی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ ... فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴾ ’’یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی اور ہم اس کے احوال سے بخوبی واقف تھے۔ جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ آپ نے فرمایا' پھر تو تم اور تمہارے باپ دادا سب ہی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے۔ کہنے لگے کیا آپ ہمارے پاس واقعی حق لائے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں درحقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے' جس نے انہیں پیدا کیا ہے' میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں۔ اور اللہ کی قسم! میں تمہارے ان معبودوں کے ساتھ' جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے' ایک چال چلوں گا۔ پس انہوں نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' البتہ صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا' وہ بھی اس لیے کہ وہ سب اس کی طرف رجوع کریں۔ (بت پرست) کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ ایسا کس نے کیا ہے؟ وہ شخص تو یقیناً ظالم ہے۔ بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے۔ سب نے کہا اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔ کہنے لگے! اے براہیم! کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ آپ نے جواب دیا' نہیں بلکہ یہ کام ان کے بڑے (بت) نے کیا ہے' تم اپنے خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ پس یہ لوگ اپنے دلوں میں قائل ہو گئے اور کہنے لگے کہ واقعی تم ہی ظالم ہو۔ پھر انہوں نے (شرمندہ ہو کر) اپنے سر نیچے جھکا لیے اور کہا تمہیں تو علم ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے اسی وقت فرمایا افسوس! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو' کیا تمہیں اتنی سی بھی عقل نہیں؟ کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔ ہم نے فرما دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی بن جا۔ گو انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کا برا چاہا لیکن ہم نے انہیں ناکام بنا دیا۔‘‘(۲)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ... وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴾ ’’انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ بھی سنا دو۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں' ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم انہیں

(۱) [العنکبوت: 25] (۲) [الأنبیاء: 51-70]

پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ یا تمہیں نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا یہ (ہم نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح کرتے پایا۔ آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو؟ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، وہ سب میرے دشمن ہیں، سوائے تمام جہانوں کے پروردگار کے۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔ اور وہی مجھے مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا۔ اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔ اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔"(۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ... الْاَسْفَلِيْنَ ﴾ "اور اس (نوح علیہ السلام) کے تابعداروں میں سے ہی ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس (عیوب سے) پاک دل لائے۔ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج رہے ہو؟ کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟ تو یہ (بتلاؤ کہ) تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ اب ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی۔ اور کہا میں بیمار ہوں۔ اس پر وہ سب اس سے منہ پھیر کر واپس چلے گئے۔ آپ (چپکے سے) ان کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہے بات نہیں کرتے۔ پھر (پوری قوت کے ساتھ) اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ انہیں مارنے (اور توڑنے) لگے۔ وہ (بت پرست) واپسی پر دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو۔ حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے۔ وہ کہنے لگے اس کے لیے ایک مکان بناؤ اور اسے (دہکتی ہوئی) آگ میں ڈال دو۔ انہوں نے تو اس (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ مکر کرنا چاہا لیکن ہم نے انہی کو نیچا کر دیا۔"(۲)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ بتلایا ہے کہ انہوں نے قوم کو بتوں کی پوجا سے روکا اور ان کی حقارت بیان کرتے ہوئے فرمایا "یہ مجسمے کیا ہیں جن کی تم پوجا کرتے ہو؟"(۳) انہوں نے جواب دیا "ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو انہی کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"(۴) ان کے پاس اپنے اس فعل کی صرف یہی دلیل تھی کہ ان کے آباؤ اجداد بھی انہی کی پوجا کیا کرتے تھے۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا "تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔"(۵) اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے یہ بھی کہا "تم کن کی پوجا کر رہے ہو؟ کیا اللہ کے

---

(۱) [الشعراء : 69-83]
(۲) [الصافات : 83-98]
(۳) [الأنبياء : 52]
(۴) [الأنبياء : 53]
(۵) [الأنبياء : 54]

علاوہ جھوٹے معبود گھڑنے کے طالب ہو؟ تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟۔"(۱)

قتادہؒ نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اللہ کے علاوہ دوسروں کی پوجا کر رہے ہو تمہارا کیا خیال ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو گے تو وہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے یہ بھی کہا ''جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری پکار سنتے ہیں؟ یا تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' بلکہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔"(۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین نے یہ تسلیم کیا تھا کہ ان کے معبود نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان' وہ تو ان کی صرف اس لیے پوجا کر رہے ہیں کہ ان کے جاہل آباؤ اجداد ایسا کیا کرتے تھے۔ آپ نے ان سے مزید فرمایا ''تمہیں خبر ہے جن کی تم اور تمہارے اگلے آباؤ اجداد پوجا کرتے رہے وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین (میرا دوست ہے)۔"(۳) یہ بتوں کی الوہیت کے بطلان کی ناقابل تردید دلیل تھی۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے معبودوں سے علی الاعلان بیزاری کا اظہار کیا اور ان کی توہین کی' اگر وہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے تو ابراہیم علیہ السلام کو پہنچاتے' اسی طرح اگر وہ کسی پر اثر انداز ہو سکتے تو ابراہیم علیہ السلام پر ہوتے۔

بت پرستوں نے کہا'' کیا تو واقعی ہمارے پاس حق لایا ہے یا مذاق کر رہا ہے؟"(٤) یعنی انہوں نے کہا' یہ جو تم ہمارے معبودوں کو باطل قرار دے رہے ہو یا ان کی توہین کر رہے ہو' ایسا سنجیدگی سے کر رہے ہو یا مذاق سے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا'' (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار (وہ ہے جو) آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے' جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور میں اس بات کا گواہ ہوں۔"(٥) مطلب یہ تھا کہ میں انتہائی سنجیدگی سے تمہیں کہہ رہا ہوں کہ تمہارا حقیقی معبود وہی ہے جو ہر چیز کا پروردگار ہے' اسی نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال انداز میں پیدا کیا ہے' اس لیے وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس بات پر گواہ بھی ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا'' اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔" (٦) آپ نے قسم اٹھائی کہ جب لوگ جشن منانے کے لیے چلے جائیں گے تو آپ ضرور ان کے بتوں کے ساتھ کوئی چال چلیں گے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ نے یہ بات دل میں کہی تھی۔ جبکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے یہ بات آپ کی زبان سے بھی سن لی تھی۔ (۷)

وہ لوگ سال میں ایک بار شہر سے باہر نکل کر (عید یا کوئی) جشن منایا کرتے تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے

---

(۱) [الصافات : 85-87]
(۲) [الشعراء : 72-74]
(۳) [الشعراء : 75-77]
(٤) [الأنبياء : 55]
(٥) [الأنبياء : 56]
(٦) [الأنبياء : 57]
(۷) [تفسير ابن كثير (51/10)]

والد نے اس میں شریک ہونے کے لیے کہا تو انہوں نے کہا "میں بیمار ہوں۔" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ "انہوں نے ستاروں میں ایک نگاہ ڈالی اور کہا' بلاشبہ میں بیمار ہوں۔"(۱) آپ نے تعریض وتوریہ سے کام لیا' جس کا مقصد بتوں کو پاش پاش کر کے ان کی الوہیت کو باطل قرار دینا اور دینِ حنیف کی حقانیت واضح کرنا تھا۔ جب لوگ جشن کے لیے چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام جلدی سے بتوں کی طرف گئے۔ دیکھا کہ وہ بڑے خوبصورت ماحول میں ہیں اور تقرب کی غرض سے ان کے سامنے مختلف قسم کے کھانے رکھے گئے ہیں۔ آپ نے انہیں مذاق اور تذلیل کی غرض سے کہا' تم کچھ کھاتے نہیں اور تمہیں کیا ہے کہ تم بات ہی نہیں کرتے۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ سے ان پر ضربیں لگانے لگے۔ کیونکہ دایاں ہاتھ زیادہ قوی' تیز اور کارگر ہوتا ہے۔ آپ نے ہتھوڑے کے ساتھ انہیں توڑ پھوڑ دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اس نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔"(۲) لیکن ان میں سے بڑے بت کو چھوڑ دیا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ہتھوڑا بڑے بت کے ہاتھ میں دے دیا تھا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ اپنے ساتھ چھوٹے معبودوں کی بھی عبادت ہوتے دیکھ کر غضبناک ہو گیا اور اس نے انہیں پاش پاش کر دیا۔ جب لوگ واپس آئے اور اپنے معبودوں کی یہ بری حالت دیکھی تو کہا "ہمارے معبودوں کی یہ حالت کس نے کی ہے؟"(۳) اگر ان میں کچھ بھی عقل ہوتی تو فوراً سمجھ جاتے کہ ان کے بت سچے معبود نہیں' اگر وہ معبود ہوتے تو اپنا دفاع کر لیتے۔ لیکن انہوں نے اپنی جہالت وضلالت کے سبب یہی کہا کہ "ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کس نے کیا ہے۔" کچھ لوگوں نے کہا "ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔"(۴)

مطلب یہ کہ وہی ان کے عیب بیان کرتا اور ان کی توہین کرتا ہے۔ اسی نے ہمارے پیچھے انہیں توڑ ڈالا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ان کا ذکر کرتا تھا" سے مراد ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ہے "اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔"(۵) انہوں نے کہا "اُسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تا کہ وہ گواہ رہیں۔"(٦) یعنی اسے لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں لاؤ تا کہ سب لوگ اس کی باتیں سن لیں اور پھر اسے ملنے والی سزا بھی دیکھیں۔ ابراہیم علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے کہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں تا کہ سب کے سامنے ان کے معبودوں کے باطل ہونے کی دلیل پیش کی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی لیے فرعون سے کہا تھا ﴿ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴾ "جشن وزینت کا دن تمہارا وعدے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ

---

(۱) [الصافات : 89]
(۲) [الأنبياء : 58]
(۳) [الأنبياء : 59]
(٤) [الأنبياء : 60]
(٥) [الأنبياء : 57]
(٦) [الأنبياء : 61]

صبح کے وقت اکٹھے کیے جائیں۔"(۱)

جب تمام لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی لے آئے تو انہوں نے کہا "اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا تم نے کیا ہے؟ کہا' نہیں بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے۔"(۲) اس کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا ہے' آپ نے کلام میں تعریض سے کام لیا۔ پھر آپ نے ان سے کہا "اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے (خود ہی) پوچھ لو۔"(۳) ابراہیم علیہ السلام کا مقصد لوگوں کو یہ توجہ دلانا تھا کہ ان کے معبود تو بولنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے' اس لیے انہیں یہ مان لینا چاہیے کہ یہ عام پتھروں کی طرح محض پتھر ہی ہیں اور کچھ نہیں۔ پھر وہ اپنے دلوں میں غور کر کے آپس میں کہنے لگے کہ "بے شک تم ہی ظالم ہو۔"(٤) یعنی اپنے آپ کو ہی ملامت کرنے لگے کہ تم نے اپنے معبودوں کو بغیر کسی نگران کے چھوڑ کر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کیا ہے۔ "تب انہوں نے اپنے سر جھکا لیے۔"(٥)

قتادہؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ حیران رہ گئے اور شرمندہ ہو کر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے(٦) اور بولے "تم تو جانتے ہی ہو کہ یہ کلام نہیں کرتے۔" یعنی اے ابراہیم! تمہیں تو علم ہی ہے کہ یہ بت ہیں اور ان میں گفتگو کرنے کی طاقت ہی نہیں اس لیے تم کیوں کہتے ہو کہ ان سے پوچھ لو۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام نے کہا "افسوس! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو' کیا تمہیں اتنی سی بھی عقل نہیں؟۔"(۷) دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "لوگ آپ کی طرف بھاگتے ہوئے آئے۔"(۸) مجاہدؒ کا بیان ہے کہ یعنی وہ آپ کی طرف تیزی سے گر پڑے۔(۹) تو آپ نے فرمایا "کیا تم ان اشیاء کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو۔"(۱۰) یعنی تم ان بتوں کی پوجا کیسے کر رہے ہو جنہیں تم نے خود لکڑی اور پتھر سے تراشا اور اپنی مرضی سے ان کی شکل و صورت بنا دی؟ ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ "حالانکہ تمہیں اور جو تم بناتے ہو اسے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔"(۱۱)

اس آیت میں "مَا" کو مصدر یہ بھی بنایا جا سکتا ہے (پھر ترجمہ یوں ہوگا' اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا) اور "الَّذِیْ" کے معنی میں اسم موصول بھی (تب ترجمہ یوں ہوگا' اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ

---

(۱) [طه : 59]
(۲) [الأنبياء : 62-63]
(۳) [أيضا]
(٤) [الأنبياء : 64]
(٥) [الأنبياء : 65]
(٦) [تفسير طبرى (55/10)]
(۷) [الأنبياء : 66-67]
(۸) [الصافات : 94]
(۹) [تفسير ابن كثير (22/7)]
(۱۰) [الصافات : 94]
(۱۱) [الصافات : 96]

تم بناتے ہو یعنی بت وغیرہ انہیں بھی پیدا کیا)۔ دونوں صورتوں میں مفہوم یہی سامنے آتا ہے کہ تم بھی مخلوق ہو اور یہ بت بھی۔ اس لیے ایک مخلوق دوسری مخلوق کی عبادت کیسے کرسکتی ہے؟ اگر تم ان کی عبادت کرتے ہو تو انہیں بھی تمہاری عبادت کرنی چاہیے کیونکہ مخلوق ہونے میں تم دونوں برابر ہو۔ اس لیے یہ آپس کی عبادت چھوڑ کر صرف اللہ وحدہ ولاشریک کی ہی عبادت کرو۔

حق گوئی کے جرم میں ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا گیا

جب قوم کے پاس کوئی جواب نہ رہا تو انہوں نے بھی وہی وطیرہ اپنایا جو ہر سرکش شکست کھانے پر اپناتا ہے۔ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے الاؤ میں پھینکنے کا پروگرام بنایا۔ کہا ''اس کے لیے ایک عمارت بناؤ اور پھر اسے آگ میں پھینک دو" غرض انہوں نے آپ کے ساتھ ایک چال چلنا چاہی لیکن ہم نے انہیں ہی نیچا کر دیا۔''(۱)

جب وہ لوگ بحث و مناظرے کے میدان میں مغلوب ہو گئے اور ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی دلیل باقی نہ رہی تو انہوں نے اپنے موقف کی تائید کے لیے قوت و طاقت استعمال کرنے کا پروگرام بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تدبیر بھی ناکام کر دی اور اپنے دین کو سر بلند کیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْا ... الْاَخْسَرِيْنَ ﴾ ''کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔ ہم نے فرما دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی بن جا۔ گو انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کا برا چاہا لیکن ہم نے انہیں ناکام بنا دیا۔''(۲)

اس کی تفصیل یوں ہے کہ لوگوں نے ہر ممکن طریقے سے لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں حتی کہ ان میں جب کوئی عورت بیمار ہوتی تو وہ بھی یہ نذر مانتی کہ اگر وہ تندرست ہوگئی تو وہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرے گی۔ پھر انہوں نے ایک بہت وسیع گڑھا کھودا اور اس میں وہ تمام لکڑیاں پھینک کر ان میں آگ لگا دی۔ آگ بھڑکی اور اس سے شعلے نکلنے لگے اور بہت بڑی بڑی چنگاریاں اڑنا شروع ہو گئیں کہ اتنی بڑی پہلے کبھی کسی نے نہ دیکھی تھیں۔ اس وقت انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک منجنیق میں ڈالا جو ''ہیزن'' نامی ایک آدمی نے تیار کی تھی۔ سب سے پہلے منجنیق اسی نے بنائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔

پھر جب لوگ ابراہیم علیہ السلام کو باندھ رہے تھے تو ابراہیم علیہ السلام یہ الفاظ پڑھ رہے تھے ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ

---

(۱) [الصافات: 97-98]

(۲) [الأنبیاء: 68-70]

رَبَّ الْعَالَمِيْنَ لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ ﴾ ''تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں' اے تمام جہانوں کے پروردگار! تو پاک ہے' تیرے لیے ہی ساری تعریف ہے' تیرے لیے ہی بادشاہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔'' پھر جب انہوں نے آپ کو اچھی طرح باندھ کر منجنیق میں رکھا اور اس کے ذریعے آگ میں پھینکا تو آپ یہ کلمات کہہ رہے تھے ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ ''ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے۔''

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ یہ کلمات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہے جب انہیں آگ میں پھینکا گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کہے جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ ''کفار نے آپ کے (مقابلے) لیے (بہت بڑا لشکر) جمع کیا ہے سو ان سے ڈرو۔ یہ سن کر ان کا ایمان مزید بڑھ گیا اور انہوں نے کہا' ہمیں تو اللہ ہی کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور فضل کے ساتھ واپس لوٹے اور انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا۔''(۱)

✦ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا اور وہ ہوا میں تھے تو انہوں نے کہا' اے اللہ! تو آسمان میں اکیلا ہے اور میں زمین میں تیرا اکیلا عبادت گزار ہوں۔''(۲)

✦ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ فضا میں حضرت جبریئل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا' اے ابراہیم! کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ آپ نے جواب دیا' مجھے آپ سے کوئی کام نہیں۔

✦ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ بارش کے فرشتے نے کہا' مجھے بارش برسانے کا کب حکم دیا جائے گا؟ لیکن اس سے پہلے ہی اللہ کا حکم مکمل ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''ہم نے فرما دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی بن جا۔''(۳)

---

(۱) [بخاری (4563) كتاب التفسير : باب قوله تعالى الذين قال لهم ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم ' مصنف ابن أبي شيبة (96/7) السنن الكبرى للنسائي (154/6) مستدرك حاكم (3123) تفسير ابن أبي حاتم (4568) دلائل النبوة للبيهقي (389/3) شعب الايمان للبيهقي (139/3)]

(۲) [حلية الأولياء (19/1) امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عاصم بن عمرو بن حفص راوی ہے' جسے امام ابن حبانؒ نے ثقہ کہا ہے اور مزید یہ بھی کہا ہے کہ یہ خطا کرتا ہے اور مخالفت کرتا ہے اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (202/8)] حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [تقريب التهذيب (3068)] نیز امام احمدؒ اور امام ابو حاتمؒ نے اسے ضعیف' امام بخاریؒ نے منکر الحدیث اور امام ترمذیؒ نے متروک کہا ہے۔ [دیکھئے: الجرح والتعديل (346/6) أحوال الرجال (237) التاريخ الصغير (96/2) الكامل (228/5)]

(۳) [الأنبياء : 69]

- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ''سلامتی بن جا'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ (۱)
- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوالعالیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ''ابراہیم پر سلامتی بن جا'' نہ فرماتے تو آگ اس قدر ٹھنڈی ہو جاتی کہ اس کی ٹھنڈ سے آپ کو تکلیف پہنچتی۔
- حضرت کعب احبار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس روز پوری زمین کے انسانوں میں سے کسی نے بھی آگ سے فائدہ نہ اٹھایا اور آگ نے صرف ابراہیم علیہ السلام کی وہ رسیاں ہی جلائیں جن سے انہیں باندھا گیا تھا۔
- ضحاک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے اور وہ آپ کا پسینہ صاف کرتے رہے' اس کے علاوہ آپ کو کسی چیز نے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔
- سدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان کے ساتھ ایک سائے کا فرشتہ بھی تھا۔ آپ ایک خوبصورت باغ میں تھے اور اس کے اردگرد آگ تھی۔ لوگ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے لیکن وہ آپ کے قریب نہیں آسکتے تھے' اسی طرح آپ بھی وہاں سے نکل کر لوگوں کے پاس نہیں جا سکتے تھے۔
- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے اپنے بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر بہت اچھی بات کہی کہ اے ابراہیم! تیرا رب بہت اچھا رب ہے۔
- حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے عکرمہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگی' بیٹے! میں تیرے قریب آنا چاہتی ہوں' تو میرے لیے اللہ سے دعا کر کہ آگ مجھے تکلیف نہ پہنچائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا' اچھا میں دعا کرتا ہوں۔ پھر وہ آئی تو اس پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوا' اندر آ کر اس نے اپنے بیٹے کا بوسہ لیا' اسے گلے سے لگایا اور واپس چلی گئی۔
- منہال بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام آگ میں 40 یا 50 دن تک رہے اور فرمایا کہ جتنی خوشگوار زندگی میں نے ان دنوں میں گزاری ہے ان کے علاوہ کبھی نہیں گزاری' میری خواہش ہے کہ میری ساری زندگی اسی طرح ہو جائے۔ (۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کافروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بدلہ لینا چاہا لیکن ذلیل ہوئے' بلند ہونا چاہا لیکن پست ہوئے اور غلبہ پانا چاہا لیکن مغلوب ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴾ ''انہوں نے تو ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چال چلی لیکن ہم نے انہیں ہی خسارے میں

(۱) [تفسیر طبری (58/10)]

(۲) [دیکھئے: تفسیر طبری (58/10)]

مبتلا کر دیا۔"(۱) ایک دوسرے مقام پر فرمایا﴿ فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴾ "ہم نے انہیں نیچا کر دیا۔"(۲) دنیا میں انہیں ناکامی اور ذلت نصیب ہوئی اور آخرت میں ایسی آگ میں پھینکا جائے گا جس میں نہ تو ٹھنڈک ہوگی اور نہ سلامتی' انہیں اس میں سلام بھی نہیں کہا جائے گا اور اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے ﴿ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴾ "بلاشبہ دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کے لیے بہت بری جگہ ہے۔"(۳)

حضرت اُم شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ (آگ بھڑکانے کے لیے) ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونکیں مارتی تھی۔(٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' چھپکلی کو قتل کر دیا کرو کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام (کے لیے جلائی جانے والی) آگ میں پھونکیں مارتی تھی۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسے قتل کر دیا کرتی تھیں۔(٥)

نافع ؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور وہاں ایک نیزہ دیکھا۔ پوچھا یہ کس لیے ہے؟ فرمایا' ہم اس کے ساتھ چھپکلیوں کو مارتے ہیں۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو تمام جانور آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر چھپکلی آگ تیز کرنے کے لیے پھونکیں مار رہی تھی۔(٦)

حضرت فاکہ بن مغیرہ کی آزاد کردہ عورت سائبہ بیان کرتی ہیں کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئی تو وہاں ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا۔ میں نے پوچھا' اے ام المومنین! آپ اس کا کیا کرتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا' یہ چھپکلیوں کو مارنے کے لیے ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو زمین کے تمام جانور اسے بجھانے کی کوشش کرنے لگے لیکن چھپکلی اسے (تیز کرنے کے لیے) پھونکیں مار رہی تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔(۷)

---

(۱) [الأنبياء : 70] (۲) [الصافات : 98]

(۳) [الفرقان : 66]

(٤) [بخاری (3359) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى واتخذ الله ابراهيم خليلا ' مسلم (2237) كتاب السلام : باب استحباب قتل الوزغ ' مسند احمد (24463) السنن الكبرى للبيهقي (316/9) مسند عبد بن حميد (1564) السلسلة الصحيحة (1581) صحيح الترغيب (2980)]

(٥) [مسند احمد (200/6)]

(٦) [مسند احمد (217/6)]

(۷) [صحيح : صحيح ابن ماجه ' ابن ماجه (3231) كتاب الصيد : باب قتل الوزغ]

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین مناظرہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ ... الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾ ''کیا تو نے نہیں دیکھا جو اس (تکبر و غرور کے) باعث کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سلطنت عطا کی تھی' ابراہیم (علیہ السلام) سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے' وہ کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا' اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے کر آتا ہے تو اسے مغرب کی طرف سے لے آ۔ (یہ سن کر) کافر حیرات و ششدر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''(۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ظالم اور سرکش بادشاہ کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے کا ذکر فرمایا ہے' جس نے رب ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کی دلیل کو غلط ثابت کر کے اس کا منہ بند کر دیا' اس کی جہالت اور کم عقلی کو واضح کر دیا اور اس کے سامنے سیدھا راستہ روشن کر دیا۔

مؤرخین' مفسرین اور انساب کے ماہرین فرماتے ہیں کہ یہ بادشاہ بابل کا حکمران تھا۔ اس کا نام نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح تھا۔ مجاہدؒ نے یہی فرمایا ہے۔ بعض دوسرے اہل علم نے اس کا نسب یوں بیان کیا ہے کہ نمرود بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ مجاہدؒ اور بعض دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ پوری دنیا پر حکومت کرنے والے چار افراد میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے کہ چار آدمیوں نے پوری دنیا پر حکومت کی ہے' ان میں سے دو مومن اور دو کافر تھے۔ مومن تو ذوالقرنین اور سلیمان علیہما السلام تھے اور کافر نمرود اور بخت نصر تھے۔(۲)

اہل علم کا کہنا ہے کہ نمرود مسلسل چار سو سال بادشاہ رہا۔ وہ ایک متکبر' سرکش اور ظالم حکمران تھا۔ اس نے آخرت کے بدلے دنیا کو ہی اپنی خواہشات کی تکمیل کا مقام بنا لیا تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اسے دعوت توحید پیش کی تو اس نے جہالت و ضلالت کے سبب نہ صرف آپ کی دعوت کو ٹھکرا کر آپ سے جھگڑا شروع کر دیا بلکہ خود اپنی ربوبیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ قتادہؒ' سدیؒ اور ابن اسحاقؒ کے بیان مطابق یہ سن کر اس نے دو ایسے آدمیوں کو بلوایا جنہیں قتل کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا' اس نے ایک کو قتل کر دیا جبکہ دوسرے کو آزاد کر دیا اور یوں یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی کہ اس نے ایک کو موت دے دی اور دوسرے کو زندگی عنایت کر دی ہے۔(۳)

---

(۱) [البقرۃ : 258] (۲) [تفسیر طبری (34/3) تفسیر ابن کثیر (525/1)]

(۳) [تفسیر طبری (36/3) تفسیر ابن کثیر (525/1)]

درحقیقت اس کا یہ فعل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا جواب نہیں تھا اور نہ ہی اس کا مناظرے سے کوئی تعلق تھا' بلکہ اس سے یہی ظاہر ہوا کہ اس کے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے جو دلیل پیش کی اس کا مفہوم یہ تھا کہ حیوانات کا پیدا ہونا اور مرنا روزمرہ مشاہدے کی چیز ہے' یہ موت وحیات کا عمل ازخود واقع نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کوئی ایسی ہستی ضرور موجود ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور یہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں' وہی ستاروں' ہواؤں اور بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا رہتا ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔ اسی نے ان تمام حیوانات کو پیدا کیا ہے اور وہی انہیں مارتا بھی ہے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔" جواب میں جاہل بادشاہ نے جو یہ جواب دیا کہ "میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔" اگر تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ تمام ظاہری اُمور میرے کنٹرول میں ہیں تو یہ محض اس کی طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی کا اظہار تھا اور اگر اس کا مطلب وہ تھا جو قتادہ، سدیؒ اور ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے تو پھر اس کا ابراہیم علیہ السلام کی دلیل سے یکسر کوئی تعلق ہی نہیں۔ کیونکہ یوں اس نے نہ تو ابراہیم علیہ السلام کی بات کا جواب دیا اور نہ ہی دلیل کے مقابلے میں کوئی دلیل پیش کی۔

چونکہ بادشاہ کا اصل بحث سے یہ فرار تمام لوگوں کی سمجھ میں آنے والا نہ تھا اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے ایک دوسری دلیل پیش کر دی' جس کے ذریعے نہایت واضح طور پر نمرود کے دعوے کا بطلان ثابت کر دیا اور اس کے باعث وہ لاجواب ہوگیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا' اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے کر آتا ہے تو اسے مغرب کی طرف سے لے آ۔" یعنی یہ سورج جو روزانہ مشرق کی طرف سے طلوع ہوتا ہے' اسے اس کے خالق نے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر واقعی زندگی اور موت تمہارے ہاتھ میں ہے جیسا کہ تم نے دعویٰ کیا ہے' تو پھر سورج کو مغرب کی طرف سے لے آ۔ کیونکہ یقیناً جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہوتی ہے' وہ کچھ بھی کر سکتا ہے' اسے روکا نہیں جا سکتا اور ہر چیز اس کے حکم کے تابع ہوتی ہے۔ اگر تو سچا ہے تو ایسا کر ورنہ تیرا دعویٰ غلط ثابت ہو جائے گا۔ فی الواقع تجھے بھی یہ معلوم ہے کہ تو ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ تو ایک مچھر پیدا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ یوں ابراہیم علیہ السلام نے اس کی جہالت و عجز کو واضح کر دیا اور لاجواب ہونے کے سبب اس کا منہ بند ہوگیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "(یہ سن کر) کافر حیرات و ششدر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

مناظرے کا وقت

سدیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ مناظرہ اس دن ہوا جس دن ابراہیم علیہ السلام آگ سے باہر نکلے۔ اس دن پہلی مرتبہ

آپ کی نمرود سے ملاقات ہوئی اور یہ گفتگو بھی اسی دن ہوئی۔ (۱)

زید بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ غلہ کا انتظام نمرود نے اپنے پاس رکھا تھا اور لوگ غلہ لینے اس کے پاس جاتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ غلہ لینے کے لیے اس کے پاس گئے۔ اس سے پہلے دونوں باہم نہیں ملے تھے۔ اس وقت دونوں کے مابین مناظرہ ہوا۔ اس نے غلہ دینے سے انکار کر دیا اور آپ بغیر غلہ لیے ہی واپس لوٹ آئے۔ آپ نے اہل خانہ کو مطمئن کرنے کے لیے راستے میں اپنے دونوں بورے مٹی سے بھر لیے۔ گھر پہنچ کر بورے رکھے اور سو گئے۔ آپ کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام نے بورے دیکھے تو وہ نہایت عمدہ غلے سے بھرے ہوئے تھے' چنانچہ انہوں نے کھانا تیار کیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو کھانا تیار دیکھ کر پوچھا' یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ آپ کی زوجہ نے عرض کیا' آپ کے لائے ہوئے غلے سے ہی تیار کیا ہے۔ تب آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے۔ (۲)

زید بن اسلمؒ سے ہی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے اسے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس نے پھر دعوت دی' اس نے پھر انکار کر دیا۔ اس نے پھر تیسری مرتبہ دعوت دی' اس نے پھر انکار کر دیا اور کہا' تم اپنے لشکر جمع کر لو اور میں اپنے جمع کر لیتا ہوں۔ جب صبح ہوئی تو نمرود نے اپنی تمام افواج جمع کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مچھر مسلط کر دیئے' وہ اس قدر زیادہ تعداد میں تھے کہ سورج کے آگے پردہ بن گئے۔ ان مچھروں نے ساری فوج کا گوشت کھا لیا اور ہڈیاں باقی چھوڑ دیں۔ ایک مچھر نمرود کی ناک میں گھس گیا' اس کے سبب وہ چار سو سال تک عذاب میں مبتلا رہا' اسی باعث اس کے سر میں ہتھوڑے مارے جاتے۔ بالآخر اسی طرح وہ ہلاک ہو گیا۔ (۳)

ملک شام کی طرف ہجرت اور مصر میں داخلہ

جب قوم نے کفر پر اصرار اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے ناامید ہو کر وہاں سے ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَـَٔامَنَ لَهُۥ لُوطٌ ... لَمِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴾ ''پس حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر حضرت لوط (علیہ السلام) ایمان لائے اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں' وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے۔ اور ہم نے انہیں (یعنی ابراہیم علیہ السلام کو) اسحٰق و یعقوب (علیہما السلام) عطا کیے اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی

(۱) [تفسیر ابن کثیر (526/1)]
(۲) [البدایۃ والنہایۃ (140/1)]
(۳) [البدایۃ والنہایۃ (140/1)]

اولاد میں ہی کر دی۔ اور ہم نے دنیا میں بھی اسے بدلہ دیا اور آخرت میں تو وہ صالح لوگوں میں سے ہے۔"(۱)

مزید فرمایا کہ ﴿ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ ... وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴾ "اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی۔ اور ہم نے اسے اسحٰق عطا کیا اور اس پر مزید یعقوب بھی۔ اور ہم نے ہر ایک کو صالح بنایا۔ اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے اور نمازیں قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔"(۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رضائے الٰہی کی خاطر اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان کا وطن چھوڑ دیا۔ آپ کی زوجہ (سارہ علیہا السلام) چونکہ بانجھ تھیں اس لیے آپ کی کوئی اولاد نہ تھی' البتہ آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام نے آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی صالح اولاد سے نواز دیا اور نبوت و رسالت آپ کی نسل میں ہی مقرر فرما دی' یعنی آپ کے بعد آنے والا ہر نبی آپ کی اولاد سے ہی تھا اور آپ کے بعد نازل ہونے والی ہر کتاب آپ کی نسل کے ہی کسی فرد پر نازل ہوئی۔ یہ آپ پر اللہ کا بہت بڑا انعام تھا' کیونکہ آپ نے اللہ کی خاطر اپنے ملک' قبیلے اور تمام اقرباء کو چھوڑ دیا تھا اور ایسی جگہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی کہ جہاں آپ خود بھی اللہ کی عبادت کر سکیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے سکیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی۔" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ابو العالیہؒ، قتادہؒ اور دیگر اہل علم کا یہی موقف ہے۔(۳) البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ برکت والی زمین سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔(۴) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ "پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہ مکہ میں ہے برکت والا اور جہان والوں کے لیے (موجب) ہدایت۔"(۵)

حضرت کعب احبارؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ حران کا علاقہ تھا۔ اہل کتاب کے حوالے سے پیچھے یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بابل سے اپنے بھتیجے لوط' بیوی سارہ' بھائی ناحور اور اس کی بیوی ملکا کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام

(۱) [العنکبوت : 26-27]
(۲) [الأنبياء : 71-73]
(۳) [تفسیر طبری (61/10)]
(۴) [تفسیر طبری (62/10)]
(۵) [آل عمران : 96]

حران پر ٹھہرے۔ پھر آپ کے والد تارخ کا یہیں انتقال ہوا۔ سدیؒ کے بیان کے مطابق ابراہیم اور لوط علیہما السلام شام کی طرف گئے۔ آپ کی ملاقات حران کے بادشاہ کی بیٹی سے ہوئی۔ آپ نے اس سے شادی کر لی (یہ روایت غریب ہے)۔ مشہور قول یہ ہے کہ سارہ ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہاران کی بیٹی ہے‘ جس کی طرف علاقہ حران منسوب ہے۔ جنہوں نے سارہ کو آپ کے بھتیجے لوط کی بہن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ آپ کی شریعت میں بھتیجی کے ساتھ نکاح جائز تھا‘ ان کی بات بے بنیاد ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ سارہ علیہا السلام نے ارضِ بابل سے ملک شام کی طرف ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی۔ شام کے علاقے میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی کہ میں یہ علاقہ آپ کی اولاد کو عطا کر دوں گا۔ اس پر آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ لیکن بعد میں اس لیے وہاں سے مصر چلے گئے کیونکہ وہاں قحط اور خشک سالی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے اور ان میں سے دو اللہ کی ذات (یعنی حقانیتِ توحید) کے لیے تھے۔ ایک آپ کا یہ فرمانا کہ ﴿ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ﴾ ”میں بیمار ہوں“ دوسرا یہ فرمانا کہ ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ﴾ ”ان کے سب سے بڑے نے یہ کام کیا ہے“ اور تیسرے (کے متعلق واقعہ) یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ اور سارہ سفر پر تھے کہ ایک ظالم بادشاہ کے پاس (یعنی مصر) سے گزر ہوا‘ اسے بتایا گیا کہ یہاں ایک ایسا شخص آیا ہے جس کے ساتھ ایک بہت خوبصورت عورت بھی ہے۔ اس نے آپ کو بلایا اور پوچھا یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا‘ وہ میری بہن ہے۔ آپ نے واپس آ کر سارہ سے کہا کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں‘ اس نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اسے بتایا کہ تم میری بہن ہو‘ اب تم مجھے جھٹلا مت دینا۔

پھر بادشاہ نے سارہ علیہا السلام کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ اس کے پاس گئیں اور اس نے انہیں چھونا چاہا تو وہ جکڑ دیا گیا۔ اس نے کہا‘ میرے لیے دعا کیجئے میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔ انہوں نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے پھر چھونا چاہا تو پھر جکڑ دیا گیا۔ اس نے پھر کہا کہ میرے لیے دعا کیجئے میں آپ کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے اپنے دربان کو بلا کر کہا‘ تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں بلکہ کسی جن کو لے آئے ہو۔ پھر اس نے انہیں چھوڑ دیا اور خدمت کے لیے ساتھ ہاجرہ علیہا السلام بھی عطا کر دیں۔ جب وہ واپس گھر آئیں تو ابراہیم علیہ السلام نماز ادا کر رہے تھے‘ آپ نے اشارے سے حالات دریافت کیے تو انہوں نے جواب دیا‘ اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش ناکام بنا دی اور خدمت کے لیے ہاجرہ دے دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا‘ اے پاکیزہ نسب والو! یہ تمہاری والدہ محترمہ ہیں۔ (۱)

(۱) [بخاری (3358) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین موقعوں پر جھوٹ بولا۔ ایک جب انہیں باطل بتوں کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کہا ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ "میں بیمار ہوں" دوسرا ان کا یہ کہنا کہ ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا﴾ "ان کے سب سے بڑے نے یہ کام کیا ہے" تیسرا یہ کہ انہوں نے سارہ کو اپنی بہن کہا۔ (یہ واقعہ اس طرح ہے کہ) ابراہیم علیہ السلام ایک شہر (مصر) میں داخل ہوئے' جس کا حکمران ایک ظالم بادشاہ تھا۔ اسے بتایا گیا کہ ابراہیم آج رات ایک خوبصورت ترین عورت لایا ہے۔ بادشاہ نے انہیں بلا کر پوچھا' یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے فرمایا' یہ میری بہن ہے۔ اس نے کہا کہ اسے میرے پاس بھیج دو۔ آپ نے اسے بھیجا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میں نے اسے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو' تم میری بات کو مت جھٹلانا اور اس وقت ہم دونوں کے سوا روئے زمین پر کوئی دوسرا مومن بھی موجود نہیں۔

سارہ علیہا السلام بادشاہ کے پاس پہنچیں تو وہ آپ کی طرف آیا۔ آپ نے وضوء کیا' نماز پڑھی اور دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے شوہر کے سوا ہر ایک سے اپنے جسم کی حفاظت کی ہے' اب تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دینا۔ بادشاہ کی سانس خراب ہو گئی اور وہ زمین پر پاؤں مارنے لگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دیکھ کر حضرت سارہ علیہا السلام نے کہا' اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس (عورت) نے اسے قتل کر دیا ہے۔ تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ وہ دوبارہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے پھر وضوء کیا' نماز پڑھی اور پہلے والی دعا کی۔ اس پر پھر اس کی سانس خراب ہو گئی اور وہ زمین پر پاؤں مارنے لگا۔ سارہ علیہا السلام نے کہا' اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس (عورت) نے اسے مار ڈالا ہے۔ تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ تیسری یا چوتھی مرتبہ اس نے دربان کو بلا کر کہا' تم میرے پاس کسی شیطان (یعنی جن) کو لے آئے ہو اسے ابراہیم کے پاس واپس چھوڑ آؤ اور اسے ہاجرہ علیہا السلام بھی دے دو۔ واپس پہنچ کر سارہ علیہا السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کی چال ناکام بنا دی اور اس نے ایک لونڈی عطیہ کر دی۔ (۱)

ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا کہ "وہ میری بہن ہے" اس سے مراد دینی بہن تھا۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ "روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں" اس سے لازماً مراد یہی ہے کہ کوئی مومن میاں بیوی موجود نہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ لوط علیہ السلام بھی تھے جو نبی تھے۔

جب سارہ علیہا السلام بادشاہ کی طرف گئیں تو ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے اپنی بیوی کی حفاظت کے لیے دعائیں کرنے لگے۔ جب ظالم بادشاہ نے سارہ علیہا السلام کی طرف بڑھنا چاہا تو انہوں نے بھی یہی کام کیا یعنی

---

(۱) مسند احمد (404/2)]

وضوء کیا (نماز پڑھی اور اپنی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی)۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ﴾ ''صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔''(۱) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ علیہا السلام کی بھی حفاظت فرمائی اور اپنے بندے اور خلیل ابراہیم علیہ السلام کی عزت وناموس کو بھی داغدار ہونے سے بچالیا۔

بعض آثار میں یہ بھی مذکور ہے کہ سارہ علیہا السلام کے بادشاہ کے پاس جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ طاقت بخش دی تھی کہ وہ واپسی تک مسلسل انہیں دیکھتے رہے۔ یہ انتظام اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے دلی اطمینان وسکون کے لیے کیا تھا کیونکہ وہ اپنی بیوی سے اس کی دینداری اور خوبصورتی کے باعث بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حواء کے بعد سارہ تک کوئی عورت سارہ سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس ظالم بادشاہ کا نام ضحاک تھا۔ بعض نے اس کا نام سنان بتایا ہے اور بعض نے اس کا نام عمرو ذکر کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام واپس ارضِ مقدس تشریف لے گئے جہاں آپ پہلے رہائش پذیر تھے۔ واپسی پر آپ کے پاس مویشی، غلام اور بہت سا مال تھا اور مصر کی حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی تھیں۔ پھر لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے حکم سے اپنے مال واسباب سمیت غور کے علاقے کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں ''سدوم'' کے شہر میں مقیم ہو گئے' جو اس علاقے کا مرکزی شہر تھا اور وہاں کے لوگ انتہائی بدکردار' شریر اور بدکار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی تو انہوں نے سر اٹھا کر شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی جانب دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی کہ یہ ساری زمین میں تمہیں اور تمہاری اولاد کو دوں گا اور تمہاری اولاد کو اس قدر بڑھاؤں گا کہ ان کی تعداد ریت کے ذرات کے برابر ہو جائے گی۔ اس بشارت میں امتِ محمدیہ محض شامل ہی نہیں بلکہ یہ پیش گوئی اسی امت میں کامل ترین انداز میں پوری ہوئی ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشرق ومغرب کو دیکھا اور میری امت کی بادشاہت وہاں وہاں پہنچے گی جو جو حصہ سمیٹ کر مجھے دکھایا گیا۔''(۲)

اہل علم بیان کرتے ہیں کہ کچھ ظالم لوگوں نے لوط علیہ السلام پر غلبہ پا کر انہیں قید کر دیا اور ان کا مال اور مویشی چھین کر لے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی اطلاع ملی تو آپ 318 افراد پر مشتمل ایک گروہ لے کر روانہ ہوئے۔ آپ نے لوط علیہ السلام کو بھی چھڑا لیا اور ان کے مال مویشیوں کو بھی اور اللہ اور اس کے رسول کے بہت سے دشمن قتل کر دیے' انہیں شکست دی

---

(۱) [البقرة: 45]

(۲) [مسلم (2889) کتاب الفتن: باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض' ابو داود (4252) کتاب الفتن والملاحم: باب الفتن ودلائلها' مسند احمد (16492) مصنف ابن أبي شيبة (421/7) السنن الكبرى للبيهقي (181/9) صحيح ابن حبان (6838) السلسلة الصحيحة (1683)]

اور ان کا تعاقب کیا حتی کہ دمشق کے شمال تک پہنچ گئے اور مقامِ برزہ میں آپ کے لشکر نے پڑاؤ کیا' پھر کامیاب ہو کر اپنے علاقے کی طرف پلٹے۔ واپسی پر بیت المقدس کے بادشاہوں نے آپ کی بہت عزت و تکریم کی اور آپ کے ساتھ بڑے احسن انداز میں پیش آئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش

اہل کتاب نے کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے پاکیزہ اولاد کی دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی خوشخبری دے دی۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس میں اقامت اختیار کیے 20 سال گزر گئے تو سارہ علیہا السلام نے کہا' اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا ہے' آپ میری لونڈی ہاجرہ کے پاس جائیے' شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے بطن سے اولاد عطا فرما دے۔ سارہ علیہا السلام نے اپنی لونڈی ہاجرہ ابراہیم علیہ السلام کو دے دی' وہ اس کے پاس گئے تو وہ حاملہ ہو گئی۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ جب وہ حاملہ ہوئی تو اس نے اپنی مالکہ کو حقیر سمجھنا شروع کر دیا' اس پر سارہ علیہا السلام کو غیرت آئی اور اس نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کی شکایت کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا' تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ اس پر وہ ڈر کر گھر سے بھاگ نکلی اور ایک چشمے کے پاس جا کر ٹھہر گئی' وہاں اس کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا' تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ تمہارے ہاں ایک خیر و برکت والا بچہ پیدا ہونے والا ہے' تم واپس جاؤ اور جب تمہارے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ وہ اکیلا ہوگا اور تمام پر غالب ہوگا اور دیگر تمام لوگ اس کے مدد و معاون ہوں گے۔ وہ اپنے تمام بھائیوں کے علاقوں کا مالک بنے گا۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ خوشخبری آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عربوں کو بلند مقام اور سرداری عطا کی اور مشرق و مغرب کے تمام ممالک کا حکمران بنا دیا اور آپ کی امت کو وہ علم نافع اور عملِ صالح عطا فرمایا جو پہلے کسی امت کو عطا نہیں فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس امت کا پیغمبر دیگر تمام رسولوں سے افضل و اشرف ہے' یہ آپ کی رسالت کی برکت اور آپ کے پیغام کے کمال کے باعث ہے اور اس لیے بھی کہ آپ کو تمام اہلِ ارض کے لیے مبعوث کیا گیا تھا۔

پھر جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام واپس لوٹیں تو ان کے ہاں اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اہل کتاب کا بیان ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 86 برس تھی اور اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش سے 13 برس قبل ہوئی۔ اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی کہ اب سارہ علیہا السلام کے بطن سے

اسحق علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام سجدۂ شکر میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں نے اسماعیل کے متعلق کی ہوئی تمہاری دعا قبول فرمائی اور اسے برکت عطا فرما دی' اب میں اسے بہت زیادہ اولاد سے نوازوں گا' جن میں 12 بڑے بادشاہ ہوں گے اور میں اسے بھی ایک بڑی قوم کی سرداری دوں گا۔

یہ بشارت بھی اسی عظیم امت (محمدیہ) کے بارے میں ہی ہے اور 12 بادشاہوں سے مراد خلفائے راشدین ہیں' جن کی تعداد 12 ہی ہے اور ان کی خوشخبری حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' 12 امیر ہوں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا لیکن میں اسے سمجھ نہ سکا' میں نے اس کے متعلق اپنے والد سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا' وہ تمام (امیر) قریشی ہوں گے۔"(۱) صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ "یہ (دین کا) کام جاری رہے گا" اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ "غالب رہے گا حتی کہ 12 خلفاء ہوں گے اور وہ تمام قریشی ہوں گے۔"(۲)

ان 12 خلفاء میں خلفائے اربعہ' یعنی ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم شامل ہیں' اسی طرح عمر بن عبدالعزیزؒ بھی۔ چند عباسی خلفاء بھی ان میں شامل ہیں۔ یاد رہے کہ اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ یہ خلفاء بالترتیب ہوں گے بلکہ یہ ہے کہ اتنی تعداد میں ہوں گے اور یہ بھی واضح رہے کہ ان خلفاء سے مراد رافضی (شیعہ) حضرات کے 12 امام بھی ہرگز نہیں۔ جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آخری امام حسن عسکریؒ کا بیٹا محمد ہے جو سامراء کے غار میں چھپا ہوا ہے اور اس کی آمد کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ان کے نزدیک ائمہ میں سب سے اہم ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے فتنہ اور مسلمانوں کے مابین جنگ وجدل کے خاتمے کے لیے حکومت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تھی۔ واضح رہے کہ ان دونوں کے علاوہ شیعہ کے باقی امام عام افراد تھے ان کا حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا اور رہی بات امامِ منتظر کی تو یہ محض ان کا وہم ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

بہرحال جب ہاجرہ علیہا السلام کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو سارہ علیہا السلام غیرت میں آ کر اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکیں اور ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں ان کے سامنے نہ رکھیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے کو لے کر اس علاقے میں چلے گئے جہاں آج کل مکہ مکرمہ آباد ہے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام

---

(۱) [بخاری (7223) کتاب الأحکام : باب الاستخلاف ' مسلم (1821) کتاب الامارۃ : باب الناس تبع لقریش ' ابو داود (4279) کتاب المھدی ' ترمذی (2223) کتاب الفتن : باب ما جاء فی الخلفاء ' صحیح الجامع الصغیر (7703) السلسلة الصحیحة (376) مسند احمد (19884) مستدرک حاکم (6666) طبرانی کبیر (272/2) أبو عوانة (5625) أبو یعلی موصلی (7297) ابن حبان (6786)]

(۲) [مسلم (1821) کتاب الامارۃ : باب الناس تبع لقریش]

دونوں (ماں، بیٹے) کو اس علاقے میں چھوڑ کر جانے لگے تو ہاجرہ علیہا السلام نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا' آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں' یہاں تو ضرورت کی کوئی چیز بھی نہیں۔ بار بار یہ سوال کرنے کے بعد بھی جب کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا' کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا' ہاں۔ تب وہ کہنے لگیں کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو پھر وہ ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے کمر بند استعمال کیا' جس کا مقصد یہ تھا کہ ان کے قدموں کے نشانات سارہ علیہا السلام سے محفوظ رہیں۔ ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے دودھ پیتے بچے اسماعیل علیہ السلام کو لے گئے اور انہیں بیت اللہ میں زمزم کے قریب (موجودہ) مسجد کی بالائی جانب ایک درخت کے قریب ٹھہرا دیا۔ اس وقت نہ تو وہاں کوئی آبادی تھی اور نہ ہی پانی کا بندوبست۔ ابراہیم نے انہیں وہاں چھوڑا اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا اور خود واپس چل پڑے۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی ان کے پیچھے چل پڑیں اور کہا' آپ ہمیں یہاں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں نہ تو کوئی ساتھی ہے اور نہ ہی ضرورت کی چیز؟ کئی بار یہ سوال دُہرانے کے باوجود جب کوئی جواب نہ ملا تو عرض کیا' کیا آپ کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا' ہاں۔ تو انہوں نے کہا' تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور واپس چلی گئیں۔

ابراہیم علیہ السلام جب ثنیہ (گھاٹی) پر پہنچے' جہاں سے ہاجرہ اور اسماعیل نظر نہیں آ رہے تھے تو کعبہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی ﴿ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے' اے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں' پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں سے روزیاں عطا فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں۔''(۱)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ انہیں دودھ پلاتیں اور خود پانی پی لیتیں' جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انہیں بھی پیاس لگی اور ان کے بچے کو بھی۔ بچہ تڑپنے لگا تو وہ اسے اس حال میں دیکھ نہ سکیں اور پانی کی تلاش میں اپنے قریب صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں اور دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی انسان نظر آ جائے' لیکن جب کوئی نظر نہ آیا تو پہاڑی سے

(۱) [ابراہیم: 37]

آخر میں اور اپنا دامن اٹھا کر پریشان حال انسان کی مانند دوڑنے لگیں اور مروہ پہاڑی پر چڑھ گئیں' لیکن وہاں سے بھی کوئی نظر نہ آیا' انہوں نے سات مرتبہ اس طرح کیا (یعنی ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک دوڑ لگائی)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسی وجہ سے لوگ (دوران حج وعمرہ) ان دونوں پہاڑیوں (صفا ومروہ) کے درمیان دوڑتے ہیں۔

جب وہ (آخری چکر لگا کر) مروہ پر پہنچیں تو انہیں کوئی آواز سنائی دی' انہوں نے اپنے آپ سے کہا' رک جا۔ پھر غور کیا تو کوئی آواز سنائی دی۔ اس پر کہا' تو نے آواز تو سنا دی' کاش تیرے پاس ہماری مدد کے لیے بھی کچھ ہو۔ پھر انہوں نے اچانک دیکھا کہ زمزم کے پاس ایک فرشتہ کھڑا ہے' اس فرشتے نے اپنی ایڑی یا پر سے زمین کھودی اور پانی نکل آیا۔ جب ہاجرہ علیہا السلام نے یہ صورتحال دیکھی تو پانی کے اردگرد رکاوٹ بنا کر اسے حوض کی شکل دینے لگیں اور چلو بھر بھر کر مشکیزہ بھرنے لگیں' وہ جب بھی بھرتیں اور پانی نکل آتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے! اگر وہ زمزم کو بہنے دیتیں یا فرمایا اگر وہ چلو نہ بھرتیں تو وہ ایک جاری چشمے کی صورت اختیار کر جاتا۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر ہاجرہ علیہا السلام نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا کہ آپ ہلاکت سے مت گھبرائیں' یہاں اللہ کا گھر بنے گا جسے یہ بچہ اور اس کا والد (مل کر) تعمیر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتے۔

آج کل جہاں بیت اللہ ہے' اس وقت وہاں ٹیلے کی طرح زمین بلند تھی۔ سیلاب کا دھارا آتا اور اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ لے جاتا۔ اس طرح وہاں کے دن ورات گزرتے رہے حتی کہ ایک دن قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا (فرمایا کہ) قبیلہ جرہم کے کچھ خاندان مقام کداء (مکہ کے بالائی) راستے سے گزر کر مکہ کے نشیبی علاقے میں ٹھہر گئے۔ انہوں نے قریب ہی کچھ پرندے منڈلاتے ہوئے دیکھے تو کہا' یقیناً یہ پرندے پانی پر ہی منڈلا رہے ہیں' حالانکہ پہلے ہم جب بھی یہاں سے گزرے ہیں یہاں پانی کا نام ونشان نہ تھا۔ آخر انہوں نے اپنا ایک آدمی یا دو آدمی بھیجے۔ انہوں نے وہاں واقعی پانی پایا' چنانچہ انہوں نے واپس آ کر پانی کی اطلاع دی۔ پھر وہ سب لوگ پانی پر آئے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پانی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ لوگوں نے کہا' آپ ہمیں بھی پانی کے پاس پڑاؤ ڈالنے کی اجازت دیں گی' انہوں نے کہا' ہاں لیکن اس شرط پر کہ پانی پر تمہارا کوئی حق نہ ہوگا۔ انہوں نے اسے تسلیم کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اب اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کو پڑوسی مل گئے۔ انسانوں کی موجودگی ان کے لیے دلجمعی کا باعث ہوئی۔ وہ لوگ خود بھی یہیں مقیم ہو گئے اور اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو بھی بلوا لیا اور وہ سب بھی یہیں آ کر آباد ہو گئے۔ اس طرح یہاں ان کے کئی خاندان آ کر آباد

ہو گئے اور بچہ (یعنی اسماعیل علیہ السلام قبیلہ جرہم کے بچوں میں) جوان ہوا اور ان سے عربی زبان سیکھ لی۔ جوانی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اس قدر خوبصورت تھے کہ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ چنانچہ لوگوں نے اپنے قبیلے کی ایک لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔ پھر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔

اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد ابراہیم علیہ السلام یہاں چھوڑے ہوئے اپنے خاندان کو ملنے آئے۔ اسماعیل علیہ السلام گھر میں نہیں تھے۔ اس لیے آپ نے ان کی بیوی سے اسماعیل علیہ السلام کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ روزی کی تلاش میں کہیں گئے ہیں۔ پھر آپ نے اس سے ان کی معاش وغیرہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا' حالات اچھے نہیں ہیں' بڑی تنگی سے وقت گزر رہا ہے اور یوں اس نے شکایت کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس سے فرمایا' جب تمہارا شوہر واپس آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لے۔

جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو انہیں کچھ محسوس ہوا' تو پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے جواب دیا' اس شکل وصورت کے ایک بزرگ آئے تھے اور آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے آپ کے حالات کے متعلق پوچھا تو میں نے کہا کہ تنگی سے ہی وقت گزر رہا ہے۔ اس پر انہوں نے مجھ سے کہا کہ جب آپ واپس آئیں تو میں آپ کو سلام کہوں اور وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے (ساری بات) سن کر فرمایا' وہ بزرگ میرے والد تھے اور مجھے یہ حکم دے کر گئے ہیں کہ میں تم کو جدا کر دوں' اب تم اپنے گھر جا سکتی ہو۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام نے انہیں طلاق دے دی اور قبیلہ جرہم کی ایک دوسری عورت سے شادی کر لی۔

پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ابراہیم علیہ السلام ان کے ہاں تشریف نہ لائے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہ تشریف لائے تو اس مرتبہ بھی اسماعیل علیہ السلام گھر میں نہ تھے۔ آپ ان کی بیوی کے ہاں گئے اور اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ روزی کی تلاش میں نکلے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا' تم لوگوں کا کیسا حال ہے؟ آپ نے ان کی گزر بسر اور دوسرے حالات کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ہمارا حال بہت اچھا ہے اور بڑی فراخی ہے۔ انہوں نے اس کے لیے اللہ کی حمد وثنا کی۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کیا کھاتے ہو؟ اس نے بتایا کہ گوشت۔ پھر پوچھا کہ پیتے کیا ہو؟ اس نے کہا پانی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت نازل فرما۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دنوں انہیں اناج میسر نہیں تھا' اگر اناج بھی ان کی خوراک کا حصہ ہوتا تو ضرور آپ اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔ صرف گوشت اور پانی کی خوراک پر ہمیشہ گزارہ کرنا مکہ کے سوا اور کسی زمین پر بھی موافق نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے جاتے ہوئے اس سے یہ بھی کہا کہ جب تمہارے شوہر واپس آئیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رکھیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو پوچھا کہ کیا کوئی

یہاں آیا تھا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں' بڑی اچھی شکل وصورت کے ایک بزرگ آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا' تو میں نے بتایا (کہ آپ کہاں ہیں)' پھر انہوں نے ہماری گزر بسر کے متعلق پوچھا' تو میں نے بتایا کہ ہم اچھی حالت میں ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی تھی؟ اس نے کہا' ہاں انہوں نے آپ کو سلام کہا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رکھیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد تھے' چوکھٹ تم ہو اور وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں۔

پھر جتنے دن اللہ کو منظور ہوا ابراہیم علیہ السلام ان کے ہاں تشریف نہ لائے' پھر جب تشریف لائے تو دیکھا کہ اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب (جہاں آپ نے انہیں چھوڑا تھا) ایک بڑے درخت کے سائے میں بیٹھے تیر بنا رہے ہیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ کو دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہو گئے اور جیسے ایک باپ اپنے بیٹے سے اور ایک بیٹا اپنے باپ سے محبت کرتا ہے انہوں نے بھی وہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا' اسماعیل! اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا' آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے آپ ضرور اسے پورا کریں۔ انہوں نے فرمایا' تم بھی میری مدد کرو گے؟ عرض کیا' میں ضرور آپ کی مدد کروں گا۔ فرمایا' اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس مقام پر اللہ کا ایک گھر تعمیر کروں اور (یہ کہتے ہوئے) سامنے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔

پھر دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت کی تعمیر شروع کر دی۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے۔ جب دیواریں بلند ہو گئیں تو اسماعیل علیہ السلام یہ (مقامِ ابراہیم والا) پتھر لائے اور ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے۔ دورانِ تعمیر دونوں یہ دعا بھی کرتے جا رہے تھے ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہماری یہ خدمت قبول فرما' بلاشبہ تو بڑا سننے والا جاننے والا ہے۔''(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دونوں بیت اللہ کی عمارت بھی تعمیر کرتے رہے اور اس کے چاروں طرف گھوم گھوم کر یہ دعا بھی پڑھتے رہے۔(۲)

تورات میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام اور اپنے غلاموں کا ختنہ کریں۔(۳) آپ نے اس حکم کی تعمیل فرمائی' اس وقت آپ کی عمر 99 برس اور اسماعیل علیہ السلام کی عمر 13 برس تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حکم کو اپنے اوپر واجب سمجھا تھا۔ اسی لیے علماء کے صحیح ترین قول کے

(۱) [البقرة : 127]

(۲) [بخاری (3364) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب یزفون ' السنن الکبری للبیهقی (99/5) مصنف عبد الرزاق (107/5) السنن الکبری للنسائی (100/5) شعب الایمان للبیهقی (3904) صحیح السیرة النبویة (41/1)]

(۳) [کتاب پیدائش ، باب 17 ، فقرہ 12-13.23-24-25]

مطابق مردوں پر ختنہ واجب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ابراہیم علیہ السلام نے 80 برس کی عمر میں خود ایک کلہاڑے کے ساتھ اپنا ختنہ کیا۔(۱) کچھ علماء نے کہا ہے کہ حدیث میں موجود لفظ ''قدوم'' سے مراد قدوم شہر ہے' ختنہ کرنے کا آلہ نہیں۔ اس حدیث میں مذکور 80 برس کے الفاظ اس سے زائد عمر کے منافی نہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے 120 برس کی عمر میں ختنہ کیا تھا اور اس کے بعد 80 برس زندہ رہے تھے۔(۲)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی کا قصہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ... وَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴾ ''(ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔ تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے' تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا' میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں' اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لائیے' ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو کروٹ پر لٹا لیا۔ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا' بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔ اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے اسے اسحٰق (علیہ السلام) نبی کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہوگا۔ اور ہم نے ابراہیم و اسحٰق (علیہما السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں' اور ان دونوں کی اولاد میں بعض تو نیک

---

(۱) [بخاری (3356) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالی واتخذ الله ابراهیم خلیلا' مسند احمد (9249) مصنف ابن أبي شیبة (233/6) صحیح ابن حبان (4367) معرفة الصحابة لأبی نعیم الأصبهانی (335/2) السلسلة الصحیحة (725)]

(۲) [موضوع : ضعیف الجامع الصغیر (225) السلسلة الضعیفة (2112) مصنف ابن أبي شیبة (233/6) مستدرك حاکم (3982) شعب الایمان للبیهقی (8385) صحیح ابن حبان (6310) علامہ البانیؒ نے اس روایت کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ صحیح روایت وہ ہے جس میں مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے 80 برس کی عمر میں ختنہ کیا تھا اور وہ روایت بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے۔ البتہ الادب المفرد کی تخریج میں آپؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت موقوفاً اور مقطوعاً صحیح ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں بلکہ کسی صحابی یا تابعی کا قول ہے)۔[صحیح الأدب المفرد (1250)]

بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔"(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو خیر باد کہا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں نیک بخت بچہ عطا فرمائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بردبار بچے کی خوشخبری سنائی' جو اسماعیل علیہ السلام تھے۔ کیونکہ وہی آپ کے پہلے بیٹے تھے جو 86 برس کی عمر میں آپ کے ہاں پیدا ہوئے تھے۔ نیز اس مسئلہ میں تمام مذاہب متفق ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام ہی آپ کے پہلے بیٹے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ ﴾ "جب وہ اس کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ جوان ہو گئے اور اپنے والد کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگے۔ مجاہدؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب جوان ہوئے' سفر کرنے لگے اور والد کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔(۲) جب اس عمر کو پہنچے تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ انہیں اپنا وہ بچہ ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق "انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔"(۳)

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کی ایک بہت بڑی آزمائش تھی کہ وہ بڑھاپے میں ملنے والے اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دیں۔ اس سے پہلے انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے اسی بیٹے اور اس کی والدہ کو ایک بے آب وگیاہ زمین میں چھوڑ آئیں' جہاں نہ کوئی انسان تھا اور نہ جانور۔ آپ نے حکم کی تعمیل فرمائی اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے انہیں اس جگہ چھوڑ آئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشکلات میں ان کی مدد فرمائی اور انہیں وہاں سے رزق دیا جہاں سے انہوں نے سوچا بھی نہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا' تو انہوں نے فوراً اس کی بھی تعمیل فرمائی۔ پہلے انہوں نے یہ حکم اپنے بیٹے کو سنایا تا کہ وہ بھی دلی رضامندی کے ساتھ اس کی تعمیل میں شریک ہو جائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا "میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں' اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟"۔ یہ سن کر بردبار بیٹے نے فوراً جواب دیا "ابا جان! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لائیے' ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

یقیناً یہ جواب نہایت عمدہ' والد اور اللہ کی فرمانبرداری کا بہت بڑا نمونہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "غرض جب دونوں

(۱) [الصافات : 99-113]

(۲) [تفسیر ابن کثیر (23/7)]

(۳) [مجمع الزوائد (176/7)]

مطیع ہو گئے اور اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو کروٹ پر لٹا لیا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے اللہ کے حکم کو تسلیم کر لیا اور قربانی پیش کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو چہرے کے بل لٹا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے گدی کی طرف سے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا تا کہ ذبح کرتے وقت وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ اور ضحاکؒ نے یہی موقف اپنایا ہے۔(۱) یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بیٹے کو عام جانوروں کی طرح پہلو کے بل لٹایا تھا اور اس کی پیشانی ایک جانب سے زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔

سدیؒ اور دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے حلق پر چھری چلا دی تو اس سے کچھ نہ کٹا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی "اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔"(۲) یعنی ہم آپ کی جو آزمائش کرنا چاہتے تھے وہ مکمل ہو چکی' آپ کی اطاعت اور فوراً اللہ کے حکم کی تعمیل ظاہر ہو چکی' جیسے آپ نے خود کو آگ میں پھینک دیا اور بے دریغ اپنا مال مہمانوں پر خرچ کر دیا' اسی طرح تیرے بیٹے نے بھی خود کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یقیناً یہ کھلا امتحان تھا۔" اور فرمایا "ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔" جمہور علماء کا کہنا ہے کہ وہ جانور سفید رنگ کا' بڑی آنکھوں والا اور سینگوں والا مینڈھا تھا۔

اس جانور کے متعلق دیگر مختلف اقوال بھی منقول ہیں مثلاً وہ چالیس برس تک جنت میں چرتا رہا' وہ ثبیر نامی پہاڑ سے نمودار ہوا' اس کی اون سرخ تھی' وہ پہاڑی بکرا تھا' وہ وہی جانور تھا جس کی قربانی آدم علیہ السلام کے بیٹے (ہابیل) نے کی تھی اور قبول ہوئی تھی وغیرہ وغیرہ۔(۳) لیکن ان میں سے اکثر اقوال اسرائیلیات سے ہی ماخوذ ہیں' لہٰذا قرآن کی اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ ایک عظیم ذبیحہ تھا اور حدیث میں ہے کہ وہ مینڈھا تھا۔(٤)

ذبیح کون تھا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں اسماعیل اور اسحٰق علیہما السلام میں سے ذبیح کون تھا؟ اس سلسلے میں درست رائے یہی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ (یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا اور) مکہ میں وہی مقیم تھے' جبکہ اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ وہ بچپن میں مکہ آئے ہوں۔ دوسری دلیل قصہ ذبیح کے بعد قرآن کی یہ صراحت ہے کہ ﴿ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴾ "اور ہم نے اسے اسحٰق (علیہ السلام) کی بشارت دی کہ وہ نبی

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (24/7)]

(۲) [أیضا]

(۳) [تاریخ طبری (167-166/1)]

(٤) [مسند احمد (68/4)]

اور صالحین میں سے ہوں گے۔"(۱) اس آیت میں جنہوں نے لفظ "نبیا" کو حال بناتے ہوئے یہ معنی کیا ہے کہ ہم نے اسحق علیہ السلام کی نبوت کی خوشخبری سنائی' اس کی پیدائش کی نہیں' انہوں نے محض تکلف سے ہی کام لیا ہے (اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں)۔

جنہوں نے یہ موقف اپنایا ہے ان کا مستدل محض اسرائیلی روایات ہی ہیں' جو بلاشبہ تحریف شدہ ہیں۔ بطورِ خاص اس مسئلے میں تو تحریف بہت ہی واضح ہے کیونکہ ان کی کتب میں یہ مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔" اور مترجم نسخہ میں ہے کہ "اپنے اکلوتے بیٹے اسحق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔" یہاں لفظ "اسحق" کا اضافہ انہوں نے خود کیا ہے اور یہ محض کذب وافتراء ہی ہے' کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے اور پہلوٹھے بیٹے تو اسماعیل علیہ السلام ہی تھے نہ کہ اسحق علیہ السلام۔

ان کی اس تحریف کا سبب صرف عربوں سے حسد تھا۔ کیونکہ اسماعیل علیہ السلام عربوں کے جدامجد ہیں جو حجاز میں مقیم تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی میں سے تھے۔ اور اسحق علیہ السلام' یعقوب علیہ السلام کے والد ہیں اور یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا اور بنی اسرائیل انہی کی طرف منسوب ہیں۔ اس طرح انہوں نے وہ فضل وشرف جو عربوں کو حاصل ہوا تھا اپنے لیے ثابت کرنے کی کوشش کی اور اس کے لیے اللہ کے کلام میں ہی ترمیم واضافہ کر ڈالا۔ یہ قوم نہایت جھوٹی اور افترا پرداز ہے۔ انہوں نے اللہ کے فیصلے کو ہی تسلیم نہیں کیا کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔

جو حضرات اسحق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے قائل ہیں انہوں نے یہ بات کعب احبارؒ یا یہود ونصاریٰ کی کتب سے اخذ کی ہے۔ اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں' جس کی وجہ سے قرآن کے ظاہر کو چھوڑا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اسماعیل علیہ السلام کے ہی ذبیح ہونے پر نص ہیں۔ ابن کعب قرظیؒ نے اسحق علیہ السلام کے بجائے اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ "ہم نے اسے اسحق کی اور اسحق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔"(۲) وہ فرماتے ہیں کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسحق علیہ السلام کی خوشخبری دی جائے اور یہ خوشخبری بھی دی جائے کہ ان کے ہاں یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے اور پھر یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی اسحق علیہ السلام کے بچپن میں انہیں ذبح کرنے کا حکم بھی دے دیا جائے' یہ تو ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ سرے سے بشارت کے ہی خلاف ہے۔

---

(۱) [الصافات : 112]

(۲) [ھود : 71]

علاوہ ازیں سہیلیؒ نے اس موقف پر اعتراض کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ذبیح اسحٰق علیہ السلام تھے۔ ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ﴾ ایک مکمل جملہ ہے اور ﴿ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ الگ جملہ ہے' یہ بشارت کے تحت نہیں آتا۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے ﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ ﴾ یعنی جب وہ (بیٹا) اس (اپنے باپ) کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام تو اپنے باپ کے ساتھ تھے ہی نہیں کیونکہ وہ تو مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں تھے جبکہ اسحٰق علیہ السلام اپنے باپ کے ساتھ ہی تھے۔ حضرت کعب احبارؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور ابن جریرؒ نے بھی اسی رائے کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ رائے محل نظر ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا مکہ میں اپنے اہل و عیال کو ملنے کے لیے جانا ثابت ہے' اس لیے اس رائے کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

صحیح رائے یہی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ مجاہدؒ، سعیدؒ، شعبیؒ، یوسف بن مہرانؒ، عطاءؒ اور دوسرے حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہی تھے' یہودی اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں' وہ جھوٹے ہیں۔ (۱) حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، حسن بصری، محمد بن کعب، ابو جعفر محمد بن علی، ابو صالح، احمد بن حنبل اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ امام بغویؒ نے ربیع بن انس، کلبی اور ابو عمر بن علاء رحمہم اللہ سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شام کے ایک عالم کو بلانے کے لیے اس کی طرف پیغام بھجوایا' وہ پہلے یہودی تھا پھر مخلص مسلمان ہو گیا تھا۔ آپؒ نے اس سے پوچھا' ابراہیم علیہ السلام کو اپنے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا؟ اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے اور یہودیوں کو بھی اس کا علم ہے' لیکن وہ تم عربوں سے اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ آپ کے جد امجد (اسماعیل علیہ السلام) اس عظیم مقام پر فائز ہوئے' صرف اسی لیے وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے جد امجد ہیں۔ (۲)

اس مسئلے کو ہم نے تفصیل سے دلائل کی روشنی میں اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں ذکر کر دیا ہے۔ (والحمد للہ)

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق علیہ السلام کی بشارت اس وقت دی جب وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی بیوی بھی

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (29/7)]

(۲) [أیضا]

بانجھ تھی، اس لیے انہیں خوشی کے ساتھ ساتھ تعجب بھی ہوا۔ یہ بشارت لے کر آنے والے وہ فرشتے تھے جو قوم لوط کو تباہ کرنے کے لیے مدائن کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام کے پاس سے گزرے تھے۔ اس سلسلے میں چند آیات حسب ذیل ہیں:

(1) ﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى ... إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴾ ”اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغامبر ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے اور سلام کہا، انہوں نے بھی جواب میں سلام کہا اور بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ بھی اس کی طرف نہیں پہنچ رہے تو ان سے اجنبیت محسوس کر کے دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے، انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ اس کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی، تو ہم نے اسے اسحٰق اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری دی۔ وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ میں تو خود بڑھیا ہوں اور یہ میرے خاوند بھی بہت بڑی عمر کے ہیں، یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ تم پر اے گھر کے لوگو! اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ حمد و ثناء کا سزاوار اور بڑی شان والا ہے۔“(۱)

(2) ﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ... إِلَّا الضَّالُّونَ ﴾ ”انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا بھی حال سنا دو۔ کہ جب انہوں نے ان کے پاس آ کر سلام کہا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں، ہم تجھے ایک علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ کہا، کیا اس بڑھاپے کے آ جانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو؟ یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں، آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں۔ کہا، اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔“(۲)

(3) ﴿ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ... إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴾ ”کیا تجھے ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم (علیہ السلام) نے سلام کا جواب دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔ پھر (خاموشی سے فوراً) اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فربہ (بھونا ہوا) بچھڑا لے آئے۔ اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے؟ انہوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے، اور انہوں نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔ پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت میں آ کر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ بانجھ بھی۔ انہوں نے کہا، ہاں تیرے پروردگار

---

(۱) [ھود: 69-72]

(۲) [الحجر: 51-56]

نے اسی طرح فرمایا ہے' بے شک وہ حکیم وعلیم ہے۔"(۱)

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ تین تھے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام' جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو مہمان سمجھتے ہوئے ایک موٹا تازہ بھنا ہوا بچھڑا لا کر بطورِ مہمان نوازی پیش کر دیا۔ جب انہوں نے کھانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی (اور بلاشبہ فرشتوں کو کچھ کھانے کی حاجت بھی نہیں ہوتی) تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سے خوف محسوس کیا۔ یہ دیکھ کر فرشتوں نے کہا' گھبرایئے مت ہم تو قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یعنی ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ یہ سنا تو سارہ علیہا السلام ہنس پڑیں کیونکہ وہ اللہ سے محبت اور بدکاروں سے نفرت کرتی تھیں' اس لیے انہیں خوشی ہوئی۔ جب وہ خوش ہو کر ہنسیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اسحٰق علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔ یہ بشارت سن کر ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حیرت وتعجب سے چلائی اور کہا' ہائے میری ہلاکت! میرے جیسی عورت کیسے بچہ پیدا کر سکتی ہے؟ میں بوڑھی اور بانجھ ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہیں۔ فرشتوں نے کہا' کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہو؟ اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں' بلاشبہ وہ تعریف کا سزاوار اور بزرگوار ہے۔

یہ بشارت سن کر ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور انہیں تعجب بھی ہوا اس لیے انہوں نے کہا' کیا اس بڑھاپے کے آجانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو؟ یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں' آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں۔ کہا' اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ فرشتوں نے تاکید سے کہا کہ وہ بچہ بڑے علم والا ہوگا۔ اس سے مراد اسماعیل علیہ السلام کے بھائی اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی عظیم قربانیوں کے بدلے میں علم والا بچہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ وصف بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ وعدہ پورا کرنے والے اور صبر کرنے والے تھے۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو بچھڑے کے ساتھ روٹی' گھی اور دودھ بھی پیش کیا اور انہوں نے اسے کھایا۔ یہ بات درست نہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یوں نظر آتا تھا کہ وہ کھا رہے ہیں لیکن حقیقت میں کھانا ہوا میں ہی غائب ہو جاتا تھا۔ بائبل میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا' تیری بیوی ساری کو اب ساری نہیں بلکہ سارہ کہا جائے گا۔ میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا عنایت کروں گا' پھر اسے بھی برکت دوں گا اور اس کی نسل سے بہت سی قومیں اور بادشاہ پیدا ہوں گے۔ یہ بشارت سن کر ابراہیم علیہ السلام سجدہ ریز ہو گئے اور دل میں ہنستے ہوئے کہا کہ کیا اب 100 سال کی عمر میں میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا اور 90 سال کی سارہ بچہ جنے گی۔

---

(۱) [الذاریات: 24-30]

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ کاش! تیرے دین کی خاطر اسماعیل ہی جیتا رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ابراہیم! اگلے سال انہی دنوں سارہ بچے کو جنم دے گی' تم اس کا نام اسحق رکھنا۔ میں اس سے اور اس کی اولاد سے ایک لمبا عرصہ عہد باندھوں گا اور اسماعیل کے بارے میں بھی میں نے تیری دعا قبول کر لی ہے۔ میں اسے بھی برکت دوں گا اور اس کی اولاد بہت بڑھاؤں گا۔ اس کی نسل سے 12 بادشاہ پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم کا سردار بناؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''ہم نے اسے اسحق کی اور اسحق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔'' میں یہ ثبوت موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہ علیہا السلام کو اپنے بیٹے اسحق علیہ السلام اور پوتے یعقوب علیہ السلام کو دیکھنے کی خوشی نصیب ہو گی۔ یعنی یعقوب علیہ السلام اپنے دادا اور دادی کی زندگی میں ہی پیدا ہوں گے تاکہ انہیں یعقوب علیہ السلام کی بھی ویسے ہی خوشی حاصل ہو جیسے اسحق علیہ السلام کی حاصل ہو گی۔ اگر اس بشارت سے یہ مقصود نہ ہوتا تو پھر بطورِ خاص یعقوب کا نام ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اسحق کی اولاد و نسل کہہ دینا ہی کافی تھا۔ جب انہیں خاص کر دیا گیا تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسحق کی طرح وہ یعقوب کی خوشی بھی دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا ﴾ ''اور ہم نے اسے اسحق اور یعقوب عطا کیے (اور) ہم نے سب کو ہدایت دی۔''(۱) اور دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ﴾ ''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) ان سے اور ان کے معبودوں سے الگ ہو گئے تو ہم نے انہیں اسحق اور یعقوب عطا کیے۔''(۲)

یہ آیات بھی اس بات کی بہت واضح اور قوی دلیل ہیں' نیز اس کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مسجد حرام۔ میں نے کہا' پھر کون سی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا' ان دونوں کی تعمیر کے دوران کتنا عرصہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' چالیس برس۔ میں نے عرض کیا' پھر کون سی مسجد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پھر جہاں کہیں بھی تو نماز کا وقت پا لے نماز پڑھ لے کیونکہ ساری زمین ہی مسجد ہے۔(۳)

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی اور مسجد ایلیا بھی یہی ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے۔ اس سے بھی مذکورہ بالا موقف کی تائید ہوتی ہے' وہ اس طرح کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے مسجد حرام تعمیر کرنے کے چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ تعمیر فرمائی اور یقیناً اس دوران حضرت

---

(۱) [الأنعام : 84] (۲) [مریم : 49]

(۳) [بخاری (3366) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب ' مسلم (520) کتاب المساجد : باب المساجد و مواضع الصلاۃ ' مسند احمد (150/5)]

اسحٰق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ان الفاظ میں ذکر فرمائی ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ... يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾ ''اور (یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا' اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔ اے میرے پالنے والے معبود! انہوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے۔ پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف اور کرم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں' پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں۔ اے ہمارے پروردگار! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور جو ظاہر کریں۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق (علیہما السلام) عطا فرمائے۔ کچھ شک نہیں کہ میرا پالنہار اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔ اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند بنا دے اور میری اولاد کو بھی' اے میرے رب! میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن حساب ہونے لگے۔''(۱)

بیت اللہ کی تعمیر کا بیان

(1) ﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ... مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴾ ''اور جبکہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو کعبہ کے مکان کی جگہ مقرر کر دی اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف، قیام، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا۔ اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے' لوگ تیرے پاس پا پیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔''(۲)

(2) ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ ... عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے' جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے۔ جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں' مقام ابراہیم ہے' اس میں جو آ جائے امن والا ہو جاتا ہے اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو بھی اس کے گھر تک جانے کی طاقت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی کفر کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے۔''(۳)

---

(۱) [ابراهيم : 35-41] (۲) [الحج : 26-27]

(۳) [آل عمران : 96-97]

(3) ﴿ وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ ... الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ ''اور جب پروردگار نے چند باتوں سے ابراہیم (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور وہ ان سب میں پورے اترے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا' عرض کرنے لگے اور میری اولاد کو (بھی امام بنانا) 'فرمایا میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہوتا۔ ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن وامان کی جگہ بنایا' تم مقامِ ابراہیم کو جائے نماز مقرر کر لو' ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا' اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور اس شہر کے باشندوں کو' جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھنے والے ہوں' پھلوں کی روزیاں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا' پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا' یہ بری پہنچنے کی جگہ ہے۔ اور جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے (تو ساتھ یہ دعا بھی کر رہے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار! تو ہم سے یہ خدمت قبول فرما' تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما' تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم وکرم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیات پڑھے' انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے' یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے' پیغمبر' محبوب' خلیل' اہل توحید کے امام اور انبیاء کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ کا وہ گھر تعمیر کیا جو عام لوگوں کے لیے پہلا عبادت کا مرکز تھا۔ بیت اللہ کی تعمیر کے لیے مقررہ جگہ اللہ تعالیٰ نے خود ابراہیم علیہ السلام کو بتائی تھی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے اس جگہ کے متعلق بتایا۔ ہم (اپنی دوسری کتاب میں) آسمانوں کی تخلیق کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں کہ بیت اللہ کو (آسمانی فرشتوں کی عبادت گاہ) بیت المعمور کے بالکل نیچے تعمیر کیا گیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ہر آسمان میں فرشتوں کی ایک عبادت گاہ ہے جس کی وہاں وہی حیثیت ہے جو زمین میں بیت اللہ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین میں ایک عبادت گاہ بنانے کا حکم دیا جیسے آسمانوں میں فرشتوں کی عبادت گاہیں ہیں اور اس کی جگہ بھی بتائی جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے روز سے ہی مقرر کی جا چکی تھی۔ جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''اس شہر (مکہ) کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن ہی محترم قرار دے دیا تھا اور اللہ کے حکم کی وجہ سے وہ

(۱) [البقرۃ: 124-129]

تا قیامت محترم ہی رہے گا۔‘‘(۱)

کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی بیت اللہ کی تعمیر عمل میں آئی ہو۔ اور ﴿مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ کے الفاظ سے اس کے لیے استدلال درست نہیں کیونکہ ان الفاظ کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کے گھر کی وہ جگہ جو اس کے لیے اللہ کے علم میں مقرر تھی اور جو آدم علیہ السلام سے ابراہیم علیہ السلام تک تمام انبیاء کے نزدیک قابل عزت و احترام تھی۔

نیز جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام نے ایک قبہ بنایا' تو فرشتوں نے ان سے کہا کہ تم سے پہلے ہم اس گھر کا طواف کرتے تھے اور چالیس دن تک کشتی نوح بھی اس کا طواف کرتی رہی' ایسی تمام روایات بنی اسرائیل سے منقول ہیں جن کی نہ تو تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب' اس لیے یہ نا قابل اعتبار ہیں' البتہ اگر کتاب و سنت سے صراحتاً ان میں سے کسی کی تردید ثابت ہو جائے تو وہ مردود ہی ہو گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ ... لِّلْعَالَمِينَ﴾ ’’اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے' جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے۔‘‘(۲) یعنی عام لوگوں کے لیے برکت و ہدایت کا باعث پہلا گھر وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بکۃ سے مراد مقامِ کعبہ ہے۔

﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ﴾ ’’اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔‘‘(۳) یعنی کھلی نشانیاں اس بات کے ثبوت کے لیے کہ یہ گھر ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے' جو اپنے بعد والے انبیاء کے جد امجد ہیں اور ان کی اولاد انہی کی اتباع اور انہی کے طریق کو اپناتی رہی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ﴾ ’’اس میں مقامِ ابراہیم ہے۔‘‘(۴) اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر جاری رکھی' کیونکہ جب دیواریں آپ کے قد سے بلند ہونا شروع ہو گئیں تو اسماعیل علیہ السلام نے آپ کو یہ مشہور پتھر لا کر دیا' تا کہ آپ اس پر چڑھ کر بیت اللہ کی تعمیر مکمل فرمائیں' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں یہ بات مذکور ہے۔(۵) یہ پتھر اس وقت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اسی طرح کعبہ کی دیوار کے ساتھ پڑا رہا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کعبہ سے کچھ فاصلے پر کر دیا تا کہ اس کے پاس نماز پڑھنے والوں کی وجہ سے طواف کرنے والوں کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

---

(۱) [بخاری (1587) کتاب الحج : باب فضل الحرم وقوله تعالى انما امرت أن أعبد رب هذه البلدة ...' مسلم (1353) كتاب الحج : باب تحريم مكة وتحريم صيدها' مسند احمد (2746) السنن الكبرى للبيهقى (195/5) السنن الكبرى للنسائى (384/2) طبرانى كبير (244/9) ارواء الغليل (248/4) صحيح السيرة النبوية (39/1)]

(۲) [آل عمران : 96]

(۳) [آل عمران : 97]

(۴) [أيضا]

(۵) [تفسیر ابن کثیر (68/2)]

اللہ تعالیٰ نے بہت سے کاموں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کی تائید فرمائی ہے' ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تھا کہ ''کاش! مقامِ ابراہیم کے پاس نماز ادا کی جایا کرے۔''(۱) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی ﴿ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ﴾ ''اور مقامِ ابراہیم کو جائے نماز مقرر کر لو۔''(۲) اس پتھر پر آپ کے قدموں کے نشانات ابتدائے اسلام تک اپنی اصلی حالت میں موجود تھے۔ ان نشانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ننگے پاؤں اس پتھر پر کھڑے ہوئے تھے کیونکہ اس پر آپ کے قدموں کے ہی نشانات ہیں (جوتیوں کے نہیں)۔ انہوں نے بہت اخلاص کے ساتھ اس گھر کی تعمیر فرمائی تھی اسی لیے تعمیر کے ساتھ ساتھ وہ یہ دعا بھی کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہماری یہ خدمت قبول فرما۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اے ہمارے پروردگار! تو ہم سے یہ خدمت قبول فرما' تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما' تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔''(۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں افضل ترین مقام پر اللہ کا مقدس ترین گھر تعمیر فرمایا اور اہل مکہ کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ! انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما' حالانکہ وہاں پانی بہت کم تھا اور درختوں' پھلوں اور کھیتوں کا نام و نشان تک نہ تھا اور انہوں نے یہ دعا بھی فرمائی کہ وہ اس جگہ کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ نے جو کچھ بھی مانگا' عطا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا جبکہ لوگ اس کے آس پاس سے اُچک لیے جاتے تھے۔''(۴) اسی طرح فرمایا ﴿ أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا ﴾ ''کیا ہم نے انہیں حرم میں جگہ نہیں دی جو مقامِ امن ہے' جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں' جو ہماری طرف سے رزق ہے۔''(۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور عظیم دعا یہ بھی فرمائی تھی کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج' یعنی ایسا رسول بھیج جو ان کی طرح فصیح و بلیغ عربی جانتا ہو' تاکہ انہیں دنیا اور آخرت کی نعمتیں اور سعادت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ

---

(۱) [بخاری (402) کتاب الصلاۃ : باب ما جاء في القبلة ومن لم یر الاعادۃ علی من سہا' مسند احمد (152) السنن الکبری للبیھقی (88/7) طبرانی کبیر (30/11)]

(۲) [البقرۃ : 125] (۳) [البقرۃ : 127-128]

(۴) [العنکبوت : 67] (۵) [القصص : 57]

نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور ان میں ایک رسول مبعوث فرمایا۔ ایسا عظیم رسول کہ جس پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ہی منقطع کر دیا' اسے ایسا دین عطا فرمایا جو اس سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں فرمایا تھا اور آپ کا پیغام روئے زمین کے ہر انسان' ہر زبان' ہر قوم اور ہر ملک کے لیے تا قیامت عام کر دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا ہی خاصہ تھا جو کسی اور نبی کو حاصل نہ ہوا۔ آپ علیہ السلام مکارمِ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز' امت کے لیے نہایت شفیق' عظیم خاندان کے فرزند اور افضل ترین شہر کے رہائشی تھے۔

چونکہ زمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر فرمایا تھا اس لیے آسمانوں میں موجود فرشتوں کے کعبہ ''بیت المعمور'' کے بھی آپ ہی مستحق قرار پائے کہ جہاں روزانہ 70 ہزار فرشتے اللہ کی عبادت کے لیے آتے ہیں اور پھر قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آئے گی۔

خانہ کعبہ ایک لمبا عرصہ ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر پر ہی قائم رہا۔ پھر قریش نے اسے تعمیر کیا' ان کے پاس خرچہ کم ہو گیا تو انہوں نے شام کی طرف یعنی کعبہ کی شمالی جانب سے کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ موجودہ تعمیر اسی پر قائم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تمہیں معلوم نہیں کہ جب تمہاری قوم نے کعبہ کی (نئی) تعمیر کی تو کعبہ کی ابراہیمی بنیاد کو چھوڑ دیا۔ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! پھر آپ ابراہیمی بنیادوں کے مطابق اس کی دوبارہ تعمیر کیوں نہیں کر دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں ایسا ضرور کرتا۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''اگر تیری قوم کا زمانہ کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانے کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا' اس کا دروازہ زمین کے ساتھ ملا دیتا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیتا۔''(۱)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں کعبہ کو اسی طرح تعمیر کرایا جیسے انہیں ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا تھا۔ جب 73 ہجری میں حجاج بن یوسف نے انہیں قتل کر دیا تو حجاج نے خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان کی طرف خط بھیجا کہ یہ کام ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی مرضی سے ہی کیا تھا' اس پر عبدالملک نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا حکم جاری کر دیا۔ انہوں نے کعبہ کی شامی دیوار توڑ کر حطیم کو باہر نکال دیا اور دیوار بند کر دی اور کعبہ کے اندر پتھر لگا کر اس کا مشرقی دروازہ بلند اور مغربی دروازہ بند کر دیا جیسا کہ موجودہ تعمیر ہے۔ پھر جب اُمویوں کو اس کی اطلاع ملی کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق کعبہ تعمیر کیا تھا تو انہیں بہت افسوس ہوا اور انہوں نے کہا' کاش! کعبہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر پر ہی چھوڑ دیا جاتا۔ پھر جب خلیفہ مہدی کا دورِ حکومت آیا تو اس نے

---

(۱) [بخاری (3368) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالی واتخذ الله ابراهیم خلیلا' مسلم (1333) کتاب الحج : باب نقض الکعبة وبنائها]

امام مالکؒ سے مشورہ کیا کہ کعبہ کو اس طرح تعمیر کر دیا جائے جیسے عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بیان کی ہے تو انہوں نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کعبہ بادشاہوں کا کھلونا ہی بن کر نہ رہ جائے' یعنی جو بادشاہ بھی آئے گا وہ اسے اپنی خواہش کے مطابق ہی تعمیر کرلے گا' لہٰذا کعبہ کو اسی حالت پر رہنے دیا گیا اور آج تک وہ اسی حالت پر ہے۔

کتاب وسنت کی روشنی میں ابراہیم علیہ السلام کے فضائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ... لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور جب پروردگار نے چند باتوں سے ابراہیم (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور وہ ان سب میں پورے اترے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا' عرض کرنے لگے اور میری اولاد کو (بھی امام بنانا)' فرمایا میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہوتا۔''(۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے احکام کی تعمیل میں بڑی بڑی آزمائشوں میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام انسانیت کا پیشوا بنا دیا تا کہ سب آپ کی اقتدا کریں اور آپ کے اسوۂ کو اپنائیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یہ منصب امامت انہی کی اولاد میں رہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرما دی کہ یہ وعدہ ظالم لوگوں کے لیے نہیں بلکہ صرف علم وعمل کے حامل افراد کے لیے خاص ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ... لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں ہی (مقرر) کر دی اور دنیا میں بھی انہیں صلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی صالح لوگوں میں سے ہوں گے۔''(۲)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا ... اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے' ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون کو بھی اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہدایت کی)' یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور اسماعیل، یسع، یونس، لوط اور ہر ایک کو ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ اور ان کے کچھ باپ دادوں، کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو (بھی ہدایت کی)' ہم نے انہیں مقبول بنایا اور ہم نے انہیں راہِ راست کی ہدایت کی۔''(۳)

---

(۱) [البقرۃ : 124]

(۲) [العنکبوت : 27]

(۳) [الأنعام : 84-87]

﴿ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ ﴾ ''آپ کی اولاد'' سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ لوط علیہ السلام اگرچہ آپ کے بھتیجے تھے لیکن تغلیباً انہیں بھی آپ کی اولاد میں ہی شامل کر لیا گیا ہے۔ مذکورہ آیت میں چونکہ لوط علیہ السلام کا ذکر ہے اس لیے بعض اہل علم نے ﴿ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ ﴾ سے نوح کی اولاد بھی مراد لی ہے' لیکن علماء کی اکثریت پہلی رائے کو ہی ترجیح دیتی ہے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَّ إِبْرَاهِيمَ وَ جَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتَابَ ﴾ ''اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو مبعوث فرمایا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب جاری فرما دی۔''(۱)

ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام تھا کہ ہر حاملِ کتاب نبی آپ کی اولاد میں ہی ہوا۔ یہ ایسا شرف تھا جو کسی دوسرے انسان کو حاصل نہیں ہوا۔ اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ آپ کے ہاں دو عظیم بیٹے پیدا ہوئے۔ ہاجرہ علیہا السلام سے اسماعیل علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام سے اسحٰق علیہ السلام۔ پھر اسحٰق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے' جن کا لقب اسرائیل تھا اور بنی اسرائیل انہی کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے نبی آئے جن کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے البتہ ان میں نبوت کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جا کر ختم ہوا۔ دوسری طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تمام عرب قبائل وجود میں آئے' لیکن ان کی اولاد میں کوئی نبی نہیں آیا سوائے ایک کے اور وہ تمام اولادِ آدم اور انبیاء کے سردار' ساری انسانیت کے لیے دنیا و آخرت میں باعثِ افتخار اور خاتم النبیین حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''میں ایسے مقام پر فائز ہوں گا کہ تمام مخلوق حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی مجھ پر رشک کریں گے۔''(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی عظیم مدح بیان کی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا و آخرت میں سب سے افضل شخص ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی پناہ میں دیا کرتے تھے ﴿ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَ هَامَّةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ ﴾ ''میں تمہیں ہر شیطان' ہر زہریلے جانور اور ہر لگ جانے والی نظر سے اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں۔'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو اسی طرح اللہ کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔(۳)

---

(۱) [الحدید : 26]

(۲) [مسلم (820) كتاب صلاة المسافرين : باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف ' مسند احمد (127/5) المشكاة (2213) صحيح الجامع الصغير (7841)]

(۳) [بخاری (3371) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى واتخذ الله ابراهيم خليلا ' ترمذی (2060) كتاب الطب : باب ' ابو داود (4737) كتاب السنة : باب في القرآن ' المشكاة (1535)]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ... عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴾ ''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا' کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا' ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی۔ فرمایا' چار پرندے لو'ان کے ٹکڑے کرو' پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو اور پھر انہیں پکارو' وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا ہے۔''(۱)

ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال کیوں کیا' اس کے متعلق مفسرین کی مختلف آراء ہم نے اپنی تفسیر (ابن کثیر) میں نقل کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول کر کے جو چار پرندے لینے کا حکم دیا تھا ان کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کون کون سے تھے۔ بہر حال پرندے کوئی بھی ہوں' آپ کو حکم ہوا کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کا گوشت اور پر باہم ملا دیں' پھر اس کے کچھ حصے بنا کر ہر حصہ الگ پہاڑ پر رکھ آئیں' پھر اللہ کے حکم سے انہیں بلائیں۔ چنانچہ جب ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بلایا تو ہر پرندے کے ٹکڑے اس کے ساتھ آ کر ملنے لگے اور وہ اپنی پہلی حالت میں واپس آ گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں کے ساتھ اللہ کی قدرت کا یہ نظارہ دیکھا۔ پرندے آپ کی طرف اُڑ کر نہیں بلکہ بھاگ کر آئے تا کہ آپ اچھی طرح سے قدرتِ الٰہیہ کو ملاحظہ فرما سکیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں ہی پکڑے رکھنے کا حکم تھا' چنانچہ (بلانے کے بعد) ہر پرندے کا جسم آتا اور پہلے کی طرح اپنے سر کے ساتھ مل جاتا' یقیناً اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہیں لیکن انہوں نے آنکھوں سے بھی اس کا مشاہدہ کرنا چاہا تا کہ انہیں علم الیقین سے بھی بلند درجہ عین الیقین حاصل ہو جائے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول فرما کر ان کی یہ خواہش پوری فرما دی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ ... وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد نازل کی گئیں' کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ سنو! تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمہیں علم تھا پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی' بلکہ وہ تو یکطرفہ (خالص) مسلمان تھے' وہ مشرک بھی نہ تھے۔ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم (علیہ السلام) کے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی (خاتم النبیین) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی و کارساز ہے۔''(۲)

(۱) [البقرۃ : 260] (۲) [آل عمران : 65-68]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت و کم عقلی کو یوں واضح فرمایا ہے کہ ''تورات و انجیل تو ان کے بعد نازل کی گئی ہیں۔'' یعنی وہ تمہارے دین پر کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ تمہاری شریعتیں ان کے طویل عرصے کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اسی لیے فرمایا ''کیا تم عقل استعمال نہیں کرتے۔'' ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرما دیا کہ ''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی' بلکہ وہ تو یکطرفہ (خالص) مسلمان تھے اور وہ مشرک بھی نہ تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمائی کہ وہ اللہ کی طرف سے سچے اور خالص دین پر قائم تھے' انہوں نے سوچ سمجھ کر باطل کو ترک کر کے حق کا راستہ اختیار کیا تھا اور ان کا دین یہودیت و نصرانیت اور دیگر مشرکانہ مذاہب' سب کے خلاف تھا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرٰهِمَ ... وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو بے وقوف ہو' ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ بنایا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کاروں میں سے ہیں۔ جب کبھی بھی انہیں ان کے رب نے کہا' فرمانبردار ہو جا' انہوں نے کہا' میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی۔ اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ اے ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرما لیا ہے' خبردار! تم مسلمان ہی مرنا۔ کیا (حضرت) یعقوب کے انتقال کے وقت تم موجود تھے؟ جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) کے معبود کی' جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ یہ جماعت تو گزر چکی' جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لیے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔ یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں اور ابراہیم خالص اللہ تعالیٰ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے۔ اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم، اسحٰق، یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے انبیاء دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے' ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تب ہدایت پائیں گے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو صریح اختلاف میں ہیں' اللہ تعالیٰ عنقریب آپ کو ان سے کافی ہو جائے گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔ اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ سے اچھا رنگ کس کا ہو گا؟ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال' ہم تو اسی کے لیے مخلص ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل،

اسحق، یعقوب (علیہم السلام) اوران کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ (اے نبی!) کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ یہ امت ہے جو گزر چکی' جو انہوں نے کیا ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لیے' تم ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہ کیے جاؤ گے۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہودیت اور نصرانیت سے بری قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ تو یکسو ہو کر اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے تھے' ان کا شرک کی آلائشوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسی لیے فرمایا ''ابراہیم کے سب سے زیادہ قریبی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی تابعداری کی۔'' یعنی وہ لوگ جنہوں نے ان کے زمانے میں ان کی پیروی کی اور وہ بھی جو بعد میں ان کے راستے پر چلتے رہے۔ اور ﴿ هٰذَا النَّبِيُّ ﴾ سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہی دینِ حنیف عطا فرمایا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا' البتہ آپ کے لیے اس دین کو مکمل فرمایا اور آپ کو وہ کچھ عطا فرمایا جو کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں فرمایا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ... اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ ''آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے کہ وہ ایک دینِ مستحکم ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ ہے' جو اللہ کی طرف سے یکسو تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میری نماز' میری عبادت' میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب فرمانبرداروں میں سے پہلا ہوں۔''(۲)

مزید یہ بھی فرمایا کہ ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ... مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ''بے شک ابراہیم پیشوا' اللہ کے فرمانبردار اور یکسو مخلص تھے' وہ مشرک نہیں تھے۔ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار بندے تھے' اللہ نے انہیں اپنا برگزیدہ کر لیا تھا اور انہیں راہِ راست سجھا دی تھی۔ ہم نے انہیں دنیا میں بھی خوبی سے نوازا اور آخرت میں بھی وہ صالح لوگوں میں سے ہوں گے۔ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دینِ ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو یکسو مخلص تھے اور مشرک نہ تھے۔''(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ میں تصاویر دیکھیں تو جب تک آپ

---

(۱) [البقرۃ: 130-141]

(۲) [الأنعام: 161-163]

(۳) [النحل: 120-123]

کے حکم سے انہیں مثانہ دیا گیا اس میں داخل نہ ہوئے۔ آپ نے دیکھا کہ تصاویر میں ابراہیم اور اسماعیل کے ہاتھوں میں فال کے تیر پکڑائے گئے ہیں تو فرمایا ''اللہ ان (مشرکوں) کو تباہ کرے! اللہ کی قسم! انہوں نے فال کے تیروں کے ساتھ کبھی قرعہ اندازی نہیں کی۔''(۱) ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ انہیں تباہ کرے! انہیں علم تھا کہ ہمارے شیخ (ابراہیم علیہ السلام) نے تیروں کے ساتھ کبھی قرعہ اندازی نہیں کی۔''(۲)

آیت میں مذکور لفظ ﴿ أُمَّةً ﴾ سے مراد امام و پیشوا' ہدایت یافتہ اور داعی الی اللہ ہے۔ ﴿ قَانِتًا لِّلَّهِ ﴾ یعنی اپنے ہر قسم کے حالات اور تمام کاموں میں اللہ کے آگے عاجزی و انکساری کرنے والا۔ ﴿ حَنِيفًا ﴾ یعنی علم و بصیرت کی بنیاد پر اللہ کے ساتھ مخلص ہونے والے۔ ﴿ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ آپ مشرک نہیں تھے بلکہ ﴿ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ﴾ اپنے دل و زبان اور اعمال کے ساتھ اللہ کے انعامات کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ ﴿ اجْتَبَاهُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خاص بندہ منتخب فرمایا' اپنی طرف سے منصبِ رسالت عطا فرمانے کے لیے چن لیا' اپنا خلیل بنایا اور دنیا و آخرت کی خیر عطا فرما دی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ ... إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴾ ''دین کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے اور نیکوکار ہو اور یکسو ابراہیم کے دین کا پیروکار ہو اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا خلیل بنا لیا ہے۔''(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دینِ ابراہیم کی پیروی کی ترغیب دی ہے کیونکہ وہ صحیح دین اور سیدھے راستے پر قائم تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی صفت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ﴿ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴾ 'اور ابراہیم جس نے وفاداری کی۔''(۴)

اسی باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنایا۔ خُلّة محبت کے شدید ترین اور آخری درجے کو کہتے ہیں۔ محمد ﷺ بھی اسی درجے پر فائز تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔''(۵) اور آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا ''اے لوگو! اگر میں زمین کے کسی شخص کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو

(۱) [بخاری (3352) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قوله تعالی واتخذ الله ابراهیم خلیلا' مسند احمد (3276) مصنف عبد الرزاق (398/10) طبرانی کبیر (9/10) غایة المرام (143)]

(۲) [بخاری (1601) کتاب الحج : باب من کبر فی نواحی الکعبة]

(۳) [النساء : 125] (٤) [النجم : 38]

(٥) [بخاری (3904) کتاب المناقب : باب هجرة النبی و أصحابه الی المدینة' ابن ماجه (138) السنن الکبری للنسائی (328/6) مستدرك حاکم (3977) طبرانی کبیر (230/2) تهذیب الآثار للطبری (2768) دلائل النبوة للبیهقی (3103) أبو عوانة (927) صحیح ابن حبان (6532)]

بنا تا اور تمہارا ساتھی اللہ کا خلیل ہے۔''(۱)

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن آئے تو انہوں نے لوگوں کو نماز فجر پڑھاتے ہوئے یہ آیت تلاوت کی ﴿ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ ''اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا۔'' ایک آدمی نے یہ الفاظ سن کر کہا' ابراہیم کی والدہ کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ صحابہ بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے کہ باہم گفتگو کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے تو سنا کہ ایک نے اس بات پر تعجب کیا کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے۔ دوسرے نے اس پر تعجب کیا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا ہے۔ تیسرے نے عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے پر تعجب کیا اور چوتھے نے اس پر تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو چُنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کہا اور بتایا کہ ''میں نے تمہاری گفتگو اور اظہارِ تعجب سن لیا ہے اور یہ ساری باتیں باعث تعجب نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہیں اور فرمایا خبردار! میں اللہ کا حبیب ہوں اور میں فخر نہیں کرتا' روزِ قیامت سب سے پہلے میں سفارش کروں گا اور میں فخر نہیں کرتا' سب سے پہلے میری سفارش قبول کی جائے گی اور میں فخر نہیں کرتا' روزِ قیامت سب سے پہلے میں جنت کے دروازے کے حلقے کو حرکت دوں گا تو اللہ تعالیٰ اسے کھول دے گا اور مجھے اور میرے ساتھ مومن فقراء کو جنت میں داخل کرے گا اور میں فخر نہیں کرتا اور اس روز میں پہلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور میں فخر نہیں کرتا۔''(۳) یہ روایت اس سند سے غریب ہے البتہ دیگر سندوں سے اس کے کئی شواہد موجود ہیں۔ (واللہ اعلم)

قرآن میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ ایک قول کے مطابق ایسے 35 مقامات ہیں جن میں سے 15 سورۂ بقرہ میں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پانچ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں جن کا بطورِ خاص اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا ﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ ... مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴾ ''اور جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور

(۱) [بخاری (3656) كتاب فضائل أصحاب النبي : باب قول النبي لو كنت متخذا خليلا' مسلم (2383) كتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل أبي بكر الصديق' مسند احمد (409/1) ابن أبي شيبة (419/7) السنن الكبرى للنسائي (36/5) طبرانی کبیر (397/3) أبو يعلى (5057) صحيح ابن حبان (6981)]

(۲) [بخاری (4348) كتاب المغازي : باب بعث أبي موسى ومعاذ الى اليمن' ابن أبي شيبة (389/1) طبرانی کبیر (39/15)]

(۳) [ضعيف : ضعيف الجامع الصغير (4077) ضعيف ترمذی' ترمذی (3616) كتاب المناقب : باب في فضل النبي' مسند احمد (12013)]

عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔"(۱) دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى ... وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ﴾ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔"(۲)

اُولوالعزم رسولوں میں محمد ﷺ کے بعد آپ ہی سب سے افضل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ساتویں آسمان پر آپ کو ہی بیت المعمور' جس میں روزانہ 70 ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ ان کی باری نہیں آتی' کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کریم بن کریم بن کریم بن کریم' یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) ہیں۔"(۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ "روزِ قیامت میں ایسے مقام پر فائز ہوں گا کہ تمام مخلوق حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی مجھ پر رشک کریں گے۔"(٤) اس سے مراد وہ مقامِ محمود ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو روزِ قیامت یوں عطا فرمائیں گے کہ جب تمام انبیاء شفاعت سے انکار کر رہے ہوں گے تو آپ ﷺ کو اس کا اہل قرار دیا جائے گا اور آپ لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے وہی سب سے زیادہ معزز ہے۔ لوگوں نے عرض کیا' ہم یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اللہ کے نبی یوسف سب سے معزز ہیں کیونکہ وہ اللہ کے نبی کے بیٹے' اللہ کے نبی کے پوتے اور اللہ کے خلیل کے پڑپوتے ہیں۔ لوگوں نے کہا' ہم یہ بات بھی نہیں پوچھ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' غالباً تم عرب قبائل کے متعلق دریافت کر رہے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا' جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں جب وہ دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔(٥)

---

(۱) [الأحزاب : 7] (۲) [الشورى : 13]

(۳) [بخاری (3390) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى ﴿لقد كان في يوسف وإخوته آيات﴾ ' ترمذی (3041) مسند احمد (96/2) مستدرك حاكم (3283) طبرانی كبير (223/19) صحيح ابن حبان (5870) مشكل الآثار للطحاوی (1729) السلسلة الصحيحة (1617)]

(٤) [مسلم (820) كتاب صلاة المسافرين : باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف ' مسند احمد (127/5)]

(٥) [بخاری (3383) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى لقد كان في يوسف ' مسند احمد (9201) السنن الكبرى للنسائی (367/6) مستدرك حاكم (3749)]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' (روزِ قیامت) لوگوں کو بے لباس اور بغیر ختنے کے اکٹھا کیا جائے گا' سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ﴾ ''جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔''(۱)

اس جزوی فضیلت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابراہیم علیہ السلام مطلقاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کتاب و سنت سے بہت سے فضائل و خصائص ثابت ہیں جن میں سے ایک نہایت عظیم مقامِ محمود والی فضیلت ہے' جس کے باعث تمام انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رشک کریں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا' اے ساری مخلوقات میں سے بہترین! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' وہ تو ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔''(۲) ایسا محض آپ نے تواضع کے انداز میں فرمایا۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ'' مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو' کیونکہ روزِ قیامت جب سب بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا اور میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرش کا ایک پایہ پکڑا ہوا ہے' مجھے علم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہیں یا اللہ نے انہیں طور کی بے ہوشی کا بدلہ عطا فرمایا ہے۔''(۳)

یہ اور اس طرح کی تمام احادیث ان متواتر احادیث کے منافی نہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روزِ قیامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولادِ آدم کے سردار ہوں گے۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی اس کے منافی نہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مذکور ہے کہ'' میں نے اپنی تیسری دعا اس دن کے لیے رکھ لی ہے جس دن تمام مخلوق حتی کہ ابراہیم بھی مجھ پر رشک کریں گے۔''(٤) چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل نبی ہیں اس لیے نمازی کو یہ حکم دیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ علیہ السلام پر بھی درود پڑھے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! نماز میں سلام کہنے کا تو ہمیں علم ہے' ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یوں کہا کرو ﴿ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ

---

(۱) [بخاری (6526) کتاب الرقاق : باب کیف الحشر ' ترمذی (2423) کتاب صفة القیامة : باب ما جاء فی شأن الحشر ' نسائی (2081) مسند احمد (223/1)]

(۲) [مسند احمد (184/3)]

(۳) [بخاری (2411) کتاب الخصومات : باب ما یذکر فی الاشخاص والخصومة بین المسلم والیهود ' مسند احمد (7270)

(٤) [مسلم (820) کتاب صلاة المسافرین : باب بیان أن القرآن أنزل علی سبعة أحرف ' مسند احمد (127/5)]

مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ﴾ ''اے اللہ! محمد ﷺ اور آلِ محمد (ﷺ) پر اسی طرح رحمت بھیج جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت بھیجی یقیناً تعریف اور بزرگی تیرے ہی لیے ہے۔ اے اللہ! محمد ﷺ اور آلِ محمد (ﷺ) پر اسی طرح برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم (علیہ السلام) پر برکت نازل فرمائی' یقیناً تعریف اور بزرگی تیرے ہی لیے ہے۔''(۱)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ﴾ ''اور ابراہیم جس نے وفاداری کا ثبوت پیش کر دیا۔''(۲) کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تمام احکام کی تعمیل کی اور ایمان کی تمام شاخوں پر عمل پیرا رہے۔ وہ بڑے کام اور بڑی ذمہ داریاں انجام دیتے ہوئے چھوٹے کاموں اور چھوٹی ذمہ داریوں سے بھی کبھی غافل نہ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ﴾ ''اور جب پروردگار نے ابراہیم (علیہ السلام) کو چند باتوں میں آزمایا تو وہ ان سب میں پورا اترے۔''(۳) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں طہارت ونظافت کے متعلق 10 احکام دے کر آزمایا تھا' جن میں سے پانچ کا تعلق سر سے اور پانچ کا باقی بدن سے ہے۔ سر سے متعلقہ احکام یہ ہیں: مونچھیں کاٹنا' کلی کرنا' (صفائی کے لیے) ناک میں پانی ڈالنا اور سر میں مانگ نکالنا۔ باقی بدن کے احکام یہ ہیں: ناخن کاٹنا' زیرناف مونڈنا' ختنہ کرنا' بغلوں کے بال اُکھیڑنا اور قضائے حاجت سے فراغت پر پانی سے استنجاء کرنا۔(٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پانچ کام اُمورِ فطرت میں شامل ہیں: ختنہ کرنا' (زیرناف مونڈنے کے لیے) لوہا استعمال کرنا' مونچھیں کاٹنا' ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اُکھیڑنا۔''(٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دس اشیاء اُمورِ فطرت میں شامل ہیں: مونچھیں کاٹنا' داڑھی بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' ناخن تراشنا' (انگلیوں کے) جوڑ دھونا' بغلوں کے بال اُکھیڑنا'

---

(۱) [بخاری (3370) کتاب أحادیث الأنبیاء' مسلم (406) کتاب الصلاة : باب الصلاة علی النبی بعد التشهد' ابو داود (976) کتاب الصلاة : باب الصلاة علی النبی بعد التشهد' ترمذی (483) کتاب الصلاة : باب ما جاء فی صفة الصلاة علی النبی' نسائی (47/3)]

(۲) [النجم : 37]

(۳) [البقرة : 124]

(٤) [تفسیر ابن أبی حاتم (219/1) مستدرك حاکم (266/2)]

(٥) [بخاری (6297) کتاب الاستئذان : باب الختان بعد الکبر ونتف الابط' مسلم (257) کتاب الطهارة : باب خصال الفطرة' ترمذی (2756) کتاب الأدب : باب ما جاء فی تقلیم الأظفار]

زیرناف بال مونڈنا' پانی سے استنجاء کرنا اور کلی کرنا۔''(۱)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کی بڑی عبادتیں انجام دینے کے باوجود اپنی جسمانی اصلاح سے غافل نہیں ہوتے تھے' بلکہ اپنے جسم کے ہر عضو کی طہارت و نظافت کا بھی مکمل خیال رکھتے تھے۔ مثلاً بال کٹواتے' ناخن تراشتے اور جسم کی دوسری میل کچیل دور کرتے تھے۔ یہ اہتمام بھی اُن محاسن میں شامل ہے جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے ﴿ وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ﴾ ''اور ابراہیم نے وفاداری کی۔''

جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنت میں ایک محل ہے۔'' راوی کے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''وہ محل موتی کا ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی مہمانی کے لیے بنایا ہے۔''(۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل و شباہت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھ پر انبیاء کو پیش کیا گیا' میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ درمیانے قد کے تھے۔ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا' ان کے مشابہ سب سے زیادہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا' ان کے سب سے زیادہ مشابہ دحیہ رضی اللہ عنہ ہیں۔''(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ' بال گھنگریالے اور سینہ کشادہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا رنگ گندمی اور جسم بڑا تھا اور ابراہیم علیہ السلام کی شکل و شباہت کا اندازہ لگانے کے لیے اپنے ساتھی (یعنی مجھے) دیکھ لو۔''(٤)

---

(۱) [مسلم (261) کتاب الطهارة : باب خصال الفطرة' ترمذی (2757) کتاب الأدب : باب ما جاء في تقليم الأظفار' ابن ماجه (293) كتاب الطهارة : باب الفطرة' مسند احمد (137/6)]

(۲) [طبرانی کبیر (271/19) طبرانی اوسط (309/14) مجمع الزوائد (201/8)]

(۳) [مسلم (167) كتاب الايمان : باب الاسراء برسول الله الى السموات وفرض الصلوات' ترمذی (3649) مسند احمد (334/3) صحيح ابن حبان (6233) ابن منده (729)]

(٤) [مسند احمد (296/1) طبرانی کبیر (11057/11)]

ایک دوسری روایت میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہی بیان مذکور ہے۔ (۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اور وفات

امام ابن جریرؒ نے (اپنی تاریخ میں) نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود بن کنعان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ظالم و جابر بادشاہ تھا جس نے ایک ہزار سال حکومت کی۔ وہ بنوراسب قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جس کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا اور وہ اپنے دور میں پوری دنیا کا حکمران تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس دور میں آسمان پر ایک انتہائی چمکدار ستارہ نمودار ہوا جس نے سورج اور چاند کی روشنی کو بھی ماند کر دیا۔ لوگوں میں دہشت پھیل گئی اور نمرود بھی فکر مند ہوا تو اس نے نجومیوں اور کاہنوں سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا' تمہاری رعایا میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا۔ یہ سن کر اس نے اعلان کر دیا کہ تمام مرد عورتوں سے الگ ہو جائیں اور ہر پیدا ہونے والے بچے کو قتل کر دیا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کی ولادت بھی انہی دنوں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور آپ جوان ہوئے اور پھر وہ تمام واقعات پیش آئے جن کا پیچھے ذکر کیا گیا ہے۔

آپ سوس کے مقام پر پیدا ہوئے۔ بعض نے بابل اور بعض نے کوثی کے ایک مقام سواد کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق آپ دمشق کے مشرق میں واقع شہر برزہ میں پیدا ہوئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں نمرود کو تباہ کر دیا تو آپ ہجرت کر کے حران اور پھر شام چلے گئے اور ایلیا میں اقامت اختیار کر لی۔ آپ کے ہاں اسماعیل اور اسحٰق علیہما السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی بیوی سارہ کنعان کی ایک بستی حبرون میں اہل کتاب کے مطابق 127 برس کی عمر میں فوت ہوئیں۔ ان کی وفات پر ابراہیم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے۔ آپ نے بنی حیث کے ایک شخص عفرون بن صحر سے 400 مثقال کے عوض ایک قطعہ ارضی خریدا اور وہاں انہیں دفن کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحٰق کی شادی رفقا بنت بتوئیل بن ناحور بن تارح سے کر دی۔ اہل کتاب کے بیان کے مطابق پھر ابراہیم علیہ السلام نے بھی قنطورا نامی ایک خاتون سے شادی کر لی' جس سے اولاد بھی ہوئی۔ ابن عساکرؒ نے ابراہیم علیہ السلام کی وفات سے متعلق بہت سی مختلف روایات نقل کی ہیں جن کی صحت اللہ ہی جانتا ہے' البتہ اہل کتاب کے مطابق آپ بیمار ہوئے اور 175 برس کی عمر میں فوت ہوئے اور حبرون مقام میں اپنی بیوی سارہ کے ساتھ ہی دفن ہوئے اور آپ کے کفن دفن کا اہتمام آپ کے دونوں بیٹوں اسماعیل و اسحٰق علیہما السلام نے کیا۔

---

(۱) [بخاری (3355) کتاب أحادیث الأنبیاء: باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ ابراهیم خلیلا' ابن أبی شیبة (648/8) السنن الکبری للبیهقی (176/5) أبو عوانة (3008)]

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آپ نے 80 برس کی عمر میں ختنہ کیا' لیکن اس میں یہ مذکور نہیں کہ اس کے بعد آپ کتنا عرصہ زندہ رہے۔(واللہ اعلم)

آپ علیہ السلام کی اور اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کی قبریں اس عمارت میں ہیں جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے حبرون میں تعمیر کیا تھا' جو آج کل الخلیل کے نام سے معروف ہے۔ اس عمارت میں قبروں کے تعین کے بارے میں نبی ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں' اس لیے اس پورے قطعۂ ارضی کا احترام کرنا چاہیے اور اس میں چلنے پھرنے یا زمین وغیرہ کھودنے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ ان بزرگوں کی قبروں کی بے حرمتی نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا بیان

سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے' جو مصر کے قبطی خاندان کی خاتون ہاجرہ علیہا السلام سے تھے۔ پھر اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے جو آپ کی چچازاد سارہ علیہا السلام سے تھے۔ پھر آپ نے کنعان کی خاتون قنطورا سے شادی کی تو اس سے 6 بچے پیدا ہوئے' جن کے نام یہ ہیں: مدین' زمران' سرج' یقشان' نشق اور چھٹے کا نام معلوم نہیں۔ پھر آپ نے حجون بنت امین سے شادی کی تو اس سے پانچ بچے پیدا ہوئے جو کیسان' سورج' امیم' لوطان اور نافس ہیں۔ ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب "التعریف والاعلام" میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام

نام، نسب اور مقام سکونت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں جو بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک عظیم واقعہ قومِ لوط علیہ السلام پر نزول عذاب کا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام ہاران کے بیٹے تھے اور ہاران تارح (آزر) کے بیٹے تھے۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے' کیونکہ ابراہیم علیہ السلام' ہاران اور ناحور آپس میں بھائی تھے جیسا کہ اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے حکم سے ان کا علاقہ چھوڑ کر غورزغر کے علاقے میں واقع سدوم شہر میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ یہ اس علاقے کا مرکزی شہر تھا اور کئی چھوٹی بستیوں پر مشتمل تھا۔

یہاں کے رہائشی بہت فاسق و فاجر' انتہائی بدکردار اور بدترین کافر تھے۔ وہ راہگیروں کو لوٹتے' سرعام برائیاں کرتے اور دوسروں کو روکنے کی بجائے خود بھی برائیوں کا ارتکاب کر گزرتے تھے۔ انہوں نے بے حیائی کا ایک نیا کام شروع کر رکھا تھا جس کا ان سے پہلے کسی انسان نے تصور تک نہ کیا تھا۔ وہ لڑکوں سے بدفعلی کرتے اور عورتوں کے قریب نہ جاتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (جائز) نکاح کے ذریعے عورتوں سے جنسی تسکین پوری کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے اور حرام افعال ترک کر دینے کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی میں مزید اضافہ ہو گیا' وہ اپنے فسق و فجور پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب نازل فرما دیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا والوں کے لیے سامانِ عبرت بنا دیا تا کہ اہل دانش نصیحت حاصل کریں۔ اسی باعث اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا تذکرہ قرآن کے متعدد مقامات پر کیا ہے۔

قصہ لوط سے متعلقہ آیات

(1) ﴿ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ... عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴾ ''اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو' تم تو حد سے ہی گزر چکے ہو۔ ان کی قوم کا جواب صرف یہی تھا کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو' یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا سوائے ان کی بیوی کے کیونکہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ اور ہم نے ان پر خاص طرح کا (یعنی

پتھروں کا) مینہ برسایا سو دیکھو کہ گناہگاروں کا انجام کیسا ہوا؟‘‘(۱)

(2) ﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ ... وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴾ ’’اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے اور سلام کہا‘ انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور بلا تاخیر بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے تو انہیں اجنبی سمجھ کر خوف محسوس کیا‘ انہوں نے کہا گھبرائیے مت ہمیں تو قومِ لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اور ابراہیم کی بیوی (جو قریب ہی) کھڑی تھی ہنس پڑی‘ تو ہم نے اسے اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ میں خود بڑھیا ہوں اور میرے خاوند بھی بہت بوڑھے ہیں‘ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا‘ کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں‘ بے شک اللہ حمد و ثنا کا مستحق اور بڑی شان والا ہے۔ جب ابراہیم کا خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو قومِ لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔ یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے‘ نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس خیال کو چھوڑ دیجیے‘ آپ کے رب کا حکم آن پہنچا ہے اور ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹالا نہیں جائے گا۔ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہوئے اور دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آن پہنچی‘ وہ تو پہلے سے ہی بدکاریوں میں مبتلا تھی‘ لوط نے کہا‘ اے قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں‘ اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو‘ کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہیں بخوبی علم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں کی کوئی حاجت نہیں اور جو ہماری غرض ہے تم اسے خوب جانتے ہو۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا‘ کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔ فرشتوں نے کہا‘ اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں‘ ان کا تجھ تک پہنچنا ناممکن ہے‘ تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر چل کھڑا ہو‘ تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر مت دیکھے سوائے تیری بیوی کے اس لیے کہ اسے بھی وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا‘ یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے‘ کیا صبح بالکل قریب نہیں۔ پھر جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے اس بستی کے نچلے حصے کو اوپر کر دیا اور ان پر پے در پے پتھر کی کنکریاں برسائیں‘ جو تیرے رب کی جانب سے نشان دار تھیں اور وہ ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھیں۔‘‘(۲)

---

(۱) [الأعراف : 80-84]

(۲) [هود : 69-83]

(3) ﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ... إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴾ ''انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا بھی حال سنا دو۔ کہ جب انہوں نے ان کے پاس آ کر سلام کہا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں، ہم تجھے ایک علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ کہا، کیا اس بڑھاپے کے آ جانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو؟ یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں، آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں۔ کہا، اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمہارا ایسا کیا اہم کام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ مگر لوط کا خاندان ہم ضرور بچا لیں گے۔ سوائے اس کی بیوی کے کیونکہ ہم نے اسے پیچھے رہ جانے والوں میں مقرر کر دیا ہے۔ جب بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط کے پاس پہنچے۔ تو لوط نے کہا تم لوگ کچھ اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک وشبہ کر رہے تھے۔ ہم تو تیرے پاس حق لائے ہیں اور ہم سچے ہیں۔ اب تو اپنے خاندان سمیت اس رات کے کسی حصے میں چل دے اور خود ان کے پیچھے رہنا اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے وہاں چلے جانا۔ اور ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی۔ شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بولے، کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کی ٹھیکیداری) سے منع نہیں کر رکھا؟۔ لوط نے کہا، اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔ تیری عمر کی قسم! وہ تو اپنی بدمستی میں سرگرداں تھے۔ پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک زور کی آواز نے پکڑ لیا۔ بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر نوکیلے پتھر برسائے۔ بلاشبہ اہل بصیرت کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ یہ بستی اب سیدھی راہ پر موجود ہے اور اس میں اہل ایمان کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔''(۱)

(4) ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ... وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾ ''قوم لوط نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا، کیا تم اللہ کا خوف نہیں رکھتے۔ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔ کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ اور تمہاری جن عورتوں کو اللہ نے تمہارا جوڑا بنایا ہے انہیں چھوڑ دیتے ہو، تم تو حد سے ہی گزر جانے والے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکال دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارے کام سے سخت ناخوش ہوں۔ میرے پروردگار! مجھے اور میرے

(۱) [الحجر : 51-77]

گھرانے کو اس (وبال) سے بچالے جو یہ کرتے ہیں۔ پس ہم نے اسے اور اس کے متعلقین سب کو بچالیا۔ سوائے ایک بڑھیا کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گئی۔ پھر ہم نے باقی سب کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم (کے پتھروں) کا مینہ برسایا' پس جو مینہ ڈرائے گئے لوگوں پر برسا' بہت ہی برا تھا۔ یہ ماجرا بھی سراسر عبرت ہے' ان میں سے بھی اکثر مسلمان نہ تھے۔ بے شک تیرا پروردگار غلبے والا اور مہربانی والا ہے۔''(۱)

(5) ﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ... فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾ ''اور لوط کو (یاد کرو) جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم دیکھتے بھالتے بے حیائی کرتے ہو؟ یہ کیا بات ہے کہ تم شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو؟ حق یہی ہے کہ تم بڑی ہی نادانی کر رہے ہو۔ قوم کا جواب سوائے یہ کہنے کے اور کچھ نہ تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے نکال دو' یہ بڑے ہی پاکباز بن رہے ہیں۔ پس ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچالیا سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم اسے پیچھے رہنے والوں میں مقرر کر چکے تھے۔ اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا' سو ان ڈرائے ہوئے لوگوں پر بری بارش ہوئی۔''(۲)

(6) ﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ... بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ ''اور لوط کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس بدفعلی کے لیے آتے ہو اور راستے بند کرتے ہو اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی کے کام کرتے ہو؟ اس کی قوم نے جواب میں سوائے اس کے اور کچھ نہ کہا کہ اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ۔ لوط نے دعا کی کہ اے پروردگار! اس مفسد قوم پر میری مدد فرما۔ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں' یقیناً اس کے رہائشی گناہ گار ہیں۔ ابراہیم نے کہا اس میں تو لوط بھی ہے' فرشتوں نے کہا اس میں جو بھی ہیں ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں' ہم لوط اور اس کے خاندان کو بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے' کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ پھر جب ہمارے قاصد (فرشتے) لوط کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر غمگین ہوئے اور دل میں رنج کرنے لگے۔ قاصدوں نے کہا' آپ نہ خوف کیجئے اور نہ رنج' ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر آپ کی بیوی عذاب کے لیے باقی رہ جانے والوں میں سے ہو گی۔ ہم اس بستی والوں پر ان کی نافرمانی کے سبب آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ البتہ ہم نے اس بستی کو عقل رکھنے والوں کے لیے صریح نشانِ عبرت بنا دیا۔''(۳)

---

(۱) [الشعراء : 160-175]   (۲) [النمل : 54-58]

(۳) [العنکبوت : 28-35]

(7) ﴿ وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ... أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾ ''بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ہم نے انہیں اوران کے گھر والوں سب کو نجات دی۔سوائے بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے باقی سب کو ہلاک کر دیا۔اور تم صبح دن کے وقت ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی' کیا تم عقل نہیں رکھتے۔''(۱)

(8) ﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ... يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴾ ''اس (ابراہیم) نے کہا کہ فرشتو! تمہارا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔تا کہ ان پر کھنگر برسائیں۔ جو حد سے گزر جانے والوں کے لیے تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں۔پس وہاں جتنے ایمان والے تھے ہم نے انہیں نکال دیا۔اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا ایک ہی گھر پایا۔اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ہم نے ان کے لیے وہاں بڑی نشانی چھوڑ دی۔''(۲)

(9) ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ... فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴾ ''قومِ لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔بے شک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے لوط کے گھر والوں کے' انہیں ہم نے صبح کے وقت نجات دے دی۔ ہر شکر گزار کو اپنے احسان سے ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً لوط نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے ڈرانے والوں کے بارے میں جھگڑا کیا۔اور ان کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا' پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں (اور کہہ دیا کہ) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔اور ان پر صبح صبح ہی عذاب نازل ہوا' سو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے' کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا۔''(۳)

ہم نے اپنی تفسیر میں ان تمام آیات کے تحت مفصل گفتگو کی ہے۔قرآن میں چند دیگر مقامات پر بھی لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہوا ہے جنہیں ہم نوح علیہ السلام اور عاد و ثمود کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔

قوم کو دعوت

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا اور انہیں وہ تمام حرام کام چھوڑ دینے کی تلقین کی جن کا وہ ارتکاب کیے بیٹھے تھے۔لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی آپ کی باتیں مان کر نہ تو ایمان لایا اور نہ ہی حرام کام

(۱) [الصافات : 133-138]

(۲) [الذاریات : 31-37]

(۳) [القمر : 33-40]

چھوڑے۔ وہ اپنی سرکشی پر ہی مصر رہے اور اللہ کے رسول کی دعوت پر انہیں صرف یہی جواب دیتے کہ ''آلِ لوط کو اپنی بستی سے نکال دو' یہ بڑے پاکباز بن رہے ہیں۔'' جو وصف قابل تعریف تھا انہوں نے اسی کو عیب شمار کیا' اسی سے عیاں ہے کہ وہ کس حد تک ہٹ دھرم اور کم عقل تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا تمام گھر والوں کو نہایت عمدہ طریقے سے وہاں سے نکال لیا اور کفر و شرک اور دوسری برائیوں کی گندگی سے بچا لیا اور اس بستی والوں پر سخت لُو چلائی جو سمندر کی موجوں کی طرح تیز اور بدبودار تھی۔ فی الحقیقت وہ ہوا نہیں تھی بلکہ بھڑکتی ہوئی شدید آگ تھی جس کا ایندھن انہیں بنا دیا گیا۔

انہوں نے لوط علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور انہیں بستی سے نکال دینے کی دھمکی محض اس لیے دی کیونکہ آپ ان کو اس بے حیائی سے روکتے تھے جس کا ارتکاب ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا' یہی وجہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر ایسا عذاب نازل فرمایا کہ جس کے ذریعے انہیں ساری انسانیت کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ مذکورہ بے حیائی کے علاوہ وہ مسافروں کو لوٹتے' ساتھیوں سے خیانت کرتے' ڈاکے ڈالتے اور سرِ عام فحش حرکات کرتے حتیٰ کہ بعض اوقات اپنی محفلوں میں کھلے عام بدفعلی کرتے اور کچھ حیا نہ کرتے۔ ان پر نہ تو کسی کی نصیحت اثر کرتی اور نہ ہی وہ کسی عقلمند کی بات سمجھتے۔ وہ نہ تو موجودہ گناہوں پر حیاء کھاتے' نہ سابقہ گناہوں پر نادم ہوتے اور نہ ہی مستقبل میں اپنی حالت بدلنے کا ارادہ کرتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت عذاب نازل فرمایا۔

انہوں نے لوط علیہ السلام کو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ''اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ۔'' گویا لوط علیہ السلام نے انہیں جس عذاب سے ڈرایا انہوں نے اسی کا مطالبہ کر ڈالا۔ تب آپ نے قوم کے لیے بددعا کی اور اللہ تعالیٰ سے ان کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور عذاب کے لیے فرشتے نازل فرما دیئے' جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہوتے ہوئے گئے اور انہیں علم والے بچے کی خوش خبری اور قومِ لوط پر عذاب کی خبر دی۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا ''فرشتو! تمہارا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ان پر کھنگر برسائیں۔ جو حد سے گزر جانے والوں کے لیے تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں۔''(۱)

نیز اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ''جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں' یقیناً اس کے رہائشی گناہ گار ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اس میں تو لوط بھی ہے' فرشتوں نے کہا اس میں جو بھی ہیں ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں' ہم لوط اور اس کے خاندان کو بچا لیں

(۱) [الذاريات : 31-34]

گے سوائے اس کی بیوی کے' کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔"(۱)

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ" جب ابراہیم کا خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو قومِ لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔"(۲) درحقیقت ابراہیم علیہ السلام کو بہت زیادہ امید تھی کہ شاید قومِ لوط اپنے نبی کی بات مان لے اور ایک اللہ پر ایمان لا کر بے حیائی کے تمام کام چھوڑ دے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" یقیناً ابراہیم (علیہ السلام) بہت تحمل والے' نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس خیال کو چھوڑ دیجئے' آپ کے رب کا حکم آ پہنچا ہے اور ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹالا نہیں جائے گا۔"(۳) یعنی انہیں عذاب دینے کا حتمی فیصلہ کیا جا چکا ہے' اب ان کی سزا کوئی نہیں ٹال سکتا۔

سعید بن مسیبؒ، سدیؒ، قتادہؒ اور ابن اسحٰقؒ نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا' اگر اس بستی میں 300 مومن ہوں تو آپ اسے ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا' نہیں۔ آپ نے کہا' اگر 200 مومن ہوں؟ انہوں نے کہا' نہیں۔ آپ نے کہا' اگر 40 مومن ہوں؟ انہوں نے کہا' نہیں۔ آپ نے کہا' اگر 14 مومن ہوں؟ انہوں نے کہا' نہیں۔ ابن اسحٰقؒ کی روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا' اگر وہاں ایک بھی مومن ہو؟ انہوں نے کہا' نہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا" اس میں تو لوط موجود ہیں۔" انہوں نے کہا" ہم بخوبی جانتے ہیں اس میں کون کون ہے۔"(٤)

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا' اے پروردگار! اگر ان میں 50 نیک آدمی ہوں تو کیا تو انہیں ہلاک کر دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اگر ان میں 50 نیک آدمی موجود ہوں تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔ حتی کہ ابراہیم علیہ السلام نے 10 نیک افراد کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اگر ان میں 10 بھی نیک آدمی ہوں تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔(٥)

لوط علیہ السلام کے مہمان اور قوم کا کردار

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ" جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت

---

(۱) [العنکبوت : 31-32]

(۲) [ھود : 74]

(۳) [ھود : 75-76]

(٤) [تفسیر ابن کثیر (289/4)]

(٥) [کتاب پیدائش ، باب 18 ، فقرہ : 32-33]

غمگین ہوئے اور دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا ہے۔''(۱) مفسرین کا کہنا ہے کہ جب فرشتے یعنی جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام ابراہیم علیہ السلام سے الگ ہوئے تو خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں سدوم کے علاقے میں آئے۔ وہ غروب آفتاب کے قریب وہاں پہنچے اور لوط علیہ السلام سے ان کے مہمان بننے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے سوچا اگر میں نے انہیں اپنا مہمان نہ بنایا تو کوئی دوسرا انہیں مہمان بنا لے گا اور وہ انتہائی بدکردار لوگ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہؒ اور ابن اسحٰقؒ نے بیان کیا ہے کہ اس وقت لوط علیہ السلام بہت زیادہ پریشان ہوئے کیونکہ انہیں علم تھا کہ بدکاروں سے مہمانوں کا دفاع ایک مشکل کام ہے اور اس سلسلے میں وہ پہلے بھی بہت سی مشکلات برداشت کر چکے تھے اور لوگوں نے انہیں کہہ رکھا تھا کہ آپ کسی مہمان کو اپنے پاس مت ٹھہرائیں۔

قتادہؒ نے بیان کیا ہے کہ فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس اس وقت آئے جب وہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے اور انہوں نے ان کے پاس ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کو ان سے حیاء آئی اور آپ ان کے آگے آگے چل پڑے اور ان سے اشارے کنائے سے بات کرنے لگے تاکہ وہ کسی اور علاقے میں چلے جائیں۔ آپ نے ان سے یہ بھی کہا کہ اللہ کی قسم! یہ لوگ روئے زمین کے تمام لوگوں سے زیادہ بدترین اور خبیث لوگ ہیں۔ آپ کچھ چلے اور انہیں پھر یہی کہا اور اس طرح چار مرتبہ انہیں نصیحت کی۔ فرشتوں کو یہ حکم تھا کہ جب تک ان کا نبی ان کے خلاف گواہی نہ دے انہیں ہلاک نہ کرنا۔

سدیؒ نے بیان کیا ہے کہ فرشتے دوپہر کے وقت لوط علیہ السلام کی بستی میں پہنچے۔ پہلے ان کی ملاقات لوط علیہ السلام کی بیٹی سے ہوئی جو گھر والوں کے لیے پانی بھر رہی تھی۔ لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں' بڑی کا نام ریثا اور چھوٹی کا زغرتا تھا۔ فرشتوں نے ٹھہرنے کے لیے جگہ کا پوچھا تو وہ انہیں وہیں روک کر اپنے باپ کے پاس گئی اور جا کر بتایا کہ چند خوبصورت نوجوان آپ سے ملنا چاہتے ہیں' کہیں آپ کی قوم آپ کو رسوا نہ کر دے۔ دراصل ان کی قوم نے انہیں کسی بھی مہمان کو اپنے ہاں ٹھہرانے سے روکا ہوا تھا۔ لوط علیہ السلام ان کے پاس گئے' اس بات کی خبر صرف آپ کے گھر والوں کو ہی تھی' تو آپ کی بیوی نے باہر جا کر لوگوں کو بتا دیا کہ لوط کے ہاں کچھ ایسے نوجوان آئے ہیں جن سے زیادہ خوبصورت میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ یہ سن کر لوگ ان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''اور اس سے پہلے بھی وہ برائیوں کے مرتکب تھے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس گناہ کے علاوہ بھی بڑے بڑے گناہ کیا کرتے تھے۔ لوط علیہ السلام نے انہیں روکنے کے لیے کہا ''یہ میری (قوم کی) بیٹیاں تمہارے لیے پاکیزہ (اور حلال) ہیں۔'' یعنی آپ نے ان سے کہا' اپنی بیویوں کے پاس جا کر خواہش پوری کرو' جو شرعی لحاظ سے

(۱) [ھود: 77]

میری بیٹیاں ہیں کیونکہ ہر نبی اپنی قوم کے لیے والد کے مقام پر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور قرآن میں ہے کہ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ ”نبی مومنوں پر ان کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“(۱) اس بات کی مزید وضاحت درج ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو اور تمہاری جن عورتوں کو اللہ نے تمہارا جوڑا بنایا ہے انہیں چھوڑ دیتے ہو، تم تو حد سے ہی گزر جانے والے ہو۔“(۲) بہت سے صحابہ و تابعین نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔(۳) البتہ جنہوں نے کہا ہے کہ لوط علیہ السلام نے انہیں اپنی حقیقی بیٹیوں کے متعلق کہا تھا، تو ان کی بات غلط اور اہل کتاب سے ماخوذ ہے اور یاد رہے کہ ان کی کتب تحریف شدہ ہیں۔ اہل کتاب کی یہ بات بھی درست نہیں کہ لوط علیہ السلام کے پاس دو فرشتے آئے تھے اور ان کے پاس آ کر شام کا کھانا بھی کھایا تھا (حالانکہ یہ بات تو قرآن کے ہی خلاف ہے)۔ انہوں نے اس واقعہ میں اور بھی بہت سی غلطیاں کی ہیں۔

لوط علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے کہا ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ...﴾ ”اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو، کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں۔“(۴) آپ نے انہیں بے حیائی کے کام سے روکا۔ آپ کے الفاظ میں یہ بات بھی موجود تھی کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص موجود نہیں جس میں کچھ بھی نیکی و شرافت باقی ہو بلکہ سب ہی بدکردار اور کافر و فاسق ہیں۔ گویا فرشتوں کے پوچھنے سے پہلے ہی آپ نے یہ گواہی دے دی کہ قوم کا ہر فرد فاسق و فاجر ہے۔ آپ کی بات سن کر (ملعون) لوگوں نے جواب دیا ”(اے لوط!) تمہیں علم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں کی کوئی خواہش نہیں اور ہم جو چاہتے ہیں تو اسے بخوبی جانتا ہے۔“(۵)

یہ بات کہتے ہوئے نہ تو انہیں اللہ کے نبی سے کچھ حیا آئی اور نہ ہی اللہ کے عذاب سے خائف ہوئے۔ اسی لیے پھر آپ نے فرمایا ”کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔“(۶) یعنی اس بے بسی کے عالم میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ یا تو آپ میں ان کا مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا پھر آپ کے خاندان اور قبیلے کے لوگ وہاں ہوتے جو ان کے خلاف آپ کی مدد کرتے اور انہیں اس فحش گوئی کی سزا دیتے۔

---

(۱) [الأحزاب : 6]

(۲) [الشعراء : 165-166]

(۳) [تفسیر ابن کثیر (290/4)]

(٤) [هود : 78]

(٥) [هود : 79]

(٦) [هود : 80]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کا حق رکھتے ہیں (۱) اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے وہ مضبوط سہارے کی پناہ پکڑ رہے تھے (۲) اور اگر میں اتنا عرصہ قید میں ٹھہرتا جتنا عرصہ یوسف علیہ السلام ٹھہرے تو میں بلانے والے کی بات مان لیتا (یعنی اس کے کہنے پر جیل سے باہر آ جاتا)۔'' (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے وہ مضبوط سہارے (یعنی اللہ تعالیٰ) کی پناہ پکڑ رہے تھے' ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا قوم کے طاقتور' مالدار اور شرف و مقام والے خاندان میں بھیجا۔'' (٤)

بدکار لوگ لوط علیہ السلام کے خوبصورت مہمانوں کو دیکھ کر بھاگتے ہوئے آئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ جَآءَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ... إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ ''اور شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بولے' کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کی ٹھیکیداری) سے منع نہیں کر رکھا؟ لوط نے کہا' اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔'' (٥) یعنی لوط علیہ السلام نے انہیں برائی سے روکنے کی کوشش کی اور انہیں اپنی بیویوں کے پاس جانے کو کہا' لیکن وہ انہیں جتنا روکتے وہ اتنا ہی مہمانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ انہیں یہ علم ہی نہیں تھا کہ ان کی تقدیر انہیں کس انجامِ بد کی طرف لے جا رہی ہے اور صبح ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھا کر فرمایا ''تیری عمر کی قسم وہ تو نشے میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔'' (٦)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ لَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا ... مُّسْتَقِرٌّ ﴾ ''یقیناً لوط (علیہ السلام) نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے ڈرانے والوں کے بارے میں جھگڑا کیا۔ اور ان کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا' پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں (اور کہہ دیا کہ) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور

---

(۱) [یعنی مردوں کو زندہ کرنے کے حوالے سے جب ہمیں شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام کو کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے ان کا سوال شک کی بنا پر نہیں بلکہ محض یقین میں اضافے کی غرض سے تھا۔]

(۲) [اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں اللہ پر بھروسہ نہیں تھا بلکہ انہیں اللہ پر پورا اعتماد تھا' انہوں نے ایسا تو محض اپنی پریشانی کے اظہار کے لیے کہا کہ اگر ان کا کوئی مضبوط دنیاوی سہارا ہوتا تو وہ انہیں ضرور اس بدکلامی کی سزا دیتے۔]

(۳) [بخاری (3372) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قوله تعالى و نبئهم عن ضيف ابراهيم ' مسند احمد (326/2)]

(٤) [حسن : صحيح ترمذی ' ترمذی (3116) كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة يوسف ' السلسلة الصحيحة (1617) صحيح الأدب المفرد (472) مسند احمد (332/2)]

(٥) [الحجر : 67-71]

(٦) [الحجر : 72]

ان پر صبح صبح ہی عذاب نازل ہوا۔'' مفسرین کا کہنا ہے کہ دروازہ بند تھا اور لوط علیہ السلام دروازے کے پیچھے سے لوگوں کو گھر میں داخل ہونے سے روک رہے تھے لیکن وہ پوری شدت سے اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب ہر طرح کی نصیحت کے باوجود لوگ باز نہ آئے تو آپ نے اپنی بے بسی کا یوں اظہار کیا'' کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔'' یہ سن کر فرشتوں نے کہا ''اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں' ان کا تجھ تک پہنچنا ناممکن ہے۔''

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام باہر نکل آئے اور اپنے پر کا ایک کونہ انہیں مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے' حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں بالکل ختم ہو گئیں اور وہ دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے واپس چلے گئے اور ساتھ اللہ کے رسول کو یہ دھمکیاں بھی دے رہے تھے کہ صبح کے وقت تم سے نپٹیں گے۔ (۱)

عذابِ الٰہی کا نزول

فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو کہا کہ آپ رات کے آخری حصے میں اپنے گھر والوں کے لے کر نکل جایئے اور جب قوم کی تباہی کی آواز سنائی دے تو آپ میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے' نیز انہوں نے آپ کو قافلے میں سب سے پیچھے رہنے کو کہا۔ ﴿ اِلَّا امْـرَاَتَكَ ﴾ ''سوائے تیری بیوی کے۔'' اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ آپ اپنی بیوی کے سوا سب گھر والوں کو لے کر جایئے۔ دوسرا یہ کہ کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے آپ کی بیوی کے' کیونکہ جب وہ دیکھے گی تو عذاب کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ لیکن پہلا معنیٰ ہی زیادہ واضح ہے۔ (واللہ اعلم) سہیلی ؒ نے فرمایا ہے کہ لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام وَالِهَه اور نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام وَالِغَه تھا۔

فرشتوں نے ان بدکاروں کی ہلاکت کی خوشخبری دیتے ہوئے لوط علیہ السلام سے کہا ''یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے' کیا صبح بالکل قریب نہیں۔'' (۲) حضرت لوط علیہ السلام جب روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ صرف آپ کی دو بیٹیاں تھیں' لیکن ایک قول کے مطابق آپ کی بیوی بھی ساتھ تھی۔ (واللہ اعلم) جب آپ شہر سے باہر نکل گئے اور سورج طلوع ہو گیا تو قوم پر اللہ کا نہ ٹالا جانے والا عذاب بھی نازل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کے نچلے حصے کو اوپر کر دیا اور ان پر پے در پے پتھر کی کنکریاں برسائیں' جو تیرے رب کی جانب سے نشان دار تھیں اور وہ ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھیں۔'' (۳)

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (445/7)]　(۲) [هود : 81]

(۳) [هود : 82-83]

اہل علم کا کہنا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پر کے ساتھ ان کے سارے علاقے کو اُکھاڑ ڈالا جو بستیوں پر مشتمل تھا اور ان میں چار سو یا چار ہزار افراد تھے۔ پھر انہیں ان کے کھیتوں اور جانوروں سمیت آسمانوں تک اٹھایا حتیٰ کہ فرشتوں نے ان کے مرغوں کی اذانیں اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں' پھر انہیں اُلٹ کر زمین پر پھینک دیا۔ ﴿ السِّجِّيلِ ﴾ یہ دراصل فارسی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں بھی استعمال ہوا ہے' اس کا معنی ہے سخت مضبوط۔ ﴿ مَنْضُوْدٍ ﴾ وہ پتھر جو آسمان سے مسلسل پے در پے آ رہے تھے۔ ﴿ مُّسَوَّمَةً ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر پتھر پر اس آدمی کا نام لکھا ہوا تھا جس پر آ کر اس نے گرنا تھا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ہم نے ان پر پے در پے پتھر برسائے' جو تیرے رب کی جانب سے نشان دار تھے۔''(۱) ایک دوسرے مقام پر فرمایا ''اور الٹی ہوئی بستیوں کو اسی نے الٹا۔ پھر ان پر چھایا جو چھایا۔ پس اے انسان! تو اپنے رب کی کس کس نعمت کے بارے میں جھگڑے گا؟''(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کا اوپر والا حصہ نیچے کر دیا اور پھر ان پر مسلسل پتھروں کی بارش کی حتیٰ کہ وہ (پتھروں سے) بالکل ڈھک گئیں۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جسے جا کر اس نے لگنا تھا' خواہ کوئی علاقے میں موجود تھا یا سفر پر تھا یا ڈر کر بھاگ رہا تھا۔

لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق دو قول ہیں' ایک یہ کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ شہر میں ہی رہی (اور ان کے ساتھ ہی ہلاک ہو گئی) اور دوسرا یہ کہ وہ لوط علیہ السلام اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ روانہ ہوئی لیکن جب قوم پر نزولِ عذاب کے وقت ان کی چیخ وپکار سنی تو پیچھے مڑ کر کہنے لگی ہائے میری قوم! تو اس پر ایک پتھر آ کر لگا جس نے اسے بھی اس کی قوم کے ساتھ ملا دیا۔ وہ اپنی قوم کے مذہب پر ہی تھی اور انہیں لوط علیہ السلام کے گھر آنے والے مہمانوں کی خبر کر دیا کرتی تھی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ ... مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح کی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی' یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں' پھر انہوں نے ان کی خیانت کی تو وہ دونوں (نیک بندے) ان (بیویوں) سے اللہ کے (کسی عذاب کو) نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا (اے عورتو!) دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔''(۳)

یعنی ان دونوں نے دین کے معاملے میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی' اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بدکار تھیں۔ حَاشَا وَكَلَّا اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی نبی کو ایسی بیوی عطا نہیں کی جو بدکار ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے عظام نے فرمایا ہے کہ کبھی بھی کسی نبی کی بیوی نے زناکاری کا ارتکاب نہیں کیا' جس نے بھی اس

---

(۱) [ھود : 83] (۲) [النجم : 53-55]

(۳) [التحریم : 10] (٤) [تفسیر ابن کثیر (192/8)]

کے خلاف موقف اختیار کیا وہ بہت بڑی غلطی پر ہے۔ (٤)

جب منافقین نے واقعۂ افک میں عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ ... بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ ''جب تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمہیں مطلق خبر نہ تھی، گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔ تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں، اے اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان اور تہمت ہے۔''(١) یعنی اے اللہ! یہ تو ممکن ہی نہیں کہ تیرے کسی نبی کی بیوی سے ایسا فعل سرزد ہو۔ اور یہاں یہ فرمایا کہ ''اور وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔'' یعنی جو بھی ایسی گندی حرکت کرے گا اسے بھی یہ سزا مل سکتی ہے۔

اسی باعث بعض اہل علم نے یہ موقف اپنایا ہے کہ جو بھی قوم لوط والا عمل کرے گا اسے سنگسار کر دینا چاہیے خواہ وہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور دیگر متعدد ائمہ اسی کے قائل ہیں۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے ''تم جسے قوم لوط والا عمل کرتے پاؤ تو کرنے والے اور کرانے والے (دونوں) کو قتل کر دو۔''(٢) البتہ امام ابو حنیفہؒ نے مذکورہ آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس فعل کے مرتکب کو اونچے پہاڑ سے گرایا جائے اور پھر اس پر پتھر برسائے جائیں جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا۔ (٣)

اہل فراست کے لیے عبرت ونصیحت

اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو اس قدر گرم بنا دیا ہے کہ نہ تو اس کا پانی قابل استعمال ہے اور نہ ہی ارد گرد کی زمین نفع مند ہے کیونکہ وہ بالکل بے کار اور خراب ہو چکی ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اس قطعۂ ارضی کو باعث عبرت، نصیحت اور اپنی قدرت وگرفت کی علامت بنا دیا ہے اور اس بات کا ثبوت بنا دیا ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں پر رحم فرما کر نہ صرف انہیں تباہی سے نجات دیتا ہے بلکہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف بھی لے جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

---

(١) [النور : 15-16]

(٢) [صحیح : ارواء الغلیل (2350) صحیح الجامع الصغیر (6589) صحیح الترغیب (2422) کتاب الحدود : باب الترھیب من اللواط واتیان البھیمة والمرأة فی دبرھا' ابوداود (4462) کتاب الحدود : باب فیمن عمل عمل قوم لوط' ابن ماجه (2561) کتاب الحدود : باب من عمل عمل قوم لوط' ترمذی (1456) کتاب الحدود : باب ما جاء فی حد اللوطی]

(٣) [دیکھئے نیل الأوطار (٥٦٧/٤) الترغیب والترھیب (٢٨٩/٣) شرح السنة للبغوی (٣٠٩/١٠) تحفة الأحوذی (٨٤٧/٤) الام للشافعی (١٦٣/٧) المغنی (٣٥٠/١٢)]

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ○ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ''بلاشبہ اس میں نشانی ہے اوران کی اکثریت ایمان دار نہیں تھی اور یقیناً تیرا رب ہی غلبے والا رحم والا ہے۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ... إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ ''پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک زور کی آواز نے پکڑ لیا۔ بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر نوکیلے پتھر برسائے۔ بلاشبہ اہل بصیرت کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ یہ بستی اب سیدھی راہ پر موجود ہے اور اس میں اہل ایمان کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔''(۲) یعنی جو بھی اس قصے میں غور وفکر کرے گا اسے سامانِ عبرت حاصل ہوگا کہ کیسے ایک آباد بستی کو اللہ تعالیٰ نے اُجاڑ کر رکھ دیا۔ جیسا کہ جامع ترمذی میں ایک مرفوع روایت ان لفظوں میں موجود ہے کہ ''مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''(۳)

اس آیت ﴿وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ﴾ ''وہ بستی اب تک سیدھے راستے پر موجود ہے۔'' سے مراد یہ ہے کہ وہ بستی اب بھی اس راستے پر واقع ہے جس پر لوگ سفر کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہ فرمایا کہ ''اور تم صبح دن کے وقت ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی' کیا تم عقل نہیں رکھتے۔''(۴) ایک اور مقام پر فرمایا ''پس وہاں جتنے ایمان والے تھے ہم نے انہیں نکال دیا۔ اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا ایک ہی گھر پایا۔ اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ہم نے ان کے لیے وہاں بڑی نشانی چھوڑ دی۔''(۵)

مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں عذابِ الٰہی سے خوف رکھنے والے' نفسانی خواہشات کی پیروی سے بچنے والے' حرام اُمور اور معاصی سے اجتناب کرنے والے اور قومِ لوط کی مشابہت سے دور رہنے والے مسلمان کے لیے عبرت ونصیحت بنا دیا ہے۔ کیونکہ جو جس کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا اہل خرد وہی ہے جو متقی وپرہیزگار ہے اور اپنے پروردگار کی حکمتوں کو سمجھتے ہوئے حلال بیویوں اور لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے اور اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں قومِ لوط والا عذاب اس پر بھی نازل نہ ہو جائے اور اس پر بھی اللہ کا یہ فرمان صادق نہ آ جائے کہ ''اور وہ بستی ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہیں۔'' وہ شیطان مردود کی پیروی سے بچتا ہے۔

---

(۱) [الشعراء : 8-9]

(۲) [الحجر : 73-77]

(۳) [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (127) السلسلة الضعیفة (1821) ضعیف ترمذی' ترمذی (3127) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الحجر]

(٤) [الصافات : 137-138]

(٥) [الذاریات : 31-37]

حضرت شعیب علیہ السلام

قصہ شعیب سے متعلقہ آیات

(1) ﴿ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ... فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴾ ''اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔ پس تم ناپ تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو اور درستی کے بعد روئے زمین میں فساد مت پھیلاؤ' یہی تمہارے لیے نفع مند ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور تم ہر راستے پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والے کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو۔ اور اس حالت کو یاد کرو جب تم کم تھے پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا۔ اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر' جو مجھے دے کر بھیجا گیا' ایمان لے آئے ہیں اور کچھ ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ! یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب! ہم آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ایمان دار ہیں' (سب) کو اپنی بستی سے نکال دیں گے الا کہ تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ شعیب (علیہ السلام) نے جواب دیا' کیا ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں خواہ ہم اسے مکروہ ہی سمجھتے ہوں۔ ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمہارے دین میں آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی اور ہم سے یہ ممکن نہیں کہ پھر تمہارے مذہب میں آ جائیں الا کہ اللہ نے ہی مقدر کیا ہو جو ہمارا مالک ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے' ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ فرما دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اگر تم شعیب کی راہ پر چلو گے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ پھر انہیں زلزلے نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ان کی حالت ایسی ہو گئی جیسے وہ ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے' جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہی خسارے میں پڑ گئے۔ اس وقت شعیب ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی' پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں۔''(۱)

(۱) [الأعراف: 85-93]

(2) ﴿ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ... كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴾ ''اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا' اس نے کہا' اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو' میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو' لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میرا یقین کرو اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں' تم تو بڑے ہی نرم دل اور راست باز ہو۔ شعیب نے کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے' میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہارا خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں' میرا ارادہ تو حسب استطاعت اصلاح کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے' اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ اے میری قوم! کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت تمہیں ان عذابوں کا مستحق بنا دے جو قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچے اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔ تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو' یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا اے شعیب! تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزور پاتے ہیں' اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر غالب نہیں ہو۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! کیا تمہارے نزدیک میرے قبیلے کے لوگ اللہ سے بھی زیادہ عزت والے ہیں کہ تم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے' یقیناً میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اے میری قوم! اب تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے اور کون ہے جو جھوٹا ہے' تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ جب ہمارا حکم آن پہنچا ہم نے شعیب کو اور اس کے ساتھ اہل ایمان کو اپنی خاص رحمت سے نجات بخشی اور ظالموں کو سخت چنگھاڑ کے عذاب نے آ دبوچا' جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے ہو گئے۔ گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے' آگاہ رہو مدین کے لیے بھی ویسی ہی دوری ہو جیسی دوری ثمود کو ہوئی۔''(۱)

(3) ﴿ وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴾ ''اور بلاشبہ اصحاب ایکہ (یعنی قوم شعیب کے لوگ) ظالم تھے' تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور وہ دونوں (شہر) کھلے راستے پر

(۱) [هود: 84-95]

موجود ہیں۔"(۱)

(4) ﴿ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ... لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾ "ایکہ والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تمہیں خوف نہیں؟ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔ اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو۔ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا' میرا اجر تمام جہانوں کے پالنے والے کے پاس ہے۔ ناپ تول پورا کیا کرو' کم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو۔ اور سیدھی صحیح ترازو سے تولا کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔ اس اللہ کا خوف رکھو جس نے خود تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔ انہوں نے کہا تو تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جاتا ہے۔ اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔ اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دے۔ کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ چونکہ انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا۔ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے۔ اور یقیناً تیرا پروردگار ہی غلبے والا مہربانی والا ہے۔"(۲)

اہل مدین اور شعیب علیہ السلام

اہل مدین عربی النسل تھے۔ وہ اپنے شہر مدین میں سکونت پذیر تھے' جو شام کے اطراف میں ارضِ معان (جو آج کل اُردن میں ہے) کے قریب تھا' جو بحیرۂ قومِ لوط کے قریب حجاز سے متصل تھا۔ ان کا دور قومِ لوط کے کچھ بعد ہے۔

مدین شہر قبیلہ مدین کے نام سے معروف تھا اور یہ قبیلہ مدین بن مدیان بن ابراہیم (علیہ السلام) کی وجہ سے وجود میں آیا۔

شعیب علیہ السلام کا سلسلہ نسب مختلف لوگوں نے مختلف بیان کیا ہے' بعض نے یوں بیان کیا ہے "شعیب بن یشخر بن لاوی بن یعقوب" بعض نے یوں "شعیب بن نویب بن عیفا بن مدین بن ابراہیم" اور بعض نے یوں "شعیب بن صیفور بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی دادی لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور شعیب بھی ان لوگوں میں تھے جو ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے' ان کے ساتھ ہجرت کی اور ان کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئے۔ ایک رائے یہ ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام پر اس روز ایمان لائے جس دن انہیں آگ میں پھینکا گیا۔ بعد میں ابراہیم علیہ السلام نے ان کی شادی لوط علیہ السلام کی بیٹی کے ساتھ کرا دی۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [الحجر : 78-79]

(۲) [الشعراء : 176-191]

امام ابن عبدالبرؒ کے بیان کے مطابق جب سلمہ بن سعد عنزی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اسلام قبول کیا تو اس نے عنزہ تک اپنا سلسلہ نسب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا' عنزہ اچھا قبیلہ تھا مگر ان پر ظلم ہوا پھر اللہ نے ان کی مدد بھی فرمائی' یہ شعیب کی قوم اور موسیٰ علیہ السلام کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ اگر یہ بات درست ہو تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شعیب علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے سسر تھے اور عرب عاربہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں عنزہ کہا جاتا تھا۔ کچھ سلف نے شعیب علیہ السلام کو "خطیب الانبیاء" کا نام دیا ہے' کیونکہ وہ قوم کو دعوت دیتے وقت نہایت فصیح و بلیغ انداز اپناتے۔ ایک روایت میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے شعیب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے انہیں خطیب الانبیاء کہا۔ (۱)

مدین کے لوگ کافر تھے' راہگیروں اور مسافروں کو لوٹتے اور ایکہ کی پوجا کرتے تھے۔ ایکہ ایک درخت تھا جس کے اردگرد بہت زیادہ درخت تھے۔ ان لوگوں کا لین دین کا معاملہ بھی بہت برا تھا' وہ ناپ تول میں کمی کرتے' لیتے وقت زیادہ لیتے اور دیتے وقت کم تول کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص حضرت شعیب علیہ السلام کو رسول بنایا۔ انہوں نے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں ناپ تول میں کمی کرنے اور دوسروں کو تنگ کرنے سے روکا۔ اس پر کچھ لوگ ایمان لے آئے اور اکثر کفر پر ہی جمے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرما دیا۔

جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔''(۲) یعنی میں وہ واضح دلیل لے کر آیا ہوں جس سے میری لائی ہوئی تعلیمات کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ اس دلیل سے مراد وہ معجزات ہیں جو آپ کو عطا کیے گئے۔ ان کی تفصیل کتاب و سنت نے بیان نہیں کی البتہ اس لفظ "بینة" کے ذریعے اس کی طرف اجمالاً اشارہ ضرور کر دیا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا کہ ''پس تم ناپ تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو اور درستی کے بعد روئے زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔''(۳) شعیب علیہ السلام نے قوم کو عدل و انصاف اپنانے اور ظلم و زیادتی سے اجتناب کرنے کی دعوت دی اور یہ سمجھایا کہ ''اگر تم ایمان دار ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' اور انہیں یہ بھی نصیحت کی کہ ''لوگوں کو ڈرانے کے لیے ہر راستے پر مت بیٹھا کرو۔'' یعنی ہر راستے پر بیٹھ کر لوگوں سے زبردستی ٹیکس وصول نہ کرو اور نہ ہی انہیں ہراساں کرو۔ امام سدیؒ وغیرہ نے صحابہ سے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ لوگ راہگیروں سے

(۱) [مستدرك حاكم (2/568) تفسير ابن أبي حاتم (8755) تاريخ طبري (1/229)]

(۲) [الأعراف : 85]

(۳) [الأعراف : 85]

دسواں حصہ وصول کرلیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی وضاحت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ انہی لوگوں نے سب سے پہلے زبردستی ٹیکس کی وصولی کا کام شروع کیا تھا۔(۱)

قوم کو دعوت اور ان کا جواب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور اس وقت کو یاد کرو جب تم کم تھے پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔''(۲) آپ نے انہیں اللہ کی نعمت یاد دلائی کہ پہلے تمہاری تعداد کم تھی لیکن اللہ نے تمہیں بڑھا دیا ہے۔ پھر آپ نے انہیں صاف تنبیہ فرمادی کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تم پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ''اور تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو' میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے۔''(۳) یعنی اپنے تمام برے کام چھوڑ دو' ورنہ اللہ تمہارے مالوں کی برکت ختم کر کے تمہیں مفلس بنا دے گا اور آخرت کا عذاب بھی بھگتنا پڑے گا' یقیناً یہ بہت بڑا خسارہ ہے کہ دنیا میں بھی سزا ملے اور آخرت میں بھی۔

پھر شعیب علیہ السلام نے قوم سے کہا ''اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو' لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ۔ اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میرا یقین کرو اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔''(٤) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصریؒ نے ''اللہ کا دیا ہوا نفع بہتر ہے'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ غلط طریقے سے لوگوں کے اموال حاصل کرنے سے اللہ کا دیا ہوا حلال رزق ہی بہتر ہے۔ امام ابن جریرؒ نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ پورا ناپ تول کرنے پر تمہیں جو نفع بچتا ہے' یہ اس سے بہتر ہے کہ تم کم ناپ تول کر لوگوں کا مال حاصل کرو۔ یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مشابہ ہے کہ ﴿ قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ﴾ ''کہہ دیجئے کہ بری اور اچھی چیز برابر نہیں ہو سکتی خواہ بری چیز کی کثرت تمہیں اچھی ہی لگے۔''(٥)

مطلب یہ ہے کہ کم حلال زیادہ حرام سے بہتر ہے کیونکہ حلال اللہ کی برکت کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے اور حرام

(۱) [تفسیر ابن کثیر (401/3)]
(۲) [الأعراف : 86]
(۳) [هود : 84]
(٤) [هود : 85-86]
(٥) [المائدة : 100]

برکت سے خالی ہونے کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ﴾ "(اللہ تعالیٰ) سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔"(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ "سود کتنا ہی بڑھ جائے اس کا انجام کمی ہی ہے۔"(۲) ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ "بائع اور مشتری جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں انہیں (سودا ختم کرنے کا) اختیار ہے اگر وہ سچ بولیں اور صاف صاف بات کریں تو ان کے سودے میں برکت ڈالی جاتی ہے اور اگر وہ چھپانے (یعنی دھوکہ دہی) کی کوشش کریں اور جھوٹ کا راستہ اختیار کریں تو ان کے سودے کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔"(۳) اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام کے اس قول "اگر تم ایمان دار ہو تو اللہ کا دیا ہوا ہی تمہارے لیے بہتر ہے" کا یہی مفہوم ہے۔ اور شعیب علیہ السلام نے جو یہ کہا "اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں جن کاموں کا حکم دے رہا ہوں انہیں اللہ کی خوشنودی کے لیے بجالاؤ' اس غرض سے یہ کام نہ کرو کہ میں یا کوئی اور تمہیں دیکھ رہا ہے۔

قوم نے جواب میں کہا "اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں' تم تو بڑے ہی نرم دل اور سمجھدار ہو۔"(٤) انہوں نے شعیب علیہ السلام سے مذاق کرتے ہوئے ایسا کہا کہ تم جو نماز پڑھتے ہو' وہ تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے روکو کہ جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے رہے اور ہم اپنے مالوں میں اس طرح تصرف کریں جیسے تم چاہتے ہو۔ "تم تو بڑے ہی نرم دل اور سمجھدار ہو" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جریج رحمہ اللہ، زید بن اسلم رحمہ اللہ اور ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ بات انہوں نے محض مذاق اڑانے کی غرض سے کہی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "شعیب (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے' میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہارا خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں' میرا ارادہ تو حسب استطاعت اصلاح کا ہی

---

(۱) [البقرة : 276]

(۲) [مسند احمد (395/1) المشكاة (2827) طبرانی کبیر (75/9) کنز العمال (110/4)]

(۳) [بخاری (2114) كتاب البيوع : باب اذا كان البائع بالخيار هل يجوز البيع ' مسلم (1532) كتاب البيوع : باب الصدق في البيع والبيان ' ابو داود (3459) كتاب الاجارة : باب في خيار المتبايعين ' نسائی (4457) كتاب البيوع : باب ما يجب على التجار من التوقية في مبايعتهم ' ترمذی (1246) كتاب البيوع : باب ما جاء في البيعين بالخيار ما لم يتفرقا]

(٤) [هود : 87]

ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے' اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''(۱)
شعیب علیہ السلام کے یہ الفاظ ان کے نرم اسلوب دعوت کا نمونہ ہیں' لیکن انہوں نے واضح طور پر اپنی دعوت پیش کی کہ ذرا غور تو کرو کہ اگر مجھے میرے رب نے حق عطا فرمایا ہے اور شرف نبوت سے نوازا ہے اور واضح دلائل بھی دیئے ہیں لیکن تمہیں یہ توفیق ہی نہیں کہ تم انہیں سمجھ سکو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟۔ نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم کو اسی انداز میں مخاطب ہوئے تھے جیسا کہ اس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

شعیب علیہ السلام نے فرمایا ''میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہارا خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں۔'' یعنی اگر میں تمہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دے رہا ہوں تو میں خود بھی اسے کرتا ہوں اور اگر کسی کام سے روک رہا ہوں تو خود بھی اس سے اجتناب کرتا ہوں۔ یقیناً یہ ایک عمدہ صفت ہے اور اس کے برعکس مذموم صفت ہے' جو کہ بنی اسرائیل کے واعظین وخطباء میں پیدا ہو چکی تھی۔ اس کا تذکرہ قرآن نے یوں کیا ہے ﴿ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو' کیا تمہیں عقل نہیں۔''(۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے'' روز قیامت ایک شخص کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آگ میں اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد اس طرح چکر لگانے لگے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے قریب جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ اے فلاں! آج تم اس حال میں ہو' کیا تم ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے منع نہیں کرتے تھے؟ وہ کہے گا' ہاں میں تمہیں تو نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود عمل نہیں کرتا تھا اور تمہیں تو برائی سے روکتا تھا لیکن میں خود اس کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔''(۳) انبیاء کے بدبخت مخالفین کی یہی حالت ہوتی ہے لیکن اہل دانش علماء کی حالت وہ ہوتی ہے جو شعیب علیہ السلام کی تھی۔ انہوں نے فرمایا'' میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہارا خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں' میرا ارادہ تو حسب استطاعت اصلاح کا ہی ہے۔'' یعنی میں تو صرف اصلاح ہی چاہتا ہوں اور اس کے لیے صرف اللہ ہی سے توفیق کا طلب گار ہوں اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

---

(۱) [هود : 88]

(۲) [البقرة : 44]

(۳) [بخاری (3267) كتاب بدء الخلق : باب صفة النار وأنها مخلوقة ' مسلم (2989) كتاب الزهد : باب عقوبة من يأمر بالمعروف ولا يفعله ' مسند احمد (205/5)]

شعیب علیہ السلام کا مذکورہ بالا کلام ترغیب پر مشتمل تھا' اس کے بعد انہوں نے ترہیب کا انداز اپناتے ہوئے فرمایا ''اے میری قوم! کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت تمہیں ان عذابوں کا مستحق بنا دے جو قومِ نوح، قومِ ہود اور قومِ صالح کو پہنچے اور قومِ لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔''(۱) یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میری مخالفت کی وجہ سے اپنے برے اعمال پر ہی قائم رہو اور اسی حالت میں تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے جیسے تم سے پہلے قومِ نوح اور عاد و ثمود کے کافروں پر آیا تھا۔ پھر فرمایا ''اور قومِ لوط تو تم سے کچھ دور نہیں'' یعنی ان پر آنے والے عذاب کے متعلق تمہیں علم ہی ہے یہ کوئی بہت پرانی بات نہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا کہ ان کا علاقہ تم سے کچھ دور نہیں۔ ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ اپنے اعمالِ بد اور عادات سیئات میں تم سے دور یا مختلف نہ تھے' بلکہ وہ بھی تمہاری طرح راہگیروں کو لوٹتے' مسافروں کو پریشان کرتے اور مختلف طریقوں سے لوگوں کا مال ناحق ہڑپ کر جاتے تھے۔ یہ تمام اقوال ہی درست ہیں کیونکہ وہ زمانہ' علاقہ اور اعمال سب لحاظ سے ان کے قریب ہی تھے۔

اس کے بعد پھر شعیب علیہ السلام نے ترغیب کا انداز اپناتے ہوئے قوم سے کہا ''اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس سے توبہ کرو' یقیناً میرا رب رحم والا محبت والا ہے۔''(۲) یعنی اپنے برے کاموں سے باز آ جاؤ اور اس رب سے توبہ کر لو جو بہت رحم کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے اور بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندے پر ماں سے بھی زیادہ رحیم ہے' یہی وجہ ہے کہ خواہ بندے نے کتنے ہی گناہ کیے ہوں جب وہ سچی توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ شعیب علیہ السلام کی اس مشفقانہ خیر خواہی پر بھی قوم نے کان نہ دھرے اور کہا ''اے شعیب! تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزور پاتے ہیں' اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر غالب نہیں ہو۔''(۳)

یہ ان کے حد درجہ کفر و عناد کا اظہار تھا کہ انہوں نے کہا' تمہاری بہت سی باتیں ہمیں سمجھ ہی نہیں آ رہیں کیونکہ ہم انہیں سمجھنا ہی نہیں چاہتے اور نہ ہی قبول کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح کی بات قریشِ مکہ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے کہی تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا ... فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ ﴾ ''انہوں نے کہا' تم ہمیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے' لہٰذا تم (اپنا) کام کرو ہم (اپنا) کام کرتے ہیں۔''(٤)

---

(۱) [ھود: 89]

(۲) [ھود: 90]

(۳) [ھود: 91]

(٤) [حم السجدۃ: 5]

بہر حال شعیب علیہ السلام نے قوم کا جواب سن کر کہا ''اے میری قوم! کیا تمہارے نزدیک میرے قبیلے کے لوگ اللہ سے بھی زیادہ عزت والے ہیں۔''(۱) یعنی تم میرے خاندان سے ڈرتے ہوئے میرا لحاظ کرتے ہو اور تم اللہ سے نہیں ڈرتے جو تم پر عذاب نازل کر سکتا ہے۔ تم اس لیے میرا لحاظ کیوں نہیں رکھتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ گویا تمہارے نزدیک میرا خاندان وقبیلہ اللہ سے بھی زیادہ قوت والا ہے۔ ''اور تم نے اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے' یقیناً میرا رب تمہارے اعمال کو گھیرنے والا ہے۔'' یعنی وہ تمہارے ہر چھوٹے بڑے کام سے باخبر ہے اور جب تم دوبارہ زندہ ہو کر اس کے پاس جاؤ گے وہ تمہیں تمہارے ہر کام کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

شعیب علیہ السلام نے مزید کہا ''اے میری قوم! اب تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے اور کون ہے جو جھوٹا ہے' تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔''(۲) یعنی آپ نے انہیں دوٹوک الفاظ میں متنبہ کر دیا کہ اگر تم اپنے کاموں سے باز نہ آئے تو پھر عنقریب اس کا نتیجہ بھی دیکھ لو گے اور تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کسے اچھا بدلہ ملتا ہے اور کون دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوتا ہے اور تمہیں یہ بھی علم ہو جائے گا کہ میری دعوت سچی ہے یا تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا مذہب۔ اور فرمایا ''تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔'' اس کا مفہوم وہی ہے جو اس آیت کا ہے ''اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر جو مجھے دے کر بھیجا گیا' ایمان لے آئے ہیں اور کچھ ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ! یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔''(۳)

قوم کے انکار پر عذاب کا نزول

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا ... الْفَاتِحِيْنَ ﴾ ''ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب! ہم آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ایمان دار ہیں' (سب) کو اپنی بستی سے نکال دیں گے الا کہ تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔''(٤) یعنی انہوں نے اہل ایمان کو دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے کی دعوت دی تو شعیب علیہ السلام نے انہیں جواب دیا ''خواہ وہ اسے مکروہ ہی سمجھتے ہوں'' یعنی اہل ایمان کبھی بھی خوشی سے کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو وہ محض تمہارے ظلم و جبر کی وجہ سے ہوگا' کیونکہ جب کسی کے دل میں ایمان راسخ ہو جاتا ہے تو پھر یہ ناممکن ہوتا

(۱) [ھود : 92]

(۲) [ھود : 93]

(۳) [الأعراف : 87]

(٤) [الأعراف : 88]

ہے کہ وہ اسے ناپسند کرے اور اس سے اعراض کرلے۔

اسی لیے آپ نے فرمایا "ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمہارے دین میں آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی اور ہم سے یہ ممکن نہیں کہ پھر تمہارے مذہب میں آجائیں الا کہ اللہ نے ہی مقدر کیا ہو جو ہمارا مالک ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے' ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"(۱) یعنی ہمارا محافظ و معاون اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ملجا و ماویٰ ہے۔ پھر شعیب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کی قوم جس سزا کی مستحق ہے وہ جلد ان پر نازل فرما دے۔ فرمایا "اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ فرما دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔"(۲)

اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی کیونکہ جب بھی مخالف قوم کے خلاف انبیاء دعا کریں تو اللہ ان کی دعا رد نہیں فرماتا۔ اس دعا کے بعد بھی قوم کے کافر سردار یہ کہنے لگے کہ "(اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی بات مانی تو نقصان اٹھاؤ گے۔"(۳) تو اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرما دیا۔ فرمایا "پھر انہیں زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔"(٤) یعنی زمین کو انتہائی سختی سے ہلایا گیا' جس سے ان کی روحیں پرواز کر گئیں اور تمام جاندار بے جان ہو کر ساکن و ساکت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل کیے' ان کی بری عادتوں کی وجہ سے ان پر زلزلہ بھیجا جس سے ان میں کوئی حرکت باقی نہ رہی' ایسی چیخ بھیجی جس سے ان کی تمام آوازیں بند ہو گئیں اور ایسا بادل بھیجا جس نے ان پر آگ کے شعلے برسائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قصہ بیان کرتے ہوئے مختلف مقامات پر سیاق و سباق کی مناسبت سے ان پر نازل کیے جانے والے عذابوں کا ذکر فرمایا ہے۔

سورۂ اعراف میں مذکور ہے کہ انہوں نے شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر وہ واپس ان کے دین میں نہ لوٹے تو وہ انہیں بستی سے نکال دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دھمکی (ارجاف) کے مقابلے میں سیاق کے مطابق زلزلہ (رجـــفة) کا ذکر فرمایا' کیونکہ یہاں یہی زیادہ مناسب تھا۔ سورۂ ہود میں ہے کہ انہوں نے شعیب علیہ السلام کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا کہ "کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں' تم تو بڑے ہی نرم دل اور سمجھدار ہو۔" چونکہ یہاں

---

(۱) [الأعراف : 89]

(۲) [الأعراف : 89]

(۳) [الأعراف : 90]

(٤) [الأعراف : 91]

انہوں نے نبی کی گستاخی میں آوازیں بلند کی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے بطورِ سزا ان کے لیے ایسی آواز کے عذاب کا ذکر فرمایا جس سے ان کی آوازیں بند ہو گئیں۔

سورۂ شعراء میں ہے کہ انہوں نے شعیب علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان پر آسمان سے عذاب نازل کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر سائبان والے دن کے عذاب کا ذکر فرمایا۔ انہوں نے شعیب علیہ السلام سے کہا ''تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جاتا ہے اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹا ہی سمجھتے ہیں' اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دے۔ کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''(۱) اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا۔''(۲)

اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی مسلط کر دی اور سات دن تک مسلسل ہوا کو روکے رکھا' جس سے نہ تو انہیں پانی فائدہ دیتا تھا اور نہ ہی سایہ۔ نتیجۃً وہ اپنی رہائش گاہوں سے جنگلوں کی طرف بھاگ نکلے۔ پھر ایک بادل نے ان پر سایہ کیا۔ اسے دیکھ کر سب اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ جب سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادل نے آگ کے شعلے برسانے شروع کر دیئے' زمین میں زلزلہ آ گیا اور آسمان سے زوردار چیخ کی آواز آئی' جس سے ان کی روحیں پرواز کر گئیں اور ان کے علاقے ایسے ویران ہو گئے جیسے وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کو بچا لیا' جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''جب ہمارا حکم آ پہنچا ہم نے شعیب کو اور اس کے ساتھ اہل ایمان کو اپنی خاص رحمت سے نجات بخشی اور ظالموں کو سخت چنگھاڑ کے عذاب نے آ دبوچا' جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے ہو گئے۔ گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے' آگاہ رہو مدین کے لیے بھی ویسی ہی دوری ہو جیسی دوری ثمود کو ہوئی۔''(۳) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اگر تم شعیب کی راہ پر چلو گے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ پھر انہیں زلزلے نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ان کی حالت ایسے ہو گئی جیسے وہ ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے' جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہی خسارے میں پڑ گئے۔''(۴) درحقیقت یہ ان کی اس بات کا جواب تھا کہ ''اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یقیناً تم نقصان اٹھاؤ گے۔''(۵)

---

(۱) [الشعراء : 185-188] (۲) [الشعراء : 189]
(۳) [هود : 94-95] (۴) [الأعراف : 90-92]
(۵) [الأعراف : 90]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ نزولِ عذاب کے بعد تباہ حال قوم کو دیکھ کر شعیب علیہ السلام نے انہیں جھڑکا اور انہیں ملامت کرتے ہوئے ان سے الگ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اس وقت شعیب ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی' پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں۔''(۱) یعنی جب شعیب علیہ السلام ان کا علاقہ چھوڑنے لگے تو اس وقت ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تو اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا تھا اور ہر ممکن طریقے سے تمہاری خیر خواہی کی تھی لیکن میری کوئی بھی کوشش تمہیں کچھ فائدہ نہ دے سکی کیونکہ ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اب اگر تم پر اللہ کا عذاب آ گیا ہے تو میں اس پر افسوس کیوں کروں کیونکہ تم نے خود ہی نہ تو ہدایت کو اپنایا اور نہ ہی عذاب کے دن سے خائف ہوئے۔ پھر جب اللہ کا عذاب آ گیا تو نہ اس کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے روک سکتا ہے۔

✦ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ قومِ لوط کا واقعہ ان کے دور میں ہی پیش آیا۔ پھر ہم نے قومِ شعیب کا تذکرہ کیا' کیونکہ قرآن میں متعدد مقامات پر قومِ شعیب کا ذکر قومِ لوط کے بعد ہی ہوا ہے اس لیے ہم نے بھی اسی ترتیب کو برقرار رکھا۔ اب ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے حالات بیان کرتے ہیں کیونکہ آپ کے بعد جو بھی نبی آئے وہ آپ کی اولاد سے ہی آئے اور اللہ تعالیٰ نے نبوت و کتاب آپ کی اولاد میں ہی جاری فرما دی۔

(۱) [الأعراف : 93]

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اسماعیل علیہ السلام کے حالات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے‘ جن میں سے دو بھائی مشہور ہیں‘ جو اپنے زمانے کے عظیم نبی تھے۔ صحیح رائے کے مطابق ان میں بڑی عمر اور بڑی شان والے اسماعیل علیہ السلام تھے‘ جو ابراہیم علیہ السلام کے پہلوٹھے بیٹے اور حضرت ہاجرہ قبطیہ علیہا السلام کے بطن سے تھے۔ جن حضرات نے اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیا ہے ان کا موقف اسرائیلی روایات پر مبنی ہے جو بلاشبہ تحریف شدہ ہیں۔ مزید برآں ان کی اپنی کتب سے بھی اس بات کی تردید ثابت ہو جاتی ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پہلوٹھا بیٹا اور ایک روایت کے مطابق اکلوتا بیٹا قربان کرنے کا حکم دیا تھا (اور وہ بلاشبہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے)۔ بہرحال اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا ہی ثابت ہے۔ ان کی کتب میں موجود ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام کی عمر 86 برس تھی اور جب اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی عمر 100 برس تھی۔

معلوم ہوا کہ اسماعیل علیہ السلام ہی پہلے بیٹے ہیں اور ظاہری و معنوی اعتبار سے وہی اکلوتے ہیں۔ ظاہری طور پر اس طرح کہ 13 برس تک وہ ابراہیم علیہ السلام کے اکیلے ہی بیٹے تھے‘ پھر 13 برس بعد اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ اور معنوی طور پر اس طرح کہ جب ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ کے اردگرد واقع فاران کے پہاڑوں پر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کچھ غذا اور پانی دے کر چھوڑ آئے تھے اس وقت وہ دودھ پیتے بچے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسماعیل ہی پہلے اور اکلوتے بیٹے تھے لیکن اس بات کو کوئی ذی شعور اور صاحب فراست ہی سمجھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں یوں فرمایا ہے کہ وہ بردبار‘ صادق اور صابر تھے۔ خود بھی نماز کی پابندی کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم کرتے تاکہ وہ جہنم سے بچ جائیں اور عام لوگوں کو بھی ایک اللہ کی عبادت کی ہی دعوت دیتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ... مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ”ہم نے اسے (یعنی ابراہیم علیہ السلام کو) ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے‘ تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا‘ میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں‘ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لائیے‘ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“(۱)

سورۂ مریم میں فرمایا ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ... عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴾ ”اس کتاب میں

(۱) [الصافات : 101-102]

اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر' وہ بڑا ہی وعدے کا سچا اور رسول اور نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ اور مقبول تھا۔"(۱)

سورۂ ص میں ہے کہ ﴿ وَ اذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ... وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴾ "ہمارے بندوں ابراہیم' اسحق اور یعقوب (علیہم السلام) کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے۔ اسماعیل' یسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کا بھی ذکر کر دیجئے' یہ سب بہترین لوگ تھے۔"(۲)

سورۂ انبیاء میں فرمایا کہ ﴿ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ... اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ "اور اسماعیل' ادریس اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کیا' یقیناً وہ نیک لوگ تھے۔"(۳)

سورۂ نساء میں ہے کہ ﴿ اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ ... وَ الْاَسْبَاطِ ﴾ "(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی' اور ہم نے وحی کی ابراہیم' اسماعیل' اسحق' یعقوب اور ان کی اولاد پر۔"(٤)

سورۂ بقرہ میں ہے کہ ﴿ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ ... وَ الْاَسْبَاطِ ﴾ "(اے مسلمانو!) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم' اسماعیل' اسحق' یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی۔"(٥)

مزید فرمایا ﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ ... ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ﴾ "کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم' اسماعیل' اسحق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟۔"(٦)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی بہت سی صفات بیان کی ہیں۔ آپ کو اپنا نبی اور رسول کہہ کر مخاطب فرمایا' ہر عیب سے پاک قرار دیا' آپ کی طرف جاہل لوگوں کی منسوب کردہ باتوں کی تردید فرمائی اور تمام اہل ایمان کو حکم دیا کہ آپ پر نازل ہونے والی تعلیمات پر ایمان لائیں۔

ماہرینِ نسب و تاریخ نے بیان کیا ہے کہ پہلے گھوڑے کو جنگلی جانوروں میں شمار کیا جاتا تھا' آپ نے پہلی مرتبہ

(۱) [مریم : 54-55]
(۲) [ص : 45-48]
(۳) [الأنبياء : 85-86]
(٤) [النساء : 163]
(٥) [البقرة : 136]
(٦) [البقرة : 140]

اسے پالتو بنایا اور اسے سواری کے لیے استعمال فرمایا۔ اسی طرح سب سے پہلے آپ نے ہی عربی میں فصیح و بلیغ انداز میں کلام کی۔ آپ نے یہ زبان ان عربوں سے سیکھی تھی جنہوں نے مکہ میں آپ کے پاس رہائش اختیار کر لی تھی۔ وہ جرہم' عمالیق' اہل یمن اور ایسے قبائل تھے جو ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے قدیم عربوں سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ "سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام نے صاف عربی بولی' اس وقت ان کی عمر 14 برس تھی۔"(۱)

اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور اولاد

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو انہوں نے عمالیق قبیلہ کی ایک عورت سے شادی کی' پھر ابراہیم علیہ السلام کے حکم پر اسے طلاق بھی دے دی۔ اس عورت کا نام عمارہ بنت سعد بن اسامہ بن اکیل عمالیقی بیان کیا جاتا ہے۔ اسے چھوڑنے کے بعد آپ نے ایک دوسری عورت سے شادی کی تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کے ساتھ نکاح برقرار رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ آپ کے نکاح میں ہی رہی اور اس کا نام سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی تھا۔ کچھ نے اسے آپ کی تیسری بیوی قرار دیا ہے اور کہا کہ اس سے آپ کے 12 بیٹے تھے' جن کے نام یہ ہیں: نابت، قیدار، ازبل، میشی، مسمع، ماش، دوصا، ارر، یطور، نفش، طیما، قیذ ما۔ اہل کتاب نے بھی اپنی کتاب میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اس بستی اور اس کے ارد گرد کے قبائل' جن میں جرہم' عمالیق اور اہل یمن شامل ہیں' کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائی اسحق علیہ السلام کو وصیت فرمائی اور اپنی بیٹی نسمہ کی شادی اسحق علیہ السلام کے بیٹے عیص سے کر دی۔ پھر عیص کے ہاں روح نامی بیٹا پیدا ہوا۔ عیص کی اولاد بنی اصفر کہلاتی ہے کیونکہ عیص زرد رنگ کا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ کے پہلو میں حِجر میں دفن کیے گئے اور وفات کے وقت آپ کی عمر 137 برس تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا' اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مکہ میں گرمی کی شدت کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں تیرے لیے اس جگہ جنت کا ایک دروازہ کھول دوں گا جہاں تو دفن کیا جائے گا اور تا قیامت وہاں تجھے اس کی ہوا آتی رہے گی۔

حجاز کے تمام عرب قبائل اسماعیل علیہ السلام کے دو بیٹوں نابت اور قیدار کی طرف منسوب ہیں۔

(۱) [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (2581)]

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 100 برس اور والدہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر 90 برس تھی۔ آپ اسماعیل علیہ السلام سے 14 برس بعد پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا ... لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴾ ”اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق نبی کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہو گا۔ اور ہم نے ابراہیم و اسحٰق پر برکتیں نازل فرمائیں' اور ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ تو نیک ہیں اور کچھ اپنے نفسوں پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔“(۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آپ کی تعریف و توصیف فرمائی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پیچھے بیان کی جا چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کریم بن کریم بن کریم بن کریم' یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام)۔“(۲)

اسحٰق علیہ السلام کی اولاد اور ان کی باہمی عداوت کا سبب

اہل کتاب کا بیان ہے کہ اسحٰق علیہ السلام نے 40 برس کی عمر میں اپنے والد کی زندگی میں رفقا بنت بتوایل سے شادی کی' وہ بانجھ تھی' لیکن آپ کی دعا سے حاملہ ہو گئی۔ پھر اس نے دو بچوں کو جنم دیا' ایک کا نام عیسو تھا جسے عرب عیص کہتے ہیں اور دوسرے کا نام یعقوب تھا' جو اپنے بھائی کی ایڑی پکڑے ہوئے پیدا ہوا تھا۔ اس کا لقب اسرائیل تھا' اسی لیے بعد میں اس کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ اسحٰق علیہ السلام کو عیص سے زیادہ محبت تھی کیونکہ وہ پہلے بیٹے تھے اور رفقا کو یعقوب سے زیادہ محبت تھی کیونکہ وہ چھوٹے تھے۔

جب اسحٰق علیہ السلام بوڑھے ہوئے اور ان کی نظر بھی کمزور ہو گئی تو انہوں نے اپنے بیٹے عیسو سے کہا کہ وہ ان کے لیے کسی جانور کا شکار کرے اور پھر اس کا گوشت پکا کر انہیں کھلائے تا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں۔ چنانچہ عیسو شکار کے

---

(۱) [الصافات : 112-113]

(۲) [بخاری (3390) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالی لقد کان فی یوسف واخوته آیات' ترمذی (3041) مسند احمد (96/2) مستدرک حاکم (3283) طبرانی کبیر (223/19) صحیح ابن حبان (5870)]

لیے نکل گیا اور وہ پہلے بھی شکار کا ہی کام کرتا تھا۔ رفقا نے یعقوب سے کہا کہ وہ اپنے بھائی کے آنے سے پہلے پہلے اپنی بکریوں کے دو میمنے ذبح کرے اور ان کا گوشت تیار کر کے اپنے باپ کو پیش کر دے تا کہ وہ اس کے لیے دعا کر دیں۔ اس کے بعد اس نے یعقوب کو عیسو کے کپڑے پہنا دیئے اور میمنوں کی کھال اس کے بازوؤں پر لپیٹ دی کیونکہ عیسو کے جسم پر بہت سے بال تھے جبکہ یعقوب کا جسم بالوں سے صاف تھا۔ اس نے کھانا پیش کیا تو اسحٰق علیہ السلام نے پوچھا' تم کون ہو؟ اس نے کہا' آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ اس کے گلے ملے اور کہا' آواز تو یعقوب کی معلوم ہوتی ہے لیکن کپڑوں سے عیسو لگتا ہے۔ اسحٰق علیہ السلام نے جب کھانا تناول فرما لیا تو یعقوب کے لیے دعا کی کہ اسے تمام بھائیوں میں معزز اور آئندہ اقوام کا سردار بنایا جائے اور اس کی اولاد اور رزق میں بھی بہت برکت و وسعت ہو۔

جب یعقوب علیہ السلام چلے گئے تو ان کا بھائی عیسو بھی کھانا لے کر حاضر ہو گیا۔ اسحٰق علیہ السلام نے پوچھا' اے بیٹے! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا' یہ وہی کھانا ہے جو آپ نے طلب فرمایا تھا۔ آپ نے پوچھا' تم ابھی کچھ دیر پہلے میرے پاس کھانا نہیں لائے تھے اور میں نے تمہیں دعا بھی دی تھی؟ اس نے کہا' اللہ کی قسم! نہیں۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس سے پہلے اس کا بھائی یعقوب ہی کھانا پیش کر کے دعا لے گیا ہے' اسے اس پر بہت غصہ آیا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو دھمکی دے دی کہ وہ باپ کی وفات کے بعد اسے قتل کر دے گا۔ پھر اس نے مطالبہ کیا تو اسحٰق علیہ السلام نے اس کے لیے دوبارہ دعا فرما دی کہ اسے زرخیز زمین اور بہت زیادہ رزق حاصل ہو۔

جب والدہ کو علم ہوا کہ عیسو یعقوب کو دھمکیاں دے رہا ہے تو اس نے یعقوب کو حران میں اپنے ماموں 'لابان' کے پاس جانے کو کہا اور کہا کہ اس کی کسی بیٹی سے شادی کر لینا۔ اس نے اپنے شوہر اسحٰق علیہ السلام کو بھی کہا کہ وہ یعقوب کو جانے کے لیے کہیں اور اس کے لیے دعا کریں' تو انہوں نے ایسا کر دیا۔

یعقوب علیہ السلام دن کے آخری حصے میں روانہ ہوئے' راستے میں اندھیرا ہو گیا تو ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ انہیں خواب آئی کہ زمین سے آسمان تک ایک سیڑھی ہے جس پر فرشتوں کی آمد و رفت جاری ہے اور اللہ تعالیٰ یعقوب سے فرما رہے ہیں کہ ''میں تجھے برکت دوں گا اور تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا اور یہ زمین تجھے اور تیری اولاد کو دوں گا۔'' جب آپ بیدار ہوئے تو اس خواب کی وجہ سے بہت خوش ہوئے۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر آپ سلامتی کے ساتھ گھر پہنچ گئے تو اس مقام پر اللہ کی عبادت گاہ تعمیر فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ بھی عطا کر رکھا ہے اس کا دسواں حصہ بھی اللہ کی راہ میں دے دیں گے۔ پھر انہوں نے اس پتھر پر نشانی کی غرض سے تیل لگا دیا۔ اس جگہ کا نام بیت ایل یعنی بیت اللہ رکھا گیا۔ اسی مقام پر آج بیت المقدس واقع ہے جسے بعد میں یعقوب علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔

یعقوب علیہ السلام حران میں اور ماموں زاد سے شادی

یعقوب علیہ السلام حران میں اپنے ماموں کے ہاں پہنچ گئے۔ ان کے ماموں (لابان) کی دو بیٹیاں تھیں' بڑی کا نام ''لیا'' اور چھوٹی کا نام ''راحیل'' تھا۔ چھوٹی زیادہ خوبصورت تھی اس لیے انہوں نے اسی کا رشتہ مانگا۔ ماموں نے اس شرط پر رشتہ کر دیا کہ آپ سات سال تک اس کی بکریاں چرائیں گے۔ جب سات سال گزرے تو لابان نے لوگوں کو جمع کیا' کھانا تیار کر کے انہیں کھلایا اور رات کے وقت اپنی بڑی بیٹی ''لیا'' کو یعقوب کے ساتھ روانہ کر دیا' جو بدصورت اور کمزور نظر والی تھی۔ صبح کے وقت جب یعقوب کو پتہ چلا کہ یہ تو لیا ہے تو انہوں نے ماموں سے جا کر کہا کہ ہمارے اندر یہ رواج نہیں کہ بڑی سے پہلے چھوٹی کا رشتہ کر دیں۔ اگر تم راحیل سے شادی کرنا چاہتے ہو تو مزید سات سال بکریاں چراؤ۔ جب مزید سات سال گزر گئے تو لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔ ان کی شریعت میں بیک وقت دو بہنوں سے نکاح جائز تھا' پھر تورات میں یہ اجازت منسوخ کر دی گئی۔ معلوم ہوا کہ گزشتہ شرائع میں بھی احکام منسوخ کیے جاتے رہے ہیں۔ نسخ کی دلیل یہی کافی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے ایسا کیا اور وہ معصوم تھے۔ لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک لونڈی دی۔ لیا کی لونڈی کا نام ''زلفی'' اور راحیل کی لونڈی کا نام ''بلھی'' تھا۔

آپ کی اولاد

اللہ تعالیٰ نے لیا کی کمی اسے اولاد عطا کر کے پوری کر دی۔ اس سے یعقوب کا پہلا بیٹا ''روبیل'' پیدا ہوا' پھر ''شمعون'' پھر ''لاوی'' اور پھر ''یہودا'' پیدا ہوا۔ یہ دیکھ کر راحیل کو بڑی غیرت آئی کیونکہ اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی' اس لیے اس نے اپنی لونڈی یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ آپ اس سے ہم بستر ہوئے تو وہ حاملہ ہو گئی اور پھر اس سے ''دان'' نامی لڑکا پیدا ہوا۔ پھر ''نیفتالی'' پیدا ہوا۔ اس پر لیا کو بھی غیرت آئی اور اس نے بھی اپنی لونڈی یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ اس سے دو بیٹے ''جاذ'' اور ''اشیر'' پیدا ہوئے۔ پھر لیا کے ہاں پانچواں بیٹا ''ایساخر'' اور پھر چھٹا بیٹا ''زابلون'' پیدا ہوا۔ پھر ایک بیٹی ''دینا'' پیدا ہوئی۔ یوں اس کے ہاں یعقوب علیہ السلام سے سات بچے ہوئے۔ پھر راحیل نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور اسے ایک نہایت معزز اور حسین و جمیل بچہ ''یوسف'' عطا فرمایا۔

یعقوب علیہ السلام کی یہ تمام اولاد حران میں ہی ہوئی۔ آپ لابان کی دونوں بیٹیوں سے نکاح کے بعد چھ سال تک اسی علاقے میں بکریاں چراتے رہے' یوں آپ اس علاقے میں 20 سال تک رہے۔

مال میں فراوانی

اتنی مدت حران رہنے کے بعد یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں سے واپس اپنے گھر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے کہا' مجھے تیری وجہ سے بہت برکت حاصل ہوئی ہے' اس لیے تو میرے مال سے جو چاہے مانگ لے۔ اس پر آپ نے فرمایا' تو مجھے اپنی بکریوں کے اس سال پیدا ہونے والے وہ بچے عنایت کر دینا جو سفید ہوں مگر ان پر سیاہ دھبے بھی ہوں' سیاہ ہوں مگر ان پر سفید دھبے بھی ہوں اور ایسی بکریاں جو سفید اور بے سینگ ہوں۔ ماموں نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بیٹوں نے ان صفات کے تمام بکرے الگ کر دیئے اور انہیں بکریوں کے ریوڑ سے تین دن کے فاصلے پر لے گئے تا کہ اس طرح کے بچے پیدا نہ ہوں۔

یعقوب علیہ السلام نے بادام کی لکڑی کی چھڑیاں بنائیں' انہیں چھیلا اور انہیں مختلف جگہوں سے سیاہ اور سفید کر دیا اور انہیں پانی کے گھاٹ پر گاڑ دیا۔ آپ نے ایسا اس لیے کیا تا کہ بکریاں ان سے ڈریں اور ان کے پیٹوں کے بچے حرکت کی وجہ سے انہی چھڑیوں کے رنگ کے ہو جائیں۔ اگر یہ بات درست ہو تو یہ خرق عادت چیز اور آپ کا معجزہ شمار ہو گا۔

اپنے علاقے کی طرف واپسی

بہر حال یوں یعقوب علیہ السلام کے پاس بہت سے جانور اور غلام وغیرہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر آپ کے ماموں کے بیٹے آپ سے حسد کرنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی یہ حکم دیا کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کے علاقے کی طرف واپس لوٹ جائیں۔ آپ نے گھر والوں کو بتایا تو وہ سب بھی تیار ہو گئے۔ پھر آپ سب گھر والوں کو لے کر واپس لوٹ گئے' واپسی پر راحیل نے اپنے والد کے بت بھی چرا لیے۔

یہ قافلہ ابھی شہر سے کچھ ہی دور پہنچا تھا کہ لابان اور اس کی قوم کے افراد نے آپ کو آلیا۔ لابان نے یعقوب علیہ السلام سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسے بتائے بغیر کیوں نکلے۔ اگر وہ بتا کر نکلتے تو وہ اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو خود خوشی سے رخصت کرتا۔ اور اس نے کہا کہ تم میرے بت کیوں لے آئے ہو؟ چونکہ یعقوب علیہ السلام کو بتوں کے متعلق علم نہ تھا اس لیے انہوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا۔ اس پر لابان اپنی بیٹیوں اور لونڈیوں کے خیموں میں جا کر اپنے بت تلاش کرنے لگا لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ دراصل راحیل نے وہ بت اونٹ کے کجاوے میں چھپا رکھے تھے اور وہ اس پر خود بیٹھی ہوئی تھی اور اترنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ ایام سے ہے۔ یوں لابان اپنے بت حاصل نہ کر سکا۔ پھر انہوں

نے وہاں موجود ''جلعاد'' نامی ایک ٹیلے پر یہ عہد و پیمان کیا کہ یعقوب علیہ السلام اس کی بیٹیوں کی توہین نہیں کریں گے اور نہ ہی ان کی موجودگی میں کسی اور عورت سے شادی کریں گے اور یہ ٹیلہ دونوں کے درمیان حدِ فاصل ہوگا' جس سے فریقین تجاوز نہیں کریں گے' پھر انہوں نے کھانا تیار کیا' مل کر کھایا اور اپنے اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔

یعقوب علیہ السلام جب مقام ''ساعیر'' کے قریب پہنچے تو فرشتوں نے آپ سے ملاقات کی اور اپنے علاقے میں پہنچنے کی خوش خبری سنائی۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی عیسو کی طرف ایک قاصد روانہ کیا اور عاجزی کا اظہار کیا۔ قاصد نے واپس آ کر بتایا کہ عیسو اپنے 400 سواروں کے ساتھ ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔ یہ سن کر آپ گھبرا گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کو آپ کے بھائی عیسو کے شر سے محفوظ رکھے اور اپنے بھائی کے لیے ایک بہت بڑا تحفہ تیار کیا یعنی 200 بکریاں' 20 بکرے' 200 بھیڑیں' 20 مینڈھے' 30 دودھ دینے والی اونٹنیاں' 40 گائیں' 10 بیل' 20 گدھیاں اور 10 گدھے۔ آپ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ جانوروں کی ہر قسم کو الگ الگ کچھ فاصلے پر لے کر کھڑے ہو جائیں۔ جب عیسو پہلے کے پاس آئے اور پوچھے کہ تو کون ہے اور یہ جانور کس کے ہیں؟ تو وہ جواب دے' یہ جانور تیرے غلام یعقوب کے ہیں جو اس نے میرے آقا عیسو کو بطورِ تحفہ بھیجے ہیں۔ اس کے بعد ملنے والا ہر گروہ بھی یہی کہے اور یہ بھی کہے کہ ہمارے پیچھے یعقوب بھی آ رہے ہیں۔

یعقوب علیہ السلام اپنی دونوں بیویوں' دونوں لونڈیوں اور گیارہ بیٹوں سمیت دو راتوں کی مسافت پر ٹھہرے رہے۔ آپ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے۔ آپ اپنے اہل و عیال کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب آپ کو اپنا بھائی نظر آیا تو اسے سات مرتبہ سجدہ کیا۔ اس دور میں سلام کا یہی طریقہ تھا اور ان کی شریعت میں یہ جائز تھا جیسا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور جیسے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں اور والدین نے سجدہ کیا' اس کی تفصیل قصہ یوسف میں آئے گی۔ یعقوب علیہ السلام کے علاوہ ان کی بیویوں' لونڈیوں اور تمام کی اولاد نے بھی اسے سجدہ کیا۔ عیسو آپ کو دیکھ کر آگے بڑھا' بغلگیر ہوا اور رونے لگا۔ پھر آپ کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو دیکھ کر کہنے لگا یہ سب کچھ آپ کو کہاں سے ملا ہے؟ آپ نے جواب دیا' یہ مجھے اللہ نے عطا کیا ہے۔

یعقوب علیہ السلام نے عیسو کو جو تحفے پیش کیے تھے وہ اس نے آپ کے اصرار پر قبول کر لیے۔ پھر وہ آپ کے آگے آگے چلنے لگا اور آپ اپنے تمام اہل و عیال سمیت اس کے پیچھے پیچھے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ ساحور مقام پر پہنچے تو آپ نے وہاں اپنے لیے ایک گھر اور جانوروں کے لیے چھپر بنایا۔ پھر شخیم کے شہر اُورشلیم (یروشلم) کے قریب سے گزرے تو شہر کے باہر ہی ڈیرے لگا لیے اور 100 بھیڑوں کے عوض وہاں زمین کا ایک ٹکڑا خرید لیا۔ آپ

نے وہاں ایک خیمہ لگایا اور ایک مذبح بنایا جس کا نام ''ایل'' (اسرائیل کا الٰہ) رکھا۔ اللہ نے آپ کو وہاں ایک عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ اس میں اللہ کی عبادت کی جائے۔ اسی مقام کو آج بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ اسے بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ اس کی تعمیر اسی پتھر پر کی گئی تھی جس پر حران جاتے ہوئے یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا اور بطورِ نشانی تیل لگایا تھا' جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔

پھر راحیل حاملہ ہوئی اور اس نے ایک بچے کو جنم دیا' جس کا نام ''بنیامین'' رکھا گیا۔ لیکن دورانِ ولادت راحیل کو اس قدر شدید تکلیف ہوئی کہ وہ تاب نہ لا کر ولادت کے بعد فوت ہو گئی۔ یعقوب علیہ السلام نے اسے ''افراث'' نامی مقام میں دفن کیا' جسے آج کل بیت اللحم کہا جاتا ہے۔ آپ نے اس کی قبر پر ایک پتھر رکھ دیا جو آج تک ''قبر راحیل'' کے نام سے معروف ہے۔ یعقوب علیہ السلام کے 12 بیٹے تھے: ''لیا'' سے (1) روبیل (2) شمعون (3) لاوی (4) یہودا (5) ایساخر اور (6) زابلون۔ ''راحیل'' سے (7) یوسف اور (8) بنیامین۔ راحیل کی لونڈی سے (9) دان اور (10) نیفتالی۔ لیا کی لونڈی سے (11) جاد اور (12) اشیر۔ لیا سے ایک بیٹی 'دینا' بھی پیدا ہوئی تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد اسحٰق علیہ السلام کے پاس آ گئے اور کنعان کی بستی حبرون میں مقیم ہو گئے' جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام بیمار ہو گئے اور 180 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ کے بیٹوں یعقوب اور عیسو نے آپ کو آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں اس جگہ دفن کیا جو ابراہیم علیہ السلام نے خود خریدی تھی۔

قصۂ یوسف ایک نہایت عمدہ قصہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں ایک مکمل سورت نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس میں غور وفکر کریں اور اس میں بیان کردہ حکمتوں، نصیحتوں اور آداب کو سمجھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ... لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾ ''الٓرٰ، یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ بلاشبہ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔ (اے نبی!) ہم اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، آپ کو ایک بہت اچھا قصہ سناتے ہیں اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبر تھے۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم کی تعریف فرمائی ہے کہ یہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور اس قدر آسان اور عام فہم ہے کہ ہر پاکباز اور سمجھدار انسان اسے سمجھ سکتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے سب سے اشرف فرشتے کے ذریعے، سب سے اشرف انسان پر، سب سے اشرف مقام پر اور وقت کی فصیح ترین زبان عربی میں نازل فرمایا ہے۔ یہ کتاب ماضی اور مستقبل کے نہایت عمدہ حالات وواقعات بیان کرتی ہیں۔ اختلافی باتوں میں حق کی نشاندہی اور باطل کی تردید کرتی ہے۔ اوامر ونواہی میں دیگر تمام شرائع سے زیادہ مبنی بر انصاف اور انتہائی پر حکمت موقف پیش کرتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ ''اور تیرے رب کے کلمات سچائی اور انصاف میں مکمل ہیں۔''(۲)

مطلب یہ ہے کہ اس کے واقعات مکمل طور پر سچے اور اس کے اوامر ونواہی کامل انصاف پر مبنی ہیں۔ اسی لیے فرمایا ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ ... لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ ﴾ ''(اے نبی!) اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، آپ کو ایک بہت اچھا قصہ سناتے ہیں اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبر تھے۔''(۳) یعنی اس سے پہلے آپ کی طرف جو بھی وحی کی گئی ہے اس میں قصۂ یوسف کے متعلق کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ... اَلَا اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے، آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز

---

(۱) [یوسف: 1-3]　(۲) [الأنعام: 115]

(۳) [یوسف: 1-3]

ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنایا اور اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ بے شک آپ راہِ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اس اللہ کی راہ کی جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ہے' آگاہ رہو سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔''(۱)

ایک اور مقام پر فرمایا﴿ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ ... يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا ﴾ ''اسی طرح ہم تیرے سامنے وہ حالات بیان کر رہے ہیں جو گزر چکے ہیں اور یقیناً ہم تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں۔ اس سے جو منہ پھیر لے گا وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا بھاری بوجھ لادے ہوئے ہوگا۔ جس میں ہمیشہ ہی رہے گا اور ان کے لیے قیامت کے دن برا بوجھ ہے۔''(۲) یعنی جو شخص بھی قرآن سے منہ پھیر کر دوسری کتابوں کے پیچھے لگے گا' اسے یہ سزا دی جائے گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہل کتاب کی کوئی کتاب مل گئی اور وہ اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور پڑھ کر آپ کو سنانے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے اور فرمایا ''اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس میں حیرت کا اظہار کر رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس صاف و شفاف شریعت لایا ہوں۔ تم ان (اہل کتاب) سے کوئی بھی سوال نہ کرو' وہ تمہیں سچی بات بتائیں گے مگر تم اس کی تکذیب کرنے لگ جاؤ گے اور وہ تمہیں جھوٹی بات بتائیں گے مگر تم اس کی تصدیق کر دو گے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی لازماً میری ہی اتباع کرنا پڑتی۔''(۳) ایک دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ بھی تم میں تشریف لے آئیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی شروع کر دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ امتوں میں تم میرا حصہ ہو اور نبیوں میں میں تمہارا حصہ ہوں۔''(٤)

یوسف علیہ السلام کا خواب

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ﴿ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ ... اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''جب یوسف (علیہ السلام) نے

(۱) [الشوریٰ : 52-53]

(۲) [طٰہٰ : 99-101]

(۳) [حسن : ارواء الغلیل (34/6) مسند احمد (387/3) ابن أبی شیبة (228/6) السنة لابن أبی عاصم (2/5) جامع بیان العلم لابن عبد البر (42/2)]

(٤) [حسن : المشکاۃ للألبانی (194) دارمی (484/1)]

اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابا جان! میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یعقوب (علیہ السلام) نے کہا پیارے بچے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے مت کرنا' ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں' شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا اور تجھے معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا اور بھرپور انداز میں اپنی نعمت تجھے عطا فرمائے گا اور یعقوب کے گھر والوں کو بھی' جیسے کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دادا اور پردادا یعنی ابراہیم و اسحٰق کو بھی بھرپور اپنی نعمت دی' یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور غالب حکمت والا ہے۔''(۱)

﴿ وَكَذَٰلِكَ ... ﴾ ''اور اسی طرح تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا'' یعنی جس طرح اللہ نے تجھے یہ عظیم خواب دکھایا ہے۔ اگر تم اسے چھپائے رکھو گے تو وہ تم پر مزید رحمتیں بھی نازل فرمائے گا۔ ﴿ وَيُعَلِّمُكَ... ﴾ ''اور تجھے معاملہ فہمی سکھائے گا'' یعنی آپ کو خوابوں کی تعبیر اور معاملات میں ایسی فہم عطا فرمائے گا جو دوسروں کو نصیب نہیں۔ ﴿ وَيُتِمُّ ... ﴾ ''اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ تجھ پر وحی نازل فرمائے گا اور تجھے نبی بنائے گا۔ ﴿وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ ﴾ ''اور آل یعقوب پر بھی'' یعنی تیری وجہ سے آل یعقوب کو دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہو گی۔ ﴿كَمَا أَتَمَّهَا ... ﴾ ''جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دادا اور پردادا کو بھی بھرپور نعمت دی'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے احسان کے ساتھ آپ کو بھی نبی بنائے گا جیسے اس نے آپ کے باپ یعقوب' دادا اسحٰق اور پردادا ابراہیم علیہم السلام کو نبی بنایا۔

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے 12 بیٹے تھے' جن میں سب سے معزز اور افضل یوسف علیہ السلام تھے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ان تمام میں صرف یوسف علیہ السلام ہی نبی تھے۔ آپ کے واقعہ میں ان کا جو کردار بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ البتہ جن حضرات نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے لیے بھی نبوت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کا مستدل یہ آیت ہے ﴿ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ ... وَالْأَسْبَاطِ ﴾ ''(اے مسلمانو!) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم' اسماعیل' اسحٰق' یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی۔''(۲)

انہوں نے لفظ أسباط (اولاد) سے استدلال کیا ہے' لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ اس لفظ سے مراد بنی اسرائیل کے تمام قبائل ہیں اور انہی قبائل میں ایسے انبیاء آئے جن پر وحی نازل کی گئی۔ تمام بھائیوں میں صرف

---

(۱) [یوسف: 4-6]

(۲) [البقرة: 136]

یوسف علیہ السلام کے نبی ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ باقی بھائیوں کی نبوت کا کتاب وسنت میں کہیں بھی ذکر نہیں۔ نیز وہ روایت بھی اس کی مؤید ہے جس میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ ''کریم بن کریم بن کریم بن کریم' یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام)۔''(۱)

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آپ کے لیے سجدہ ریز ہیں۔ گیارہ ستاروں سے مراد آپ کے گیارہ بھائی اور سورج چاند سے مراد والدین تھے۔ آپ گھبرا گئے اور بیدار ہونے کے بعد اپنے والد کو یہ خواب سنایا۔ وہ سمجھ گئے یہ بڑا ہو کر کسی عظیم مقام پر فائز ہوگا اور اس کے بھائی اور والدین اس کے سامنے جھک جائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے آپ کو یہ خواب چھپانے کی نصیحت کی تاکہ آپ کے بھائی آپ سے حسد نہ کرنے لگیں اور کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مقصد میں کامیابی کے لیے اپنی ترقی کے کام چھپا کر رکھو کیونکہ ہر نعمت والے پر حسد کیا جاتا ہے۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کے ساتھ باقی بھائیوں کو بھی اکٹھا خواب سنایا تھا لیکن یہ بات قرآن کے خلاف ہونے کی بنا پر غلط ہے۔ علاوہ ازیں جس روایت میں یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنے والے تمام ستاروں کے ناموں کا ذکر ہے' اس کی سند میں حکم بن ظہیر راوی کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے خلاف باقی بھائیوں کا مکر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ ... اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ ''یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ جبکہ انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہماری نسبت باپ کو بہت زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم (طاقتور) جماعت ہیں' بلاشبہ ہمارے والد صریح غلطی میں ہے۔ یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی (نامعلوم) جگہ میں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کا رخ صرف تمہاری طرف ہی ہو جائے' اس کے بعد تم نیک بن جانا۔ ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ کسی اندھے کنوئیں میں پھینک آؤ تاکہ اسے کوئی (آتا جاتا) قافلہ اٹھا لے جائے' اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یوں کرو۔''(۲)

اللہ تعالیٰ نے اس قصے کی نشانیوں' حکمتوں' نصیحتوں اور دلیلوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر یہ ذکر فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی (بنیامین) سے باقی بھائی حسد کرتے تھے کیونکہ ان کا باپ ان دونوں سے زیادہ

(۱) [بخاری (3390) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالى لقد كان في يوسف وإخوته آيات' ترمذی (3041) مسند احمد (96/2) مستدرك حاكم (3283)]

(۲) [یوسف : 7-10]

محبت کرتا تھا۔ ان کا گمان تھا کہ زیادہ محبت کے مستحق تو ہم ہیں کیونکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں۔ پھر انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ والد کی توجہ اور محبت حاصل کرنے کے لیے یا تو یوسف کو قتل کر دیں یا پھر اسے کہیں دور چھوڑ آئیں جہاں سے وہ واپس نہ آ سکے اور بعد میں توبہ کر لیں گے۔ جب وہ ایسا کرنے کا فیصلہ کر چکے تو ان میں سے ایک بھائی نے کہا ''اسے قتل مت کرو''۔ مجاہدؒ کے بیان کے مطابق وہ شمعون تھا' سدیؒ کے مطابق یہودا اور قتادہؒ اور ابن اسحٰقؒ کے مطابق بڑا بھائی روبیل تھا۔ (۱)

بہر حال اس بھائی نے کہا اگر تم نے کچھ کرنے کا پروگرام بنا ہی لیا ہے تو قتل سے زیادہ مناسب تجویز یہ ہے کہ اسے کسی کنوئیں میں پھینک آؤ تا کہ کوئی مسافر قافلہ اسے اٹھا کر کہیں دور لے جائے۔ جب انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا تو والد کے پاس آ کر کچھ باتیں کیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے ﴿ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا ... اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ ''انہوں نے کہا' اے ہمارے باپ! آخر آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ وہ کھائے پیئے اور کھیلے' اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ (یعقوب علیہ السلام نے) کہا تمہارا اسے لے جانا مجھے غمگین کر دے گا اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی (طاقتور) جماعت کی موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بڑے نقصان میں ہوں گے۔'' (۲)

انہوں نے والد سے مطالبہ کیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیں اور ظاہر یہ کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ بکریاں چرائے گا اور کھیلے کودے گا لیکن دل میں اس کے خلاف فریب چھپایا ہوا تھا کہ جس کا اللہ کو بخوبی علم تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں تو لحہ بھر بھی اسے خود سے جدا نہیں کر سکتا اور مجھے یہ خدشہ بھی ہے کہ تم کھیل کود میں لگ جاؤ اور اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے اور یہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے دفاع نہ کر سکے گا۔ انہوں نے جواب میں کہا اگر ہم جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں بھی بھیڑیا اسے کھا جائے یا ہم سب ہی اس سے غافل ہو جائیں اور یہ حادثہ ہو جائے تو پھر ہم تو بڑے ہی نکمے ہوئے۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یعقوب نے یوسف علیہما السلام کو بھائیوں کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے پیچھے بھیجا تھا' لیکن وہ راستہ بھول گئے اور پھر ایک راہگیر نے انہیں باقی بھائیوں کے ساتھ ملا دیا۔ یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ جب یعقوب علیہ السلام انہیں بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر رضا مند نہیں تھے تو اکیلے کیسے بھیج سکتے تھے؟۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا ... عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ ''پھر جب وہ اسے لے چلے اور

(۱) [تفسیر ابن کثیر (319/4)]

(۲) [یوسف : 11-14]

سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ اسے غیر آباد گہرے کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں' تو ہم نے یوسف کی طرف وحی کی کہ یقیناً (وہ وقت دور نہیں کہ) تو انہیں اس ماجرے کی خبر اس حال میں دے گا کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں گے۔ اور عشاء کے وقت وہ سب اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف کو ہم نے سامان کے پاس چھوڑ دیا' پھر اسے بھیڑیا کھا گیا' آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے گو ہم سچے ہی ہوں۔ اور وہ یوسف کے کرتے کو جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے' باپ نے کہا (حقیقت یوں نہیں) بلکہ تم نے اپنے دل سے ہی ایک بات بنا لی ہے' پس صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔''(۱)

ان کے مسلسل اصرار پر بالآخر والد نے یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج ہی دیا۔ جب وہ والد کی نظروں سے اوجھل ہوئے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور ذلیل کرنے لگے اور یہی طے کر لیا کہ اسے کنوئیں کی تہ میں موجود پتھر پر رکھ دیں گے۔ کنوئیں کی تہ میں یہ پتھر اس لیے ہوتا کہ پانی کم ہونے کی صورت میں کوئی شخص نیچے اتر کر اس پر کھڑا ہو اور خود ڈول میں پانی بھرے' پھر کنوئیں کے باہر کھڑا شخص رسی کے ساتھ ڈول کو کھینچ لے۔ جب انہوں نے آپ کو کنوئیں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اس مصیبت سے آپ کو ضرور نجات دی جائے گی اور عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب آپ اپنے بھائیوں کو اس کی خبر دیں گے' وہ آپ کے محتاج اور آپ سے خائف ہوں گے لیکن انہیں علم نہیں ہو گا۔

''انہیں علم نہیں ہو گا'' کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو علم نہیں تھا کہ اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپ انہیں عنقریب اس فریب کاری کے متعلق خبر دیں گے اور اس وقت انہیں اس کا علم ہی نہیں ہو گا۔

جب وہ آپ کو کنوئیں میں پھینک کر واپس لوٹے تو رات کو عشاء کے وقت آپ کا کرتا خون آلود کر کے والد کے پاس روتے ہوئے لے آئے۔ اسی لیے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ کسی کو روتے دیکھ کر دھوکہ مت کھاؤ کیونکہ بعض اوقات ظالم بھی سچا بننے کے لیے روتا ہے' جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائی روئے تھے۔ عِشَـــاءً سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رات کے اندھیرے میں آئے تاکہ ان کی فریب کاری پر پردہ پڑ جائے۔ انہوں نے کہا' ابا جان! ہم نے یوسف کو سامان کے قریب چھوڑا اور کھیلتے کھیلتے دور نکل گئے' پیچھے سے بھیڑیا آیا اور یوسف کو کھا گیا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ اگرچہ ہم سچے ہیں مگر آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے' یعنی اگر آپ کو ہم پر اعتبار ہوتا تب بھی آپ ہمارا یقین نہ کرتے اب تو ہم ویسے ہی مشکوک ہیں تو آپ کیسے ہمارا یقین کریں گے؟ آپ کو تو پہلے ہی یہ اندیشہ تھا کہ اسے کہیں بھیڑیا نہ کھا جائے اور ہم نے

(۱) [یوسف: 15-18]

اس کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی تھی' لیکن آپ تب بھی ہم پر اعتبار نہیں کر رہے تھے' لہٰذا ہمیں سچا نہ سمجھنے میں آپ واقعی معذور ہیں۔ پھر اپنے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے بطورِ دلیل یوسف علیہ السلام کا خون آلود کُرتا پیش کر دیا۔ یہ جھوٹا خون تھا کیونکہ انہوں نے بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کا خون یوسف کے کُرتے کو لگا دیا تھا تا کہ یہ معلوم ہو کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے' لیکن انہیں کُرتا پھاڑنے کا خیال ہی نہ آیا۔

جب ان پر شک کی علامات ظاہر ہو گئیں تو باپ کو حقیقت حال سمجھ میں آ گئی۔ آپ کو پہلے ہی علم تھا کہ وہ یوسف علیہ السلام سے حسد کرتے ہیں کیونکہ وہ آپ کو باقی بھائیوں سے زیادہ محبوب تھے اور آپ بچپن میں ان کی عظمت کی نشانیاں بھی دیکھ چکے تھے اور آپ جان چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شرفِ نبوت سے نوازنا چاہتے ہیں۔ بہر حال انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکا اور جھوٹی کہانی بنا کر والد کو سنا دی۔ اسی لیے یعقوب علیہ السلام نے کہا'' بلکہ تم نے اپنے دل سے ہی ایک بات بنا لی ہے' پس صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔''(۱)

اس قصے کے حوالے سے اہل کتاب نے چند غلط باتیں بھی نقل کی ہیں مثلاً یہ کہ روبیل نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکنے کا مشورہ اس لیے دیا تھا کہ جب باقی بھائی چلے جائیں گے تو وہ یوسف کو کنوئیں سے نکال لے گا۔ لیکن بھائیوں نے اسے کسی مسافر قافلے کے ہاتھوں فروخت کر دیا اور روبیل شام کو جب یوسف کو لینے گیا تو یوسف کو نہ پا کر چیخ اٹھا اور اپنے کپڑے پھاڑ لیے۔ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف کے متعلق سنا تو انہوں نے بھی اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور سیاہ لباس پہن کر کئی دن غم میں مبتلا رہے۔ یہ ایسی غلط باتیں ہیں جو اہل کتاب کی طرف سے نقل ہوتی رہتی ہیں۔

یوسف علیہ السلام مصر میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ جَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى ... كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ ''اور ایک قافلہ آیا' انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا' اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا' کہنے لگا واہ واہ خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے' انہوں نے اسے مالِ تجارت قرار دے کر چھپا دیا اور اللہ تعالیٰ اس سے باخبر تھا جو وہ کر رہے تھے۔ اور انہوں نے اسے بہت ہی کم قیمت یعنی چند درہموں کے عوض فروخت کر دیا' وہ تو یوسف کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے۔ مصر والوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے بہت عزت و احترام کے ساتھ رکھو' بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں' یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کا قدم جما دیا کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھا دیں۔ اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔ اور جب وہ

(۱) [یوسف : 18]

(یوسف) اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم دیا' ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔"(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کنوئیں میں پھینکے جانے کے بعد یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا ہوا؟ آپ اللہ کی مدد کا انتظار کر رہے تھے کہ ایک قافلہ آیا۔ قافلے والوں کا سامانِ تجارت پستہ' صنوبر اور بن کا پھل تھا۔ انہوں نے کنوئیں سے پانی لانے کے لیے ایک آدمی بھیجا' اس نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا تو یوسف علیہ السلام بھی اس کے ساتھ لٹک گئے اور یوں باہر آ گئے۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے پکار کر اس کی خوشخبری دی۔ انہوں نے آپ کو بھی اپنے سامانِ تجارت کا ایک حصہ ہی ظاہر کیا' مگر اللہ تعالیٰ آپ کے بھائیوں کی کارستانی اور قافلے والوں کی حقیقت سے بخوبی باخبر تھا' لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے حالات کا رخ نہ بدلا کیونکہ اس میں اللہ کی بہت بڑی حکمت پنہاں تھی۔ اس غلام بچے کی وجہ سے عنقریب اہل مصر پر اللہ کی رحمت نازل ہونے والی تھی' ان کے تمام امورِ حکومت اس کے سپرد ہونے والے تھے اور وہ ان کے لیے دنیا و آخرت کی خیر کا باعث بننے والا تھا۔

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو علم ہوا کہ قافلے والے آپ کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں تو ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے پاس جا پہنچے اور کہا یہ ہمارا غلام ہے' تب قافلے والوں نے آپ کو چند درہموں کے عوض ان سے خرید لیا۔(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے 20 درہموں کا' مجاہدؒ نے 22 درہموں کا اور ابن اسحٰقؒ نے 40 درہموں کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "مصر والوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے بہت عزت و احترام کے ساتھ رکھو' بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔" درحقیقت یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی و رحمت کا اظہار تھا کہ وہ اسے دنیا و آخرت کی خیر سے نوازنا چاہتا ہے۔ مصر میں آپ کو خریدنے والا عزیز مصر یعنی وزیر خزانہ تھا۔ ابن اسحٰقؒ نے اس کا نام اطفیر اور اس کی بیوی کا نام راعیل بیان کیا ہے' بعض نے اس کی بیوی کا نام زلیخا بھی ذکر کیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اس کا لقب ہوگا۔ ابن اسحٰقؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو مصر میں لا کر فروخت کرنے والا مالک بن زعر تھا۔ (واللہ اعلم)

ابن اسحٰقؒ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں میں سے زیادہ فہم و فراست کے مالک تین افراد ہیں۔ ایک عزیز مصر جب اس نے یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی بیوی سے کہا کہ اسے عزت کے ساتھ رکھو' دوسری وہ عورت جس

---

(۱) [یوسف : 19-22]

(۲) [بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ بات درست نہیں بلکہ یہاں قافلے والوں کا یوسف علیہ السلام کو بیچنے کا ذکر ہے اور انہوں نے تائید میں چند مفسرین کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں۔ تفصیل کے لیے اس آیت کی تفسیر میں تفسیر ابن کثیر ملاحظہ فرمایئے۔]

نے اپنے والد کو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا تھا کہ اسے مزدوری پر رکھ لو کیونکہ یہ طاقتور اور امانت دار ہے اور تیسرے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو منصبِ خلافت کے لیے نامزد کیا۔

﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور اس طرح ہم نے (مصر کی) سرزمین میں یوسف کا قدم جما دیا۔'' یعنی جیسے ہم نے یوسف علیہ السلام کی دیکھ بھال کے لیے عزیزِ مصر اور اس کی بیوی کو مقرر فرما دیا اسی طرح ہم نے انہیں مصر میں ٹھکانہ عطا کر دیا اور آپ کو معاملہ فہمی اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا۔ ''اور اللہ اپنے معاملے پر غالب ہے'' یعنی جب وہ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے اس کے لیے ایسے اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے جنہیں لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لیے فرمایا ''لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

''اور جب وہ اپنی پختہ عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں علم و حکمت عطا کیا۔'' معلوم ہوا کہ سابقہ تمام واقعات اس پختہ عمر سے پہلے پیش آئے اور یہ عمر 40 برس ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو اسی عمر میں شرفِ نبوت سے نوازتے ہیں۔ پختہ عمر کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں مثلاً 18 سال' 20 سال' 30 سال' 33 سال اور 40 سال وغیرہ۔ آخری قول کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے کہ ﴿ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ﴾ ''حتیٰ کہ جب وہ اپنی پختہ عمر چالیس سال کو پہنچا۔''(۱)

عزیزِ مصر کی بیوی اور یوسف علیہ السلام

جب یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ بے حد حسین و جمیل تھے۔ عزیزِ مصر کی بیوی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی اور آپ کو برائی کے لیے بہکانے لگی۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے ﴿ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ ... مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴾ ''اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھے' یوسف کو بہلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کہنے لگی لو آ جاؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے' اس نے مجھے بہت اچھی طرح رکھا ہے' بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔ اس عورت نے ان کا قصد کیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے' یوں اس لیے کیا گیا کہ ہم ان سے بے حیائی اور برائی کو روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔ دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے پکڑ کر پھاڑ ڈالا اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا' تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا کوئی دوسری دردناک سزا دی جائے۔ یوسف نے کہا یہ

(۱) [الأحقاف : 15]

عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی اور عورت کے ہی قبیلے کے ایک شخص نے گواہی دی کہ اگر اس کا کُرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے۔ اور اگر اس کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے۔ خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف کا کُرتا پیٹھ کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم عورتوں کی چال بازی ہے' بے شک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے۔ یوسف! تم اس بات کا خیال چھوڑ دو اور (اے عورت!) تو اپنے گناہ سے توبہ کر' یقیناً تو گناہگار رہے۔"(۱)

یہاں اللہ تعالیٰ یہ ذکر فرما رہے ہیں کہ عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو اس برے کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جوان کی شان کے لائق نہ تھا۔ وہ مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ بھرپور جوان اور نہایت حسین وجمیل عورت تھی۔ اس نے آپ کو اکیلے دیکھا تو بناؤ سنگھار کر کے شوخ لباس پہن کر آپ کو برائی کی دعوت دی' یہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ وہ کوئی عام عورت نہیں بلکہ عزیز مصر کی بیوی تھی اور ابن اسحٰق ؒ کے بیان کے مطابق مصر کے بادشاہ ریان بن ولید کی بیٹی تھی۔ دوسری طرف یوسف علیہ السلام بھی جوان ہونے کے ساتھ ساتھ حسن و جمال کا پیکر تھے لیکن چونکہ وہ نبی تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں برائی سے بچا لیا۔ یوں یوسف علیہ السلام کا شمار ان سات خوش نصیب افراد میں ہوتا ہے جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن اپنے سائے میں سے سایہ عطا فرمائیں گے جس دن اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

وہ سات آدمی یہ ہیں: عادل حکمران۔ جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رو پڑا۔ جس کا دل مسجد سے باہر جانے کے بعد مسجد کے ساتھ ہی معلق رہتا ہے حتیٰ کہ وہ واپس آ جائے۔ ایسے دو آدمی جو اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں' اللہ کے لیے ہی ملتے ہیں اور اللہ کے لیے ہی جدا ہوتے ہیں۔ اس قدر چھپا کر صدقہ کرنے والا کہ بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔ وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں پرورش پائی۔ جسے کوئی صاحبِ حیثیت' حسین وجمیل عورت (برائی کی) دعوت دے اور وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔(۲)

بہرحال اس عورت نے آپ کو برائی کی دعوت دی اور آپ کو اس پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن آپ نے فرمایا "اللہ کی پناہ! وہ میرا مالک ہے۔" یعنی تیرا خاوند اور میرا آقا ہے۔ "اس نے مجھے بہت اچھی طرح رکھا ہے" یعنی مجھے عزت واحترام عطا فرمایا ہے۔ "یقیناً بے انصاف لوگ فلاح نہیں پاتے۔"

---

(۱) [یوسف: 23-29]

(۲) [بخاری (660) کتاب الأذان: باب من جلس فی المسجد' مسلم (1031) کتاب الزکاة: باب فضل اخفاء الصدقة' نسائی (5380) کتاب آداب القضاة: باب الامام العادل' ترمذی (2391) کتاب الزهد: باب ما جاء فی الحب فی الله]

اللہ کے اس فرمان ﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ... ﴾ کی وضاحت ہم نے بالتفصیل اپنی تفسیر میں کر دی ہے۔ اس ضمن میں اکثر اقوال اہل کتاب سے ماخوذ ہیں' جن کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ البتہ ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی یوسف علیہ السلام کو بے حیائی سے محفوظ رکھا۔ اسی لیے ارشاد ہے کہ ''یوں اس لیے کیا گیا کہ ہم ان سے بے حیائی اور برائی کو روک دیں' بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔''

''دونوں دروازے کی طرف دوڑے'' یعنی اپنی آبرو بچانے کے لیے یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بھاگے تا کہ باہر نکل جائیں اور وہ عورت آپ کو پکڑنے کے لیے پیچھے بھاگی۔ ''دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا'' وہ آپ علیہ السلام سے پہلے ہی بولنا شروع ہو گئی اور اپنے شوہر کو آپ کے خلاف بھڑکانے کے لیے بولی ''جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا کوئی دوسری دردناک سزا دی جائے۔'' اس نے یوسف علیہ السلام پر الزام لگا دیا اور خود کو بری ظاہر کیا حالانکہ گناہگار وہ خود تھی۔ یوسف علیہ السلام نے کہا ''یہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی۔''

''عورت کے ہی قبیلے کے ایک شخص نے گواہی دی'' کہ یوسف بے گناہ ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ گواہ چھوٹا بچہ تھا جو ابھی گہوارے میں تھا۔[1] ایک قول کے مطابق وہ اس عورت کے خاوند کا رشتہ دار تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ عورت کا رشتہ دار تھا۔ اس نے کہا کہ ''اگر اس کا کُرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے۔'' کیونکہ یوسف علیہ السلام نے اسے بہکانے کی کوشش ہو اور اس نے اپنا دفاع کرنے کی غرض سے سامنے سے اس کی قمیص پھاڑ دی ہو۔ ''اور اگر اس کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے۔'' کیونکہ یہ ممکن ہے کہ یوسف بچنے کے لیے بھاگا ہو اور اس نے پیچھے سے قمیص پکڑ کر پھاڑ دی ہو۔ جب خاوند نے دیکھا کہ کُرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو صاف طور پر کہہ دیا ''یہ تو تم عورتوں کی چال بازی ہے' بے شک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے۔'' یعنی یہ صرف تمہاری ایک چال ہے' تم نے خود ہی اسے بہکایا اور پھر خود ہی اس پر الزام لگا دیا۔

اس کے بعد اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا ''تم اس بات کا خیال چھوڑ دو'' یعنی اسے نظر انداز کرو اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا کیونکہ ایسی باتیں چھپانا ہی بہتر ہے اور اپنی بیوی سے توبہ واستغفار کرنے کا کہا کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگرچہ مصر کے لوگ بت پرست تھے لیکن انہیں یہ علم تھا کہ گناہوں کو معاف کرنے والا صرف اکیلا اللہ ہی ہے' جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے عزیز مصر نے اپنی

---

(۱) [ایسی تمام روایات کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ یوسف علیہ السلام کا گواہ ایک بچہ تھا اور اس نے معجزانہ طور پر کلام کیا تھا۔ [السلسلة الضعيفة (880)' (272/2)]]

بیوی سے یہ بات کہی اور اسے ایک حد تک معذور سمجھا کیونکہ اس نے ایک ایسے حسین شخص کو دیکھا تھا جسے دیکھ کر وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔ لیکن یوسف علیہ السلام پاکدامن تھے' آپ نے اپنی عزت کو محفوظ رکھا۔ اس لیے اس کے شوہر نے صرف یہی کہا کہ ''اپنے گناہ کی معافی مانگ' بلاشبہ تو ہی گناہگار ہے۔''

عزیز مصر کی بیوی کے گھر میں خواتینِ مصر کی دعوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَةُ ... السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ ''اور شہر کی عورتوں میں چرچا ہونے لگا کہ عزیز کی بیوی اپنے (جوان) غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لیے بہلانے پھسلانے میں لگی رہتی ہے' اس کے دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے' ہمارے خیال میں تو وہ صریح گمراہی میں ہے۔ اس نے جب ان کی اس پرفریب غیبت کا حال سنا تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لیے ایک مجلس مرتب کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا اے یوسف! ان کے سامنے چلے آؤ' ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور زبان سے نکل گیا کہ حاشا للہ! یہ انسان تو ہرگز نہیں' یہ تو یقیناً کوئی بہت بزرگ فرشتہ ہے۔ اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا' یہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں' میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بے شک یہ بہت ہی بے عزت ہو گا۔ یوسف (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے' اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں میں جا ملوں گا۔ سو پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان سے ان عورتوں کے مکر پھیر دیئے' یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سرداروں اور درباریوں کی عورتوں اور بیٹیوں کا ذکر فرمایا ہے' جنہوں نے عزیز مصر کی بیوی کو اس لیے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا کہ اس نے ایک غلام کو اپنے ساتھ برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی حالانکہ یہ اس کے لائق نہ تھا۔ اسی لیے انہوں نے کہا ''ہمارے خیال میں یقیناً وہ کھلی گمراہی میں ہے'' کیونکہ اس نے اپنے جذبات محبت صحیح راہ سے ہٹا کر غلط مقام پر رکھ دیئے ہیں۔

جب عزیز مصر کی بیوی نے عورتوں کی یہ چہ میگوئیاں سنیں تو انہیں یہ دکھانے کے لیے کہ یہ کوئی عام گھروں کے غلاموں کی طرح کا غلام نہیں' ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ اس نے دسترخوان پر کچھ ایسی چیزیں بھی رکھ دیں جن

---

(۱) [یوسف : 30-34]

کے لیے چھریاں استعمال ہوتی تھیں اور ہر ایک کو ایک چھری پکڑا دی۔ دوسری طرف اس نے یوسف علیہ السلام کو اچھی طرح بنا سنوار کر تیار کر رکھا تھا' مزید برآں وہ بھرپور جوان اور انتہا درجے کے حسین بھی تھے۔ اس نے آپ کو عورتوں کے سامنے آنے کا حکم دیا' جب وہ باہر آئے تو چودھویں کے چاند سے زیادہ خوبصورت چہرے والے تھے' وہ عورتیں آپ کو دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ کیا کوئی انسان بھی اس قدر خوبصورت ہو سکتا ہے؟ وہ آپ کے حسن سے بہت مرعوب ہوئیں حتی کہ انہوں نے بے اختیار چھریوں سے اپنے ہاتھ ہی کاٹ ڈالے اور انہیں احساس تک نہ ہوا اور وہ پکار اٹھیں ''اللہ کی پناہ' یہ کوئی انسان نہیں بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے۔''

واقعہ معراج کے سلسلے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' میں یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ انہیں تو نصف حسن عطا کیا گیا ہے۔''(۱) امام سہیلی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کا کہنا ہے کہ انہیں آدم علیہ السلام سے نصف حسن دیا گیا تھا' اس لیے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی روح پھونکی تھی۔ لہٰذا انسانی حسن میں آپ اعلیٰ ترین درجے پر تھے۔ یوسف علیہ السلام کو آدم علیہ السلام سے نصف حسن عطا ہوا تھا اور ان دونوں کے درمیان ایسا کوئی انسان پیدا نہیں ہوا تھا جو ان جیسا حسین ہو۔ اسی طرح حواء علیہا السلام کے بعد کوئی ایسی عورت پیدا نہیں ہوئی جو ابراہیم کی زوجہ سارہ علیہا السلام سے زیادہ خوبصورت ہو۔

جب عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کا یہ حال دیکھا تو کہا'' یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے طعن و تشنیع کر رہی تھیں'' اور پھر یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی یوں بیان کی کہ'' میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بے شک یہ بہت ہی بے عزت ہو گا۔'' ان تمام عورتوں نے آپ کو اپنی مالکہ کی بات مان لینے کا کہا لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا' کیونکہ آپ انبیاء کی نسل سے تھے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ'' اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے' اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں میں جا ملوں گا۔'' یعنی اگر تو نے مجھے میرے ہی سپرد کر دیا تو میں تو کمزور اور عاجز ہوں اور اپنے لیے کسی نفع نقصان کا بھی مالک نہیں الا کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ میں یقیناً کمزور ہوں الا کہ تو مجھے قوت دے اور میری حفاظت فرمائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اس سے ان عورتوں کے مکر پھیر دیئے' یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

(۱) [مسلم (162) كتاب الايمان : باب الاسراء برسول الله الى السموات وفرض الصلوات' مسند احمد (12047) ابن أبي شيبة (452/3) السلسلة الصحيحة (1481) المشكاة (5863)]

یوسف علیہ السلام قید میں

عزیز مصر کی بیوی نے اپنا عیب چھپانے اور لوگوں کو یہ بات بھلانے کی غرض سے یوسف علیہ السلام کو قید کر دیا' لیکن یہ قید آپ کے لیے باعث برکت ثابت ہوئی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ ... تَسْتَفْتِيٰنِ ﴾ ''پھران تمام نشانیوں کے دیکھ لینے کے باوجود بھی انہیں یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لیے قید خانہ میں رکھیں۔اس کے ساتھ دو اور جوان بھی قید خانے میں داخل ہوئے' ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں' آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے' ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔یوسف نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا' یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے' میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں' یعنی ابراہیم و اسحٰق اور یعقوب کے دین کا' ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں' ہم پر اور تمام اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے' لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقتور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی' فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے' اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو' یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔اے میرے قید خانے کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا' لیکن دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے' دونوں جس کام کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ عزیز مصر اور اس کی بیوی کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں' لیکن انہوں نے محض معاملے کو دبانے اور لوگوں کو آپ کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے (کہ اس نے بھی کچھ کیا ہی ہوگا) آپ کو قید کر دیا۔یقیناً یہ ان کی زیادتی تھی لیکن اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پنہاں تھی کہ یوں آپ ان بدکردار عورتوں کی فریب کاری سے محفوظ ہو گئے۔

(۱) [یوسف : 34-41]

جب آپ کو قید کیا گیا تو آپ کے ساتھ دو اور آدمی میں قید خانے میں ڈالے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی ''بنوا'' اور دوسرا باورچی ''مجلث'' تھا۔ بادشاہ نے محض کسی شک کی بنا پر انہیں قید کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ بہت اچھے اخلاق و کردار کے مالک' ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف اور لوگوں کے لیے بہت شفیق و رحم دل ہیں تو آپ سے بہت متاثر ہوئے۔ دونوں نے اپنے اپنے کام سے متعلقہ خواب دیکھا۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ دونوں نے ایک ہی رات خواب دیکھا۔ ساقی نے خواب میں یہ دیکھا کہ اس نے انگوروں کے پکے ہوئے گچھے توڑے' انہیں پیالے میں نچوڑا اور وہ مشروب بادشاہ کو پیش کر دیا۔ باورچی نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کی تین ٹوکریاں ہیں اور سب سے اوپر والی ٹوکری سے پرندے کھا رہے ہیں۔

دونوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنا اپنا خواب سنایا اور تعبیر دریافت کی اور کہا ''ہمیں آپ خوبیوں والے شخص معلوم ہوتے ہیں۔'' آپ نے ان سے کہا کہ مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم ہے اور تمہارے پاس کھانا آنے سے پہلے میں تمہیں ان کی تعبیر بتا بھی دوں گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے کہا' تمہارے خوابوں کی تعبیر کے وقوع سے پہلے میں تمہیں ان کی تعبیر سے مطلع کر دوں گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے کہا' تمہارے پاس کھانا آنے سے پہلے میں تمہیں اس کی کیفیت بتا سکتا ہوں کہ وہ میٹھا ہے یا کھٹا۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا﴿ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ﴾ ''میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو ذخیرہ کرتے ہو۔''(۱)

آپ نے موقع غنیمت جانتے ہوئے فوراً انہیں دعوتِ توحید دینی شروع کر دی۔ فرمایا کہ یہ تعبیر کا علم مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کی توحید کا اقرار کرتا ہوں اور یہی میرے آباؤ اجداد یعنی ابراہیم' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا دین ہے' میں بھی اسی کا متبع ہوں۔ ہم سب کو چاہیے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ یہ خاص اللہ کا ہی فضل ہے کہ ہم خود بھی اسی راستے پر قائم ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے رہے ہیں' تاہم اکثر لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ پھر آپ نے ان کے سامنے بتوں کی عاجزی و حقارت ظاہر کی اور ان سے پوچھا کہ ذرا بتاؤ تو سہی زیادہ رب اچھے ہیں یا ایک ہی اللہ ذوالجلال۔ اسے چھوڑ کر تم جن کو بھی پکارتے ہو وہ تو محض ایسے نام ہیں جنہیں خود تم نے یا تمہارے بڑوں نے گھڑ لیا ہے' اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

''فیصلے کا اختیار صرف اللہ کو ہی ہے'' یعنی صرف وہی ہے جو جس کام کا ارادہ کرتا ہے اسے کر گزرتا ہے' جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس کا حکم یہی ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' یہی سیدھا راستہ ہے۔ لیکن اس راستے کے صاف اور واضح ہونے کے باوجود اکثریت کو اس کی راہ

---

(۱) [آل عمران : 49]

پانے کی توفیق نصیب نہیں۔ چونکہ وہ دونوں یوسف علیہ السلام کی ہر بات ماننے کو تیار تھے اس لیے آپ نے انہیں وہ دعوت دی جوان کی پوچھی ہوئی بات سے زیادہ مفید اور اہم تھی۔

تبلیغ کا فرض پورا کرنے کے بعد آپ نے انہیں ان کے خوابوں کی تعبیر بتائی اور کہا' تم میں سے ایک بادشاہ کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر نوچیں گے۔ علماء نے کہا ہے کہ پہلے سے مراد ساقی اور دوسرے سے مراد باورچی ہے۔ آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ ''تم جس کے متعلق پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے'' یعنی اب ایسا ہو کر رہے گا۔ اسی لیے ایک حدیث میں ہے کہ ''خواب کی جب تک تعبیر نہ کی جائے وہ پرندے کے پاؤں پر ہے (یعنی اس کے وقوع اور عدمِ وقوع دونوں کا امکان ہے) لیکن جب اس کی تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ ... بِضْعَ سِنِيْنَ ﴾ ''اور جس کے متعلق یوسف کا گمان تھا کہ دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا' پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف نے کئی سال قید خانے میں ہی کاٹے۔''(۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس سے کہا' جو آپ کے گمان کے مطابق نجات پا کر بادشاہ کا ساقی بننے والا تھا' کہ ''اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کرنا۔'' یعنی اسے میرے بغیر کسی جرم کے قید ہونے کے متعلق بتانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب اختیار کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں۔ ''پھر شیطان نے اسے بادشاہ کے پاس ذکر کرنا بھلا دیا'' یعنی قید سے چھوٹنے والے کو شیطان نے وہ بات بھلا دی جس کی تاکید اسے یوسف علیہ السلام نے کی تھی۔ مجاہدؒ، ابن اسحٰقؒ اور دیگر متعدد اہل علم نے یہی مفہوم بیان کیا ہے اور یہی درست ہے' نیز اہل کتاب کے ہاں بھی یہی مکتوب ہے اور جنہوں نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ شیطان نے یوسف علیہ السلام کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا' ان کی بات درست نہیں۔ ''چنانچہ اس نے قید خانے میں ہی کئی سال کاٹے۔'' لفظ بضع تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ ... وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴾ ''بادشاہ نے کہا' میں

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (3535) السلسلة الصحیحة (120) ابو داود (5020) کتاب الأدب : باب ما جاء فی الرؤیا ' ابن ماجه (3914) کتاب تعبیر الرؤیا : باب الرؤیا اذا عبرت وقعت]

(۲) [یوسف : 42]

نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی فربہ گائیں ہیں جنہیں سات لاغر دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہری ہری ہیں اور دوسری سات بالیاں خشک ہیں' اے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو پراگندہ خواب ہیں اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر کا علم نہیں۔ ان دو قیدیوں میں سے جو چھوٹ گیا تھا اسے ایک مدت بعد یاد آ گیا اور کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔ اے یوسف! اے بہت سچے یوسف! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بالکل خشک ہیں' تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ سب جان لیں۔ یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے لگا تار حسب عادت غلہ بویا کرنا اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا' سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے۔ اس کے بعد سات سال نہایت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے' جو تم نے ان کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا' سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم روک رکھتے ہو۔ اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس میں وہ (شیرۂ انگور بھی) خوب نچوڑیں گے۔''(۱)

یہ بھی ان اسباب میں سے ایک سبب تھا جس کی بنا پر یوسف علیہ السلام کو نہایت اعزاز کے ساتھ قید سے رہا کیا گیا۔ اس طرح ہوا کہ مصر کے بادشاہ کو ایک خواب آیا۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ اس نے خواب میں خود کو دریا کے کنارے پایا اور دیکھا کہ وہاں سات موٹی گائیں چر رہی ہیں' پھر سات دبلی گائیں آئیں اور ان کے ساتھ چرنے لگیں اور پھر وہ دبلی گائیں موٹی گائیوں کو کھانے لگیں۔ بادشاہ خوفزدہ ہو کر بیدار ہو گیا۔ وہ دوبارہ سویا تو اس نے دیکھا گندم کے ایک پودے میں سات سرسبز بالیاں ہیں جنہیں سات خشک بالیوں نے کھا لیا' وہ پھر گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ اس نے اس کی تعبیر درباریوں سے پوچھی تو کسی کو اس کا علم نہ تھا بلکہ انہوں نے جان چھڑانے کے لیے کہا ''یہ تو پراگندہ خواب ہیں۔'' اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت مخفی تھی کہ جب بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتانے سے سب عاجز آ گئے تو قید سے چھوٹنے والے کو یوسف علیہ السلام یاد آ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ''دونوں قیدیوں میں سے جس نے نجات پائی تھی اسے ایک مدت کے بعد یاد آ گیا۔'' یعنی کئی سال بعد اسے یاد آیا تو اس نے بادشاہ سے کہا ''مجھے جانے کی اجازت دیجئے میں آپ کو اس کی تعبیر بتاؤں گا۔'' یعنی مجھے یوسف کے پاس جانے کی اجازت دیجئے۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا' ''اے یوسف! اے بہت سچے یوسف! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں

---

(۱) [یوسف: 43-49]

سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بالکل خشک ہیں' تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ سب جان لیں۔"

یوسف علیہ السلام نے نہ تو کوئی شرط عائد کی اور نہ ہی کچھ تاخیر کی بلکہ فوراً اسے خواب کی تعبیر بتلا دی کہ سات سال خوب پیداوار ہوگی اور پھر سات سال قحط ہوگا اور پھر اس کے بعد وہ سال آئے گا جس میں بارش ہوگی اور لوگ انگور' زیتون' تل' گنے اور دیگر پھلوں کا رس نکالیں گے۔ آپ نے اسے سخت حالات سے نبٹنے کے لیے تدبیر بھی بتائی کہ خوشحالی کے سات سالوں میں کھانے کی ضرورت کے غلے کے سوا باقی غلے کو بالیوں میں ہی رہنے دینا اور قحط سالی کے زمانے میں کم بیج ڈالنا کیونکہ ان سالوں میں پیداوار بہت کم ہوگی۔ اس سے آپ کے کمال علم وفہم کا ثبوت ملتا ہے۔

یوسف بے گناہ ثابت ہو گئے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ... إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ "بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ' جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا' اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ ان کے حیلے کو جاننے والا میرا پروردگار ہی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا اے عورتو! اس وقت کا صحیح واقعہ کیا ہے جب تم داؤ فریب کر کے یوسف کو اس کی دلی منشا سے بہکانا چاہتی تھیں' انہوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ! ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں پائی' پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو سچی بات ظاہر ہو ہی گئی ہے' میں نے ہی اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بلاشبہ سچا ہے۔ (یوسف علیہ السلام نے کہا) یہ اس لیے (پوچھا کہ عزیز) جان لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور یہ بھی کہ اللہ دغابازوں کے ہتھکنڈے چلنے نہیں دیتا۔ میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔ بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے' مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے' یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔"(۱)

جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام کی فہم وفراست' عقل ودانش اور اصابت رائے کا یقین ہو گیا تو اس نے آپ کو اپنے دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا تا کہ آپ اس کے قریبی ساتھی بن جائیں۔ جب قاصد آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے چاہا کہ آپ کی بے گناہی سب کے سامنے ظاہر ہو جائے اور سب کو علم ہو جائے کہ آپ کو ظلماً قید خانے میں ڈالا گیا تھا' تو آپ نے اس سے کہا اپنے بادشاہ کے پاس جا کر ذرا ان عورتوں کے متعلق پوچھو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے یقیناً میرے رب کو ان کے مکر کا خوب علم ہے۔ ﴿ رَبِّي ﴾ "میرے رب اور میرے آقا" سے ایک قول کے مطابق عزیز

(۱) [یوسف : 50-53]

مراد ہے۔ یعنی عزیز کو تو میری بے گناہی کا علم ہے اب بادشاہ کو کہو کہ ان عورتوں سے بھی پوچھے کہ جب انہوں نے مجھے بہکایا اور میں نے انکار کر دیا تھا۔ جب بادشاہ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے اعتراف کر لیا کہ یوسف بے گناہ ہے اور کہا ''اللہ کی پناہ! ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔''

یہ دیکھ کر عزیز مصر کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو حقیقت واضح ہو ہی چکی ہے تو (اصل واقعہ یہ ہے کہ) میں نے ہی یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور بلاشبہ وہ سچا ہے۔ یعنی وہ سچ کہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے' اس نے مجھے برائی پر آمادہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو محض ظلم و زیادتی کی بنا پر قید خانے میں ڈالا گیا تھا۔ اس آیت ﴿ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ ... الْخَائِنِينَ ﴾ کو بعض اہل علم نے یوسف علیہ السلام کا کلام قرار دیا ہے' اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے اس لیے یہ تحقیق کرائی ہے تاکہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کی خیانت نہیں کی تھی۔ کچھ علماء اسے عزیز مصر کی بیوی کا کلام کہتے ہیں' یعنی میں نے یہ اعتراف اس لیے کیا ہے تاکہ میرے شوہر کو علم ہو جائے کہ میں نے عملی طور پر اس کی کوئی خیانت نہیں کی بلکہ صرف اسے مائل کرنے کی کوشش ہی کی تھی۔ اکثر متاخر علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے لیکن ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے پہلا قول ہی نقل فرمایا ہے۔

''میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔ بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے' مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے' یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔'' اس کلام کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ یہ یوسف علیہ السلام کا ہے یا عزیز مصر کی بیوی کا۔ زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی عزیز مصر کی بیوی کا ہی کلام ہے۔ (واللہ اعلم)

یوسف علیہ السلام وزارتِ خزانہ کے منصب پر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ... وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴾ ''بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کر لوں' پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں معزز اور امانت دار ہیں۔ (یوسف علیہ السلام نے) کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر فرما دیجئے' میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔ اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک کا قبضہ دے دیا کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے' ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں' ہم نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔ یقیناً ایمانداروں اور پرہیزگاروں کا اُخروی اجر بہت ہی بہتر ہے۔''(۱)

(۱) [یوسف : 54-57]

جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا یقین ہو گیا تو اس نے کہا "اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کرنا چاہتا ہوں۔" پھر جب اس نے آپ سے بات چیت کی اور آپ کے فضل وکمال کا مشاہدہ کیا تو کہا "آپ آج سے ہمارے ہاں معزز اور امانت دار ہیں۔" اس پر یوسف علیہ السلام نے کہا "مجھے خزانوں پر مقرر کر دیجئے یقیناً میں حفاظت کرنے والا اور علم والا ہوں۔" یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے غلہ کے گوداموں کی سرکاری ذمہ داری طلب فرمائی کیونکہ خوشحالی کے سات سال گزرنے کے بعد خوراک کے نظام میں خرابی کا امکان تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ معاشی تنگی کے ایام میں لوگوں کے لیے بہتر پالیسی اختیار کریں اور ان پر نرمی وشفقت کریں تا کہ اللہ راضی ہو جائے۔ آپ نے بادشاہ کو آگاہ کیا کہ میں خزانوں کی حفاظت کرنے کا اہل ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان میں امانت ودیانت اور ذمہ داری پوری کرنے کی اہلیت ہو تو وہ امارت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ بادشاہ نے آپ کی بہت عزت کی اور آپ کو پورے مصر کا حاکم بنا دیا۔ اس نے آپ کو شاہی انگوٹھی، ریشمی لباس اور سونے کا ہار پہنایا اور آپ کو اپنی دوسری سواری پر سوار کرا کے آپ کے آگے اعلان کرایا کہ آپ بادشاہ ہیں، آج سے حکومت کی ساری ذمہ داری آپ پر ہے اور میں صرف کرسی پر آپ سے بزرگ تر ہوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک کا قبضہ دے دیا کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ قید کی تنگ زندگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی خوشحالی وفراخی عطا فرمائی کہ اب آپ پورے مصر میں جہاں کہیں چاہتے رہ سکتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں، ہم نیکوکاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔" یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اپنے بندوں پر احسان فرما کر انعام واکرام سے نوازتا ہے اور آخرت میں بھی بہت سی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اسی لیے فرمایا "یقیناً ایمان داروں اور پرہیزگاروں کا اُخروی اجر بہت ہی بہتر ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ عزیز مصر فوت ہو گیا تو بادشاہ نے اس کا عہدہ یوسف علیہ السلام کو دے دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصر کے بادشاہ ریان بن ولید نے یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ (واللہ اعلم)

مصر میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی آمد

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَ جَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ ... لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ "یوسف کے بھائی آئے اور یوسف کے پاس گئے تو اس نے انہیں پہچان لیا لیکن انہوں نے اسے نہ پہچانا۔ جب انہیں ان کا اسباب مہیا کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ

کر دیتا ہوں اور میں بہترین میزبانی کرنے والا ہوں۔ اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ناپ بھی نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ انہوں نے کہا' اچھا ہم اس کے باپ کو اس کی بابت پھسلائیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔ اپنے خادموں سے کہا کہ ان کی پونجی انہی کی بوریوں میں رکھ دو کہ جب لوٹ کر اپنے اہل و عیال میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔"(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ غلہ لینے مصر آئے۔ اس وقت قحط سالی کا دور تھا اور تمام علاقے قحط میں مبتلا تھے۔ مصر پر اس وقت یوسف علیہ السلام حاکم بن چکے تھے۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں پہچان لیا لیکن انہوں نے نہ پہچانا' کیونکہ وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ اس مقام پر فائز ہو جائیں گے۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ کو سجدہ کیا' آپ انہیں پہچان گئے اور ارادہ کیا کہ وہ آپ کو نہ پہچانیں' اس لیے سخت لہجے میں ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم جاسوس ہو اور ہمارے علاقے کی معلومات حاصل کرنے آئے ہو۔ انہوں نے کہا' معاذ اللہ! ہم تو قحط کی وجہ سے صرف اناج لینے آئے ہیں' ہم کنعان کے رہائشی ہیں اور ایک ہی باپ کے 12 بیٹے ہیں' ہمارا ایک بھائی گم ہو گیا ہے اور ایک ہمارے باپ کے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا 'میں تمہارے معاملے کی تحقیق کروں گا اور انہیں تین دن تک اپنے پاس رکھا' پھر شمعون کو اپنے پاس رکھ لیا تاکہ باقی بھائی جائیں اور دوسرے بھائی کو اپنے ساتھ لے کر آئیں۔ واضح رہے کہ اہل کتاب کی کچھ باتیں غلط بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ "جب انہیں ان کا اسباب مہیا کر دیا۔" یعنی حسب عادت ہر ایک کو ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ دے دیا۔ "تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے۔" یہ آپ نے اس لیے کہا کیونکہ آپ نے ان سے دریافت کر لیا تھا کہ وہ کتنے بھائی ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا' ہم 12 بھائی ہیں' ایک گم ہو گیا ہے اور ایک ہمارے باپ کے پاس ہے' تو آپ نے انہیں کہا' آئندہ سال غلہ لینے آؤ تو اسے بھی ساتھ لے آنا۔ پھر کہا "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین میزبانی کرنے والا ہوں۔" یعنی میں نے تمہاری کتنی عمدہ مہمان نوازی کی ہے۔ آپ نے یہ محض انہیں ترغیب دلانے کے لیے کہا تاکہ وہ آئندہ سال اپنے بھائی کو بھی لے آئیں۔

ترغیب کے ساتھ ساتھ آپ نے انہیں دھمکایا بھی کہ "اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ناپ بھی نہیں ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔" یعنی اگر تم اسے نہ لائے تو نہ میں تمہیں غلہ دوں گا اور

---

(۱) [یوسف: 58-62]

نہ ہی تمہاری مہمان نوازی کروں گا۔ یوں آپ نے ترغیب اور ترہیب دونوں طرح سے یہ پوری کوشش کی کہ وہ ''بنیامین'' کو اپنے ساتھ لے آئیں تا کہ آپ اپنے بھائی سے ملاقات کر سکیں۔ انہوں نے جواب میں کہا ''اچھا ہم اس کے باپ کو اس کی بابت پھسلائیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔'' یعنی ہم اسے ضرور اپنے ساتھ لائیں گے۔ پھر آپ نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ وہ غلہ خریدنے کے لیے جو مال لائے ہیں اسے خفیہ طور پر ان کے سامان میں ہی رکھ دیا جائے۔ ''تا کہ جب لوٹ کر اپنے اہل وعیال میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔'' رقم واپس کرنے کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ واپس پہنچنے کے بعد جب وہ رقم اپنے سامان میں پائیں تو اسے واپس کرنے ضرور آئیں گے۔ دوسری یہ کہ آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ ممکن ہے آئندہ سال ان کے پاس اتنی رقم ہی نہ ہو جس کے بدلے وہ غلہ لینے آسکیں اور تیسری وجہ یہ کہ آپ نے ان سے غلہ کی قیمت وصول کرنا مناسب ہی نہ سمجھا۔

وہ رقم یا مال کس صورت میں تھا اس میں اختلاف ہے' اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ چاندی کے ٹکڑے تھے' یہی رائے زیادہ مناسب ہے۔ (واللہ اعلم)

بنیامین بھی مصر میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا ... وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''جب وہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ ہم سے تو غلہ کا ناپ روک لیا گیا۔ اب آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے تا کہ ہم پھر غلہ لائیں ہم اس کی نگہبانی کے ذمہ دار ہیں۔ (یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ مجھے تو اس کے بارے میں تمہارا ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا' لہٰذا سب سے بہتر نگہبان اللہ ہی ہے اور وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا سرمایہ انہیں واپس کر دیا گیا ہے تو کہنے لگے اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے۔ دیکھئے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس کر دیا گیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کو رسد لا دیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لائیں گے۔ یہ ناپ تو بہت آسان ہے۔ (یعقوب علیہ السلام نے) کہا' میں تو اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک مجھے اللہ کا عہد نہ دو کہ اسے میرے پاس (صحیح سلامت) لے کر آؤ گے۔ سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ۔ جب انہوں نے عہد دے دیا تو یعقوب نے کہا کہ ہم جو عہد کر رہے ہیں اس کا اللہ ہی ضامن ہے۔ اور یہ نصیحت کی کہ اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے مت جانا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا' میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے نہیں ٹال سکتا' حکم تو صرف اللہ کا ہی چلتا ہے' میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا

چاہیے۔ جب وہ انہی راستوں سے جن کا حکم ان کے والد نے انہیں دیا تھا' داخل ہوئے تو یہ تدبیر کچھ بھی اللہ کے حکم کو ٹالنے والی نہ تھی' البتہ یعقوب (علیہ السلام) کی ایک خواہش تھی جس کی انہوں نے تکمیل کردی اور بلاشبہ وہ علم والے تھے کیونکہ ہم نے انہیں علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ حالات ذکر فرمائے ہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے واپس اپنے والد کے پاس جانے پر پیش آئے۔ انہوں نے اپنے والد سے کہا ''ہم سے تو (غلے کا) ماپ روک لیا گیا۔'' یعنی غلہ ملنے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھی بھیج دیں' اگر نہیں بھیجیں گے تو غلہ نہیں ملے گا۔'' جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا سرمایہ انہیں واپس کردیا گیا ہے تو کہنے لگے اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے' یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس کردیا گیا ہے۔'' اس لیے ''ہم اپنے خاندان کو رسد لا دیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لائیں گے۔ یہ ناپ تو بہت آسان ہے۔''

یعقوب علیہ السلام کی شدید خواہش تھی کہ بنیامین کو اپنے پاس ہی رکھیں کیونکہ اس میں انہیں یوسف علیہ السلام کی خوشبو آتی تھی اور انہیں یہ تسلی ہوتی تھی کہ یوسف علیہ السلام کا دوسرا بھائی ان کے پاس ہی ہے۔ اسی لیے انہوں نے فرمایا ''میں تو اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک مجھے اللہ کا عہد نہ دو کہ اسے میرے پاس (صحیح سلامت) لے کر آؤ گے۔ سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کرلیے جاؤ۔'' یعنی ایسے حالات بن جائیں کہ تم مجبوراً بنیامین کو واپس نہ لا سکو تو پھر تم بے گناہ ہوگے۔ جب تمام بھائیوں نے اپنے والد سے یہ عہد کرلیا تو انہوں نے کہا ''ہم جو عہد کررہے ہیں اس کا اللہ ہی ضامن ہے۔''

یعقوب علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد لے لیا اور اپنے بیٹے کے بارے میں کامل طور پر محتاط رویہ اپنایا لیکن احتیاط تقدیر کو نہیں بدل سکتی اور اگر اس وقت انہیں قحط کی وجہ سے غلے کی شدید ضرورت نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی بنیامین کو ان کے ساتھ نہ بھیجتے' لیکن اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی یہ فیصلہ فرما چکے تھے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے یقیناً وہی کامل حکمت و علم والا ہے۔

پھر یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو یہ نصیحت کی کہ شہر میں ایک دروازے سے نہیں بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ کچھ حضرات نے کہا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے کیونکہ ان کے تمام بیٹے ہی خوبصورت اور اچھی جسامت کے مالک تھے۔ کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے سوچا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونے سے شاید انہیں یوسف کا کوئی سراغ مل جائے۔ پہلی رائے ہی زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا

(۱) [یوسف : 63-68]

کہ ''میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے نہیں ٹال سکتا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ ''جب وہ انہی راستوں سے جن کا حکم ان کے والد نے انہیں دیا تھا' داخل ہوئے تو یہ تدبیر کچھ بھی اللہ کے حکم کو ٹالنے والی نہ تھی' البتہ یعقوب (علیہ السلام) کی ایک خواہش تھی جس کی انہوں نے تکمیل کر دی اور بلاشبہ وہ علم والے تھے کیونکہ ہم نے انہیں علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے ہاتھ عزیز مصر کے لیے بطورِ تحفہ پستہ' بادام' صنوبر کے بیج' شہد اور بن کا پھل وغیرہ بھیجا۔ انہوں نے غلہ خریدنے کے لیے پہلے درہم بھی لے لیے اور کچھ مزید اشیاء بھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ ... إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ﴾ ''اور جب وہ سب یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں' یہ جو کچھ بھی کرتے رہے اس کا رنج نہ کر۔ پھر جب انہیں ان کا سامان ٹھیک ٹھاک کر کے دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پانی پینے کا پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! تم لوگ تو چور ہو۔ انہوں نے ان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟ انہوں نے کہا شاہی پیالہ گم ہے جو اسے لے آئے اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا' اس وعدے کا میں ضامن ہوں۔ انہوں نے کہا' اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا چور کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہوئے؟ جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں سے (پیالہ) ملے وہی اس کا بدلہ ہے' ہم تو ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پس یوسف نے اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی' پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کے سامان سے نکال لیا' ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔ اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہیں لے سکتا تھا الا کہ اللہ کو منظور ہو' ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیں' ہر علم والے پر فوقیت رکھنے والا دوسرا علم والا موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی (تو کوئی بڑی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔ یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کی' کہا کہ تم بدتر درجہ میں ہو اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ انہوں نے کہا اے عزیز مصر! اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجیے' ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' ایسا کرنے سے تو یقیناً ہم ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔''(۱)

---

(۱) [یوسف: 69-79]۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جب وہ لوگ یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو لے کر مصر پہنچے تو آپ نے اسے اپنے قریب جگہ دی اور خفیہ طور پر اسے بتا دیا کہ میں یوسف ہوں اور اسے بھائیوں کی بدسلوکی پر بھی تسلی دی۔ پھر آپ نے ایک ایسی خفیہ چال چلی جسے آپ نے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کا ذریعہ بنایا۔ آپ نے اپنے خادموں سے کہا کہ آپ کا پیالہ انہیں بتائے بغیر اس کے سامان میں رکھ دیں۔ آپ اس پیالے کو پانی پینے کے لیے اور غلہ ماپنے کے لیے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ جب وہ روانہ ہو گئے تو آپ نے ان کے پیچھے چند افراد بھیج دیئے۔ انہوں نے جا کر ان سے کہا کہ تم بادشاہ کا پیالہ چرا لائے ہو' اگر تم اسے واپس کر دو تو تمہیں ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر مزید غلہ دے دیا جائے گا۔ جس نے یہ بات کہی اس نے اسے پورا کرنے کی ذمہ داری بھی اٹھائی۔

انہوں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنے اوپر لگائے جانے والے الزام کی تردید کی اور سخت رویہ اپناتے ہوئے کہا ''اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔'' یعنی تم تو جانتے ہی ہو کہ یہاں ہمارا کیسے اچھے انداز میں استقبال کیا گیا تھا اور نہ ہی ہم یہاں کوئی برا ارادہ لے کر آئے تھے۔ یہ سن کر یوسف علیہ السلام کے خادموں نے کہا ''اچھا چور کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہوئے؟ جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں سے (پیالہ) ملے وہی اس کا بدلہ ہے' ہم تو ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔'' انہوں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کیونکہ ان کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ چور کو اسی کے سپرد کر دیا جاتا جس کی اس نے چوری کی ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''پھر یوسف نے اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی' پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کے سامان سے نکال لیا۔'' تا کہ کسی کو آپ پر شک نہ ہو اور تدبیر بھی مؤثر ہو سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی' اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہیں لے سکتا تھا۔'' یعنی اگر آپ کے بھائی خود ہی یہ تجویز پیش نہ کرتے کہ جس کے سامان سے پیالہ نکلے اسی کو رکھ لیا جائے تو مصری قانون کی رو سے آپ اپنے بھائی کو ہرگز نہیں روک سکتے تھے۔ ''الا کہ اللہ کو منظور ہو' ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیں' ہر علم والے پر فوقیت رکھنے والا دوسرا علم والا موجود ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لیے ذکر فرمائی کیونکہ یوسف علیہ السلام علم و عقل اور عزم و حزم میں ان سے زیادہ تھے۔ آپ نے یہ چال اللہ کے حکم سے ہی چلی تھی اور اسی کے نتیجے میں بہت بڑا فائدہ حاصل ہونے والا تھا یعنی آپ کے والد یعقوب علیہ السلام اور باقی خاندان کے افراد آپ کے پاس آنے والے تھے۔

''انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی (تو کوئی بڑی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔'' یعنی انہوں نے یوسف علیہ السلام کو چور بنا ڈالا۔ کچھ مفسرین نے کہا ہے کہ اس چوری سے ان کی مراد یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام نے بچپن

میں اپنے نانا کا بت چرا کر توڑ ڈالا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی پھوپھی آپ سے بہت محبت کرتی تھی' اس لیے اس نے اسحق کا کمر بند آپ کے کپڑوں میں چھپا دیا تھا' پھر خود ہی آپ کے کپڑوں سے نکال لیا' اس نے یہ چال اس لیے چلی تا کہ آپ اس کے پاس رہیں۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ آپ گھر سے کھانا چراتے اور پھر اسے فقراء کو کھلا دیا کرتے۔ اس سلسلے میں اور بھی کچھ اقوال ہیں۔ اسی لیے بھائیوں نے کہا ''اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔''

آپ نے یہ بات اپنے دل میں ہی رکھ لی اور اسے ان کے سامنے ظاہر نہ کیا۔ آپ نے ان سے جو بات چھپائی وہ یہ تھی کہ ''تم بدتر درجہ میں ہو اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔'' آپ نے عفو و درگزر کا مظاہرہ کیا اور یہ بات نہایت ہلکی آواز میں کہی جسے وہ سن نہ سکے۔ پھر وہ آپ کے سامنے التجائیں کرنے لگے کہ ''اے عزیز مصر! اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجیے' ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' ایسا کرنے سے تو یقیناً ہم ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔'' یعنی اگر ہم نے گناہگار کو چھوڑ دیا اور کسی بے گناہ کو پکڑ لیا تو یہ ظلم ہوگا اور ہم نہ ظلم کرتے ہیں اور کسی کو ظلم کرنے دیتے ہیں اس لیے ہم تو اسی کو اپنے پاس رکھیں گے جس سے پیالہ ملا ہے۔

پھر بھائیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے ﴿ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ... اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ''جب یہ اس سے مایوس ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ قول قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم کوتاہی کر چکے ہو' پس میں تو اس سرزمین سے نہ ہلوں گا جب تک کہ والد خود مجھے اجازت نہ دے دے یا اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے' وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم سب والد صاحب کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہم جانتے تھے ہم کچھ بھی غیب جاننے والے نہ تھے۔ آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرما لیں جہاں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں۔ (یعقوب علیہ السلام نے) کہا (حقیقت یوں نہیں) بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنا لی ہے' پس اب صبر ہی بہتر ہے' قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس پہنچا دے' وہی علم و حکمت والا ہے۔ پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف! غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔ بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیشہ یونہی یوسف کی یاد میں لگے رہیں گے تو یا بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں' مجھے اللہ کی

طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔ میرے بیٹو! تم جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو یقیناً رب کی رحمت سے کافر ہی نا امید ہوتے ہیں۔"(۱)

جب وہ اپنے بھائی کو واپس لینے سے مایوس ہو گئے تو باہم مشورہ کرنے لگے' بڑے بھائی روبیل نے کہا "تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ قول قرار لیا ہے۔" یعنی یہ وعدہ لیا ہے کہ تم لازماً بنیامین کو اپنے ساتھ واپس لے کر جاؤ گے' اب تم اس عہد کو اسی طرح توڑ چکے ہو جیسے تم نے یوسف کے متعلق عہد کو توڑا تھا۔ اس نے کہا "میں تو اس سرزمین سے نہ ہلوں گا جب تک کہ والد خود مجھے اجازت نہ دے دے یا اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے (کہ میں کسی طرح اپنے بھائی کو واپس لے جاؤں) وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" اس نے باقی بھائیوں کو واپس لوٹ جانے کا کہا اور کہا کہ واپس جا کر والد محترم سے کہنا کہ آپ کے بیٹا چوری کا مرتکب ہوا ہے یعنی جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہی جا کر بتا دینا۔ اور یہ بھی کہنا کہ "آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرمالیں جہاں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔" یعنی ہم نے جو اپنے بھائی کی چوری کی آپ کو اطلاع دی ہے وہ مصر میں مشہور ہو چکی ہے اور وہ اس سارے قافلے کے علم میں ہے جو اس وقت وہاں موجود تھا۔ "اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں۔"

جب انہوں نے واپس جا کر یعقوب علیہ السلام کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا "(حقیقت یوں نہیں) بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنالی ہے' پس اب صبر ہی بہتر ہے۔" یعنی تمہاری بات درست نہیں کیونکہ بنیامین کو چوری کی عادت نہیں اس لیے وہ چوری نہیں کرسکتا۔ ابن اسحق اور چند دیگر اہل علم کا کہنا ہے کہ بنیامین کے متعلق ان کی کوتاہی یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کی فریب کاری کا نتیجہ تھی' یعقوب علیہ السلام نے اسی لیے یہ بات کہی۔ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ "برائی کا بدلہ بعض اوقات یوں بھی ملتا ہے کہ ایک اور برائی سرزد ہو جاتی ہے۔"

پھر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا "شاید کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس پہنچا دے۔" یعنی یوسف' بنیامین اور روبیل سب کو میرے پاس پہنچا دے۔ "وہی علم و حکمت والا ہے۔" یعنی بچوں کی جدائی میں میرے غم کا جو عالم ہے اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے اور اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہ یقیناً کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے بیٹوں سے منہ پھیر لیا اور کہا "ہائے یوسف!" بنیامین کے غم نے ان کا یوسف کا غم بھی تازہ کر دیا اور یوں ان کا رنج بہت شدید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "غم (یعنی بہت زیادہ رونے) کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔" یعنی شدید غم اور یوسف سے ملاقات کی شدید خواہش کے باعث ان کا دل غم سے بھر چکا تھا۔

---

(۱) [یوسف: 80-87]

جب آپ کے بیٹوں نے آپ کو اس قدر شدید غم والم میں مبتلا دیکھا تو آپ پر ترس کھاتے ہوئے کہا ''اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیشہ یونہی یوسف کی یاد میں لگے رہیں گے تو یا بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے۔'' یعنی اگر آپ اسی طرح روتے رہے اور غمگین رہے تو آپ نہایت کمزور ہو کر قوت وطاقت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے' اس لیے آپ کو حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ انہوں نے کہا ''میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں' مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔'' انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں نہ تو اپنی پریشانی کی شکایت تم سے کر رہا ہوں اور نہ ہی کسی اور سے' بلکہ میں تو صرف اپنی پریشانی اپنے پروردگار کے سامنے ہی رکھ رہا ہوں اور اس یقین کے ساتھ ایسا کر رہا ہوں کہ اللہ ضرور میرا غم ختم فرمائے گا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یوسف کا دیکھا ہوا خواب ضرور سچا ہوگا اور ہم سب ایک دن اسے سجدہ کریں گے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ''مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔''

پھر آپ نے کہا ''بیٹو! تم جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو' یقیناً رب کی رحمت سے کافر ہی ناامید ہوتے ہیں۔'' یعنی اُس آسانی سے مایوس مت ہونا جو مشکل کے بعد آتی ہے اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا تو صرف کافروں کا ہی کام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ﴿ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَٰأَيُّهَا الْعَزِيزُ ... وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴾ ''پھر جب یہ لوگ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو کہنے لگے اے عزیز! ہمیں اور ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔ ہم حقیر پونجی لائے ہیں پس آپ ہمیں پورے غلے کا ناپ دے دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے' اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔ یوسف نے کہا' کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ نادانی میں کیا کیا؟ انہوں نے کہا کیا تم ہی یوسف ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر فضل وکرم کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے۔ جواب دیا کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے' اللہ تمہیں معاف کرے' وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ میرا یہ کُرتا لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو' وہ بینا ہو جائیں گے اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی دوبارہ غلہ لینے کے لیے آپ کے پاس پہنچے تو ردی اشیاء کے بدلے مکمل غلہ کے حصول اور بلا معاوضہ بنیامین کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے اور کہا ''اے عزیز! ہمیں اور ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے'' یعنی قحط سالی کا دور ہے' معاشی بدحالی ہے اور اہل وعیال کی کثرت ہے۔ ''ہم

---

(۱) [یوسف: 88-93]

حقیر پونجی لائے ہیں'' یعنی ایسی چیز لائے ہیں جو عام طور پر نا قابل قبول ہوتی ہے۔ وہ حقیر پونجی کھوٹے سکے یا چند درہم یا صنوبر اور بن کے بیج وغیرہ تھے' ایک قول یہ ہے کہ وہ پرانی بوسیدہ بوریاں اور رسیاں لائے تھے۔ انہوں نے کہا ''آپ ہمیں پورے غلے کا ناپ دے دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے' اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔''
خیرات سے مراد یا تو یہ ہے کہ ہماری حقیر اشیاء ہی قبول فرما لیجئے یا یہ کہ خیرات میں ہمیں ہمارا بھائی لوٹا دیجئے۔

جب یوسف علیہ السلام نے ان کی یہ بری حالت دیکھی کہ ان کے پاس واقعتاً چند ردی اشیاء کے علاوہ کچھ نہیں تو آپ کو ان پر ترس آ گیا اور آپ نے اپنے چہرے کو مکمل طور پر ان کے سامنے یوں کھولا کہ وہ آپ کو پہنچان سکیں اور فرمایا ''کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ نادانی میں کیا کیا؟'' وہ کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کے باوجود آپ کو پہچان نہ سکے تھے' انہوں نے حیرت سے کہا ''کیا تم ہی یوسف ہو؟'' آپ نے جواب دیا ''ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔'' یعنی میں ہی وہ یوسف ہوں جس کے ساتھ تم نے انتہائی برا سلوک کیا اور کوتاہی سے کام لیا۔
''اور یہ میرا بھائی ہے'' ان الفاظ میں پہلی بات کی تائید اور ان کے دلوں میں پوشیدہ حسد کی طرف اشارہ ہے۔

اسی لیے آپ نے فرمایا ''اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا ہے۔'' یعنی یہ اللہ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں یہ عزت و مقام عطا فرمایا کیونکہ ہم نے اپنے رب کی فرمانبرداری اور تمہاری دی ہوئی تکلیف پر صبر کیا تھا اور اپنے والد کے بھی فرمانبردار تھے۔ نیز یہ بھی اس کا ہم پر احسان ہے کہ ہمارے والد کو تم سے زیادہ ہم سے محبت تھی اور حقیقت یہ ہے کہ ''جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' یہ ماجرا دیکھ کر انہوں نے کہا ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے'' یعنی آپ کو وہ کچھ عطا کیا ہے جو ہمیں عطا نہیں کیا۔ ''اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے'' ہم اپنی کوتاہی کے معترف ہیں۔ چونکہ یوسف علیہ السلام انتہائی پاکباز دل کے مالک تھے اور ان کے دل میں بدلہ لینے کی کوئی خواہش نہ تھی اس لیے آپ نے خود ہی ان کی طرف سے عذر بھی بیان کر دیا کہ یہ تو جہالت کے دور کی باتیں ہیں اور فرمایا ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔'' پھر انہیں یوں دعا دی کہ ''اللہ تمہیں معاف کرے' وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔''

پھر آپ نے انہیں اپنا کرتا دیا اور کہا کہ اسے واپس جا کر میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا ان کی جو بینائی ختم ہو چکی ہے وہ لوٹ آئے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ایک معجزہ عطا ہوا تھا جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ خاندان کے تمام افراد مصر آ جائیں اور یہاں آ کر راحت و سکون کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ایک بکھرے ہوئے خاندان کو دوبارہ اکٹھا کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ ... إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴾ ''جب یہ قافلہ جدا

ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو۔ وہ کہنے لگے اللہ کی قسم! آپ اپنے اسی پرانے خبط میں مبتلا ہیں۔ جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے انہوں نے کہا کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ انہوں نے کہا ابا جان! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے یقیناً ہم گناہگار ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا میں جلد ہی تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔''(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو ایک ہوا چلی جس کے ذریعے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو یعقوب علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ تب آپ نے فرمایا ''مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔'' آپ نے تین دن کی مسافت سے یہ خوشبو پا لی تھی۔ ''اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو'' یعنی ممکن ہے کہ تم کہو بہت بڑھاپے کی وجہ سے میری عقل میں خرابی واقع ہو گئی ہے اس لیے میں یہ بات کہہ رہا ہوں لیکن درحقیقت میں سچ کہہ رہا ہوں۔ بیٹے کہنے لگے ''اللہ کی قسم! آپ اپنے اسی پرانے خبط میں مبتلا ہیں۔'' قتادہؒ اور سدیؒ نے کہا کہ انہوں نے انتہائی برا لفظ استعمال کیا۔

لیکن ''جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے۔'' یعنی چہرے پر کرتا ڈالتے ہی بصارت واپس آ گئی جو ختم ہو چکی تھی۔ آپ نے بیٹوں سے کہا ''کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔'' یعنی مجھے پہلے سے ہی یقین تھا کہ اللہ مجھے یوسف سے ملا کر میری آنکھیں ضرور ٹھنڈی کرے گا اور مجھے اس کی وہ چیزیں دکھائے گا جو میرے لیے خوشی کا باعث ہوں گی۔ اس وقت بیٹوں نے کہا ''ابا جان! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے یقیناً ہم گناہگار ہیں۔'' انہوں نے درخواست کی کہ انہوں نے آپ کے ساتھ اور یوسف کے ساتھ بدسلوکی کر کے جو گناہ کیا ہے آپ اللہ سے ہمارے لیے اس کی معافی مانگیں۔ چونکہ اس گناہ سے پہلے ہی ان کا توبہ کا ارادہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق بھی عطا فرما دی اور آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور کہا ''اچھا میں جلد ہی تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔''

یوسف علیہ السلام کے خواب کی تکمیل اور اظہارِ تشکر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ ... وَ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴾ ''جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو

(۱) [یوسف : 94-98]

آپ سب امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ۔ اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ کو اونچا بٹھایا اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے' تب انہوں نے کہا کہ ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے' میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا' اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جبکہ مجھے جیل سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا' اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ڈال دیا تھا' میرا رب جو چاہے اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے اور وہ بہت علم وحکمت والا ہے۔ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھائی۔ اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا وآخرت میں میرا والی اور کارساز ہے' تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملا دے۔"(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے والدین اور ساری اولاد کے اکٹھا ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ لوگ کتنا عرصہ جدائی کے بعد اکٹھے ہوئے اس میں مختلف اقوال ہیں' کچھ حضرات نے 83 برس' کچھ نے 80 برس' کچھ نے 35 برس' کچھ نے 40 برس اور کچھ نے 18 برس نقل فرمائے ہیں۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر آنے والی ان کی کل اولاد کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے 63' بعض نے 83' بعض نے 390' اور بعض نے 70 تعداد بتائی ہے۔ (واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی" یعنی آپ کے ساتھ خصوصی ملاقات کی۔ یوسف نے ان سے کہا کہ "اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ" کہا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ ملاقات شہر سے باہر خیموں میں کی تھی اس لیے یہ بات کہی' لیکن اگر ﴿ اُدْخُلُوْا ﴾ کا مطلب "رہائش اختیار کر لو" کیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔ "اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ کو اونچا بٹھایا" اہل کتاب کے بیان کے مطابق اس وقت آپ کی والدہ فوت ہو چکی تھیں' اس لیے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو دوبارہ زندہ فرما دیا تھا' کچھ نے یہ بھی کہا ہے کہ والدہ تو موجود نہ تھی البتہ خالہ اور سوتیلی ماں "لیا" موجود تھی جو والدہ کے ہی قائم مقام تھی۔ ابن جریرؒ اور دیگر اہل علم کا کہنا ہے کہ قرآن کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اپنی والدہ اس وقت تک زندہ تھیں' اس لیے قرآن کے ظاہر کو چھوڑ کر اہل کتاب کی باتوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہی رائے زیادہ مناسب ہے۔ (واللہ اعلم)

جب آپ نے والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا تو "سب آپ کے سامنے سجدے میں گر گئے" یعنی آپ کے والد' والدہ اور گیارہ بھائی آپ کے لیے سجدہ ریز ہو گئے۔ اس سجدے سے آپ کی تعظیم مقصود تھی۔ یہ سجدہ تعظیمی آپ کی شریعت میں جائز تھا اور بعد میں ہر شریعت میں جائز رہا حتی کہ ہماری اس شریعت میں اسے حرام کر دیا گیا۔ اس وقت

---

(۱) [یوسف : 99-101]

آپ نے فرمایا ''ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے'' یعنی میں نے بچپن میں جو خواب دیکھا تھا کہ مجھے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند سجدہ کر رہے ہیں اور آپ نے مجھے اس خواب کو چھپانے کی تلقین فرمائی تھی' یہ اس کی تعبیر ظاہر ہوگئی ہے۔ ''میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا' اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جبکہ مجھے جیل سے نکالا'' یعنی یہ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانے کی تنگی سے نکال کر اس علاقے کا حاکم بنا دیا ہے۔ ''اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا'' یعنی آپ یہاں سے بہت دور صحرا کے رہائشی تھے لیکن اللہ اپنے فضل سے آپ کو میرے پاس لے آیا ہے۔ ''اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ڈال دیا تھا'' یعنی وہ تمام واقعات پیش آئے جو پیچھے ذکر کیے جا چکے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ''میرا رب جو چاہے اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے'' یعنی جب وہ کوئی کام کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب بھی خود ہی پیدا فرما دیتا ہے اور اسے ایسے آسان بنا دیتا ہے کہ لوگوں کو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ ''بلاشبہ وہ بہت علم و حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ تمام حالات و واقعات سے باخبر ہے اور اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

جب یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور آپ کا سارا گھرانہ دوبارہ اکٹھا کر دیا ہے تو آپ سمجھ گئے کہ تکمیل کے بعد نقص ہی ہے یعنی اس دنیا میں کسی کو بھی بقاء و دوام نہیں' اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ آپ کو اسلام کی حالت میں موت آئے اور آپ صالحین میں شامل ہوں۔ بعینہٖ جیسے ہم یوں دعا کر دیتے ہیں کہ ''اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام پر ہی موت عطا فرما'' یعنی جب بھی موت آئے تو ہم اسلام پر قائم ہوں۔

یہ بھی امکان ہے کہ آپ نے یہ دعا اپنی وفات کے وقت کی ہو جیسے رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت یہ دعا فرمائی تھی ﴿ اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ﴾ یعنی اے اللہ! میری روح ملأ اعلیٰ اور انبیاء و رسل کے ساتھ ملا دے۔ جب آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ الفاظ ادا فرمائے تو آپ کی روح پرواز کر گئی۔ (۱) یہ بھی ممکن ہے کہ یوسف علیہ السلام نے تندرستی میں ہی یہ دعا مانگی ہو کہ اللہ آپ کو اسی وقت فوت کر دے اور آپ کی شریعت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہو جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ''یوسف سے پہلے کسی نبی نے موت کی تمنا نہیں کی۔''

رہی بات ہماری شریعت کی تو اس میں صرف نہایت پرفتن دور میں ہی موت کی تمنا کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ

(۱) [بخاری (4437) کتاب المغازی: باب مرض النبی ووفاته' مسند احمد (200/6) مصنف عبد الرزاق (436/5) دلائل النبوة للبیهقی (306/8)]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ ''اے اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنے لگے تو مجھے اس میں مبتلا کیے بغیر فوت کر لینا۔''(۱) حضرت مریم علیہا السلام نے بھی فرمایا تھا کہ ﴿ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴾ ''کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بھلائی جا چکی ہوتی۔''(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت موت کی تمنا کی تھی جب حالات خراب ہو گئے' فتنے بڑھ گئے' باہمی جنگ وجدل شروع ہو گیا اور بہت سے اختلافات رونما ہو گئے۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی اس وقت موت کی تمنا کی تھی جب حالات شدت اختیار کر گئے اور مخالفین نے آپ کو تکالیف دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

علاوہ ازیں جب حالات درست ہوں تو بلا وجہ موت کی تمنا کرنا جائز نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم میں سے کوئی بھی کسی درپیش مصیبت و تکلیف کے سبب ہرگز موت کی تمنا نہ کرے۔ اور اگر ضرور ہی تمنا کرنا چاہتا ہو تو اس طرح کہہ لے ﴿ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ مَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ ﴾ ''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے اور اس وقت مجھے فوت کر دینا جب میرے لیے وفات بہتر ہو گی۔''(۳) اس حدیث میں پیش آمدہ مصیبت سے مراد جسمانی مصیبت یعنی کوئی تکلیف یا بیماری وغیرہ ہے' دینی مصیبت یعنی دینی نقص و کمزوری مراد نہیں۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے مذکورہ بالا دعا یا تو وفات کے وقت کی تھی یا پھر مقصد یہ تھا کہ مجھے جب بھی موت آئے اسلام کی حالت پر آئے۔

یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو وصیت اور وفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ... مُسْلِمُوْنَ ﴾ ''کیا یعقوب کے انتقال کے وقت تم موجود تھے؟ جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے

(۱) [صحیح : ارواء الغلیل (684) صحیح الجامع الصغیر (59) صحیح الترغیب (408) السلسلة الصحیحة (3169) صحیح ترمذی' ترمذی (3233) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة ص' مسند احمد (368/1) طبرانی کبیر (62/15)]

(۲) [مریم : 23]

(۳) [بخاری (2351) کتاب الدعوات : باب الدعاء بالموت والحیاة' مسلم (2680) کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار : باب کراهة تمنی الموت لضر نزل به' أبو داود (3108) کتاب الجنائز : باب فی کراهیة تمنی الموت' ترمذی (971) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی النهی عن التمنی للموت' نسائی (1820) ابن ماجة (2465) أحمد (101/3) بیهقی (377/3)]

جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحق (علیہم السلام) کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔'' یعنی انہوں نے اپنے بیٹوں کو خالص دین اسلام پر چلنے کی وصیت فرمائی۔ (۱)

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام فوت ہوئے تو اہل مصر نے 70 روز تک آپ کا سوگ منایا۔ اطباء نے یوسف علیہ السلام کے حکم سے یعقوب علیہ السلام کی میت کو حنوط لگائی۔ وہ 40 دن تک اسی حالت میں رہے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے اجازت مانگی کہ وہ اپنے والد کو خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ جا کر دفن کر آئیں' آپ کے ساتھ شہر کے کچھ بزرگ لوگ اور سردار بھی روانہ ہوئے۔ آپ نے مقام حمرون کی اسی غار میں اپنے والد کو دفن کر دیا جو ابراہیم علیہ السلام نے عفرون بن صحر لیثی سے خریدی تھی' پھر واپس تشریف لے آئے۔ آپ کے بھائیوں نے بھی آپ سے تعزیت کی۔ آپ نے انہیں اعزاز و اکرام سے نوازا اور وہ مصر میں ہی آباد ہو گئے۔

یوسف علیہ السلام کی وفات

جب یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ جب وہ لوگ مصر سے نکلیں تو انہیں بھی ساتھ لے جائیں اور انہیں ان کے آباؤ اجداد کی قبروں کے قریب ہی دفن کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کی میت کو حنوط لگا کر ایک تابوت میں رکھ دیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکلے تو آپ کا تابوت بھی ساتھ لے گئے اور آپ کو آپ کے آباؤ اجداد کے قریب دفن کر دیا۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یوسف علیہ السلام 110 برس کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی یہی بات نقل فرمائی ہے۔

(۱) [البقرة : 133]

نام ونسب اور قرآن میں آپ کا ذکر

امام ابن اسحٰق ؒ نے بیان کیا ہے کہ ایوب علیہ السلام رومی تھے اور آپ کا نسب نامہ یوں ہے: ایوب بن موص بن رازح بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔ کچھ اہل علم نے آپ کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے: ایوب بن موص بن رعویل بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔

حافظ ابن عساکر ؒ نے نقل فرمایا ہے کہ آپ کی والدہ لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے والدان لوگوں میں سے تھے جو ابراہیم علیہ السلام پر اس روز ایمان لائے جب انہیں آگ میں پھینکا گیا اور آگ ان کے لیے سلامتی بن گئی۔ پہلا قول ہی زیادہ معروف ہے۔ پیچھے ہم اس آیت ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمَانَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ﴾ سے نوح علیہ السلام کی نہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد مراد ہے لہٰذا زیادہ درست بات یہی ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

ایوب علیہ السلام کا شمار ان انبیاء میں ہوتا ہے جن کا نام لے کر ان کی طرف وحی بھیجنے کی صراحت قرآن میں کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَا ... وَعِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ ﴾ "یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی' اور ہم نے وحی کی ابراہیم' اسماعیل' اسحٰق' یعقوب' ان کی اولاد' عیسیٰ اور ایوب (علیہم السلام) پر۔"(۱)

صحیح قول یہی ہے کہ آپ عیص بن اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ آپ کی زوجہ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ یعقوب علیہ السلام کی بیٹی "لیا" تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ افرائیم کی بیٹی "رحمت" تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ منسا بن یوسف کی بیٹی "لیا" تھیں اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ اسی لیے ہم نے ایوب علیہ السلام کا ذکر یہاں (یوسف علیہ السلام کے بعد) کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ ... وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴾ "ایوب (علیہ السلام) کی اس حالت کو یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کی (دعا) سن لی اور جو تکلیف اسے پہنچی تھی اسے دور کر دیا اور اسے اہل وعیال عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی عنایت کیے اور عبادت کرنے والوں

(۱) [النساء : 163]

کے لیے (یہ) نصیحت ہے۔''(۱)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ ... إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴾ ''اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر' جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دُکھ پہنچایا ہے۔ (ہم نے کہا کہ زمین پر) اپنا پاؤں مار' یہ (جو چشمہ نکلا ہے) نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔ اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ' یہ ہماری طرف سے رحمت اور اہل عقل کے لیے نصیحت تھی۔ اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک جھاڑو لے کر مار دے اور قسم نہ توڑ' بلاشبہ ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا' وہ بڑا ہی نیک اور بڑی رغبت رکھنے والا بندہ تھا۔''(۲)

ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور ان کا عظیم صبر

مفسرین اور مؤرخین نے تحریر فرمایا ہے کہ ایوب علیہ السلام بہت مالدار شخص تھے۔ آپ کے پاس غلام' جانور' مویشی الغرض ہر قسم کا مال موجود تھا۔ حوران (شام) میں ثنیہ کا علاقہ آپ کی ملکیت تھا۔ اسی طرح بیویاں اور بہت سے بچے بھی تھے۔ لیکن آپ سے یہ سب کچھ چھین کر آپ کو سخت آزمائش (یعنی جسمانی بیماری و تکلیف وغیرہ) میں مبتلا کر دیا گیا۔ آپ نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں ہی مصروف رہے۔

جب آپ کی آزمائش طویل ہوگئی تو سب دوست احباب آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ صرف آپ کی ایک زوجہ آپ کے پاس رہی جو آپ کی خدمت کرتی رہی' اس نے آپ پر بہت سے احسانات کیے' وہ آپ کی خدمت کے لیے تشریف لاتی اور تمام ضرورتیں پوری کرتی حتی کہ قضائے حاجت میں بھی مدد دیتی۔ رفتہ رفتہ آپ کا اپنا مال ختم ہوگیا تو وہ آپ کی خوراک و دواء کے لیے اجرت پر لوگوں کے ہاں کام کرنے لگی' اس نے مال و اولاد چھن جانے پر بھی صبر کیا اور شوہر کی بیماری پر بھی۔ ایک وقت تھا کہ اس کے پاس بہت سا مال تھا اور لوگ اسے احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے' لیکن اب اسی کو لوگوں کے ہاں کام کرنا پڑ رہا تھا' لیکن ان تمام مصائب میں اس نے صبر کا دامن نہ چھوڑا اور ثابت قدم رہی۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش انبیاء پر آتی ہے' پھر نیک لوگوں پر اور پھر درجہ بدرجہ اچھے لوگوں پر آزمائش آتی ہے۔''(۳) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''آدمی کو اس کے دین کے لحاظ سے

(۱) [الأنبياء : 83-84]

(۲) [ص : 41-44]

(۳) [صحیح : صحيح الجامع الصغير (995) السلسلة الصحيحة (143) صحيح الترغيب (3403) كتاب الجنائز: باب الترغيب فى الصبر' مستدرك حاكم (343/3)]

آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے' اگر وہ دین میں زیادہ مضبوط ہوگا تو اس کی آزمائش بھی زیادہ سخت ہوگی۔"(۱)

آپ کی آزمائش جس قدر بڑھی آپ کا صبر وشکر بھی مزید پختہ ہو گیا حتی کہ آپ کا صبر بھی ضرب المثل بن گیا اور آپ پر آنے والی آزمائش بھی۔ اہل کتاب نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ آپ کا مال واولاد آپ سے کیسے چھنا اور آپ کیسے بیماری میں مبتلا ہوئے' لیکن اس کی صحت کے متعلق اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

مجاہدؒ نے کہا ہے کہ ایوب علیہ السلام سب سے پہلے چیچک کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ پھر آپ کتنا عرصہ بیماری میں مبتلا رہے اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ وہبؒ نے کہا ہے کہ آپ 3 سال اس مرض میں مبتلا رہے۔ حسنؒ اور قتادہؒ نے یہ مدت 7 سال اور چند ماہ بتائی ہے۔ حمیدؒ کے بقول یہ مدت 18 برس ہے۔

پروردگار سے دعائے عافیت اور صحت یابی

سدیؒ نے کہا ہے کہ آپ کا گوشت جھڑ گیا اور صرف ہڈیاں اور پٹھے باقی رہ گئے۔ آپ کی زوجہ راکھ لا کر آپ کے نیچے بچھا دیتی۔ جب اسی طرح ایک طویل عرصہ گزر گیا تو آپ کی بیوی نے عرض کیا' آپ اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کی یہ مصیبت دور فرما دے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں 70 برس عافیت میں رہا ہوں کیا مجھے 70 برس اللہ کی آزمائش پر صبر نہیں کرنا چاہیے؟ وہ یہ جواب سن کر بہت پریشان ہوئی کیونکہ اسے آپ کی خوراک کے بندوبست کے لیے لوگوں کے ہاں اجرت پر کام کرنا پڑتا تھا۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا اور آپ کی عالی ہمت اور وفا شعار بیوی بدستور آپ کی خدمت میں لگی رہی' لیکن دوسری طرف آپ کے اقرباء بھی آپ کی اس طویل علالت کی وجہ سے آپ سے بے رخی اور بے اعتنائی کا رویہ برتنے لگے' جو آپ پر بہت گراں گزرتا۔ بالآخر آپ نے اپنے پروردگار سے خوب عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور آپ کو اس چشمے سے غسل کرنے کا حکم دیا جو آپ کے ایڑی مارنے کی وجہ سے جاری ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو (شفا بخش کر) جنتی لباس پہنا دیا' آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کی زوجہ آئی اور آپ کو پہچان نہ سکی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے بندے! اس جگہ جو بیمار تھا وہ کہاں گیا' کہیں اسے بھیڑیئے تو اٹھا کر نہیں لے گئے؟ اس نے اس طرح کی کئی باتیں کیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تیرا بھلا کرے میں ہی ایوب ہوں۔ اس نے کہا کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا میں ہی ایوب ہوں' اللہ تعالیٰ نے مجھے

---

(۱) [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (992) السلسلة الصحیحة (143) صحیح الترغیب (3402) كتاب الجنائز: باب الترغیب فی الصبر' ابن ماجه (4023) كتاب الفتن: باب الصبر على البلاء' ترمذی (2398) كتاب الزهد: باب ما جاء فی الصبر على البلاء]

میرا صحیح جسم دوبارہ عطا فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کا مال اور اولاد دوبارہ لوٹا دی اور مزید عنایات بھی کیں۔

وہب بن منبہؒ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے تیرا مال اور بیوی بچے دوبارہ واپس لوٹا دیئے ہیں اور مزید عنایات بھی کی ہیں' پس تم اس پانی سے غسل کرو کیونکہ اس میں تمہارے لیے شفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر کے ان کے لیے مغفرت طلب کرو کیونکہ وہ تیرے معاملے میں میری نافرمانی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ نے ایوب کو صحت عطا فرمائی تو آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش برسائی۔ آپ انہیں ہاتھ سے پکڑ کر اپنے کپڑے میں ڈالنے لگے تو آپ کو آواز آئی کہ ''کیا تم سیر نہیں ہوئے؟'' آپ نے فرمایا ''اے اللہ! تیری رحمت سے کون سیر (یعنی مستغنی) ہو سکتا ہے؟۔''(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر غسل فرما رہے تھے کہ اچانک آپ پر سونے کی ٹڈیاں گریں' آپ ہاتھ بھر بھر کر انہیں اپنے کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ ایوب! جو تو دیکھ رہا ہے' کیا میں نے تجھے اس سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ آپ نے فرمایا ''ضرور اے پروردگار! مگر میں تیری برکت و رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔''(۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ﴾ ''اپنا پاؤں مارو'' یعنی زمین پر مارو۔ ایوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس جگہ سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا اور آپ کو حکم دیا کہ یہ پانی پئیں اور اس سے غسل بھی کریں۔ چنانچہ وہ پانی پینے سے آپ کی باطنی بیماریاں اور اس سے غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں ختم ہو گئیں اور آپ بہت زیادہ خوبصورت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سا مال بھی عطا فرمایا حتی کہ آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش برسا دی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیوی بچے بھی عطا فرما دیئے جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَ آتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ﴾ ''اور ہم نے اسے اہل و عیال عطا فرمائے اور ان کے ساتھ اتنے ہی مزید بھی۔'' کچھ اہل علم اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ فوت شدہ افراد بھی زندہ ہو گئے اور کچھ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فوت شدہ اولاد کے عوض اور اولاد عطا فرما دی اور روزِ قیامت اللہ آپ کے لیے دونوں اولادیں جمع فرما دے گا۔ ﴿ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ﴾ ''یہ ہمارے طرف سے رحمت تھی'' یعنی یہ ہماری خاص مہربانی تھی کہ ہم نے آپ کی بیماری دور کر کے آپ کو صحت عطا فرما دی۔ ﴿ وَ ذِكْرَى لِلْعَابِدِيْنَ ﴾ ''اور عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت تھی'' یعنی جسے بھی کوئی جسمانی' مالی یا

---

(۱) [مستدرك حاكم (582/2)]

(۲) [بخاری (3391) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى وأيوب اذ نادى ربه ' مسند احمد (314/2)]

کوئی اور مصیبت پہنچے اسے چاہیے کہ ایوب کے نقش قدم پر چلے' انہوں نے مصیبت پر صبر کیا' اجر وثواب کی امید رکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت دور فرما دی۔

جس نے مذکورہ آیت سے یہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام ''رحمت'' تھا اس کی یہ بات حقیقت سے بہت بعید ہے۔ ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ کو دوبارہ جوان کر دیا اور بہت قوت وطاقت سے نوازا حتی کہ اس نے آپ کے 26 بچے جنے۔ (واللہ اعلم) صحت یابی کے بعد ایوب علیہ السلام 70 برس زندہ رہے اور دینِ ابراہیمی پر قائم رہے' پھر آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے اس دین میں تبدیلیاں کر لیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا ... أَوَّابٌ ﴾ ''اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک جھاڑو لے کر مار دے اور قسم نہ توڑ' بلاشبہ ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا' وہ بڑا ہی نیک اور بڑی رغبت رکھنے والا بندہ تھا۔''(۱)
درحقیقت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کی کسی بات پر ناراض ہو کر یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اسے 100 کوڑے ماریں گے' تو اللہ تعالیٰ نے قسم پوری کرنے کا یہ طریقہ بتایا کہ سو شاخوں والی ایک ٹہنی لے کر اسے ایک مرتبہ مار دو اس سے تمہاری قسم پوری ہو جائے گی اور تم حانث نہیں ہو گے۔(۲) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اور آپ کی بیوی پر خصوصی عنایت تھی' آپ پر آپ کے تقویٰ و پرہیز گاری اور آزمائش پر صبر کی وجہ سے اور آپ کی بیوی پر اس صبر واستقامت کے نتیجے میں جو اس نے ایک عرصہ آپ کی خدمت کے سلسلے میں کیا۔

ایوب علیہ السلام کی وفات

امام ابن جریرؒ اور دیگر مؤرخین نے نقل فرمایا ہے کہ وفات کے وقت ایوب علیہ السلام کی عمر 93 برس تھی' تاہم کچھ نے آپ کی عمر اس سے زیادہ بھی بیان کی ہے۔

امام لیثؒ نے مجاہدؒ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ مالداروں کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو' غلاموں کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو اور مصائب وآلام میں مبتلا لوگوں کے لیے حضرت ایوب علیہ السلام کو بطورِ دلیل پیش کریں گے۔

وفات کے وقت آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حومل کو اور اس کے بعد اپنے دوسرے بیٹے بشر کو اپنے تمام معاملات کا نگران مقرر فرمایا۔ بشر کے متعلق بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یہی ذوالکفل پیغمبر ہے۔ (واللہ اعلم) اور آپ کے اسی بیٹے کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ 75 برس کی عمر میں فوت ہوا۔

---

(۱) [ص : 44] (۲) [دیکھیے: تفسیر ابن کثیر (317/5)]

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

قرآن میں آپ کا ذکر

کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ یہ ایوب علیہ السلام کے بیٹے تھے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایوب علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ۝ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُم مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴾ ''اور اسماعیل' ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) یہ سب صابر لوگ تھے۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا' یہ سب نیک لوگ تھے۔''(۱)

سورۂ ص میں ارشاد ہے کہ ﴿ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ ... وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴾ ''ہمارے بندوں ابراہیم' اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے۔ اسماعیل' یسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کا بھی ذکر کر دیجیے' یہ سب بہترین لوگ تھے۔''(۲)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء کے ساتھ اور تعریفی کلمات کے ساتھ آپ کا ذکر فرمایا ہے جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہی تھے اور یہی بات مشہور ہے' لیکن کچھ حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ اللہ کے نبی نہیں بلکہ ایک نیک اور عادل حکمران تھے۔ امام ابن جریرؒ نے اس سلسلے میں توقف فرمایا ہے اور کسی رائے کو بھی ترجیح نہیں دی۔ مجاہدؒ نے کہا ہے کہ آپ نبی نہیں بلکہ ایک نیک انسان تھے۔

آپ کی وجہ تسمیہ

آپ نے یہ ذمہ داری اٹھائی کہ آپ اپنی قوم کی رہنمائی کریں گے اور ان میں عدل و انصاف قائم کریں گے' پھر آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسی لیے آپ ذوالکفل (یعنی ذمہ داری اٹھانے والا) کے نام سے مشہور ہو گئے۔

مجاہدؒ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام بہت بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے اپنا ایک نائب مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ اپنی زندگی میں ہی دیکھ لیں کہ وہ حکومتی معاملات کیسے سنبھالتا ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور

---

(۱) [الأنبياء : 85-86]

(۲) [ص : 45-48]

فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے تین ذمہ داریاں قبول کرے گا میں اسے اپنا خلیفہ مقرر کر دوں گا اور وہ یہ ہیں کہ دن کو روزہ رکھے' رات کو قیام کرے اور غصہ نہ کرے۔

یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے' اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہو کر بولا' میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنی بات دہرائی کہ کیا تم دن کو روزہ' رات کو قیام اور غصے سے اجتناب کرو گے؟ اس نے کہا' جی ہاں۔ پھر اگلے روز بھی انہوں نے اسی طرح لوگوں کو جمع کر کے وہی سوال پوچھا تو سب خاموش رہے' صرف وہی شخص کھڑا ہوا اور اس نے ذمہ داری قبول کرنے کا اعلان کیا۔

ابلیس نے اسے گمراہ کرنے کے لیے شیطانوں کو بھیجا لیکن کوئی بھی شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا تو ابلیس خود نکلا۔ وہ ایک بوڑھے فقیر کی صورت میں اس وقت آپ کے پاس آیا جب آپ دوپہر کے وقت آرام کے لیے لیٹ چکے تھے۔ آپ دن رات میں صرف اسی وقت ایک مرتبہ سویا کرتے تھے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ کے پوچھنے پر اس نے جواب دیا' میں ایک مظلوم بوڑھا انسان ہوں۔ آپ نے دروازہ کھول دیا۔ وہ آپ کے پاس بیٹھا اور اپنی کہانی سنانے لگا۔ اس نے کہا میری قوم میں جھگڑا ہو گیا اور انہوں نے اس اور اس طرح مجھ پر ظلم کیا' وہ بلاوجہ بات کو طول دیتا چلا گیا حتی کہ آرام کا وقت گزر گیا اور شام ہو گئی۔

آپ نے اسے کہا میں جب فیصلے کی مجلس میں بیٹھوں گا تو تمہیں تمہارا حق دلاؤں گا۔ اس کے بعد وہ بوڑھا (یعنی ابلیس) واپس لوٹ گیا۔ آپ مجلس میں آ کر بیٹھے اور اس بوڑھے کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ اگلے روز بھی آپ نے لوگوں کے مقدمات سنے اور ان کے فیصلے کیے' آپ اس کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ بوڑھا پھر نہ آیا۔ جب آپ واپس آ گئے اور آرام کے لیے لیٹنے لگے تو اس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ آپ نے پوچھا' کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا میں وہی مظلوم بوڑھا انسان ہوں۔ آپ نے اسے کہا' میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ جب میں فیصلے کی مجلس میں بیٹھوں گا تب آنا۔ اس نے کہا وہ بہت خبیث لوگ ہیں' جب انہیں علم ہوا کہ آپ فیصلے کی مجلس میں بیٹھے ہیں تو انہوں نے مجھے کہا' ہم تجھے تیرا حق دے دیتے ہیں' لیکن جب آپ مجلس سے اٹھے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اب واپس چلا جا اور جب میں مجلس میں بیٹھوں گا تب آنا۔ یوں آپ اس روز بھی آرام سے محروم رہ گئے۔

جب آپ فیصلے کی مجلس میں گئے تو اس کا انتظار کرنے لگے لیکن وہ پھر نہ آیا۔ آپ پر نیند کا اس قدر شدید غلبہ ہوا کہ اس پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ اب کسی کو بھی میرے قریب نہ آنے دینا مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔ اس وقت وہ بوڑھا آ گیا۔ دروازے پر موجود آدمی نے اسے روکا اور پیچھے ہٹنے کا کہا۔ اس نے کہا' میں کل بھی ان کے پاس آیا تھا اور اپنا معاملہ ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس آدمی نے کہا ہرگز نہیں' اللہ کی قسم! ہمیں تو یہی حکم ہے کہ

کسی کو بھی آپ کے قریب نہ آنے دیں۔

جب اس نے محسوس کیا کہ وہ اس طرح گھر میں داخل نہیں ہو سکتا تو اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسے ایک کھڑکی نظر آئی' وہ اسی میں سے اندر داخل ہو گیا اور آپ کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ آپ نے بیدار ہو کر آدمی سے پوچھا کہ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ اس نے کہا' یہ میری طرف سے اندر نہیں آیا آپ خود ہی دیکھ لیں کہ یہ کہاں سے اندر آیا ہے؟ آپ اٹھے تو دیکھا کہ دروازہ تو اسی طرح بند ہے جیسے آپ نے بند کیا تھا تو سمجھ گئے اور کہا تو اللہ کا دشمن (شیطان) تو نہیں؟ اس نے کہا' ہاں۔ دراصل آپ نے میری تمام کوششیں ناکام بنا دی تھیں اس لیے میں نے آپ کو غصہ دلانے کی کوشش کی۔

بس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ذوالکفل رکھ دیا کیونکہ آپ نے ایک ذمہ داری اٹھائی اور اسے نبھا کر دکھا دیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہیں تھا بلکہ ایک نیک انسان تھا جو روزانہ 100 نمازیں پڑھتا تھا۔

آپ علیہ السلام نے یسع علیہ السلام سے عہد کیا تھا کہ ان کی وفات کے بعد بھی یہ کام جاری رکھیں گے اور پھر آپ نے ایسا ہی کیا' اسی لیے آپ کا نام ذوالکفل مشہور ہو گیا کیونکہ آپ نے جو ذمہ داری اٹھائی اسے پورا کیا۔ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی جس روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک کفل نامی شخص تھا جو انتہائی گناہگار تھا' اس نے 60 دینار کے عوض ایک محتاج عورت سے بدکاری کرنا چاہی' لیکن عورت کی فریاد پر اسے چھوڑ دیا اور آئندہ تمام برے کام چھوڑ دینے کا عہد کر لیا اور اسی رات فوت ہو گیا۔ صبح ہوئی تو اس کے دروازے پر یہ عبارت تحریر تھی کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو معاف کر دیا ہے۔ (۲) اس کی سند محل نظر ہے۔ بالفرض اگر وہ درست بھی ہو تب بھی اس میں کفل کا تذکرہ ہے جبکہ قرآن نے ذوالکفل کا ذکر فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

(۱) [تفسیر ابن کثیر (319/5)]

(۲) [**ضعیف** : ضعیف ترمذی' ترمذی (2496) کتاب صفة القیامة والرقائق والورع : باب منه' ضعیف الجامع الصغیر (4150) السلسلة الضعیفة (4083) ضعیف الترغیب (1446)]
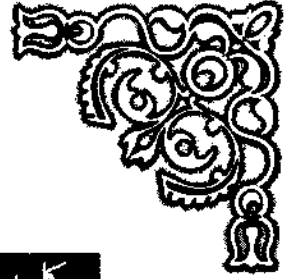
کلی طور پر تباہی کا شکار ہونے والی اقوام

ان اقوام سے مراد وہ اقوام ہیں جن کا زمانہ نزول تورات سے پہلے کا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ أَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْأُوْلىٰ ﴾

[القصص : 43]

''اور یقیناً ہم نے پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا کی۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نزول تورات کے بعد کسی بھی قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب کے ذریعے کلی طور پر ہلاک نہیں کیا' سوائے ان بستی والوں کے جنہیں بندر بنا دیا گیا تھا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ أَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْأُوْلىٰ ﴾

''اور یقیناً ہم نے پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا کی۔''

[تفسیر ابن جریر]

معلوم ہوا کہ جن اقوام کو بھی عذابِ الٰہی کے ذریعے کلی طور پر مٹا دیا گیا وہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے زمانے کی ہیں اور ان میں اصحاب الرس اور سورۂ یٰس میں مذکور قوم بھی شامل ہے (جن کا تذکرہ آئندہ کیا جا رہا ہے)۔

أصحاب الرّس

اصحاب الرس کا قرآن میں ذکر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَ وَ أَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ○ وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴾ ''اور عادیوں' ثمودیوں اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیان کی بہت سی امتوں کو (ہلاک کردیا)۔ اور ہم نے ان کے سامنے مثالیں پیش کیں پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا۔''(۱)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ أَصْحٰبُ الرَّسِّ ... فَحَقَّ وَعِیْدِ ﴾ ''ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور اصحاب الرس نے اور ثمود نے۔ اور عاد نے اور فرعون نے اور لوط کے بھائیوں نے۔ اور ایکہ والوں نے اور قومِ تبع نے بھی تکذیب کی تھی' سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب کا وعدہ ان پر صادق آ گیا۔''(۲)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اقوام کو تباہ کر دیا گیا تھا۔ ''الرس'' سے مراد ایسا کنواں ہے جس کی منڈیر پتھروں کے ساتھ بنائی گئی ہو۔ ایک قول کے مطابق یہ اس کنوئیں کا نام ہے جس کے قریب ثمودیوں کا ایک قبیلہ رہائش پذیر تھا' بعد میں وہی لوگ اصحاب الرس کہلائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اس نام کے ساتھ اس لیے مشہور ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنے نبی کو کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ امام ابن جریرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اصحاب الرس قومِ ثمود کی ایک بستی کے رہائشی تھے۔

حافظ ابن عساکرؒ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الرس کی طرف ایک نبی بھیجا' اس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ وہ آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کو قتل کر دیا۔ پھر عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح نے اپنی اولاد سمیت رس کے علاقے سے ہجرت کی اور احقاف میں جا کر آباد ہو گئے۔ پھر انہی کی اولاد یمن اور ساری دنیا میں پھیل گئی۔ لیکن اصحاب الرس کو پیچھے سے اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔

اولادِ عاد میں سے جبرون بن سعد نے اس مقام پر آ کر رہائش اختیار کر لی جہاں آج دمشق واقع ہے' اس نے ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام جبرون رکھا۔ قرآن میں اسی کو ﴿ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ ستونوں والے ارم کہا گیا ہے کیونکہ دمشق سے زیادہ ستون کسی شہر میں موجود نہیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسی قومِ عاد کی طرف ہود بن عبداللہ بن بن رباح بن

(۱) [الفرقان : 38-39]

(۲) [ق : 12-14]

خالد بن حلود بن عاد کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ وہ آپ پر ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الرس کا زمانہ قومِ عاد سے صدیوں بعد کا ہے۔

ابو بکر محمد بن حسن نقاشؒ نے بیان کیا ہے کہ اصحاب الرس کے پاس ایک کنواں تھا جو انہیں اور ان کی فصلوں کی سرابی کے لیے کافی تھا۔ ان کا بادشاہ نہایت عادل اور نیک انسان تھا۔ اس کی وفات پر وہ لوگ بہت غمگین ہوئے اور روتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد شیطان اس بادشاہ کی شکل میں آیا اور اس نے کہا میں تو زندہ ہوں' میں تو وقتی طور پر تم لوگوں سے غائب ہوا تھا تا کہ یہ دیکھوں کہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ دیکھ کر لوگ بہت خوش ہوئے۔ اس نے کہا میرے اور اپنے درمیان ایک پردہ حائل کر دو اور یہ بھی کہا کہ اب مجھے موت نہیں آئے گی۔ کچھ لوگوں نے اس کی بات سچ سمجھ لی اور فتنے میں مبتلا ہو کر اس کی عبادت کرنے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک نبی مبعوث فرمایا' جس نے انہیں خبردار کیا کہ پردے کے پیچھے بادشاہ نہیں بلکہ شیطان ہے۔ اس نے انہیں اس کی عبادت سے روکا اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی۔

امام سہیلیؒ کا بیان ہے کہ اس نبی کا نام حنظلہ بن صفوان تھا' اس کی طرف نیند کی حالت میں وحی نازل کی جاتی تھی۔ اس کی طرف سے اپنے بادشاہ کے خلاف ناگوار باتیں سن کر لوگوں کو غصہ آ گیا' انہوں نے اسے قتل کر کے کنوئیں میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے (بطورِ عذاب) اس کنوئیں کا پانی خشک کر دیا۔ جس کے نتیجے میں درخت خشک ہو گئے' پھل ختم ہو گئے' لوگ شدید پیاس میں مبتلا ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے' گھر ویران ہو گئے' ان کے گھروں میں جنگلی جانوروں اور جنوں نے بسیرا کر لیا اور بالآخر سب ہلاک ہو گئے۔

ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ سے جو یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ ''روزِ قیامت سب سے پہلے ایک سیاہ فام آدمی جنت میں داخل ہوگا اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب ایک بستی والوں نے اپنے نبی کو ظلماً قتل کر کے ایک کنوئیں میں پھینک دیا تھا اس وقت یہ سیاہ فام شخص لکڑیاں کاٹ کر بازار میں فروخت کرتا اور کھانا خرید کر کنوئیں کے پاس لاتا' پھر اللہ کی توفیق سے کنوئیں میں موجود چٹان اوپر اٹھاتا اور اس میں کھانا رکھ کر دوبارہ اوپر پتھر رکھ دیتا۔ پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ اللہ کے حکم سے 14 برس سویا رہا۔ اس دوران قوم اس نبی کو باہر نکال کر اس پر ایمان لے آئی تھی۔ وہ نبی اس سیاہ فام شخص کو تلاش کرتا رہا حتی کہ اللہ نے اسے فوت کر دیا اور جب وہ بیدار ہوا تو نبی فوت کیا جا چکا تھا۔'' وہ مرسل ہے (اور مرسل ضعیف روایت کی قسم ہے)۔ امام ابن جریرؒ نے خود اس کی تردید میں یہ فرمایا ہے کہ اس روایت میں مذکور لوگ اصحاب الرس نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن کی صراحت کے مطابق انہیں تو ہلاک کر دیا گیا تھا جبکہ یہ اپنے نبی پر ایمان لے آئے تھے۔

أصحاب القریة

اصحاب القریہ کا قرآن میں ذکر

مکمل طور پر ہلاک ہونے والی یہ دوسری قوم یہ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یسٓ میں یوں فرمایا ہے کہ ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ... فَإِذَا هُمْ خَامِدُوْنَ ﴾ ''اور آپ ان کے سامنے بستی والوں کی ایک مثال بیان کیجیے کہ جب اس بستی میں (کئی) رسول آئے۔ جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا' پھر ہم نے تیسرے سے (ان کی) تائید کی' تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے۔لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح کے معمولی آدمی ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی' تم صرف جھوٹ بولتے ہو۔ان (رسولوں) نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بلاشبہ ہم تمہاری طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر (پیغام) پہنچا دینا ہی ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں' اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں کے ساتھ تمہارا کام تمام کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے سخت اذیت پہنچے گی۔ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہی ہے' کیا تم اسے نحوست سمجھتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی جائے بلکہ تم تو حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔ایک ایک شخص (اس) شہر کے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو۔ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ راہِ راست پر ہیں۔اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے گی اور نہ ہی وہ مجھے بچا سکیں گے۔پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں۔میری سنو! میں تو تم سب کے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں۔(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا' اس نے کہا کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا۔کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا ہے اور مجھے معزز لوگوں میں سے بنا دیا ہے۔اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ ہی ہم اس طرح اتارا کرتے ہیں۔وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب بجھ بجھا گئے۔''(۱)

بہت سے متقدمین و متاخرین علماء کی رائے کے مطابق یہ انطاکیہ شہر تھا۔اس کا بادشاہ انطیخس بن انطیخس نامی تھا' جو بتوں کا پجاری تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اپنے تین رسول مبعوث فرمائے جن کے نام صادق' مصدوق اور شلوم تھے۔یہ اللہ کے سچے رسول تھے لیکن لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔

---

(۱) [یٰس : 13-29]

ایک رائے یہ ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے انطاکیہ شہر میں بھیجے جانے والے حواری تھے اور ان کے نام شمعون' یوحنا اور پولس تھے۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے جب انطاکیہ شہر کی طرف اپنے حواری بھیجے تھے تو وہ (تکذیب کی بجائے) آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے' یہی وجہ ہے یہ شہر ان چار شہروں میں سے ایک ہے جہاں بطریق یعنی عیسائیوں کا بڑا پادری رہتا ہے۔ وہ چار شہر یہ ہیں: انطاکیہ' بیت المقدس' اسکندریہ اور روم۔ ان کے بعد قسطنطنیہ۔ یہ شہر تباہ نہیں ہوئے تھے جبکہ جس شہر کا ذکر قرآن نے کیا ہے وہ تباہ ہو گیا تھا جیسا کہ ان کے واقعہ کے آخر میں مذکور ہے کہ "وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب بجھ بجھا گئے۔"

تاہم یہ امکان موجود ہے کہ ان تین رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے قدیم زمانے میں اس شہر کی طرف بھیجا ہو' لیکن شہر والے ان کی تکذیب کے باعث ہلاک کر دیے گئے ہوں اور بعد میں پھر وہ شہر آباد ہوا ہو اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانے میں وہاں اپنے حواری بھیجے ہوں' تب وہ لوگ اسلام لے آئے ہوں۔ اس طرح مختلف واقعات کی تطبیق ممکن ہے لیکن ان آیات میں مذکور رسولوں سے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہی مراد لینا درست نہیں' اس کی ایک وجہ تو اوپر بیان کر دی گئی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ کی طرف سے مبعوث کیے گئے تھے۔ (واللہ اعلم)

رسولوں کی بعثت اور ان کی تکذیب

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم دیا کہ لوگوں سے اس بستی کی مثال بیان کیجیے جن کی طرف ہم نے دو رسول بھیجے لیکن انہوں نے دونوں کو جھٹلایا' پھر ہم نے ان دونوں کی تائید و حمایت کے لیے ایک تیسرا رسول بھیجا اور ان تینوں نے کہا "ہم (اللہ کی طرف سے) تمہاری طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔" بستی والوں نے کہا تم کیسے رسول ہو سکتے ہو؟ تم تو ہمارے جیسے انسان ہی ہو یعنی انہوں نے بھی گزشتہ اقوام کی طرح یہی اعتراض کیا کہ ایک انسان رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ رسولوں نے انہیں یوں سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر ہم اللہ کے بھیجے ہوئے نہ ہوتے اور ہم جھوٹے ہوتے تو وہ ہم سے انتقام لیتا اور ہمیں سخت سزا دیتا اور آخر میں انہوں نے یہ کہا کہ "ہماری ذمہ داری تو صرف صاف طور پر (پیغام) پہنچا دینا ہی ہے۔"

یعنی ہمارا فرض یہی تھا کہ اللہ کا دیا ہوا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیں' ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے۔ لوگوں نے کہا "ہم تو تمہیں منحوس تصور کرتے ہیں" یعنی تم جو پیغام لائے ہو اسے باعث نحوست سمجھتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا "اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں کے ساتھ تمہارا کام تمام کر دیں گے" کچھ اہل علم نے کہا ہے کہ پتھر مارنے سے مراد لعن طعن ہے اور کچھ نے حقیقی پتھر ہی مراد لیے ہیں' اس قول کی تائید آیت کے ان الفاظ سے ہوتی ہے "اور تمہیں ہماری طرف سے سخت اذیت پہنچے گی" یعنی ہم تمہیں قتل کر دیں گے اور سخت تکلیف پہنچائیں گے۔

جواب میں رسولوں نے کہا ''تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہی ہے'' یعنی تمہاری بدفالی تمہیں ہی نقصان پہنچائے گی۔ اور کہا ''کیا تم اسے نحوست سمجھتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی جائے'' یعنی ہم تمہیں ہدایت کی دعوت دے رہے ہیں اور تمہاری خیرخواہی چاہتے ہیں لیکن بدلے میں تم ہمیں ذلیل ورسوا کرنے اور قتل کرنے کی دھمکی دے رہے ہو یقیناً تم تو حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ایک شخص (اس) شہر کے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا'' یعنی ان رسولوں کی تائید وحمایت کے لیے اور اپنے ایمان کے اظہار کے لیے آیا اور اس نے قوم سے مخاطب ہو کر کہا ''اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو۔ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ راہِ راست پر ہیں۔'' یعنی وہ تمہیں خالص حق کا راستہ دکھا رہے ہیں اور اس پر تم سے کوئی معاوضہ بھی طلب نہیں کرتے۔ پھر اس نے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت سے روکا جو دنیا وآخرت میں کچھ بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں اور اس نے کہا کہ اگر میں اس اللہ کی عبادت چھوڑ کر دوسروں کی عبادت شروع کردوں تب تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا۔

پھر وہ رسولوں سے مخاطب ہوا اور اس نے کہا ''سن لو! میں تو تم سب کے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں'' اس کی بات کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میری بات سن کر اس کے گواہ بن جاؤ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میری قوم کے لوگو! میرا اعلان سن لو' میں رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو اسے قتل کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اسے سنگسار کر دیا' ایک قول یہ ہے کہ دانتوں سے کاٹ کاٹ کر اسے مار ڈالا اور ایک قول یہ ہے کہ سب یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے مار مار کر ہلاک کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ شخص بڑھئی تھا اور اس کا نام حبیب نجار تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق اسے جزام کی بیماری لگ گئی تھی اور یہ بہت زیادہ صدقہ وخیرات کیا کرتا تھا۔ جب لوگوں نے اسے شہید کر ڈالا تو اس سے کہا گیا کہ ''جنت میں داخل ہو جا'' یعنی جب لوگوں نے اسے مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا اور جب اس نے وہاں اللہ کی بے شمار نعمتیں دیکھیں تو کہا ''کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا ہے اور مجھے معزز لوگوں میں سے بنا دیا ہے۔'' تاکہ وہ بھی رسولوں کی بات مان کر میری طرح یہ نعمتیں حاصل کر لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس نے زندگی میں اپنی قوم کی یوں خیرخواہی کی تھی کہ ''ان پیغمبروں کی پیروی کر لو'' اور مرنے کے بعد ان کے لیے بھلائی کی تمنایوں کی کہ ''کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا ہے اور مجھے معزز لوگوں میں سے بنا دیا ہے۔''(۱) قتادہؒ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ ایمان دار ہمیشہ

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (506/6)]

دوسروں کی خیر خواہی چاہتا ہے انہیں کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔ جب اس (حبیب نجار) نے جنت کی نعمتوں کو دیکھا تو پکار اٹھا ''کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا ہے اور مجھے معزز لوگوں میں سے بنا دیا ہے۔'' اس کی خواہش تھی کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں اس کی قوم کو بھی ان کا علم ہو جائے۔

قتادہؒ نے فرمایا ہے کہ جب انہوں نے اس اللہ کے بندے کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ ڈانٹا نہ جھڑکا بلکہ ارشاد ہوا کہ ''وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب بجھ بجھا گئے۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اس شخص کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ ہی ہم اس طرح اتارا کرتے ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ اپنے بندے کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر اتارنے کی ضرورت پیش نہ آئی بلکہ ''وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب بجھ بجھا گئے۔'' یہ مفہوم ابن اسحٰقؒ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ہم نے اس کے بعد دوبارہ ان پر کوئی پیغام نازل نہیں کیا۔ امام ابن جریرؒ نے پہلے مفہوم کو ہی ترجیح دی ہے۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کی طرف جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا' انہوں نے اس بستی کے دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر زور سے آواز نکالی' جس سے وہ تمام بجھ کر رہ گئے' ان کی آوازیں بند ہو گئیں' ان کے بدنوں میں کوئی حرکت باقی نہ رہی اور جھپکنے والی ایک آنکھ بھی باقی نہ رہی۔

مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بستی انطاکیہ نہیں تھی کیونکہ اس کے رہائشیوں نے تو اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا گیا تھا' جبکہ انطاکیہ بستی کے رہائشی ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی بات مان لی تھی۔ اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ پہلی بستی جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی انطاکیہ تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی جس روایت میں ہے کہ ''تین آدمی سبقت لے جانے والے ہیں: موسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے یوشع بن نون ہیں' عیسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی وہ بستی ہے جس کا ذکر سورۂ یٰس میں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔''(۲) وہ ثابت نہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی حسین متروک اور غالی شیعہ ہے اور اس کا اس روایت کو بیان کرنے میں منفرد ہونا اس کے ضعیف ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [أيضا]

(۲) [ضعيف : السلسلة الضعيفة (358) طبراني كبير (1152/11)]

قرآن میں آپ کا ذکر

(1) حضرت یونس علیہ السلام کی قوم وہ واحد قوم ہے جس پر عذاب نازل ہوا تو اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب ہٹا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ ... وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَى حِينٍ ﴾ ''پھر کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ ایمان لے آتی اور اسے اس کا ایمان فائدہ دیتا' سوائے قوم یونس کے' جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے دنیاوی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے ٹال دیا اور انہیں ایک خاص وقت تک کے لیے (دنیاوی) فائدہ دیا۔''(۱)

(2) ﴿ وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا ... وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ''مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کو یاد کرو جب وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے' بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے' بیشک میں ظالموں میں ہو گیا۔ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں۔''(۲)

(3) ﴿ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ... فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَى حِينٍ ﴾ ''اور بلاشبہ یونس (علیہ السلام) نبیوں میں سے تھے۔ جب بھاگ کر بھری کشتی پر پہنچے۔ پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے۔ تو پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرنے لگ گئے۔ پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے۔ پس انہیں ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھے۔ اور ہم نے ان پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت اُگا دیا۔ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے انہیں ایک مدت تک فائدہ دیا۔''(۳)

(4) ﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ... فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴾ ''پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے (انتظار کر) اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب کہ اس نے غم کی حالت میں دعا کی۔ اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پا لیتی تو یقیناً وہ برے حال میں چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا۔ اسے اس کے رب نے پھر نوازا اور اسے نیکوں میں کر دیا۔''(٤)

---

(۱) [یونس : 98]
(۲) [الأنبیاء : 87-88]
(۳) [الصافات : 139-148]
(٤) [القلم : 48-50]

حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم کے بغیر بستی سے نکل گئے

مفسرین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو موصل کے شہر نینویٰ کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ آپ نے لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف بلایا لیکن انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کفر پر ہی جمے رہے۔ جب طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی وہ ایمان نہ لائے تو آپ اس بستی سے نکل گئے اور انہیں یہ فرما گئے کہ تین دن بعد ان پر عذاب آ جائے گا۔ بہت سے صحابہ وتابعین سے مروی ہے کہ جب یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے تو لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور عذاب آئے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ و رجوع الی اللہ کے جذبات پیدا فرما دیئے۔

انہیں اپنے کیے پر ندامت ہوئی اور انہوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیے اور جانوروں کے بچوں کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا' پھر عاجزی وانکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ مرد' خواتین' بچے اور مائیں سب رو رہے تھے۔ حتیٰ کہ اونٹ اور ان کے بچے' گائیں اور ان کے بچے' بکریاں اور ان کے بچے بھی رو رہے تھے۔ الغرض یہ ایک انتہائی پرسوز اور اثر پذیر منظر تھا۔ یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے وہ عذاب جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا' ٹال دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''پھر کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ ایمان لے آتی اور اسے اس کا ایمان فائدہ دیتا۔''

یعنی گزشتہ اقوام میں سے کوئی قوم ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ساری کی ساری ایمان لے آتی' لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ اس طرح ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا فِى قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَآ إِنَّا بِمَآ أُرْسِلْتُم بِهِۦ كَـٰفِرُونَ ﴾ ''اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا ان کے مالداروں نے کہا' جو کچھ بھی تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔''(۱)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''سوائے قومِ یونس کے' جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے دنیاوی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے ٹال دیا اور انہیں ایک خاص وقت تک کے لیے (دنیاوی) فائدہ دیا'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ پوری قوم ہی ایمان لے آئی تھی۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا یہ ایمان انہیں دنیا کی طرح آخرت میں بھی فائدہ دے گا یا نہیں؟ اور جیسے وہ دنیاوی عذاب سے بچ گئے تھے آخرت کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے یا نہیں؟ قرآن کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان انہیں آخرت میں بھی فائدہ دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ لَمَّآ ءَامَنُوا۟ ﴾ ''جب وہ ایمان لے آئے۔'' اور فرمایا ﴿ وَأَرْسَلْنَـٰهُ إِلَىٰ مِا۟ئَةِ ... إِلَىٰ حِينٍ ﴾ ''اور ہم نے انہیں ایک لاکھ

(۱) [سبا: 34]

بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے انہیں ایک مدت تک فائدہ دیا۔'' اس آیت میں موجود ایک خاص مدت تک دنیاوی فائدے کا ذکر اُخروی نجات کے منافی نہیں۔ (واللہ اعلم)

یونس کی قوم کی تعداد ایک لاکھ تو لازماً تھی البتہ اس سے زیادہ کتنی تھی اس کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ کچھ نے 20 ہزار' کچھ نے 30 ہزار' کچھ نے 40 ہزار اور کچھ نے 70 ہزار کا ذکر کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں

بہر حال جب یونس علیہ السلام قوم سے ناراض ہو کر نکلے تو سمندری سفر کی غرض سے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی بھنور میں پھنس گئی اور ہچکولے کھانے لگی۔ سب کے ڈوبنے کا خطرہ تھا کہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں' جس کے نام کا قرعہ نکلے گا اسے سمندر میں پھینک دیں گے تاکہ کشتی کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور باقی افراد ڈوبنے سے بچ جائیں۔ چنانچہ جب انہوں نے قرعہ اندازی کی تو اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا۔ لوگ آپ کی صداقت و دیانت اور زہد و تقویٰ سے واقف تھے اس لیے آپ کو پھینکنے پر رضا مند نہ ہوئے۔ انہوں نے پھر قرعہ اندازی کی اور پھر آپ کا نام نکل آیا۔ آپ چھلانگ لگانے ہی والے تھے کہ لوگوں نے پھر آپ کو روک لیا۔ مگر چونکہ اللہ کی مشیت ہی یہی تھی اس لیے تیسری مرتبہ قرعہ اندازی پر بھی آپ کا ہی نام نکل آیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ... فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ ''اور بلاشبہ یونس (علیہ السلام) نبیوں میں سے تھے۔ جب بھاگ کر بھری کشتی پر پہنچے۔ پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے۔ تو پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرنے لگ گئے۔'' یعنی جب آپ کو سمندر میں پھینکا گیا تو اللہ تعالیٰ نے بحیرۂ روم کی ایک مچھلی بھیج دی جو آپ کو نگل گئی لیکن اس نے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا کہ یہ تیرا رزق نہیں اس لیے نہ اس کا گوشت کھانا اور نہ ہی اس کی کوئی ہڈی توڑنا۔ پھر وہ مچھلی آپ کو لے کر تمام سمندروں میں گھومی۔ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ اس مچھلی کو ایک اور بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔

یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو انہوں نے سمجھا کہ میں مر چکا ہوں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے بدن میں حرکت باقی ہے اور وہ زندہ ہیں تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کے لیے سجدے میں گر پڑے اور عرض کیا ''اے میرے پروردگار! میں نے تیری عبادت کے لیے جس مقام کو سجدہ گاہ بنایا ہے اسے کسی اور نے کبھی سجدہ گاہ نہیں بنایا۔''

اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے؟ کچھ نے 1 دن' کچھ نے 3 دن' کچھ نے 7 دن اور کچھ نے 40 دن ذکر کیے ہیں لیکن فی الواقع ایسا ہے کہ اس کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

بہر حال وہ مچھلی آپ کو لے کر سمندروں کی گہرائیوں اور تاریکیوں میں گھومتی پھرتی رہی۔ آپ نے وہاں مچھلیوں اور کنکریوں کو رحمٰن کی تسبیح بیان کرتے ہوئے سنا تو زبانِ حال اور زبانِ مقال سے فرمایا' جس کے متعلق اس رب العزت نے خود خبر دی ہے جو مخفی چیزوں سے خبردار' مصائب میں نجات عطا فرمانے والا' ہلکی آوازیں سننے والا اور بڑی بڑی دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔ ارشاد ہے کہ ﴿ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا ... وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کو یاد کرو جب وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے' بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے' بیشک میں ظالموں میں ہو گیا۔ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں۔''

﴿ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾ ''اس نے خیال کیا کہ ہم اسے پکڑ نہ سکیں گے'' یعنی انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تنگی میں نہیں ڈالیں گے۔ ﴿ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ ﴾ ''وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا'' اس سے مراد مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا' پھر سمندر کا اندھیرا اور پھر رات کا اندھیرا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مچھلی کو ایک دوسری مچھلی نے نگل لیا تھا' اس لیے دونوں مچھلیوں اور سمندر کا اندھیرا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ فَلَوْلَا اَنَّهٗ ... يُبْعَثُوْنَ﴾ ''پس اگر وہ اللہ کی پاکیزگی بیان نہ کرتے تو لوگوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے۔'' یعنی اگر آپ مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے اور پھر روزِ قیامت زندہ حالت میں اس کے پیٹ سے نکالے جاتے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے اللہ کی تسبیح بیان کرنے والے' اس کے مطیع و فرمانبردار اور ذکر و نماز کے پابند نہ ہوتے تو قیامت تک نجات نہ پا سکتے۔ ضحاکؒ، ابو العالیہؒ، وہب بن منبہؒ، سعید بن جبیرؒ، سدیؒ، عطاؒ، حسن بصریؒ، قتادہؒ اور دیگر بہت سے مفسرین نے یہی مفہوم بیان کیا ہے اور امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں' اللہ کو یاد رکھنا (یعنی اس کے احکام کی پابندی کرنا) وہ تجھے یاد رکھے گا' اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا' وسعت و کشادگی میں اسے پہچان وہ تنگی میں تجھے پہچانے گا۔''(۱)

مچھلی نے یونس علیہ السلام کو باہر پھینک دیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ

(۱) [مسند احمد (293/1) طبرانی کبیر (380/10) مسند ابو یعلی موصلی (111/6)]

میں قید کرنے کا ارادہ کیا تو مچھلی کی طرف وحی کی کہ اسے پکڑ لے لیکن نہ اس کا گوشت کھانا اور نہ اس کی ہڈی توڑنا۔ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر سمندروں میں گھومی' جب وہ سمندر کی گہرائی میں گئی تو یونس علیہ السلام کو ایک آواز سنائی دی۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ یہ کس چیز کی آواز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا کہ یہ سمندری جانوروں کی تسبیح کی آواز ہے۔ اس کے بعد یونس علیہ السلام نے بھی مچھلی کے پیٹ میں ہی اللہ کی تسبیح بیان کرنی شروع کر دی۔ فرشتوں نے آپ کی آواز سنی تو عرض کیا' اے اللہ! ہم ایک ہلکی سی آواز سن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' یہ میرے بندے یونس (علیہ السلام) کی آواز ہے۔ پھر فرشتوں کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو ساحلِ سمندر پر پھینک دیا اور اس وقت آپ بیمار تھے۔ (۱)

امام ابن ابی حاتمؒ نے یوں نقل فرمایا ہے کہ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی ﴿ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾ ''کوئی معبودِ برحق نہیں مگر تو ہی' تو پاک ہے' یقیناً میں ظالموں میں سے ہوں۔'' جب یہ دعا عرش کے قریب پہنچی تو فرشتوں نے عرض کیا' اے پروردگار! کسی اجنبی مقام سے ایک ہلکی سی آواز ہمیں سنائی دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' تم نے نہیں پہچانا یہ کس کی آواز ہے؟ انہوں نے عرض کیا' نہیں۔ فرمایا' یہ میرا بندہ یونس (علیہ السلام) ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا' تیرا بندہ یونس جس کے مقبول اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ اوپر آتی رہتی ہیں' اے اللہ! وہ آسانی کے وقت تجھے یاد کرتا رہا تو اس مصیبت میں اس پر رحم فرما۔ تب اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو چٹیل میدان میں پھینک دیا۔ (۲)

﴿ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴾ ''آپ بیمار تھے'' یعنی کمزور تھے جب مچھلی نے آپ کو باہر پھینکا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق آپ نومولود بچے کی مانند نحیف تھے۔ ﴿ وَأَنبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ ﴾ ''اور ہم نے آپ پر ایک بیل دار درخت اُگا دیا'' بہت سے صحابہ وتابعین' جن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، وہب بن منبہؒ، سدیؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ اور عطاءؒ قابل ذکر ہیں' نے کہا ہے کہ یہ بیل کدو کی تھی۔

اہل علم نے کدو کی بیل کے متعدد فوائد بھی ذکر فرمائے ہیں (چند یہ ہیں): اس کے پتے نرم وملائم ہوتے ہیں' تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں جو سایہ مہیا کرتے ہیں' مکھی اس کے قریب نہیں آتی' اس کا پھل شروع سے آخر تک کچا اور پکا ہر حال میں کھایا جاتا ہے۔ اس کے چھلکے اور بیج بھی فائدہ مند ہوتے ہیں۔ دماغی قوت میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے علاوہ بھی اس کے بہت سے فوائد ہیں۔

---

(۱) [تفسیر طبری (107/10)]

(۲) [تفسیر ابن أبی حاتم (3228/10)]

اللہ تعالیٰ نے ایک جنگلی بکری کو آپ کے لیے مقرر فرما دیا۔ وہ سارا دن جنگل میں چرتی اور صبح و شام آ کر آپ کو دودھ پلاتی' یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان تھا' اسی باعث اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ''پھر ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ جو بھی ہمیں پکارے اور ہم سے پناہ طلب کر رہا ہو تو ہم اس پر اسی طرح احسان کرتے ہیں۔

فرمانِ نبوی کے مطابق دعائے یونس علیہ السلام کی فضیلت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرا' وہ مسجد میں تھے۔ میں نے انہیں سلام کہا۔ انہوں نے مجھے دیکھا مگر سلام کا جواب نہ دیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے عرض کیا کہ کیا اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ میں نے ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سلام کہا ہے لیکن انہوں نے مجھے دیکھنے کے باوجود جواب نہیں دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں بلا کر پوچھا کہ آپ نے اپنے بھائی کی طرف دیکھنے کے باوجود سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔ انہوں نے کہا' ایسا نہیں ہوا۔ میں نے کہا' ایسا ہوا ہے۔ انہوں نے قسم اٹھالی کہ ایسا نہیں ہوا اور میں نے بھی قسم اٹھالی کہ ایسا ہوا ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یاد آ گیا اور انہوں نے کہا کہ ہاں ایسا ہوا ہے' اللہ مجھے معاف فرمائے! جب آپ میرے قریب سے گزرے تھے اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان یاد کر رہا تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان یاد آتا ہے میرے دل و دماغ پر پردہ پڑ جاتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کو اس کے بارے میں خبر دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہلی مرتبہ دعا کے متعلق بیان فرمانا شروع کیا تو ایک دیہاتی آ گیا۔ آپ اس کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ پھر جب آپ کھڑے ہوئے تو میں آپ کے پیچھے چلا۔ جب مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ مجھ سے پہلے گھر میں داخل ہو جائیں گے تو میں نے زمین پر اپنے پاؤں مارے (تا کہ آواز پیدا ہو)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہو گئے اور پوچھا کون ہے' ابواسحٰق؟ میں نے عرض کیا' جی ہاں اے اللہ کے رسول! آپ نے پوچھا' کیا بات ہے؟ میں نے کہا' اللہ کی قسم! صرف اتنی بات ہے کہ آپ نے ایک دعا کا ذکر کیا تھا' پھر وہ دیہاتی آ گیا اور آپ اس کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہاں وہ یونس علیہ السلام کی دعا ہے جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی کہ ﴿ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ

﴿الظّٰلِمِیْنَ﴾ جومسلمان بھی کسی معاملے میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔[1]

یونس علیہ السلام کی فضیلت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ ''یقیناً یونس (علیہ السلام) پیغمبروں میں سے تھے۔''[2] سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر انبیاء کے ساتھ فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''کسی انسان کو بھی یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔''[3] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایک مسلمان نے اس وقت یہودی کو تھپڑ مارا جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ اس روایت کے آخر میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ ''میں نہیں کہتا کہ کوئی انسان یونس بن متی سے افضل ہے۔''[4] ان الفاظ سے حدیث کے دو مفہوموں میں سے ایک کی تائید ہوتی ہے کہ کسی بندے کو لائق نہیں کہ وہ خود کو یونس بن متی سے افضل کہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو نہیں چاہیے کہ مجھے یونس بن متی سے افضل قرار دے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں یہ فرمان مذکور ہے کہ ''مجھے نبیوں پر فضیلت مت دو اور نہ ہی یونس بن متی پر۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان محض تواضع وانکساری کے طور پر ہے۔

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (3383) صحیح الترغیب (1826) کتاب البیوع : باب الترغیب فی کلمات یقولھن المدیون والمھموم ' ترمذی (3505) کتاب الدعوات : باب منہ ' مسند احمد (170/1) واللفظ لہ]

(۲) [الصافات : 139]

(۳) [بخاری (7539) کتاب التوحید 'ابوداود (4669) ابن ماجہ (4274) مسند احمد (468/2)]

(٤) [بخاری (3415) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی وان یونس لمن المرسلین]

حضرت موسیٰ علیہ السلام

نام ونسب اور قرآن میں ذکر

آپ کا نسب یوں ہے: موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ ... هَارُونَ نَبِيًّا ﴾ ''اس قرآن میں موسیٰ (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر، جو چنیدہ پیغمبر و نبی تھا۔ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا دی اور سرگوشی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اسے عطا کر دیا۔''(۱)

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کہیں مختصر اور کہیں مفصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے۔ ہم نے اپنی تفسیر میں ان تمام مقامات پر مفصل بحث کی ہے۔ یہاں ہم قرآن وسنت اور بنی اسرائیل سے منقول روایات کی روشنی میں شروع سے آخر تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!

ظالم فرعون خواب میں اپنی قوم کی تباہی دیکھتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ... مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴾ ''طسم۔ یہ آیتیں روشن کتاب کی ہیں۔ ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کا صحیح قصہ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا اور ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ فساد مچانے والوں میں سے تھا۔ پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انہی کو پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں۔ اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت واختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔''(۲)

پہلے اللہ تعالیٰ نے قصہ موسیٰ علیہ السلام کو بالاختصار اور پھر بالتفصیل بیان کیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا صحیح واقعہ بیان فرما رہے ہیں، یعنی یہ اس قدر صحیح ہے کہ سننے والے کو محسوس ہوگا کہ وہ اپنی

(۱) [مریم : 51-53]

(۲) [القصص : 1-6]

آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی''یعنی فرعون نے بغاوت و سرکشی کی راہ اپنائی' دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور اللہ کی اطاعت کے بجائے نافرمانی کی۔اور''وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا''مراد یہ ہے کہ اپنی رعایا کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔''اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا''اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے اور اس دور میں ساری دنیا کے لوگوں سے افضل تھے۔لیکن اس ظالم بادشاہ نے ان پر اپنا تسلط قائم کر کے انہیں اپنا غلام بنا رکھا تھا' وہ ان سے اپنی پوجا کراتا اور ان سے ذلیل ترین کام لیتا تھا۔اور اس کے ساتھ''ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا' بلاشبہ وہ فساد مچانے والوں میں سے تھا۔''

بنی اسرائیل سے اس قدر برے سلوک کی وجہ یہ تھی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام سے یہ قول نقل کرتے تھے کہ ان میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو مصر کے بادشاہ کے خاتمے کا باعث بنے گا۔غالباً ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب مصر کے بادشاہ نے حضرت سارہ علیہا السلام کی عزت سے کھیلنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں اس سے محفوظ رکھا۔(واللہ اعلم) یہ بات بنی اسرائیل میں مشہور تھی۔ان سے سن کر قبطی (فرعون کی قوم) بھی اس کا ذکر کرتے رہتے تھے۔جب بادشاہ کے دربار میں محفل جاری ہوتی تھی تو کسی نے یہ بات فرعون سے بھی کہہ ڈالی۔ فرعون نے اس بچے کے خوف سے یہ حکم جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کو قتل کر دیا جائے لیکن اللہ کے فیصلے کے آگے کوئی تدبیر بھی کارگر ثابت نہیں ہوتی۔

امام سدیؒ نے متعدد صحابہ سے نقل فرمایا ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی اور اس نے مصر کے تمام قبطیوں اور ان کے گھروں کو جلا دیا جبکہ بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ فرعون گھبرا کر اٹھ گیا اور اس نے کاہنوں' جادوگروں اور عالموں کو جمع کیا اور اس خواب کی تعبیر پوچھی۔انہوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تمام اہل مصر تباہ ہوں گے۔یہ سن کر اس نے لڑکوں کو قتل کرنے اور لڑکیوں کو باقی رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ''پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا''مراد بنی اسرائیل ہیں۔''اور ہم انہی کو پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں''یعنی مصر کی سرزمین اور حکومت انہیں عطا کر دیں۔''اور ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔''یعنی ہم کمزور کو طاقتور اور ذلیل کو معزز بنا دیں اور پھر ایسا ہی ہوا جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَ

﴿ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ ... بِمَا صَبَرُوا ﴾ ''اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے' اس زمین کے شرق و غرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے اور تیرے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔''(۱) ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ ... بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ ''پس ہم نے انہیں باغات' چشموں' خزانوں اور عزت کے مقام سے باہر نکال دیا اور بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنا دیا۔''(۲)

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

فرعون بنی اسرائیل کی بشارت اور اپنے خواب کی وجہ سے بہت گھبرا گیا اور اس نے اس غرض سے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش نہ ہو سکے بہت سی دائیوں اور کچھ مردوں کو اس کام پر مقرر کر دیا کہ جب بھی کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو وہ اسے ذبح کر دیں' چنانچہ انہوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا' پھر جونہی کوئی بچہ پیدا ہوتا وہ اسے ذبح کر دیتے۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ فرعون نے لڑکوں کے قتل کا حکم اس ڈر سے دیا تھا کہ کہیں بنی اسرائیل کی طاقت بڑھ نہ جائے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے بلکہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس مقصد کے لیے تو اس نے تب حکم جاری کیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت مل چکی تھی۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ ... وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ﴾ ''پس جب ان کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری طرف سے دینِ حق (کی دعوت) لے کر آ گئے تو انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لڑکے قتل کر دو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو۔''(۳) اور اسی باعث بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ﴿ أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ﴾ ''ہم تو اذیت سے ہی دوچار رہے' آپ کے آنے سے پہلے بھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔''(٤) لہٰذا درست رائے یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا پہلا حکم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے وجود سے ڈر کر دیا تھا۔

بہر حال ایک طرف یہ انتظامات اور تدبیریں تھیں اور دوسری طرف تقدیر کہہ رہی تھی کہ اے جابر حکمران! جسے اپنی افواج کی کثرت اور اپنی طاقت و اقتدار پر غرور ہے' اس اللہ کی طرف سے' جس کا فیصلہ کوئی رد نہیں کر سکتا' یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ تو جس بچے سے خائف ہے اور اسے مارنے کے لیے ہزاروں بچے مروا رہا ہے' وہ پیدا ہو کر رہے گا اور تیرے ہی گھر میں پرورش پائے گا' تیرے ہی گھر سے کھائے پیئے گا' تو خود اسے اپنا بیٹا بنا کر پالے گا' تو اس کا راز کبھی جان نہ

(۱) [الأعراف : 137] (۲) [الشعراء : 57-59]
(۳) [المومن : 25] (٤) [الأعراف : 129]

پائے گا' پھر بالآخر اسی کے ہاتھوں تیری دنیا اور آخرت تباہ ہوگی کیونکہ تو اس کی پیش کردہ سچی دعوت کو رد کردے گا اور وحی کی تکذیب کرے گا۔ یہ سب ہم اس لیے کریں گے تا کہ ساری مخلوق جان لے کہ آسمان وزمین کا پروردگار جو چاہتا ہے کرتا ہے' وہی قوت وطاقت کا مالک ہے' اس کا عذاب نہایت سخت ہے اور اس کی منشا کے سامنے سب مجبور ہیں۔

متعدد مفسرین نے نقل فرمایا ہے کہ قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی کہ مسلسل بچوں کے قتل کی وجہ سے بنی اسرائیل کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے اور یوں ان کے بڑے مرتے جائیں گے اور بچے قتل ہوتے جائیں گے تو وہ تمام کام جو ہم بنی اسرائیل سے کراتے ہیں' ہمیں خود کرنا پڑیں گے۔ تب فرعون نے یہ فرمان جاری کردیا کہ ایک سال بچے قتل کیے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ جس سال بچے چھوڑ دیئے جاتے اس سال ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال بچے قتل کیے جاتے اس سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ کو بہت فکر تھی جس وجہ سے انہوں نے احتیاط سے کام لیا اور اللہ کی طرف سے ان کے حمل کی علامات بھی ظاہر نہ ہوئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کی طرف الہام کیا کہ اپنے بیٹے کے لیے ایک صندوق بنا لو اور اسے ایک رسی کے ساتھ باندھ دو۔ ان کا گھر دریائے نیل کے کنارے پر تھا۔ چنانچہ جب انہیں کوئی خطرہ محسوس ہوتا تو وہ آپ کو صندوق میں ڈال کر صندوق پانی میں بہا دیتی اور رسی خود پکڑ کر رکھتی اور جب خطرہ ٹل جاتا تو رسی کھینچ کر آپ کو باہر نکال لیتی۔ (۱)

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى ... وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾ ''ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف محسوس ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف رنج نہ کرنا' ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے اپنے پیغمبروں میں بنانے والے ہیں۔ آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھا لیا کہ آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا' کوئی شک نہیں کہ فرعون' ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اسے قتل نہ کر' بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنا لیں اور یہ لوگ شعور ہی نہ رکھتے تھے۔''(۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف جو وحی کی گئی تھی وہ الہام کے انداز میں تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

---

(۱) [تاریخ طبری (1/233)]

(۲) [القصص : 7-9]

﴿ وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ ... ذُلُلًا ﴾ ''تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی (یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈالی) کہ پہاڑوں میں' درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی بلند جگہوں میں اپنے گھر بنا' پھر ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے پروردگار کے آسان راستوں پر چلتی پھرتی رہ۔''(۱)

امام سہیلی ؒ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ''ایارخا'' یا ''ایاذخت'' تھا۔ ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ تو فکر مند نہ ہو اور خوف مت کھا اور اگر یہ تیرا بچہ تجھ سے الگ بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور تیری طرف واپس لوٹا دیں گے' اسے نبی بنائیں گے اور دنیا و آخرت میں اس کی شان بہت بلند فرما دیں گے۔ پھر الہام کے ذریعے انہیں جو نصیحت کی گئی تھی انہوں نے اسی طرح کیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈالا لیکن اس کی رسی باندھنا بھول گئیں۔ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل تک جا پہنچا اور اس کے لوگوں نے اسے اٹھا لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ '' آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا' کوئی شک نہیں کہ فرعون' ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔''

مفسرین کا کہنا ہے کہ فرعون کی لونڈیوں نے اس صندوق کو دریا سے نکالا لیکن اسے کھولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ انہوں نے اسے ملکہ '' آسیہ'' کے سامنے پیش کیا۔ آسیہ علیہا السلام کا نسب نامہ یوں ہے: آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن ولید۔ اس نسب کے آخر میں مذکور ریان بن ولید وہی ہے جو یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا حکمران تھا۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ آپ بنی اسرائیل سے ہی تھیں اور کچھ نے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی کہا ہے۔ (واللہ اعلم) حضرت آسیہ علیہا السلام کی فضیلت میں روایات آئندہ مریم علیہا السلام کے قصے میں آئیں گی کیونکہ یہ دونوں عورتیں جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی۔

بہر حال جب حضرت آسیہ علیہا السلام نے صندوق کھولا تو موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ نبوت و رسالت اور انوارِ جلالت کے باعث چمکتا ہوا پایا' جس سے اس کے دل میں آپ کی محبت بیٹھ گئی۔ فرعون کو اس کا علم ہوا تو اس نے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا' لیکن آسیہ علیہا السلام نے اسے ایسا کرنے سے روکا اور کہا ''یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے'' فرعون نے جواب میں کہا' تیرے لیے ٹھنڈک ہے میرے لیے نہیں اور بعض اوقات زبان کی کہی ہوئی بات حقیقت بن جاتی ہے۔ آسیہ علیہا السلام نے کہا ''بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے'' اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بچے کی وجہ سے وہ فائدہ پہنچا دیا جس کی انہوں نے اس سے امید کی تھی' دنیا میں یہ فائدہ ہوا اس کے ذریعے انہیں ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں یہ فائدہ ہو گا کہ اس کے باعث جنت میں ٹھکانہ مل جائے گا۔ انہوں نے فرعون سے یہ بھی کہا کہ ''یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنا لیں''

(۱) [النحل: 68-69]

انہوں نے آپ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا کیونکہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور یہ لوگ شعور ہی نہ رکھتے تھے'' یعنی انہیں یہ علم ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے نکلوا کر فرعون اور اس کے لشکروں کی تباہی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے فرعون کی بیٹی ''دربتہ'' نے نکالا تھا' ان کے ہاں اس کی بیوی کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ ان کی غلطی اور قرآن کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کی طرف کیسے لوٹایا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ... أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ''موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بےقرار ہو گیا' قریب تھیں کہ اس واقعہ کو بالکل ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو ڈھارس نہ دیتے' تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ نے اس کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا' تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ یہ کہنے لگی کہ کیا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں جو اس بچہ کی تمہارے لیے پرورش کرے اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہوں۔ پس ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچایا' تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کھائیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔''(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر متعدد علماء نے ''موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل فارغ ہو گیا'' کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سوا دوسرے تمام کاموں کی فکر سے دل فارغ ہو گیا۔ ''قریب تھیں کہ اسے ظاہر کر دیتیں'' یعنی سب سے اعلانیہ آپ کے متعلق پوچھنے لگتیں۔ ''اگر ہم اس کے دل کو ڈھارس نہ دیتے'' یعنی اگر ہم اسے صبر کی توفیق نہ دیتے۔ پھر اس نے آپ کی بہن سے یعنی اپنی بڑی بیٹی سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے جا اور حالات کی خبر رکھ۔ ''تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی'' قتادہؒ نے فرمایا ہے کہ وہ انہیں یوں دیکھتی رہی جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ ان کے خیال میں نہیں بلکہ اپنے کسی کام میں مصروف ہے۔ ''اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔''

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پہنچ گئے اور انہوں نے آپ کو کچھ کھلانا پلانا چاہا تو آپ نے کسی بھی عورت کا دودھ نہ پیا اور نہ ہی کچھ اور کھایا۔ وہ سب بہت پریشان ہوئے کہ آپ کو کھلانے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ''ان کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔'' انہوں نے

---

(۱) [القصص: 10-13]

موسیٰ علیہ السلام کو چند عورتوں کے ساتھ بازار بھیجا کہ شاید کوئی ایسی عورت مل جائے جس کا دودھ آپ قبول کر لیں۔ جب وہ بازار پہنچے اور آپ کی بہن نے آپ کو دیکھ لیا تو یہ ظاہر کیے بغیر کہ وہ آپ کو جانتی ہیں ان سے کہا کہ ''کیا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں جو اس بچہ کی تمہارے لیے پرورش کرے اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہوں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب اس نے یہ بات کہی تو ان لوگوں نے اس سے کہا کہ تمہیں کیسے معلوم کہ وہ اس کے خیر خواہ ہوں گے۔اس نے جواب دیا وہ بادشاہ سے کچھ فائدے کی امید رکھیں گے۔تب وہ آپ کی بہن کے ساتھ اس کے گھر گئے۔

آپ کی والدہ نے آپ کو اپنے سینے سے لگایا تو آپ فوراً دودھ پینے لگے۔اس پر سب بہت خوش ہوئے۔ ایک آدمی نے محل میں پہنچ کر ملکہ کو یہ خوشخبری سنائی تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو محل میں طلب کر لیا اور محل میں رہ کر بچے کو دودھ پلانے کی خواہش کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ بدلے میں وہ انہیں خصوصی عنایات سے بھی نوازے گی۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں خود اہل وعیال والی خاتون ہوں اور میرے شوہر بھی موجود ہیں اس لیے اس بچے کو دودھ پلانے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ آپ اسے میرے ساتھ ہی رہنے دیں۔ ملکہ راضی ہوگئی اور آپ کو تحفے تحائف دے کر روانہ کر دیا اور ماہانہ تنخواہ بھی مقرر کر دی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ ماں کی طرف لوٹا دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''پھر ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچایا' تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کھائیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ کے بیٹے کو آپ کی طرف واپس لوٹائے گا اور اسے نبوت عطا فرمائے گا۔تو لیجئے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور آپ کا بیٹا آپ کی طرف واپس لوٹا دیا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ اسے نبوت سے بھی شرفیاب کرے گا۔''لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

جب اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو ان پر اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ... وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴾ ''اور یقیناً ہم نے تجھ پر ایک مرتبہ اور بھی احسان کیا۔جب ہم نے تیری ماں کی طرف الہام کیا جو الہام کیا' کہ تو اسے صندوق میں ڈال کر دریا میں چھوڑ دے' پس دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور اس کا دشمن خود اسے لے لے گا اور میں نے اپنی طرف سے خاص محبت تجھ پر ڈال دی تا کہ میری آنکھوں کے سامنے تیری پرورش کی جائے۔''(۱) یعنی تجھے بہترین کھانا کھلایا جائے' عمدہ لباس پہنایا جائے اور ناز و نعم میں تیرا

(۱) [طٰہ : 37-40]

بچپن گزرے۔ان تمام کاموں کا بندوبست اس لیے کیا گیا کیونکہ تجھ پر میرا خصوصی فضل واحسان ہے اور جو کچھ تیرے مقدر میں کردیا گیا ہے اس کی طاقت میرے سوا کسی اور میں نہ تھی۔

مزید ارشاد فرمایا کہ ﴿ إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ ... فُتُونًا ﴾ ''جب تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ کیا میں تمہیں اس کی رہنمائی نہ کروں جو اس کی پرورش کرے (اور یوں) ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے۔اور تو نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا اس پر بھی ہم نے تجھے غم سے بچا لیا اور ہم نے تجھے اچھی طرح آزمایا۔''(۱)

موسیٰ علیہ السلام کی ایک ضرب سے قبطی کی ہلاکت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُۥ ... فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴾ ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچے اور پورے توانا ہو گئے تو ہم نے انہیں علم وحکمت عطا فرمایا' نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔اور موسیٰ (علیہ السلام) ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔یہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا' یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا' اس کی قوم والے نے اُس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس سے فریاد کی' جس پر موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے ایک مکا مارا اور وہ مر گیا۔موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی کام ہے' یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔پھر دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا' تو مجھے معاف فرما دے' اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔(موسیٰ علیہ السلام) کہنے لگے' اے میرے پروردگار! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا ہے میں بھی اب کسی گناہگار کا مددگار نہ بنوں گا۔''(۲)

پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر اس احسان کا تذکرہ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف واپس لوٹا دیا۔یہاں اللہ تعالیٰ یہ ذکر فرما رہے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچے اور جسمانی واخلاقی اعتبار سے کامل ہو گئے' اور اکثر ائمہ کی رائے میں یہ 40 سال کی عمر ہے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف نبوت عطا فرمایا اور علم وحکمت سکھایا۔جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ سے ان الفاظ میں کیا تھا ''ہم اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے پیغمبر بنانے والے ہیں۔'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکلنے اور مدین میں جا کر آباد ہونے کا سبب بیان کیا ہے۔

---

(۱) [طٰہ : 40]

(۲) [القصص : 14-17]

اور یہ بیان کیا ہے کہ پھر جب آپ نے مدین میں مقررہ وقت پورا کیا تو اللہ تعالیٰ آپ سے خود ہم کلام ہوئے اور آپ کو نبوت عطا فرمائی جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اور موسیٰ (علیہ السلام) ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔'' اس وقت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ، قتادہؒ اور سدیؒ نے کہا ہے کہ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ یہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ ''یہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا' یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا'' یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا۔ ''اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا'' یعنی قبطیوں میں سے تھا۔ ''اس کی قوم والے نے اُس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس سے فریاد کی' اس نے آپ سے اس لیے فریاد کی کیونکہ آپ کو فرعون کے ہاں پرورش پانے اور اس کا منہ بولا بیٹا ہونے کی وجہ سے مصر میں بلند مقام حاصل تھا اور بنی اسرائیل بھی اسی وجہ سے کچھ عزت دار سمجھے جاتے تھے اور سر اُٹھا کر جینے لگے تھے کیونکہ وہ رضاعی لحاظ سے آپ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔

جب اس اسرائیلی نے قبطی کے خلاف موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی تو آپ نے اسے ایک مکا لگایا (یا ڈنڈا مارا) جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ وہ قبطی کافر و مشرک تھا اور موسیٰ علیہ السلام اسے قتل بھی نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ محض زجر و توبیخ مقصود تھا لیکن پھر بھی آپ نے کہا'' یہ تو شیطانی کام ہے' یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔ پھر دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا' تو مجھے معاف فرما دے' اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ (موسیٰ علیہ السلام) کہنے لگے' اے میرے پروردگار! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا ہے میں بھی اب کسی گناہگار کا مددگار نہ بنوں گا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ﴿ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا ... إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴾ ''موسیٰ (علیہ السلام) صبح ہی صبح ڈرتے ہوئے اندیشہ کی حالت میں خبریں لینے شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم صریح گمراہ ہو۔ پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا وہ فریادی کہنے لگا کہ موسیٰ! کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے' تو تو ملک میں ظالم و سرکش ہونا ہی چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا' اے موسیٰ! یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں' پس تو فوراً چلا جا اور مجھے اپنا خیر خواہ سمجھ۔''(۱)

(۱) [القصص : 18-20]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اس روز جب صبح کے وقت آپ شہر میں نکلے تو قبطی کے قتل کی وجہ سے خائف تھے کہ کہیں فرعون کو اس کا علم نہ ہو جائے۔ آپ ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ اچانک وہی شخص جس نے آپ سے مدد طلب کی تھی پھر آپ کو ایک دوسرے شخص کے خلاف مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ آپ نے اسے جھڑکا اور ہمیشہ لڑائی جھگڑے میں ہی مصروف رہنے پر اسے لعن طعن کیا اور کہا ''تو کھلا گمراہ ہے'' پھر قبطی کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو آپ کا اور اسرائیلی کا دشمن تھا اور اس غرض سے آگے بڑھے تو قبطی پکار اٹھا کہ ''تو مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جیسے تو نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا'' کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ کلام اس اسرائیلی کا ہے جس نے گزشتہ روز قبطی کے قتل کا مشاہدہ کیا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو آتے دیکھا تو یہ گمان کیا کہ آپ اسی (اسرائیلی) کو ہی سزا دینا چاہتے ہیں کیونکہ آپ اسے پہلے یہ کہہ چکے تھے کہ ''تو کھلا گمراہ ہے'' اس لیے اس نے یہ بات کہہ کر گزشتہ دن کا راز افشاں کر دیا۔ قبطی نے یہ بات سنتے ہی فرعون کے پاس جا کر اسے یہ بات بتا دی۔

علماء کی اکثریت نے یہی مفہوم بیان کیا ہے' تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قبطی کا کلام ہو اور اس نے اندازے سے ایسا کہہ دیا ہو یا اس نے اپنے ساتھ لڑنے والے اسرائیلی سے کوئی ایسی بات سنی ہو جس سے اسے علم ہو گیا ہو کہ کل بھی موسیٰ علیہ السلام نے ہی قبطی کو قتل کیا تھا۔ (واللہ اعلم) بہر حال فرعون کو علم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو قتل کر دیا ہے۔ اس نے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے اپنے آدمی روانہ کر دیئے۔ لیکن آپ علیہ السلام کا ایک وفادار اور خیر خواہ پہلے ہی آپ کے پاس پہنچ گیا اور اس نے کہا ''اے موسیٰ! یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں' پس تو فوراً چلا جا اور مجھے اپنا خیر خواہ سمجھ (یعنی میں تیری خیر خواہی کرتے ہوئے یہ بات کہہ رہا ہوں)۔''

موسیٰ علیہ السلام مدین میں

جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں آپ کو گرفتار نہ کر لیا جائے تو آپ فوراً مصر سے بھاگ نکلے' حالانکہ آپ کو کچھ علم نہ تھا کہ کدھر کو جانا ہے کیونکہ آپ اس سے پہلے کبھی بھی مصر سے باہر نہیں نکلے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ ... إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ ''اور جب آپ مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔ جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی اپنے (جانوروں کو) روکتی ہوئی دکھائی دیں' پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ پس آپ نے خود ان جانوروں کو پانی پلا دیا' پھر سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار! تو جو کچھ

بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔"(۱)

"جب آپ مدین کی طرف متوجہ ہوئے" یعنی اتفاقی طور پر اس راستے پر چل پڑے جو مدین جاتا تھا اور اس امید کا اظہار کیا کہ شاید میرا پروردگار مجھے اسی راستے منزل مقصود تک پہنچا دے اور میری رہنمائی فرمائے۔ "جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے" مراد وہ کنواں ہے جس سے اس شہر کے لوگ خود بھی پانی پیا کرتے تھے اور جانوروں کو بھی پلایا کرتے تھے۔ یہ وہی شہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب ایکہ کو تباہ کیا تھا اور اصحاب ایکہ شعیب علیہ السلام کی قوم تھی۔ اہل علم کی ایک رائے یہ ہے کہ ان کی ہلاکت کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے پیش آ چکا تھا۔ جب آپ اس کنوئیں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو عورتیں پیچھے کھڑی ہیں جو اپنی بکریوں کو دوسرے لوگوں کی بکریوں کے ساتھ مل جانے کے اندیشے سے روک رہی ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پیچھے کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ جب یہ چرواہے چلے جائیں گے تب ہم اپنی بکریوں کو پانی پلائیں گی اور ہمارا باپ بھی بوڑھا ہے یعنی ہم کمزور ہیں اس لیے ہمیں چرواہوں کے واپس جانے کے بعد ہی موقع ملتا ہے اور ہم خود اس لیے یہ کام کرتی ہیں کیونکہ ہمارا باپ بوڑھا ہے۔

یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے خود ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ جب چرواہے واپس جاتے تو کنوئیں کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے اور یہ دونوں ان کے جانوروں کا بچا ہوا پانی اپنی بکریوں کو پلاتیں۔ لیکن اس دن موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے ہی وہ پتھر اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور ان کی بکریوں کو پانی پلا کر پھر وہ پتھر کنوئیں پر رکھ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ پتھر اتنا بڑا تھا کہ اسے 10 آدمی اٹھایا کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کنوئیں سے پانی کا ایک ڈول نکالا جو ان کی بکریوں کو کافی ہو گیا۔ اس کے بعد موسیٰ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کیکر کا درخت تھا۔ امام ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ جب آپ نے یہ سرسبز درخت دیکھا تو یہ دعا کی "اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ ... وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴾ "اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں، جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے تو نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پا لی ہے۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ ابا جان! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیں کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو

(۱) [القصص : 21-24]

مضبوط اور امانت دار ہو۔ اس بزرگ نے کہا' میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں' ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے احسان ہوگا' میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں' اللہ کو منظور ہے تو آپ آگے چل کر مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا' خیر تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی' میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو' ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ کارساز ہے۔''(۱)

جب موسیٰ علیہ السلام سائے میں کھڑے ہو کر یہ دعا کر رہے تھے کہ ''اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔'' تو ان دونوں نے یہ سن لیا اور باپ کے پاس واپس لوٹ گئیں۔ باپ کو ان کے جلدی آنے پر تعجب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر دیا۔ اس پر باپ نے ایک کو بھیجا تا کہ وہ آپ کو بلا لائے۔ تو وہ شرم وحیاء کے ساتھ چلتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور اپنے والد کا پیغام سنایا کہ وہ آپ کو بلا رہے ہیں اور آپ نے جو ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے وہ اس کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔ اس نے بلانے کی وجہ صاف طور پر بیان کر دی تا کہ آپ کو کسی قسم کا شک نہ ہو' یہ بھی اس کی پاکدامنی اور حیاداری کی علامت ہے۔ جب آپ نے ان کے والد کے پاس پہنچ کر اپنا سارا قصہ بیان کر دیا تو اس نے کہا ''اب مت گھبراؤ تم ظالم قوم سے نجات پا چکے ہو'' کیونکہ اب تم ان کی حدودِ سلطنت سے باہر ہو۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان کا بوڑھا والد کون تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ شعیب علیہ السلام تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ شعیب نبی نہیں بلکہ شعیب نامی کنوئیں والوں کے سردار تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے ایک نیک انسان تھے۔ اہل کتاب نے ان کا نام ''یثرون'' ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ مدین کے کاہن یعنی بڑے عالم تھے۔

بہر حال جب اس بزرگ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس ٹھہرایا' ان کی مہمان نوازی کی اور عزت وتوقیر سے پیش آئے اور موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے اپنا سارا واقعہ بھی بیان کر دیا تو انہوں نے آپ کو فرعون کے تسلط سے نجات پا جانے کی خوشخبری دی۔ اس وقت اس کی ایک بیٹی نے کہا کہ ''ابا جان! اسے اجرت پر رکھ لیجئے'' تا کہ یہ آپ کی بکریاں چرائیں اور آپ کی صفات یہ بیان کیں کہ یہ طاقتور اور امانت دار ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل علم نے نقل فرمایا ہے کہ جب اس نے یہ بات کہی تو والد نے فوراً پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم کہ یہ طاقتور اور امانت دار ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ کنوئیں کا بھاری پتھر جو 10 آدمی مل کر اٹھاتے ہیں انہوں نے اکیلے ہی اٹھا لیا اور جب میں انہیں لے کر آرہی تھی تو میں آگے چل رہی تھی لیکن انہوں نے کہا

(۱) [القصص 28:25]

میرے پیچھے چلو اور جس طرف مڑنا ہو گا مجھے بتانے کے لیے اس طرف کنکری پھینک دینا۔ (۱)

جب موسیٰ علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لے گئے تو ان خواتین کے والد نے آپ سے کہا ''میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں' ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے احسان ہو گا' میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں' اللہ کو منظور ہے تو آپ آگے چل کر مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔'' کچھ اہل علم نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ روٹی اور کپڑے کے عوض کسی کو مزدوری پر رکھنا جائز ہے۔ تاہم انہوں نے اس کی تائید میں جو یہ روایت پیش کی ہے کہ ''موسیٰ علیہ السلام نے 8 یا 10 سال کے لیے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور حصول خوراک کی شرط پر اپنے آپ کو مزدوری کے لیے پیش کر دیا'' ضعیف ہے۔ (۲)

جب اس بزرگ نے یہ بات کہی تو موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا ''یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہو گئی' میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو' ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ کارساز ہے۔'' یعنی آپ نے درست فرمایا لیکن ان دونوں مدتوں میں سے کسی ایک کو بھی پورا کرنے کا مجھے اختیار ہو گا' اس سلسلے میں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ ہمارے اس طے کردہ معاملے پر اللہ گواہ ہے کیونکہ وہ سب سن رہا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ مدت یعنی 10 سال ہی پورے کیے۔ سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ حیرہ کے ایک یہودی نے مجھ سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی (یعنی 8 سال یا 10 سال)؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں' البتہ عرب کے ایک بڑے عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھ لوں تو پھر تمہیں بتاؤں گا۔ چنانچہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپ نے بڑی مدت (یعنی 10 سال) پوری کی جو دونوں مدتوں میں بہتر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب کسی سے وعدہ کرتے تو پورا کرتے تھے۔ (۳)

موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ ... فَاسِقِينَ ﴾ ''جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور پر آگ دیکھی' اپنی بیوی سے کہنے لگے ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں تاکہ تم سینک لو۔ پس جب وہاں پہنچے تو اس

(۱) [تفسیر ابن کثیر (206/6)]

(۲) [**ضعیف** : ضعیف ابن ماجه ' ابن ماجه (2444) كتاب الرهون : باب اجارة الأجير على طعام بطنه]

(۳) [بخاری (2684) كتاب الشهادات : باب من أمر بانجاز الوعد]

بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے انہیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار۔ اور یہ (بھی آواز آئی) کہ اپنی لاٹھی پھینک دے' پھر جب دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھنپھنا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا' ہم نے کہا اے موسیٰ! آگے آ' ڈر مت' یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے بالکل سفید (چمکتا ہوا) نکلے گا۔ اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے' پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کی جماعت کی طرف' یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں۔"(۱)

جب موسیٰ علیہ السلام نے 10 سال کی مدت پوری کر لی تو اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں رات ہو گئی' جو بہت اندھیری اور سرد تھی۔ آپ راستہ بھول گئے اور معروف راستہ چھوڑ کر کسی دوسرے راستے پر چل نکلے۔ آپ نے چقماق سے آگ جلانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اتنے میں آپ کو کوہِ طور کی جانب چمکتی ہوئی آگ دکھائی دی۔ آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا "ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے" ہو سکتا ہے کہ یہ آگ صرف موسیٰ علیہ السلام کو ہی دکھائی دی ہو کیونکہ دراصل وہ تو نور تھا جسے دیکھنا ہر ایک کے بس میں نہیں۔ "ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں" یعنی مجھے وہاں کوئی مل جائے اور میں اس سے راستہ پوچھ لوں یا آگ کا کوئی انگارہ لے آؤں تاکہ تم اسے سینک لو۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ سخت سرد اور تاریک رات تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ... أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴾ "کیا تیرے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر پہنچی؟ جب اس نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا' تم ذرا ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارہ تمہارے پاس لاؤں یا آگ پر کوئی رہنمائی پاؤں۔"(۲) سورۂ نمل میں بھی اسی طرح ارشاد ہوا ہے کہ ﴿ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي ... تَصْطَلُونَ ﴾ "جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے' میں تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا بھڑکتا ہوا شعلہ لاتا ہوں تاکہ تم اسے سینک لو۔"(۳)

پھر وہ یقیناً ایک خبر لائے اور کیسی عظیم خبر لائے اور وہاں رہنمائی بھی پائی اور کیسی شاندار رہنمائی پائی اور روشنی بھی حاصل کی اور کیسی عظیم الشان روشنی حاصل کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے انہیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں

(۱) [القصص : 29-32]

(۲) [طه : 9-10]

(۳) [النمل : 7]

کا پروردگار۔" سورۂ نمل میں ارشاد ہے کہ ﴿ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ ... رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ "جب آپ وہاں پہنچے تو یہ آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے اردگرد ہے اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔"(۱) یعنی وہ پاک ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے۔

سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے کہ ﴿ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ ... وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴾ "جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے' کیونکہ تو پاک میدانِ طویٰ میں ہے۔ اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے' اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن۔ بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں لہٰذا تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔ پس اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو' ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔"(۲)

مفسرین کا کہنا ہے کہ جب آپ اس درخت کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک سرسبز درخت میں آگ بھڑک رہی ہے۔ درخت بھی بہت سرسبز ہے اور آگ بھی بہت تیز ہے۔ آپ تعجب سے وہاں کھڑے رہے۔ یہ درخت آپ کے دائیں جانب پہاڑ کے مغربی کنارے پر تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴾ "اور طور کی مغربی جانب جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (نبوت کے سلسلے میں) فیصلہ کیا' نہ تو موجود تھا اور نہ ہی تو مشاہدہ کرنے والوں میں تھا۔"(۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت جس وادی میں تھے اس کا نام طویٰ تھا۔ آپ کا چہرہ قبلہ رخ (جنوب کی جانب) اور وہ درخت آپ کے دائیں جانب (مغرب میں) تھا۔ اس مقدس وادی میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ پہلے آپ کو اس مقدس جگہ کی تعظیم کی غرض سے اپنے جوتے اتارنے کا حکم دیا' اور خاص کر اس مبارک رات میں وہ مقام اور بھی زیادہ مقدس ہو گیا تھا۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ اس نور کی روشنی اس قدر شدید تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آنکھوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا تو آپ نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔

موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور معجزات کی عطائیگی

اللہ تعالیٰ نے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا تعارف کرایا کہ میں ہی وہ اللہ ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' پھر فرمایا میں

(۱) [النمل : 8]
(۲) [طه : 11-16]
(۳) [القصص : 44]

ہی معبودِ برحق ہوں میرے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔اس کے بعد بتایا کہ دنیا فانی ہے اور دائمی گھر روزِ قیامت حاصل ہوگا' جس کا وقوع یقینی ہے تاکہ ہر شخص اپنی اچھی اور بری کوشش کا بدلہ حاصل کر سکے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترغیب دی کہ اس روز کے لیے تیاری کریں اور ایسے لوگوں سے الگ رہیں جو اپنے پروردگار کے نافرمان اور خواہشِ نفس کے پجاری ہیں۔پھر اپنی قدرت کے اظہار کے لیے پوچھا ''اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' یعنی کیا یہ وہی لاٹھی نہیں جسے تو پہلے سے اچھی طرح جانتا ہے؟ جواب دیا کہ ''یہ میری لاٹھی ہے' میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے اس کے ساتھ پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میں اور بھی کام لیتا ہوں۔''(۱) یعنی یہ میری جانی پہچانی لاٹھی ہے۔

ارشاد ہوا کہ ''اے موسیٰ! اسے نیچے پھینک دے' چنانچہ ان کے پھینکتے ہی وہ سانپ بن کر بھاگنے لگی۔''(۲) یہ ایک عظیم معجزہ تھا اور اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ جو ذات آپ کے ساتھ مخاطب ہے وہ صرف لفظ "کــن" کے ساتھ جو چاہتی ہے اسے کر گزرنے کی قدرت رکھتی ہے۔اہل کتاب کا کہنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خود یہ درخواست کی تھی کہ آپ کو کوئی ایسی نشانی عطا کی جائے جو اہل مصر کے لیے آپ کی صداقت کا ثبوت ہو۔تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا' یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے کہا' یہ میری لاٹھی ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اسے نیچے پھینک دے۔آپ نے جب اسے نیچے پھینکا تو وہ سانپ بن کر بھاگنے لگی۔یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بھی بھاگ اٹھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہاتھ آگے کر کے اس کی دم پکڑلو۔جب آپ نے اسے پکڑ لیا تو وہ پھر لاٹھی بن گئی۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''(اے موسیٰ!) اپنی لاٹھی پھینک دے' پھر جب دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھنپھنا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا۔'' یعنی آپ کے پھینکتے ہی وہ ایک بہت بڑی جسامت والا سانپ بن گئی جس کے دانت بھی بہت بڑے تھے لیکن بھاگنے میں وہ پتلے سانپ کی طرح تیز رفتار تھی۔یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بھاگ اٹھے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا کیونکہ یہی فطری تقاضا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی اور فرمایا کہ ''اے موسیٰ! آگے آ' ڈر مت' یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے۔'' جب آپ واپس آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ''بلاخوف وخطر اسے پکڑ لے' ہم اسے اس کی پہلی حالت پر دوبارہ لے آئیں گے۔''(۳) کہا جاتا ہے کہ آپ اس سے بہت زیادہ گھبرا گئے اور اپنا ہاتھ قمیص کی آستین میں رکھا اور اسے کپڑے سے لپیٹ کر اس کے منہ میں رکھ دیا۔اہل کتاب کا کہنا ہے کہ آپ نے اسے دم سے پکڑ لیا' جب آپ نے اسے اچھی طرح پکڑ لیا تو وہ پہلے کی طرح دو شاخوں والی آپ کی لاٹھی بن گئی۔

---

(۱) [طه : 18]

(۲) [طه : 19-20]

(۳) [طه : 21]

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال' جب انہوں نے ایسا کیا اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو چاند کی طرح چمکدار تھا۔ یہ چمک اور سفیدی پھلبہری وغیرہ کے مرض کے باعث نہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے بالکل سفید (چمکتا ہوا) نکلے گا۔ اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے۔'' اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب تجھے خوف محسوس ہوگا تو اپنا ہاتھ دل پر رکھ لینا' اس سے تجھے تسلی و تسکین ہو جائے گی۔

سورۂ نمل میں ارشاد ہے کہ ﴿ وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ ... اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴾ ''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال' وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا' یہ 9 نشانیوں میں سے ہے (جن کے ساتھ آپ کو) فرعون اور اس کی قوم کی طرف (مبعوث کیا گیا) یقیناً وہ فاسق قوم ہے۔''(۱)

یعنی دو نشانیاں تو لاٹھی اور ہاتھ کی چمک ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ''پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کی جماعت کی طرف' یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں۔'' ان کے علاوہ سات نشانیاں اور بھی تھیں جن کا ذکر اجمالاً اس آیت میں موجود ہے ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ ... وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ ''ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بالکل واضح 9 معجزے عطا فرمائے' تو خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو فرعون بولا کہ اے موسیٰ! میرے خیال میں تو تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان و زمین کے پروردگار کے سوا ان کو کسی اور نے نازل نہیں کیا (اور یہ نزول بھی تمہیں) سمجھانے کو' اور اے فرعون! میرا خیال ہے تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔''(۲)

سورۂ اعراف میں ان معجزات کی تفصیل یوں مذکور ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ ... وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴾ ''اور ہم نے آلِ فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ وہ نصیحت قبول کر لیں۔ سو جب ان پر خوشحالی آ جاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے۔ یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس کوئی بھی نشانی لے آؤ تاکہ اس کے ذریعے ہم پر جادو کرو' مگر ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر ہم نے ان پر طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک اور خون سب کھلی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر کرتے رہے اور وہ تھے ہی مجرم۔''(۳)

---

(۱) [النمل : 12]

(۲) [بنی اسرائیل : 101-102]

(۳) [الأعراف : 130-133]

واضح رہے کہ یہ 9 نشانیاں 10 احکام (احکامِ عشرہ) کے علاوہ ہیں' کچھ حضرات نے انہیں خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے' اسی لیے ہم نے یہاں یہ وضاحت مناسب خیال کی' اس کی تفصیل ہم اپنی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں۔

بہرحال جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا ... اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴾ ''اے پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا' اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں۔ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج تا کہ وہ (لوگ) میری تصدیق کریں' مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے' ہماری نشانیوں کے سبب فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے (اور) تم دونوں اور تمہاری تابعداری کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تو انہوں نے گھبرا کر کہا کہ میں تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں' اسی وجہ سے تو میں مصر سے نکلا تھا' اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ بدلے میں مجھے بھی نہ قتل کر ڈالیں۔ اس اظہارِ اندیشہ کے ساتھ آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست بھی کی کہ آپ کے بھائی کو بھی آپ کا معاون بنا دیا جائے کیونکہ وہ آپ سے زیادہ فصیح اللسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست منظور فرمائی اور فرمایا' ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے اور ہماری نشانیوں کے سبب فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے۔ یعنی وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے کیونکہ تم ہمارے احکام پر عمل کرتے ہو۔ کچھ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہماری آیات کی برکت سے وہ تم تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ اور یقیناً تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے۔

سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے کہ ﴿ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ... يَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴾ ''فرعون کی طرف جا' یقیناً اس نے سرکشی کی ہے۔ کہا' اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے' میرا کام آسان بنا دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے (تا کہ) وہ میری بات سمجھ جائیں۔''(۲) کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی کیونکہ بچپن میں انہوں نے انگارہ اپنے منہ میں رکھ لیا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اسی کے متعلق سوال کیا کہ وہ آپ کی اتنی لکنت دور کر دے جس سے وہ آپ کی بات سمجھ سکیں۔ اسی لکنت کے باعث ہی فرعون نے آپ پر عیب لگاتے ہوئے کہا تھا کہ ﴿ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴾ ''وہ تو بات بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتا۔''(۳)

---

(۱) [القصص : 33-35]

(۲) [طٰه : 24-28]

(۳) [الزخرف : 52]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مزید درخواست کی کہ ﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ ... سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴾ ''اور میرے خاندان سے میرا وزیر مقرر فرما دے یعنی میرے بھائی ہارون کو اس کے ساتھ میری کمر مضبوط کر دے اور میرے معاملے میں اس کو شریک کر دے' تا کہ ہم بکثرت تیری تسبیح بیان کریں اور بکثرت تیرا ذکر کریں' یقیناً تو ہمیں دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے موسیٰ! ہم نے آپ کو آپ کی مانگی ہوئی اشیاء عطا کر دیں۔''(۱) یعنی ہم نے آپ کی تمام دعائیں قبول فرما لیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ بہت بلند مقام پر فائز تھے' اسی وجہ سے آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کی نبوت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی نبوت عطا فرما دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴾ ''وہ اللہ کے نزدیک مرتبے والے تھے۔''(۲) اور فرمایا ﴿ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُوْنَ نَبِيًّا ﴾ ''اور ہم نے اپنی خاص رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا کیا۔''(۳)

ایک دفعہ کچھ لوگ سفر حج پر تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک آدمی کو سنا' وہ لوگوں سے یہ سوال کر رہا تھا کہ کس بھائی نے اپنے بھائی پر سب سے زیادہ احسان کیا؟ لوگ خاموش رہے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے۔ انہوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس پر بھی وحی نازل ہونے لگی۔

فرعون کو دعوتِ توحید

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَإِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ... وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تو ظالم قوم کے پاس جا۔ قوم فرعون کے پاس' کیا وہ پرہیز گاری نہ کریں گے؟ موسیٰ نے کہا میرے پروردگار! مجھے تو خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا (نہ) دیں۔ اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے' میری زبان چل نہیں رہی' پس تو ہارون کی طرف بھی وحی بھیج۔ اور ان کا مجھ پر ایک قصور (کا دعویٰ) بھی ہے' مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ایسا ہرگز نہیں ہوگا' تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ' ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ ہیں۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے۔ فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟ پھر تو نے اپنا وہ کام کیا جو کیا اور تو ناشکروں میں ہے۔''(٤)

---

(۱) [طه : 29-36]
(۲) [الأحزاب : 69]
(۳) [مریم : 53]
(٤) [الشعراء : 10-19]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے دعوتِ توحید پیش کرو اس سے کہو کہ ایک اللہ کی عبادت کرے جس کا کوئی شریک نہیں اور بنی اسرائیل کو اپنے تسلط سے آزاد کر کے تمہارے ساتھ روانہ کر دے تا کہ وہ آزاد ہو کر جہاں چاہیں اللہ کی عبادت کر سکیں۔ جب انہوں نے فرعون کے سامنے یہ دعوت پیش کر دی تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو حقیر سمجھتے ہوئے کہا ''کیا تو وہی نہیں کہ جس نے بچپن میں ہمارے ہاں پرورش پائی اور لمبا عرصہ ہم تیرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جس فرعون سے بھاگ کر گئے تھے اسی کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لیکن اہل کتاب کا کہنا ہے کہ آپ جس فرعون سے بھاگ کر مدین گئے تھے وہ آپ کی مدین میں اقامت کے دوران فوت ہو گیا تھا اور جب آپ نبی بن کر مصر گئے تو وہاں کوئی اور فرعون تھا۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ''پھر تو نے وہ کام کیا جو تو نے کیا اور تو ناشکرا ہے۔'' یعنی تو نے قبطی کو قتل کر ڈالا اور یہاں سے بھاگ کر ہمارے تمام احسانات کو بھلا بیٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا ''میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔''(۱) یعنی اس وقت مجھ پر وحی کا نزول نہیں ہوا تھا۔ ''پھر تم لوگوں سے خائف ہو کر میں بھاگ گیا، پھر میرے پروردگار نے مجھے حکم عطا کیا اور مجھے پیغمبروں میں سے کر دیا۔''(۲)

پھر آپ نے فرعون کو آپ کی پرورش کے جتلائے ہوئے احسان کا جواب یوں دیا کہ ''تو اس نعمت کا مجھ پر کیا احسان جتلا رہا ہے حالانکہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔''(۳) یعنی تیرے مجھ اکیلے پر اس احسان کی اُس ظلم کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں جو تو نے ایک پوری قوم کو غلام بنا کر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ... إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ ''فرعون نے کہا رب العالمین کیا (چیز) ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟ موسیٰ نے کہا، وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا، (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یقیناً پاگل ہے۔ موسیٰ نے جواب میں کہا کہ وہی مشرق ومغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔''(۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین ہونے والے مکالمے اور مناظرے کا ذکر فرما رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیسے فرعون کے سامنے عقلی اور حسی دلائل پیش کیے۔ لیکن فرعون وجودِ باری تعالیٰ کا منکر تھا اور مدعی تھا کہ وہ

---

(۱) [الشعراء : 20] (۲) [الشعراء : 21]

(۳) [الشعراء : 22] (٤) [الشعراء : 23-28]

خود ہی رب ہے۔ چنانچہ اس نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور کہا ﴿ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴾ ''میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں۔''(۱) اور اس نے یہ بھی کہا کہ ﴿ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي ﴾ ''اے درباریو! میں تو اپنے علاوہ کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔''(۲) یہ صرف فرعون کی ہٹ دھرمی اور سرکشی تھی ورنہ اسے بھی بخوبی علم تھا کہ وہ بندہ اور اللہ پروردگار ہے' جو خالق و مالک اور معبودِ حقیقی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴾ ''انہوں نے محض ظلم و تکبر کی بنا پر انکار کیا' حالانکہ ان کے دل اس کا یقین کر چکے تھے' تو دیکھو کہ فساد مچانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟۔''(۳)

اسی وجہ سے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور اس بات کا اظہار کرتے ہوئے کہ آپ کو بھیجنے والا کوئی رب نہیں' کہا ''رب العالمین کیا ہے؟'' یہ اس نے اس وقت کہا جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرعون سے کہا کہ ''ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔'' گویا اس کا مقصد یہ پوچھنا تھا کہ وہ رب العالمین کون ہے جس نے تم دونوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے۔'' یعنی رب العالمین سے مراد وہ رب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے جنہیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور اسی نے ان کے درمیان کی تمام اشیاء مثلاً بادل' ہوا' بارش' نباتات اور حیوانات وغیرہ کو پیدا کیا ہے' جن کے متعلق ہر یقین رکھنے والا جانتا ہے کہ یہ از خود وجود میں نہیں آئیں بلکہ لازماً کوئی ایسی ذات ہے جس نے انہیں وجود بخشا ہے اور وہ صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی رب العالمین ہے۔

فرعون نے ان کا مذاق اڑانے کے لیے اپنے درباریوں اور وزیروں سے کہا ''کیا تم سن نہیں رہے؟'' یعنی کیا تم سب اس کی بات سن رہے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور دیگر سب افراد کو مخاطب کر کے فرمایا ''وہی تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے۔'' یعنی اسی نے تم کو اور تمہارے آباؤ اجداد کو اور سابقہ تمام اقوام کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ بات کسی پر بھی مخفی نہیں کہ کوئی بھی از خود وجود میں نہیں آیا بلکہ اسے رب العالمین نے ہی پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی دونوں باتوں کی طرف اس آیت میں بھی توجہ دلائی ہے ﴿ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ ''عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے' آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی' حتیٰ کہ ان کے سامنے واضح ہو جائے گا کہ یہی حق ہے۔''(٤)

---

(۱) [النازعات : 24]

(۲) [القصص : 38]

(۳) [النمل : 14]

(٤) [حم السجدۃ : 53]

ان سب باتوں کے باوجود فرعون اپنی غفلت وضلالت سے باہر نہ آیا بلکہ کفر وعناد پر ہی جما رہا اور کہنے لگا کہ "یقیناً یہ جو رسول تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' پاگل ہے۔" موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا "اگر تم سمجھ جاؤ تو پروردگار وہی ہے جو مشرق ومغرب اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے۔" یعنی ان روشن ستاروں کو ایک خاص سمت میں چلانے والا' نور وظلمت' زمین وآسمان اور ان کے درمیان تمام انسانوں' سورج' چاند' ستاروں اور سیاروں کا خالق ومالک ہے۔ دن رات' اندھیرا اُجالا اور طلوع وغروب سب اسی کے حکم کے تابع اور اسی کے نظام وقانون کے مطابق چل رہے ہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق ومالک ہے اور وہ اپنی مخلوقات میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

جب فرعون کی بات مردود ٹھہری اور موسیٰ علیہ السلام واضح دلائل کے ذریعے اپنی بات ثابت کر چکے تو فرعون نے آپ پر اپنی سلطنت وقوت کا رعب ڈالتے ہوئے یوں دھمکی دی ﴿ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ ... بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ "سن لے! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا' اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز (یعنی نشانی) لے کر آؤں؟۔ فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو اسے پیش کر۔ آپ نے اسی وقت اپنی لاٹھی ڈال دی جو اچانک واضح سانپ بن گئی۔ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی ہر دیکھنے والے کو سفید چمکدار نظر آنے لگا۔"(1)

لاٹھی اور ہاتھ کی چمک یہ دو معجزے تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید ونصرت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کے ہاتھ پر ایسی خرقِ عادت اشیاء ظاہر فرمائیں جنہیں دیکھ کر سب حیران وششدر رہ گئے۔ جب آپ نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی تو وہ فوراً ایک عظیم سانپ بن گئی' یہ منظر انتہائی خوفناک تھا حتی کہ ایک قول کے مطابق یہ دیکھ کر فرعون بھی بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا۔ اسی طرح جب آپ نے اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا تو چاند کی طرح چمک رہا تھا اور ناظرین کو حیران کر رہا تھا' پھر جب آپ نے اپنا ہاتھ دوبارہ گریبان میں ڈالا تو وہ اپنی پہلی حالت پر واپس آ گیا۔ یہ دونوں واضح دلائل اور روشن معجزات دیکھ کر بھی فرعون ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ بلاشبہ یہ جادوگر ہے۔ پھر اس نے آپ کے ساتھ جادوگروں کا مقابلہ کرانے کا پروگرام بنایا اور اس کے لیے اپنی رعایا میں تمام بڑے بڑے جادوگروں کو بلانے کے لیے قاصد روانہ کر دیئے لیکن اس کا نتیجہ بھی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی صورت میں ہی ظاہر ہوا' جس کا بیان آگے آئے گا۔

سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ... اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴾ "پھر تو کئی سال تک مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا' پھر اے موسیٰ! تو تقدیرِ الٰہی کے مطابق آیا۔ اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرما لیا۔ اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ساتھ لے کر جا اور خبردار! میرے ذکر میں سستی

(1) [الشعراء: 29-33]

نہ کرنا۔تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ' اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے۔جواب ملا کہ تم مطلقاً خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا۔''(۱)

جس رات اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور انہیں منصبِ نبوت عطا فرمایا' اسی رات ان سے فرمایا کہ جب تو فرعون کے گھر میں پرورش پا رہا تھا میں اس وقت بھی تیری حفاظت ونگرانی کر رہا تھا' پھر تجھے مصر سے نکال مدین پہنچایا اس میں بھی میری حکمت ومشیت موجود تھی اور اب تجھے مدین کے لوگوں میں ایک عرصہ گزارنے کے بعد مصر لے جا رہا ہوں یہ بھی میری مرضی کے مطابق ہی ہو رہا ہے جیسا کہ فرمایا ''پھر اے موسیٰ! تو تقدیر کے مطابق آیا'' یعنی تو میرے فیصلے کے مطابق ہی مدین سے واپس آ رہا ہے۔ ''میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے منتخب کر لیا ہے'' یعنی منصبِ نبوت کی عطائیگی اور اپنے ساتھ کلام کے لیے چن لیا ہے۔ ''تو اپنے بھائی کے ہمراہ میری نشانیاں ساتھ لے کر جا اور میری یاد میں سستی نہ کرنا'' یعنی جب فرعون کے پاس پہنچ جاؤ تو میری یاد میں کوتاہی نہ کرنا کیونکہ میری یاد ہی فرعون کے سامنے دعوت پیش کرنے میں تمہاری معاون ہوگی۔تاہم وہ روایت ضعیف ہے جس میں مذکور ہے کہ ''میرا کامل ترین بندہ وہ ہے جو دشمن سے لڑائی کے وقت مجھے یاد کرتا ہے۔''(۲)

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ یقیناً اس نے سرکشی کی ہے اور اسے نرمی سے سمجھانا شاید وہ سمجھ جائے یا ڈر جائے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر کس قدر رحیم وشفیق ہے۔وہ یہ جاننے کے باوجود کہ فرعون اس دور کا بدترین سرکش انسان ہے' اپنے نیک بندوں کو اس کی طرف بھیجتے ہوئے یہ نصیحت کر رہا ہے کہ اس کے ساتھ اچھے طریقے سے اور نرمی کے ساتھ بات کرنا اور ایسے انداز سے پیش آنا جیسے اس شخص سے پیش آیا جاتا ہے جس سے نصیحت قبول کرنے اور خدا خوفی کی امید ہو۔

جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فرمایا کہ ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور احسن انداز میں بحث ومباحثہ کرو۔''(۳) اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا کہ ﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ ''اہل کتاب کے ساتھ صرف احسن انداز میں ہی بحث ومباحثہ کرو۔''(٤)

(۱) [طٰه : 40-46]

(۲) [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (1750) ضعیف ترمذی ' ترمذی (3580) کتاب الدعوات]

(۳) [النحل : 125]

(٤) [العنکبوت : 46]

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے عرض کیا ''اے ہمارے رب! ہمیں ڈر ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا سرکشی میں بڑھ نہ جائے'' یہ انہوں نے اس لیے کہا کیونکہ فرعون ظالم و جابر اور مردود شیطان تھا' وسیع وعریض سلطنت کا حاکم اور بڑے لاؤلشکر اور جاہ وجلال والا تھا۔ لہٰذا بشری تقاضے کی وجہ سے وہ گھبرا گئے کہ کہیں فرعون ان پر ظلم وستم نہ شروع کردے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا ''تم مطلقاً خوف نہ کھاؤ اور میں تمہارے ساتھ ہوں' میں سنتا دیکھتا رہوں گا۔'' جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ ''بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ' سننے والے ہیں۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ﴿ فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ ... مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴾ ''تم دونوں اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے' ان کی سزائیں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اس کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے۔''(۲)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ فرعون کے پاس جا کر اسے دعوتِ توحید پیش کریں اور اسے ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلائیں اور اسے یہ بھی کہیں کہ بنی اسرائیل کو سزاؤں اور قید وبند کی صعوبتوں سے آزاد کر کے ہمارے ساتھ روانہ کردے۔ ''ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں'' مراد عصا اور ید بیضاء کے معجزے ہیں۔ ''اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے'' ان الفاظ کے ذریعے ایک بلیغ نکتہ سمجھایا گیا ہے کہ سلامتی کا حقدار وہی ہے جو ہدایت کا پیروکار رہو۔ پھر انہوں نے اس دعوت کو جھٹلانے کا برا نتیجہ یوں بیان کیا کہ ''ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے'' یعنی دل سے جھٹلائے اور جسم سے اعراض کرے۔

اہل کتاب کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ مصر پہنچ کر بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لینا اور فرعون کے سامنے دعوت پیش کرنا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تم بھی اپنے بھائی کے ساتھ جاؤ۔ چنانچہ جب دونوں مصر پہنچے اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو ساتھ لے کر فرعون کے دربار میں گئے اور اس کے سامنے دعوت پیش کی تو اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ''رب کون ہے؟'' میں بنی اسرائیل کو آزاد نہیں کروں گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ... وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ﴾ ''فرعون نے پوچھا

(۱) [الشعراء: 15]

(۲) [طٰہٰ: 47-48]

اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص شکل وصورت عنایت فرمائی' پھر راہ سجھا دی۔ اس نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہونا ہے؟ جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے' نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمہارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے' پھر اس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ تم خود کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔ کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ اس نے خالقِ کائنات کے وجود کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ تمہارا رب کون ہے؟ جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو شکل وصورت عنایت کی اور پھر اسے راہ دکھائی۔ یعنی رب وہ ہے جس نے ساری مخلوق پیدا کر کے ان کا رزق' اعمال اور عمریں بھی مقرر فرما دیں اور ہر چیز لوحِ محفوظ میں تحریر فرما کر ساری مخلوق کو اسی کی ہدایت کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مخلوقات اسی تقدیر کے مطابق ہی وجود میں آتی ہیں اور اسی کے مطابق معدوم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ... فَهَدٰى ﴾ ''اپنے بلند مرتبہ رب کی پاکی بیان کر جس نے پیدا کیا' پھر درست حالت میں بنایا اور جس نے اندازہ لگایا اور پھر راہ دکھائی۔''(۲)

''اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہونا ہے؟'' یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا' اگر تیرا رب ہی ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کی تقدیر اسی نے لکھ رکھی ہے اور وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے تو پھر پہلے زمانوں کے لوگ اسے چھوڑ کر بتوں' ستاروں اور دیگر باطل معبودوں کی پوجا کیوں کرتے رہے؟ انہیں یہ بات کیوں سمجھ نہ آئی؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ''ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے' میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے'' یعنی اگرچہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیا تھا لیکن اس میں نہ تو تیرے حق میں کوئی دلیل ہے اور نہ ہی میرے خلاف' بلکہ وہ بھی اسی طرح جاہل تھے جیسے تم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہر چھوٹے بڑے عمل کو لکھ رکھا ہے اور وہ اسی کے مطابق ہر ایک کو روزِ قیامت بغیر کسی ظلم وزیادتی کے بدلہ دے گا۔ اس نے ہر بات لکھ رکھی ہے' وہ ان میں سے کسی بات کو بھی نہ بھولتا ہے اور نہ غلطی کھاتا ہے۔

---

(۱) [طه : 49-55]

(۲) [الأعلىٰ : 1-3]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ اسی نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا' اسی نے بارش برسا کر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے رزق کا بندوبست کیا۔ یقیناً اس میں ہر اہل عقل و دانش کے لیے یہ نشانی ہے کہ وہی خالق و رازق ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی فرمایا ہے کہ ﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ... أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ ''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا' یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی' خبردار! جاننے کے باوجود اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی کے ساتھ زندہ کرنے اور اس سے پودوں اور دیگر نباتات اُگانے کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی آخرت کا بھی ذکر کر دیا کہ ''اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔'' جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴾ ''جیسے اللہ نے تمہیں شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔''(۲) اور یہ بھی فرمایا ﴿ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ... الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ ''وہی ذات ہے جو پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان بہت بلند ہے اور وہی غالب' حکمت والا ہے۔''(۳)

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا ... وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴾ ''ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھا دیں لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ کہنے لگا اے موسیٰ! کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے۔ اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے' پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے کہ نہ ہم اس کا خلاف کریں اور نہ تو' صاف میدان میں مقابلہ ہو۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ زینت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں۔''(٤)

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی جہالت و نادانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے تمام پیش کردہ روشن دلیلوں کو جھٹلا

---

(۱) [البقرة : 21-22]

(۲) [الأعراف : 29]

(۳) [الروم : 27]

(٤) [طه : 56-59]

دیا اور انہیں جادو ظاہر کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے کہا' تم کوئی دن مقرر کرلو ہم تمہارے جادو کا توڑ جادو کے ذریعے ہی کریں گے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ یہ واضح دلائل اور قاطع معجزات سب لوگ دیکھ لیں' اس لیے آپ نے جشن کا دن مقرر فرما دیا (جس روز ان کا ایک تہوار منایا جاتا تھا) اور یہ بھی کہا کہ لوگ صبح کے وقت ہی جمع ہو جائیں تاکہ سورج کی تیز روشنی میں حق بھی صحیح طور پر واضح ہو جائے۔ آپ نے ان سے رات کے وقت مقابلے کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ دن کا انتخاب فرمایا کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ ہی غالب رہیں گے خواہ وہ جتنا ہی زور لگا لیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ... أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴾ ''پھر فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے ہتھکنڈے جمع کیے پھر آ گیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا' تمہاری شامت آ چکی' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذابوں سے ملیا میٹ کر دے' یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا جس نے جھوٹی بات گھڑی۔ پس یہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف الرائے ہو گئے اور چھپ کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ کہنے لگے یہ دونوں محض جادوگر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کر دیں۔ تو تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھا نہ رکھو' پھر صف بندی کر کے آؤ' جو آج غالب آ گیا وہی بازی لے گیا۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے اپنے ملک کے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کر لیا۔ چونکہ اس وقت مصر میں بہت سے ماہر جادوگر موجود تھے اس لیے اس نے ہر شہر سے تمام بڑے جادوگروں کو بلا لیا۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد 80,000 تھی' ایک کے مطابق 70,000 تھی' ایک کے مطابق 30,000 تھی' ایک کے مطابق 13,000 تھی' ایک کے مطابق 15,000 تھی اور ایک کے مطابق 70 تھی۔

فرعون' اس کے وزراء' عہدیداران اور شہر کے تمام لوگ اکٹھے ہو گئے کیونکہ فرعون کی طرف سے حکم تھا کہ سب لوگ یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے آئیں۔ لوگ یہ کہتے ہوئے آ رہے تھے کہ ''اگر جادوگر غالب آئیں تو ہم ان کی پیروی کریں گے۔''(۲) موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کی طرف بڑھے' انہیں وعظ فرمایا اور انہیں اللہ کے عطا کردہ معجزات کے مقابلے میں جھوٹے جادو کو پیش کرنے سے ڈانٹتے ہوئے کہا ''تمہاری شامت آ چکی' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذابوں سے ملیا میٹ کر دے' یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا جس نے جھوٹی بات گھڑی۔ پس یہ لوگ آپس کے

---

(۱) [طٰہٰ : 60-64]

(۲) [الشعراء : 40]

مشوروں میں مختلف الرائے ہو گئے۔'' یعنی ان میں اختلاف ہو گیا' کچھ نے کہا یہ تو نبی ہیں اور کچھ نے کہا نہیں یہ محض جادوگر ہی ہیں۔ بہر حال انہوں نے آپس میں چپکے چپکے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ کہنے لگے ''یہ دونوں محض جادوگر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں۔'' یعنی موسیٰ اور ہارون بڑے ماہر جادوگر ہیں اور ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر فرعون اور اس کے اہلکاروں پر حملہ کر دیں اور ملک پر قبضہ کر لیں۔ اس لیے ''تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھا نہ رکھو' پھر صف بندی کر کے آؤ' جو آج غالب آ گیا وہی بازی لے گیا۔''

انہوں نے پہلے ہی یہ بات اس لیے کی تا کہ وہ سب متحد ہو جائیں اور اپنا مکر' فریب' جھوٹ اور جادو پوری کوشش کے ساتھ پیش کریں اور کسی طرح بھی غالب آ جائیں۔ لیکن ایسا کیسے ہو سکتا تھا' ان کے جھوٹے جادو اللہ کے عطا کردہ معجزات کا مقابلہ کہاں کر سکتے تھے؟ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر کیے تھے اور وہ ایسے روشن دلائل تھے کہ جنہیں دیکھتے ہی آنکھیں حیران و ششدر رہ جاتی تھیں۔ بہر حال انہوں نے آپس میں کہا ''اپنے مکر و فریب کو اکٹھا کر و اور پھر صف بنا کر آؤ۔'' انہوں نے ایک دوسرے کو اس طرح متحد ہو کر آگے بڑھنے کی تلقین اس لیے کی کیونکہ فرعون نے ان سے بڑے بڑے وعدے کر رکھے تھے' لیکن شیطان کا وعدہ محض دھوکہ ہی ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ ... وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾ ''(جادوگر) کہنے لگے' اے موسیٰ! یا تو تم پہلے ڈالو یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔ جواب دیا کہ نہیں تم ہی پہلے ڈالو' اب تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں۔ پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا کچھ خوف نہ کر یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا۔ اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے تا کہ وہ ان کی تمام کاریگری کو نگل جائے' انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔''(۱)

جب جادوگر صف بنا کر کھڑے ہو گئے اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بھی ان کے سامنے آ گئے تو جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا' پہلے تم اپنا جادو دکھاؤ گے یا ہم دکھائیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا' تم ہی پہل کرو۔ انہوں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں میں پارہ بھر رکھا تھا یا اس طرح کا کوئی اور بندوبست کر رکھا تھا' جس کے باعث وہ رسیاں اور لکڑیاں حرکت کر رہی تھیں۔ ناظرین یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ از خود متحرک ہیں حالانکہ ان کی حرکت کا سبب پارہ یا اس طرح کی کوئی اور چیز تھی۔ انہوں نے لوگوں کی نظروں پر جادو کر دیا اور اپنی رسیاں پھینک کر کہنے لگے کہ ''فرعون کی

(۱) [طه : 65-69]

عزت کی قسم! ہم ہی غالب رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوهُمْ وَ جَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴾ ''جب انہوں نے (جادو) ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت طاری کر دی اور ایک بڑا جادو پیش کیا۔''(۱)

جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ صورتحال دیکھی تو انہیں دل ہی دل میں خوف محسوس ہونے لگا کہ لوگ ان کے جادو کو دیکھ کر ان سے متاثر ہو جائیں گے اور میں تو اللہ کے حکم کا پابند (اور منتظر) ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی نازل فرما دی کہ آپ گھبرایئے مت اور اپنی لاٹھی پھینکئے' وہ ان کے پیش کردہ جادو کو نگل جائے گی' وہ تو صرف جادو کا ایک کرتب ہی پیش کر رہے ہیں اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کبھی فلاح یاب نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴾ ''تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے' یقیناً اللہ اسے عنقریب باطل کر دکھائے گا' بلاشبہ وہ فسادیوں کے کام درست نہیں ہونے دیتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے حق کو ثابت کر دیتا ہے خواہ مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کریں۔''(۲)

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ﴿ وَ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ... رَبِّ مُوسَى وَ هَارُونَ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی ڈال دیجئے' سو لاٹھی کا ڈالنا ہی تھا کہ اس نے ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کر دیا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا۔ لہٰذا وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر پھرے۔ اور جادوگر سجدے میں گر گئے۔ کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا بھی رب ہے۔''(۳)

اہل علم نے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینکی تو وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گئی' جس کی ٹانگیں بھی تھیں اور بہت موٹی گردن بھی۔ وہ جادوگروں کی پھینکی ہوئی رسیوں اور لکڑیوں کو ایک ایک کر کے نگلنے لگ گیا۔ وہ بہت جلد ایسا کر رہا تھا۔ جب لوگوں نے یہ صورتحال دیکھی تو خوف کے مارے بھاگ اٹھے اور جادوگر حیران و ششدر رہ گئے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے ایک لاٹھی اتنا بڑا سانپ بن جائے گی۔ ان کے جادو کی دنیا میں ایسا ممکن نہ تھا لہٰذا انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے رب کی عطا کردہ سچی نشانی ہے۔ یوں ان کے دلوں سے غفلت کے پردے اتر گئے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انہوں نے وہیں بغیر کسی سزا کے ڈر سے' اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور

---

(۱) [الأعراف : 116]

(۲) [یونس : 81-82]

(۳) [الأعراف : 117-122]

ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا ... وَذٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ ''تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ (علیہما السلام) کے رب پر ایمان لائے۔ فرعون کہنے لگا کہ کیا میری اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے' (سن لو!) میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹوا کر تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ان دلیلوں کو دیکھ لینے کے بعد جو ہمارے سامنے آ چکیں اس اللہ پر ترجیح دیں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے' اب تو تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر' تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے وہ اسی دنیاوی زندگی میں ہی ہے۔ ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمائے اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ) جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا ہے' اللہ ہی بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ بات یہی ہے کہ جو بھی گناہگار بن کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا اس کے لیے دوزخ ہے' جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی۔ اور جو بھی اس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے' اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں۔ ہیشگی کی جنتیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی ہر اس شخص کا انعام ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی۔''(۱)

مفسرین کا کہنا ہے کہ جب جادوگر سجدے میں گرے تو انہوں نے جنت میں اپنے لیے تیار ہونے والے اور سجائے جانے والے محلات دیکھے' اس لیے ان پر فرعون کی دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جب فرعون نے جادوگروں کے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لانے کا منظر دیکھ لیا اور یہ کہ ان دونوں کا مقام لوگوں کی نگاہ میں بہت بلند ہو گیا ہے تو گھبرا گیا' اس کی عقل مغلوب ہو گئی۔ اس نے مکر و فریب کی راہ اختیار کی اور جادوگروں کو مخاطب ہو کر کہنے لگا ''کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے ہو؟'' یعنی تم نے میری رعایا کے سامنے اتنا قبیح فعل کیا اور مجھ سے اس کی اجازت بھی نہ لی۔ وہ بہت غصہ میں آ کر گرجا اور دھمکیاں دینے لگا اور جھوٹ بولتے ہوئے کہا ''یہی وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔

جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ إِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ ... فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴾ ''یقیناً یہ تمہاری چال ہے جو تم نے شہر میں چلی ہے تاکہ تم یہاں کے رہائشیوں کو باہر نکال دو' تو عنقریب تمہیں علم ہو جائے گا۔''(۲)

---

(۱) [طه : 70-76]

(۲) [الأعراف : 123]

یہ اس کا ایسا صریح بہتان اور واضح جھوٹ تھا کہ کم سے کم عقل والا بھی یہ بات جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ان جادوگروں سے اس سے پہلے کبھی بھی ملاقات نہیں ہوئی تو آپ انہیں جادو کیسے سکھا سکتے تھے؟ اور پھر انہیں موسیٰ علیہ السلام نے جمع بھی نہیں کیا تھا اور نہ ہی انہیں ان کی خبر تھی بلکہ انہیں تو خود فرعون نے ہی مختلف علاقوں سے بلایا تھا اور ملک کے طول و عرض اور چھوٹے بڑے تمام علاقوں سے خود ہی لایا تھا۔

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ ... رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴾ ''پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا' مگر ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا؟ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے فرعون! میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف سے صرف سچی بات ہی کہوں' میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں' سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا' اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اسے اب پیش کیجئے' اگر آپ سچے ہیں۔ پس آپ نے اپنی لاٹھی ڈال دی' سو اچانک وہ ایک واضح سانپ بن گئی۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے سامنے بہت چمکتا ہوا ہو گیا۔ قومِ فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے اور اپنے اہلکاروں کو شہروں میں بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں۔ اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے' کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ ان جادوگروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ! آپ (پہلے اپنا جادو) ڈالیں گے یا ہم ڈالیں۔ (موسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو' پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا۔ اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈال دیجئے' سو عصا کا ڈالنا ہی تھا کہ اس نے ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کر دیا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر پھرے۔ اور جادوگر سجدے میں گر گئے۔ کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔ فرعون کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بغیر اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں؟ یقیناً یہ سازش تھی جس پر اس شہر میں تمہارا عمل درآمد ہوا ہے تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو' سو اب تم کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم (مر کر) اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے۔ اور تو نے ہم

میں کونسا عیب دیکھا ہے سوائے اس کے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس آگئیں' اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔''(۱)

سورۂ یونس میں ارشاد ہے کہ ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ ''پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ مجرم تھے۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے صحیح دلیل پہنچی تو کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو کہ یہ جادو ہے' حالانکہ جادو کامیاب نہیں ہوا کرتا۔ وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے' ہم تو تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو حاضر کرو۔ پھر جب جادوگر آئے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔ سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ اس کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے' اللہ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے حکم سے ثابت کر دیتا ہے گو مجرم ناگوار ہی سمجھیں۔''(۲)

سورۂ شعراء میں ہے کہ ﴿ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ ... اَنْ كُنَّا اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''فرعون کہنے لگا سن لے! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اگر چہ میں تیرے پاس کوئی واضح چیز لے آؤں؟ فرعون نے کہا' اگر تو سچا ہے تو اسے پیش کر۔ آپ نے (اسی وقت) اپنی لاٹھی ڈال دی جو اچانک واضح سانپ بن گئی۔ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت ہر دیکھنے والے کو سفید چمکدار نظر آنے لگا۔ فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا کہ یہ تو کوئی بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری زمین سے ہی نکال دے' بتاؤ اب تم کیا حکم (مشورہ) دیتے ہو۔ ان سب نے کہا آپ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور تمام شہروں میں اہلکار بھیج دیجیے۔ جو آپ کے پاس علم والے (ماہر) جادوگروں کو لے آئیں۔ پھر ایک مقرر دن کے وعدے پر تمام جادوگر جمع کیے گئے۔ اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی مجمع میں حاضر ہو جاؤ گے؟ تاکہ اگر جادوگر غالب آ جائیں تو ہم ان ہی کی پیروی کریں۔ جادوگر آ کر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں! بلکہ ایسی صورت میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے۔ موسیٰ (علیہ السلام)

(۱) [الأعراف : 103-126]

(۲) [یونس : 75-82]

نے جادوگروں سے فرمایا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو۔ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم! ہم یقیناً غالب رہیں گے۔ اب موسیٰ نے بھی اپنی لاٹھی میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے جھوٹ موٹ کے کرتب کو نگلنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی جادوگر بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر ایمان لائے۔ یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے' سو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا' قسم ہے! میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں اُلٹے طور پر کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں' ہم تو اپنے رب کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں' ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرما دے گا۔"(۱)

الغرض فرعون نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ وہ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) تو تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ یوں اس نے موسیٰ علیہ السلام پر کھلا بہتان باندھا جس کی حقیقت سے سارا جہان آشنا تھا۔ پھر اس نے جادوگروں کو دھمکاتے ہوئے کہا کہ میں مخالف سمتوں سے تمہارے ہاتھ پاؤں (یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں) کٹوا کر تمہیں سولی پر لٹکوا دوں گا۔ اس نے ایسا اس لیے کہا تا کہ اس کی رعایا میں سے کوئی دوسرا شخص ان کی پیروی کی جرأت نہ کر سکے۔ اسی لیے اس نے کہا کہ میں تمہیں کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا' کیونکہ یہ درخت زیادہ اونچے ہوتے ہیں اور دور سے ہی نظر آ جاتے ہیں۔ اور اس نے یہ بھی کہا کہ عنقریب تمہیں علم ہو جائے گا کہ کس کی سزا زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ مطلب یہ کہ کون زیادہ دیر باقی رہتا ہے۔

جادوگروں نے اسے جواب دیا' ہم نے جو نشانیاں دیکھ لی ہیں اور جو واضح دلائل ہمارے دلوں میں گھر کر چکے ہیں' ان کے بعد ہم تجھے اس اللہ پر ہرگز ترجیح نہیں دیں گے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی قسم! جس نے ہمیں پیدا کیا ہے (ہم ایسا نہیں کریں گے' یعنی وَالَّذِیْ فَطَرَنَا میں بعض نے واؤ کو عاطفہ بنایا ہے اور بعض نے قسمیہ) اب تو جو کر سکتا ہے کر لے اور یقیناً تیرے حکم کا تعلق صرف اسی دنیاوی زندگی سے ہی ہے یعنی جب ہم مر کر اُخروی زندگی میں پہنچیں گے تو ہم پر تیرا حکم نہیں چل سکے گا بلکہ وہاں صرف اسی کی حکومت ہو گی جس پر ہم ایمان لائے ہیں اور جس کے رسولوں کی ہم نے پیروی کی ہے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہمارے گناہ معاف فرما دے اور اس جادوگری کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے اور اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ یعنی اس کا ثواب ان عہدوں سے کہیں بہتر ہے جن کا تو ہمیں لالچ دے رہا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔

---

(۱) [الشعراء: 29-51]

دوسرے مقام پر ہے کہ جادوگروں نے کہا" کوئی حرج نہیں' ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہی ہیں۔ اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرما دے گا۔" یعنی ہم قبطیوں سے پہلے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے ہیں۔ انہوں نے فرعون سے یہ بھی کہا "تو ہم پر صرف یہ عیب لگاتا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس آگئیں۔" یعنی ہمارا جرم صرف یہی ہے کہ ہم نے رسول کے لائے ہوئے پروردگار کے احکام کو تسلیم کیا ہے۔" اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے۔" یعنی یہ ظالم وسفاک حکمران ہم پر جو بھی مظالم ڈھائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔" اور حالتِ اسلام میں ہمیں فوت کرنا۔"

انہوں نے اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرعون کو یہ بھی کہا" بات یہ ہے کہ جو بھی گنہگار بن کر اللہ کے ہاں جاتا ہے اس کے لیے (ٹھکانہ) جہنم ہے جس میں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی۔" اس لیے تو ایسے لوگوں میں شامل نہ ہو لیکن وہ انہی میں شامل ہو کر رہا۔" اور جو بھی اس کے پاس ایماندار بن کر حاضر ہوگا اور اس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے بلند درجے ہوں گے اور ایسے باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔" تو بھی ایسے لوگوں میں شامل ہونے کی کوشش کر۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فیصلہ فرما رکھا تھا کہ فرعون جہنمی ہے' اس لیے وہ جہنمیوں میں سے ہو گیا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے انہیں سزا بھی دی اور سولی پر بھی لٹکوایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ لوگ صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت صالحین اور شہداء بن چکے تھے۔ ان کی یہ دعا" اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور حالتِ اسلام میں ہمیں فوت کر" بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

قومِ فرعون کے سرداروں کا فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اُبھارنا

جب یہ عظیم واقعہ رونما ہو چکا کہ قبطی کھلے میدان میں مغلوب ہو گئے اور ان کے لائے ہوئے جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لا کر ان کے ساتھی بن گئے تو فرعونی راہِ راست پر آنے کی بجائے کفر وعناد میں مزید پختہ ہو گئے۔ سورۂ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ ... فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ "اور قومِ فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو یونہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں' اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کیے رہیں۔ فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی

قوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو' یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے (اس کا) مالک بنا دے اور آخیر کامیابی انہی کی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت میں ہی رہے' آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور ان کے بجائے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا دے گا' پھر تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا۔'' (۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ قومِ فرعون کے سرداروں نے فرعون کو اس بات پر ابھارا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو اذیتیں دے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کا انکار کرے۔ انہوں نے کہا'' کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو یونہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں' اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کئے رہیں۔'' ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کی دعوت اور غیر اللہ کی عبادت سے روکنا جو موسیٰ علیہ السلام کر رہے ہیں' یہ تو ہم قبطیوں کے نزدیک فساد ہے۔ ایک قراءت میں یہ لفظ ہیں ﴿ وَيَـذَرَكَ وَ اِلٰهَتَكَ ﴾ ''یعنی وہ تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رکھیں۔'' اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں اور دوسرا یہ کہ وہ تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رہیں۔

فرعون نے کہا'' ہم ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے۔'' تاکہ ان میں لڑائی کے قابل افراد کی تعداد زیادہ نہ ہونے پائے۔ اور اس نے کہا'' ہم کو ان پر ہر طرح کا زور ہے۔'' موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو' یعنی جب وہ تمہیں اذیتیں پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور مصائب پر صبر کرو۔ اور فرمایا'' یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے (اس کا) مالک بنا دے اور آخیر کامیابی انہی کی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔'' یعنی تم اللہ کے پرہیزگار بندے بن جاؤ تو یقیناً کامیابی تمہارا مقدر ٹھہرے گی جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ ... الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو' اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا' اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کا فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں ان کافر لوگوں سے نجات دے۔''(۲)

انہوں نے کہا'' ہم تو ہمیشہ مصیبت میں ہی رہے' آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری

(۱) [الأعراف: 127-129]

(۲) [یونس: 84-86]

کے بعد بھی۔" مطلب یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی ہمارے لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور آپ کے بعد بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا "بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور ان کے بجائے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا دے گا' پھر تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا۔"

سورۂ مومن میں ارشاد ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ ... سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ "ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔ فرعون' ہامان اور قارون کی طرف' سو انہوں نے کہا یہ تو جادوگر اور بہت جھوٹا ہے۔"(۱) فرعون مصر کا بادشاہ' ہامان اس کا وزیر اور قارون اسرائیلی یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا' لیکن وہ فرعون اور اس کے سرداروں کے مذہب پر تھا اور اس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت تھا' اس کا واقعہ آگے آئے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا ... إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴾ "پس جب ان کے پاس (موسیٰ علیہ السلام) ہماری طرف سے (دینِ) حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا' اس کے جو ایمان والے ہیں ان کے لڑکوں کو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو اور کافروں کی جو حیلہ سازی ہے وہ غلطی ہی میں ہے۔"(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم ایک تو انہیں ذلیل و رسوا کرنے کے لیے دیا گیا اور دوسرے اس لیے کہ ان کی تعداد نہ بڑھ جائے کہ وہ قبطیوں پر حملہ آور ہو جائیں۔ اس تدبیر کا قبطیوں کو کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ غالب آ کر رہتا ہے' وہ جس کام کے لیے بھی "ہو جا" کہہ دیتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ ... فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴾ "اور فرعون نے کہا' مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں اور اسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی فساد نہ برپا کر دے۔"(۳) اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے گھبرا کر فرعون لوگوں کو واعظین کی طرح نصیحتیں کرنے لگا۔ اسی لیے (ضرب المثل کے بطور) کہا جاتا ہے کہ "فرعون واعظ بن گیا"۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب اس کی یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ ... الْحِسَابِ ﴾ "موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا' میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں' ہر اس متکبر (کے شر) سے جو یومِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔"(۴) یعنی میں اس بات سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ فرعون یا کوئی متکبر مجھ

---

(۱) [المؤمن: 23-24]

(۲) [المومن: 25]

(۳) [المومن: 26]

(۴) [المومن: 27]

پر حملہ کرے اور مجھے نقصان پہنچائے۔ ہر متکبر سے پناہ میں آتا ہوں یعنی ہر ضدی' سرکش' ظالم' اللہ کے عذاب سے نہ ڈرنے والے اور جزاوسزا پر یقین نہ رکھنے والے سے' اے اللہ! تیری پناہ میں آتا ہوں۔

قوم فرعون کے ایک مومن کا تذکرہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ ... إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴾ ''اور ایک مومن شخص نے' جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا' کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے' اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر آ پڑے گا' اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو۔ اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو لیکن اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو ہماری مدد کون کرے گا؟ فرعون بولا' میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔''(۱)

یہ شخص فرعون کا چچازاد بھائی تھا اور قوم سے خائف ہو کر اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اسرائیلی تھا لیکن یہ بات بعید از حقیقت اور قرآن کے خلاف ہے۔ اس کے نام کے متعلق بھی مختلف آراء ہیں' ایک رائے کے مطابق اس کا نام ''شمعان'' اور دوسری کے مطابق ''خیر'' تھا۔ (واللہ اعلم)

بہر حال اس نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا لیکن جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں اپنے درباریوں سے مشورہ کیا تو اسے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ اس نے نہایت حکمت کے ساتھ فرعون کے سامنے ایسے انداز سے کلام کیا کہ ترغیب و ترہیب اور مشورہ و نصیحت سب ہی اس میں شامل ہو گئے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔''(۲) اس شخص نے یہ عظیم مقام حاصل کر لیا اور فرعون جو وقت کا سب سے ظالم حکمران تھا اس کے سامنے کلمہ حق کہہ دیا۔ اس کی بات اعلیٰ درجے کے عدل و انصاف پر مبنی تھی کیونکہ اس میں ایک نبی کی حفاظت کا ذکر تھا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے اس بات کے ذریعے اپنا مخفی ایمان ظاہر کر دیا لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱) [غافر: 28-29]

(۲) [صحيح: صحيح الجامع الصغير (1100) السلسلة الصحيحة (419) ابو داود (4344) كتاب الملاحم: باب الأمر والنهي' ابن ماجه (4011) كتاب الفتن: باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر' مسند احمد (10716) مستدرك حاكم (8685) طبراني كبير (327/7) مسند ابو يعلى موصلى (1063)]

اس نے کہا ''کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟'' یعنی ایسی عمدہ بات کرنے والے کو قتل تو نہیں کیا جاتا' اس کا تو احترام کرنا چاہیے یا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اس لیے بھی کہ وہ دلائل کے ساتھ اپنا موقف ثابت کر چکا ہے اور بطورِ تصدیق معجزات پیش کر چکا ہے۔ ایسے شخص سے تعرض نہ کرنے میں ہی سلامتی ہے کیونکہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا تمہیں اس کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے پریشان کیا تو پھر تمہیں کچھ نہ کچھ سزا تو لازماً بھگتنا پڑے گی۔ یعنی تم تو اس تھوڑے عذاب سے بھی خائف ہو جس سے وہ ڈرا رہا ہے اور اگر وہ سارا تم پر آ گیا تو پھر تمہارا کیا بنے گا؟ اس مقام پر اس بندے کی کلام انتہائی دانش مندی' احتیاط اور نرم مزاجی کا مظہر ہے۔

اس نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو۔'' اس نے انہیں حکومت چھن جانے سے ڈرایا کیونکہ جو حکومت دینِ حق کے راستے میں رکاوٹ بن جائے وہ چھین لی جاتی ہے اور اس کے اہلکار بھی ذلیل ورسوا کر دیئے جاتے ہیں۔ قومِ فرعون کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ وہ ہمیشہ موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کی مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ملک' محلات' نعمتوں اور آسائشوں سے نکال کر سمندر میں غرق کر دیا اور ان کی روحیں بلندی سے جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گریں۔

اس سچے' نیک' دانشمند' اور خیر خواہ مومن نے اسی لیے کہا تھا کہ لوگو! آج تمہاری بادشاہت ہے اور ہر طرف تمہارا حکم چلتا ہے لیکن اگر اللہ کا عذاب آ گیا تو پھر ہماری مدد کون کرے گا؟ یعنی تمہاری تعداد' اسلحہ اور طاقت وقوت اگر مزید بہت زیادہ بھی بڑھ جائے تب بھی اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ بھی نہیں روک سکے گی۔ فرعون نے کہا ''میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔'' ان دونوں باتوں میں اس نے جھوٹ بولا کیونکہ وہ باطنی طور پر یہ یقین رکھتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سچی ہے اور وہ اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے' وہ تو محض ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر آپ کی مخالفت پر اَڑا رہا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنزَلَ هَٰٓؤُلَآءِ ... بِكُمْ لَفِيفًا ﴾ ''موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان اور زمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھانے اور سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں۔ اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو تباہ و برباد اور ہلاک کر دیا گیا۔ آخر فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں زمین سے ہی اکھیڑ دے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ اس سرزمین پر تم رہو سہو' ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا' ہم تم سب کو سمیٹ اور لپیٹ کر لے آئیں گے۔''(۱)

(۱) [الاسراء : 102-104]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً ... عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ''پس جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے ہمارے معجزات پہنچے تو وہ کہنے لگے' یہ تو صریح جادو ہے۔ اور انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا' حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ لیجئے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا کیسا انجام ہوا؟''(۱)

فرعون کی یہ بات کہ ''میں تو تمہیں صرف بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں'' سراسر جھوٹ تھا کیونکہ وہ تو خود ہی ہدایت پر نہیں تھا بلکہ کم عقلی' جہالت اور وہم و گمان میں گھرا ہوا تھا۔ وہ پہلے بتوں کا پجاری تھا' پھر اس نے اپنی جاہل و گمراہ رعایا کو کفر کی طرف بلایا تو انہوں نے بھی اس کی تابعداری کی اور اسے رب تسلیم کر لیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ ... سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴾ ''اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا کہ اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے (محلات کے) نیچے سے یہ نہریں بہہ رہی ہیں' کیا تم دیکھتے نہیں؟ بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ اچھا اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آ پڑے یا اس کے ساتھ جمع ہو کر فرشتے ہی آ جاتے۔ اس نے اپنی قوم کو بہلایا پھسلایا اور انہوں نے اسی کی مان لی' یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا۔ پس ہم نے انہیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال (عبرت) بنا دیا۔''(۲)

سورۂ نازعات میں ارشاد ہے کہ ﴿ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ... لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴾ ''انہوں نے اسے بڑی نشانی دکھائی۔ اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا۔ پھر سب کو جمع کر کے پکارا۔ تم سب کا رب میں ہی ہوں۔ تو اللہ نے اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔ بے شک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے۔''(۳)

سورۂ ہود میں ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ... بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴾ ''اور یقیناً ہم نے ہی موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف' پھر بھی ان لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی بھی حکم درست نہیں تھا۔ وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر

---

(۱) [النمل : 13-14]

(۲) [الزخرف : 51-56]

(۳) [النازعات : 20-26]

ان سب کو دوزخ میں جا کھڑا کرے گا' وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر لا کھڑے کیے جائیں گے۔ ان پر تو اس دنیا میں بھی لعنت چپکا دی گئی اور قیامت کے دن بھی برا انعام ہے جو دیا گیا۔''(۱)

مذکورہ بالا تمام آیات پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فرعون کی دونوں باتیں ہی جھوٹی تھیں۔ ایک یہ کہ ''میں تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جسے میں خود صحیح سمجھتا ہوں۔'' اور دوسری یہ کہ ''میں تمہیں صرف بھلائی کی راہ بتا رہا ہوں۔''

آل فرعون کے ایمان دار شخص نے مزید یہ بھی کہا کہ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْ آمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ ... مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴾ ''اے میری قوم! مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی روز (عذاب) نہ آئے جو امتوں پر آیا۔ جیسے امت نوح اور عاد وثمود اور ان کے بعد والوں کا (حال ہوا) 'اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ اور اے میری قوم! مجھے تم پر پکار کے دن کا بھی ڈر ہے۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے' تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔ اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف (علیہ السلام) دلیلیں لے کر آئے' پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک وشبہ ہی کرتے رہے حتی کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو کہنے لگے کہ ان کے بعد اللہ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا' اسی طرح اللہ ہر اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جانے والا' شک وشبہ کرنے والا ہو۔ جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو' اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں' اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے' اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''(۲)

اللہ کے اس ولی نے انہیں خبردار کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلائیں گے تو ان پر بھی اسی طرح کے عذاب آ سکتے ہیں جو گزشتہ اقوام مثلاً قومِ نوح' عاد' ثمود اور ان کے بعد کی وہ اقوام جو ان کے دور تک آئیں کہ جن کے حالات وواقعات سے وہ بخوبی واقف تھے' پر آئے۔ ان عذابوں کے ذریعے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء سچے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مخالفین کو عذابوں سے دوچار کیا اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات عطا فرمائی اور وہ روزِ قیامت بھی بے خوف ہوں گے کہ جب سب لوگ اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہوں گے مگر بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ ﴾ ''اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ آج تو ٹھکانہ صرف تیرے پروردگار کی طرف ہی ہے۔''(۳)

(۱) [ھود : 96-99]

(۲) [غافر : 30-35]

(۳) [القیامة : 10-12]

﴿ يَوْمَ التَّنَادِ ﴾ ''پکار کا دن'' یہ لفظ ایک قراءت میں دال کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ﴿ يَوْمَ التَّنَادِّ ﴾ تب معنی ہوگا ''بھاگنے کا دن۔'' اس سے مراد روزِ قیامت بھی ہو سکتا ہے اور روزِ عذاب بھی۔ یعنی وہ اس روز بھاگنا تو چاہیں گے لیکن بھاگ کر کہاں جا سکیں گے؟۔

پھر اس مومن بندے نے انہیں مصر کے یوسف علیہ السلام کی نبوت کے متعلق بتایا کہ انہوں نے اہل مصر کو کیسے کیسے دنیاوی و اُخروی فوائد پہنچائے؟ اب انہی کی آل سے موسیٰ علیہ السلام تم میں مبعوث ہوئے ہیں جو تمہیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس کے ساتھ شرک سے روکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اب صورتحال یہ ہے کہ حق کی تکذیب مصر کے لوگوں کی عادت بن چکی ہے۔ اسی لیے اس نے کہا ''تم ان کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک وشبہ ہی کرتے رہے حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے کہ ان کے بعد اللہ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا۔'' یعنی تم تو پہلے سے ہی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر چکے تھے کیونکہ تم نے یہ کہا تھا کہ اب تو کوئی رسول آئے گا ہی نہیں۔ اس نے کہا ''اسی طرح اللہ ہر اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جانے والا' شک وشبہ کرنے والا ہو۔ جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو' اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔'' یعنی دلائلِ توحید بغیر کسی دلیل کے رد کر دیتے ہیں۔ یہ کام اللہ کو بہت ناپسند ہے اور یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ''اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔'' یعنی جب دل حق کی مخالفت کریں اور بلا دلیل ہی ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ یہی سزا دیتے ہیں۔

ہامان کو بلند و بالا محل تعمیر کرنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا ... اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴾ ''فرعون نے کہا' اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنوا تاکہ میں دروازوں تک پہنچ جاؤں۔ آسمانوں کے دروازوں پر اور موسیٰ کے معبود کو دیکھ لوں اور بے شک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے۔ اور اسی طرح فرعون کو اس کے برے اعمال اچھے معلوم ہوتے تھے اور وہ راستے سے روک دیا گیا تھا اور اس کی حیلہ سازی تباہی میں ہی رہی۔''(۱)

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور بہت بڑا جھوٹ بولتے ہوئے کہا ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ... مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ ''میں تمہارے لیے اپنے علاوہ کسی معبود کو نہیں جانتا' پس اے ہامان! تو میرے لیے مٹی کو آگ سے پکا کر اینٹیں تیار کر' پھر ایک (اونچا) محل بنا تاکہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کی طرف چڑھوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔''(۲) اور یہاں (یعنی سورۂ مومن) میں ہے کہ اس نے کہا ''تاکہ میں دروازوں تک پہنچ جاؤں۔

(۱) [المومن: 36-37]

(۲) [القصص: 38]

آسمانوں کے دروازوں پر اور موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو دیکھ لوں اور بے شک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے۔'' اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ میرے خیال میں موسیٰ کی یہ بات جھوٹی ہے کہ میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے' دوسرا یہ کہ میرے خیال میں موسیٰ کی یہ بات جھوٹی ہے کہ اسے پروردگار نے بھیجا ہے۔

فرعون کے حالات کے زیادہ موافق پہلا مطلب ہے' جبکہ الفاظ کے ساتھ زیادہ موافق دوسرا مطلب ہے۔ کیونکہ اس نے یہ بات کہی تھی کہ ''میں موسیٰ کے معبود کی طرف جھانک لوں۔'' یعنی میں اس سے پوچھوں کہ کیا اس نے موسیٰ کو بھیجا ہے؟ فرعون کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگوں کو آپ کی تکذیب پر آمادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اور اسی طرح فرعون کو اس کے برے اعمال اچھے معلوم ہوتے تھے اور وہ راستے سے روک دیا گیا تھا اور اس کی حیلہ سازی تباہی میں ہی رہی۔'' یعنی وہ اپنے مقصد میں کچھ بھی کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ پہلے آسمان تک پہنچنا ہی کسی کے بس میں نہیں تو وہ اوپر والے آسمانوں تک کیا پہنچے گا؟ اور اس کے اوپر کی بلندیوں سے تو صرف اللہ رب العزت ہی واقف ہے۔

مفسرین کے بیان کے مطابق ہامان نے وہ محل بنوایا تھا اور وہ اتنا بلند تھا کہ اس سے پہلے اتنی بلند عمارت کوئی نہیں بنائی گئی تھی۔ اس نے وہ محل آگ میں پکی ہوئی اینٹوں سے ہی بنوایا کیونکہ فرعون نے اسے حکم دیا تھا کہ ''اے ہامان! تو میرے لیے مٹی کو آگ سے پکا کر اینٹیں تیار کر' پھر ایک (اونچا) محل بنا۔'' اہل کتاب کی روایات کے مطابق ان اینٹوں کی تیاری کا سارا کام بنی اسرائیل سے کرایا گیا۔ روزانہ انہیں اینٹوں کی ایک متعین تعداد تیار کرنے کا حکم دے دیا جاتا اور پھر اتنی ہی ان سے وصول کی جاتی' اگر وہ تعداد پوری نہ کر سکتے تو انہیں سزائیں دی جاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو تیرے آنے سے پہلے بھی اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہماری حالت یہی رہی۔

قوم فرعون کے مومن کا وعظ

یہاں ہم دوبارہ قوم فرعون کے مومن کا وعظ اور پیش کردہ دلائل ذکر کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِكُمْ ... بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ ''اس مومن شخص نے کہا اے میری قوم! تم میری پیروی کرو میں نیک راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا۔ اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی متاع فانی ہے اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے۔ جس نے گناہ کیا ہے اسے تو اس کے مثل ہی بدلہ دیا جائے گا اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بلا حساب روزی پائیں گے۔''(۱)

---

(۱) [غافر: 38-40]

مذکورہ بیان میں وہ مومن شخص لوگوں کے سامنے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کر رہا ہے کہ انہیں چاہیے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کریں اور اس فانی دنیا میں اپنی رغبت کر کے اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کی کوشش کریں جو کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا' وہی ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز اسی کی ملکیت و اختیار میں ہے اور وہ بہت کم عمل کا بہت زیادہ اجر بھی عطا فرما دیتا ہے لیکن گناہ کا بدلہ اس کے برابر ہی دیتا ہے۔ اس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ دائمی مقام آخرت ہے' جو بھی دنیا میں نیک عمل کرے گا اسے وہاں بلند و بالا محلات' ہر طرح کی نعمتیں اور مختلف النوع کھانے اور تمام انواع و اقسام کی آسائشیں نصیب ہوں گی۔ اس کے بعد اس نے ان کے باطل عقائد کا رد اور ان کے برے انجام سے ڈراتے ہوئے کہا:

﴿ وَيَٰقَوْمِ مَا لِيٓ أَدْعُوكُمْ إِلَى ٱلنَّجَوٰةِ ... أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ ﴾ ''اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں غالب بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ یہ یقینی امر ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ تو نہ دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہیں نہ آخرت میں' اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گزر جانے والے ہی اہل دوزخ ہیں۔ پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے۔ پس اسے اللہ تعالیٰ نے تمام بدیوں سے محفوظ رکھ لیا جو انہوں نے سوچ رکھی تھیں اور آلِ فرعون پر بری طرح کا عذاب اُلٹ پڑا۔ آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی (فرمان ہو گا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔''(۱)

وہ مومن انہیں اس اللہ کی عبادت کی طرف بلا رہا تھا جس کی شان یہ ہے کہ وہ جس کام کے لیے کہتا ہے ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ لوگ اسے فرعون کی عبادت کی طرف بلا رہے تھے جو جاہل' گمراہ اور ملعون تھا۔ اسی لیے اس نے ان کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ''اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں غالب بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔''

پھر اس نے ان کے عقیدے کا ابطال کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کے علاوہ تم جن معبودوں کو بھی پکارتے ہو وہ نفع ونقصان کے کچھ بھی مالک نہیں۔ اس نے کہا ''یہ یقینی امر ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ تو نہ دنیا میں پکارے

(۱) [غافر: 41-46]

جانے کے قابل ہیں نہ آخرت میں' اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گزر جانے والے ہی اہل دوزخ ہیں۔'' یعنی جو اس دنیا میں کسی اختیار کے مالک نہیں آخرت میں ان کے پاس کیا اختیار ہوگا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر نیک و بد کا خالق بھی ہے اور اسے رزق بھی دیتا ہے' وہی ہر ایک کو موت دیتا ہے' وہی روزِ قیامت سب کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اطاعت گزاروں کو جنت اور نافرمانوں کو دوزخ میں پھینکے گا۔

پھر اس نے انہیں کفر پر اصرار کے انجامِ بد سے یوں ڈرایا کہ ''عنقریب تم میری باتوں کو یاد کرو گے میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے۔'' اس لیے ''اللہ تعالیٰ نے اسے تمام بدیوں سے محفوظ رکھ لیا جو انہوں نے سوچ رکھی تھیں'' یعنی لوگوں کو کفر اور باطل عقائد سے روکنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس مومن بندے کو اُس عذاب سے محفوظ رکھا جس میں دوسرے لوگ اپنے کفر اور باطل عقائد و نظریات کی بنا پر مبتلا ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''آلِ فرعون پر بری طرح کا عذاب اُلٹ پڑا' آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ قبر میں انہیں صبح و شام جہنم کی آگ سے عذاب دیا جاتا ہے اور جب قیامت آئے گی تو فرمان یہ ہوگا کہ ''فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔'' یہ آیت اثباتِ عذابِ قبر کی دلیل بھی ہے اور اس کے متعلق ہم اپنی تفسیر میں بحث کر چکے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کرنے سے پہلے ان پر حجت پوری کر دی تھی۔ ان کی طرف رسول بھیجا' ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا اور ترغیب و ترہیب کے تمام طریقوں سے ان کے سامنے ان کے باطل عقائد کی تردید کر دی اور پھر انہیں ہلاک کیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ ... وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴾ ''اور ہم نے آلِ فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ سو جب ان پر خوشحالی آ جاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔ یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور یوں کہتے' کیسی ہی بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ پھر ہم نے ان پر طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک اور خون سب کھلی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر کرتے رہے اور وہ تھے ہی مجرم۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان گوناگوں عذابوں کا ذکر کیا ہے جن میں اس نے قومِ فرعون کو مبتلا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی قحط سالی مسلط کر دی کہ نہ تو فصلیں اُگتیں' نہ جانور دودھ دیتے اور درخت بھی بہت کم پھل لاتے۔ یہ عذاب انہیں اس لیے دیا گیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور راہِ راست پر آ جائیں لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہوئے

(۱) [الأعراف: 130-133]

بلکہ وہ اپنے اعمالِ بد پر ہی اڑے رہے۔ جب وہ خوشحال ہوتے تو کہتے ہم تو اسی کے مستحق تھے اور جب کوئی بدحالی پیش آتی تو کہتے یہ تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ اگر معاملہ اسی طرح تھا تو انہیں خوشحالی کے وقت بھی یہی کہنا چاہیے تھا کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی برکت کی وجہ سے ہے' تب وہ ایسا نہیں کہتے تھے کیونکہ وہ متکبر اور حق سے نفرت کرنے والے تھے۔ اسی لیے بری چیز ان کی طرف اور اچھی چیز اپنی طرف منسوب کر لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ انہیں اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ''لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' فرعون کی قوم نے یہ بھی کہا کہ ''کیسی ہی بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔'' یعنی تم ہمارے سامنے جیسے بھی معجزات اور خرقِ عادت اشیاء پیش کر دو ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ تمہاری اطاعت کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ ... الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ ''یقیناً جن لوگوں پر تیرے رب کا فیصلہ ثابت آ چکا ہے' وہ ایمان نہیں لائیں گے' اگرچہ ان کے پاس تمام نشانیاں آ جائیں' جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ ... مُجْرِمِينَ﴾ ''پھر ہم نے ان پر طوفان' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک اور خون سب کھلی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر کرتے رہے اور وہ تھے ہی مجرم۔''

''الطوفان'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ طوفان سے مراد بہت زیادہ بارش ہے جس کے باعث کھیت ڈوب گئے اور پھل تباہ ہو گئے۔ علاوہ ازیں کچھ نے طوفان سے کثرتِ اموات اور کچھ نے طاعون کی وبا بھی مراد لی ہے۔

''الجراد'' ٹڈی کو کہتے ہیں جو معروف ہی ہے۔ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سات جنگیں لڑیں (جن کے دوران) ہم ٹڈی کھاتے تھے۔(۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت میں ہے کہ ''ٹڈی اللہ کے لشکروں میں سے سب سے زیادہ تعداد میں ہے' میں نہ اسے کھاتا ہوں اور نہ ہی اسے حرام قرار دیتا ہوں'' وہ ضعیف ہے۔(۳) اس سے متعلقہ مزید روایات و آثار ہم نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں اور ان پر مفصل کلام بھی کیا ہے۔ بہرحال جب ٹڈی دل ان پر آیا تو ان کی کھیتیاں اور پھل سب کچھ

---

(۱) [یونس: 96-97]

(۲) [بخاری (5495) کتاب الذبائح والصید: باب أکل الجراد' مسلم (1952) کتاب الصید والذبائح: باب اباحة الجراد' نسائی (4356) کتاب الصید والذبائح: باب الجراد' ترمذی (1821) کتاب الأطعمة: باب ما جاء فی أکل الجراد' احمد (18586) ابن أبی شیبة (5/ 57) عبد الرزاق (533/4) طبرانی کبیر (72/20)]

(۳) [ضعیف: السلسلة الضعیفة (1533) ابو داود (3813) ابن ماجه (3219)]

چٹ کر گیا اور اس نے کچھ بھی باقی نہ چھوڑا۔

"القمل" اس کے متعلق ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد گندم کو لگنے والا کیڑا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے ٹڈیوں کے وہ چھوٹے بچے مراد ہیں جن کے پر نہ اُگے ہوں۔ کچھ نے اس سے کھٹمل' کچھ نے گندگی پر پیدا ہو جانے والے چھوٹے چھوٹے کیڑے اور کچھ نے جوئیں مراد لی ہیں۔ یہ کیڑا ان کے گھروں اور بستروں میں گھس گیا جس سے ان کا امن وسکون برباد ہو گیا' نیند اڑ گئی اور جینا مشکل ہو گیا۔

"ضفادع" مینڈک یہ بھی معروف جانور ہے۔ ان کے ذریعے انہیں یوں عذاب دیا گیا کہ یہ اس قدر زیادہ تعداد میں ان کے گھروں میں آ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے تمام برتنوں میں جا گھسے۔ پھر اگر کوئی کچھ کھانے یا پینے کے لیے اپنا منہ کھولتا تو اس کے منہ میں مینڈک جا گھستا۔

"دم" خون کے ذریعے انہیں اس طرح عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ ان کا سارا پانی خون بن گیا حتی کہ اگر وہ دریائے نیل' کسی نہر' کنوئیں یا کسی بھی جگہ سے پانی اپنے برتن میں ڈالتے تو ڈالتے ہی وہ سارا پانی خون بن جاتا۔

واضح رہے کہ یہ تمام عذاب صرف قبطیوں پر ہی مسلط تھے' بنی اسرائیل ان سے مکمل طور پر محفوظ تھے۔ فی الواقع یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کا اللہ کی طرف سے ایک معجزہ تھا جو ان کی حقانیت پر قاطع حجت تھا کہ تمام قبطی جس عذاب میں مبتلا تھے بنی اسرائیل کا کوئی فرد بھی اس میں مبتلا نہ تھا۔

قدرتِ الٰہیہ کی متعدد نشانیاں اور قومِ فرعون کا کفر پر اصرار

جب تمام جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو فرعون واضح طور پر شکست خوردہ ہونے کے باوجود کفر وعناد پر جما رہا اور اس کی سرکشی مزید بڑھ گئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر طرح طرح کے عذاب مسلط کر کے اپنی قدرت کی نشانیاں ظاہر کرنی شروع کیں۔ ان پر پے در پے قحط سالی' طوفان' ٹڈی دل' جوئیں' مینڈک اور خون کے عذاب آئے۔ ان میں سے ہر ایک اللہ کی طرف سے واضح نشانی تھی۔ ان پر پانی کا طوفان آیا' جس سے ساری زمین پر پانی پھیل کر وہیں رک گیا نتیجۃً نہ کوئی کاشتکاری کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی اور کام' جب وہ سخت بھوک کا شکار ہو گئے اور معاملہ حد سے تجاوز کر گیا تو موسیٰ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ ﴿ يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ ... بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے' اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور بضرور آپ کے کہنے پر ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔''(۱)

(۱) [الأعراف : 134]

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو ان کا عذاب ختم ہو گیا لیکن وہ اپنے وعدے سے پھر گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل کا عذاب مسلط کر دیا' جس نے ان کے تمام کھیت' پودے اور درخت چٹ کر دیئے۔ وہ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور قبولِ ایمان کا وعدہ کیا' چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے پھر عذاب ختم ہو گیا۔ مگر انہوں نے پھر اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو ریت کے ایک ٹیلے پر اپنی لاٹھی مارنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اس ٹیلے سے بہت سی جوئیں نکلیں اور ان کے گھروں میں داخل ہو گئیں اور ان کا کھانا پینا' سونا جاگنا اور آرام و سکون سب برباد ہو گیا۔

جب معاملہ حد سے بڑھا تو پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے پھر عذاب ٹل گیا۔ لیکن انہوں نے اس بار بھی اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈک کا عذاب بھیج دیا۔ وہ ان کے گھروں میں داخل ہو کر ان کے بستروں' کپڑوں اور کھانے پینے کے تمام برتنوں میں گھس گئے۔ پھر وہ کوئی کپڑا اٹھاتے تو نیچے سے مینڈک نکلتا اور جب کچھ کھانا پینا چاہتے تو ہر برتن میں مینڈک ہوتا۔ انہوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی اور آپ کی دعا سے پھر عذاب ختم ہو گیا۔ وہ اس بار بھی اپنے وعدے سے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب مسلط کر دیا۔ ان کا سارا پانی خون بن گیا۔ وہ کسی بھی دریا' نہر یا کنوئیں سے پانی نکالتے یا ہاتھ سے چلو بھرتے تو فوراً وہ خون بن جاتا' الغرض ہر پانی جب ان کے ہاتھوں میں پہنچتا تو فوراً خون بن جاتا۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ خون کے عذاب سے مراد نکسیر کی بیماری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ ... وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴾ ''اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے' اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور بضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک انہیں پہنچنا تھا' ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے۔''(۱)

یہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی سرکشی' جہالت' تکبر اور گمراہی کا حال بیان کر رہے ہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات دیکھ کر بھی آپ پر ایمان نہ لائے۔ ہر مرتبہ جب ان پر آزمائش آتی تو وہ آپ سے وعدہ کرتے کہ وہ اپنا رویہ تبدیل کر لیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن جب بھی موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان سے عذاب ختم ہوتا وہ پھر مکر جاتے اور نتیجۃً پہلے سے بھی بڑا عذاب ان پر مسلط کر دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے کئی مرتبہ انہیں مہلت دی لیکن جب وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر کے رہتی دنیا تک نشانِ عبرت بنا دیا۔

---

(۱) [الأعراف : 134-136]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ ... سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴾
''اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تو (موسیٰ علیہ السلام نے جا کر) کہا کہ میں تمام جہانوں کے رب کا پیغمبر ہوں۔ پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے۔ اور ہم انہیں جو نشانیاں دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑھی چڑھی ہوتی تھی اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں۔ اور انہوں نے کہا' اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے' یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے۔ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا لیا تو انہوں نے اسی وقت اپنا قول وقرار توڑ دیا۔ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرا دی اور کہا' اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے (محلات کے) نیچے یہ نہریں بہ رہی ہیں' کیا تم دیکھتے نہیں؟ بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ اچھا اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آ پڑے یا اس کے ساتھ فرشتے ہی اکٹھے ہو کر آ جاتے۔ اس نے اپنی قوم کو بہلایا پھسلایا اور انہوں نے اسی کی مان لی' یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا۔ پس ہم نے انہیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنا دیا۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات ان کی حقانیت کا واضح ثبوت تھے لیکن فرعون کی قوم آپ کی رسالت کو تسلیم کرنے کے بجائے ہنسی مذاق پر اتر آئی۔ انہوں نے خود بھی آپ کو جھٹلایا اور دوسروں کو بھی اسی کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ نے پے در پے انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''انہوں نے کہا' اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے' یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے۔'' اس دور میں ''جادوگر'' کا لفظ معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کیونکہ ان لوگوں میں جادوگروں کو علماء کا ہی مقام حاصل تھا۔ اسی لیے جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس عاجز بن کر آئے تو انہوں نے آپ کو جادوگر کہہ کر پکارا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا لیا تو انہوں نے اسی وقت اپنا قول وقرار توڑ دیا۔''

فرعون نے قوم کے سامنے اپنی بڑائی یوں ظاہر کی کہ وہ مصر کا حاکم ہے' اس کے محلات کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور وہ سونے چاندی کے کنگن اور دوسرے زیورات بھی پہنے ہوئے ہے۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی حقارت یوں ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ تو ٹھیک سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ کی زبان میں لکنت تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

(۱) [الزخرف: 46-56]

نہ تو زبان میں لکنت آپ کی طرف نزولِ وحی کے منافی تھی اور نہ ہی ہاتھوں میں کنگن نہ ہونا کوئی حقارت کی علامت اور کنگن تو عورتوں کا زیور ہے جو مردوں کی شان کے لائق نہیں' تو اللہ کے پیغمبر اسے کیسے پہن سکتے تھے جو عقل وفہم میں کامل ترین' ہمت وجرأت میں اعلیٰ اور دنیا سے بے رغبت تھے' انہیں تو صرف آخرت کی ہی فکر تھی۔

پھر فرعون نے کہا ''یا اس کے ساتھ فرشتے ہی اکٹھے ہو کر آ جاتے۔'' یہ بھی کوئی ایسی چیز نہ تھی جو آپ کی نبوت کے منافی تھی کیونکہ فرشتے تو موسیٰ علیہ السلام سے بہت کم درجے کے لوگوں کی بھی تعظیم کرتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ''فرشتے طالبِ علم کے لیے' اس کے کام پر خوش ہو کر' اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔''(۱) تو موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی تعظیم فرشتے کس قدر کرتے ہوں گے؟ اور اگر اس کا مقصد یہ تھا کہ فرشتے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے لیے نازل ہوتے تو اس کی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ آپ کی تصدیق تو واضح دلائل ومعجزات کے ساتھ کی جا چکی تھی' جو کسی بھی عاقل شخص کے لیے ہدایت تک پہنچنے کے لیے کافی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اس نے اپنی قوم کو بہلایا پھسلایا اور انہوں نے اسی کی مان لی'' یعنی فرعون نے انتہائی احمقانہ باتوں کے ساتھ اپنی قوم کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی اور انہوں نے بھی اسی کی مان لی اور اسے ہی رب تسلیم کر لیا۔

''یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے' پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا'' یعنی ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر کے ذلیل ورسوا کر دیا اور دنیاوی عزت ومقام اور عیش ونشاط کی ساری نعمتیں چھین کر جہنم کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ''اور ہم نے انہیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنا دیا۔'' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى ... هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴾ ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہمارے دیئے ہوئے واضح معجزات لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے یہ تو جادو ہے جو اس نے خود گھڑ لیا ہے' ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں کبھی یہ نہیں سنا۔ موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آتا ہے اور جس کے لیے آخرت کا (اچھا) انجام ہوتا ہے' یقیناً بے انصافوں کا بھلا نہ ہوگا۔ فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا' سن لے اے ہامان! تو میرے لیے

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (1956) صحیح الترغیب (70) کتاب العلم' ابو داود (3641) کتاب العلم: باب الحث علی طلب العلم' ابن ماجه (223) باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم' ترمذی (2682) کتاب العلم : باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة]

مٹی کو آگ سے پکوا پھر میرے لیے ایک محل تعمیر کرتا کہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں' اسے تو میں جھوٹوں میں سے ہی گمان کر رہا ہوں۔ اس نے اور اس کے لشکروں نے ناحق طریقے سے ملک میں تکبر کیا اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی نہ جائیں گے۔ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا میں پھینک دیا' اب دیکھ لو کہ ان گناہگاروں کا کیسا انجام ہوا؟ اور ہم نے انہیں ایسے امام بنا دیا کہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں اور روزِ قیامت مطلق مدد نہ کیے جائیں۔ اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔''(۱)

جب فرعونیوں نے تکبر کی راہ اپنائی' حق کا انکار کیا اور اپنے بادشاہ کے جھوٹے دعوے کی تصدیق کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے برخلاف اس کی تمام باتیں مان لیں تو اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہو گیا کہ جس کا غصہ کوئی روکنے والا نہیں۔ اس نے ان سے یوں انتقام لیا کہ ایک ہی دن سب کو ان کے بادشاہ سمیت سمندر میں غرق کر دیا' ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ بچ سکا بلکہ سب کے سب ہی آتشِ جہنم میں پھینک دیئے گئے۔ وہ دنیا میں بھی ملعون ٹھہرے اور روزِ قیامت بھی ان کی حالت بری ہی ہو گی۔

فرعون اور اس کے لشکروں کی تباہی

مصر کے قبطیوں نے اپنے حاکم فرعون کی ربوبیت تسلیم کر لی اور اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہوئے کفر وعناد اور بغاوت وسرکشی میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کی بہت بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں لیکن وہ راہِ راست پر نہ آئے۔ اہل مصر کے صرف چند افراد ہی ایمان لائے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد تین ہے۔ فرعون کی بیوی' قومِ فرعون کا مومن شخص جس کا ذکر پیچھے گزرا ہے اور وہ قبطی جو موسیٰ کے پاس بھاگتا ہوا آیا اور اس نے کہا ''اے موسیٰ! یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں' پس تو فوراً چلا جا اور مجھے اپنا خیر خواہ سمجھ۔''(۲)

ایک قول کے مطابق قومِ فرعون کے بہت سے لوگ ایمان لائے تھے اور جادوگر تو تمام ہی ایمان لے آئے تھے' اسی طرح بنی اسرائیل کی پوری قوم نے بھی ایمان قبول کر لیا تھا۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے ﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ ... وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ﴾ ''پس موسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی قوم میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے اور وہ بھی فرعون اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچائے اور فی الواقع

---

(۱) [القصص: 36-42]

(۲) [القصص: 20]

فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا اور بلاشبہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔''(۱)

آیت کے ان الفاظ ﴿ ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ ﴾ میں اس کی قوم سے مراد فرعون کی قوم ہی ہے جیسا کہ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے۔ مفسرین کی اکثریت اسی کی قائل ہے البتہ کچھ نے مراد موسیٰ علیہ السلام کی قوم بھی لی ہے لیکن پہلا معنی ہی زیادہ واضح ہے۔ انہوں نے فرعون سے اپنا ایمان اس لیے چھپایا کیونکہ اگر اسے ان کے ایمان کے متعلق علم ہو جاتا تو وہ انہیں اذیتیں پہنچاتا۔ ان حالات میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ﴿ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ ... الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو' اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا' اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کا فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں ان کافر لوگوں سے نجات دے۔''(۲)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرنے کی تلقین کی۔ قوم نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کی غلامی سے نجات عطا فرما دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ ... الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لیے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور نماز کے پابند رہو اور آپ ایمان والوں کو بشارت دے دیں۔''(۳)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کے لیے قبطیوں کے گھروں سے الگ گھر بنا لو تا کہ جب انہیں روانگی کا حکم دیا جائے تو جلد تیار ہو جائیں۔ ''اپنے گھروں کو ہی نماز کی ادائیگی کا مقام قرار دے لو'' یعنی بکثرت نمازیں ادا کرو تا کہ اس کے ذریعے تم پر اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہو اور تم ان مصائب و مشکلات سے نجات پا جاؤ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ ''صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔''(٤) اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ اس وقت عبادت خانوں میں کھلے عام اکٹھے ہو کر عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ تم اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری دے دیں۔'' تاہم یہ پہلے مفہوم کے منافی بھی نہیں۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [یونس : 83]

(۲) [یونس : 84-86]

(۳) [یونس : 87]

(٤) [البقرۃ : 45]

فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ ... سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

''اور موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا' اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامانِ زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیئے۔ اے ہمارے رب! تا کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے اور وہ ایمان نہ لائیں حتی کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی' سو تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔''(۱)

یہ ایک عظیم بد دعا تھی جو اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے خلاف کی' کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے فرعون پر بہت زیادہ غصہ آیا۔ اس نے تکبر کیا' اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور اپنی ضد اور سرکشی پر اَڑا رہا۔ حالانکہ اس کے پاس واضح دلائل بھی آ چکے تھے لیکن انہیں دیکھنے کے باوجود اس نے قبولِ حق سے انکار کیا۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں (یعنی قبطیوں اور اس کے ہم مذہبوں) کو سامانِ زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیئے۔ اے ہمارے رب! تا کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کریں۔'' یعنی جن کی نگاہ میں دنیا کی اہمیت زیادہ ہے وہ دھوکہ کھا جائیں گے اور ان کی ظاہری زیب و زینت' مال و دولت' عمدہ لباس' خوبصورت سواریاں' عظیم الشان محلات' پسندیدہ کھانے' خوبصورت مناظر اور حکومت و اقتدار دیکھ کر جاہل لوگ انہیں حق پر سمجھ لیں گے حالانکہ یہ سب دنیا کا عارضی سامان ہے' دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

''اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے'' بعض اہل علم نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کی تمام اشیاء پتھروں کی بنا دے جبکہ بظاہر وہ اپنی پہلی صورت پر ہی ہوں۔ یہ قول ابوالعالیہؒ' ضحاکؒ اور ربیع بن انسؒ کا ہے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہدؒ نے آیت کے ظاہری مفہوم کو ہی ترجیح دی ہے۔ ''اور ان کے دلوں کو سخت کر دے اور وہ ایمان نہ لائیں حتی کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ بد دعا قبول کر لی جیسے نوح علیہ السلام کی بد دعا ان کی قوم کے خلاف قبول کر لی تھی جب انہوں نے کہا تھا کہ ﴿ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ ... اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ ''اے میرے پروردگار! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں کو ہی جنم دیں گے۔'' جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے خلاف بد دعا کی تو ہارون علیہ السلام نے بھی

(۱) [یونس: 88-89]

اس پر آمین کہی اور وہ بھی دعا کرنے والے بن گئے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ ''تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی' سو تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔''

بنی اسرائیل کی ہجرت اور فرعون کا تعاقب

مفسرین اور اہل کتاب کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون سے اجازت مانگی کہ وہ شہر سے باہر جا کر اپنا ایک تہوار منانا چاہتے ہیں' اس نے بادل نخواستہ اجازت دے دی تو ان سب نے تیاری کر لی اور در حقیقت یہ تیاری مصر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنے اور یہاں سے مستقل ہجرت کر جانے کے لیے تھی۔ اہل کتاب کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ فرعونیوں سے زیورات اُدھار مانگ لیں۔ چنانچہ انہوں نے ان سے زیورات مانگے اور انہوں نے دے دیئے۔ پھر ایک رات اچانک یہ لوگ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب فرعون کو یہ خبر ملی تو غصے میں آ گیا اور اپنے سرداروں کو ان کا تعاقب کرنے اور انہیں پکڑ کر سزا دینے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ

﴿ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ... وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال کر لے چل' تم سب کا پیچھا کیا جائے گا۔ فرعون نے شہروں میں اہلکاروں کو بھیج دیا۔ کہ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے۔ اور وہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں۔ اور یقیناً ہم سب ساز و سامان والے ہیں۔ بالآخر ہم نے انہیں باغات اور چشموں سے اور خزانوں سے اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان تمام اشیاء کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ پس فرعونی سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکلے۔ پس جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا' ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔ موسیٰ نے کہا' ہرگز نہیں۔ یقین مانو میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مار' پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور پانی کا ہر ایک حصہ پہاڑ کی مانند (ٹھہرا ہوا) ہو گیا۔ اور ہم نے اسی جگہ دوسروں کو نزدیک لا کھڑا کر دیا۔ اور موسیٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی۔ پھر باقی سب کو غرق کر دیا۔ یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اور بے شک آپ کا رب بڑا ہی غالب و مہربان ہے۔''(۱)

اہل علم کا کہنا ہے کہ جب فرعون بنی اسرائیل کو پکڑنے کے لیے نکلا تو اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ صرف سیاہ گھوڑوں کی تعداد ایک لاکھ تھی اور پورے لشکر کی تعداد 16 لاکھ تھی۔ یہ بھی کہا

(۱) [الشعراء : 52-68]

گیا ہے کہ بچوں وغیرہ کو نکال کر صرف لڑائی کے قابل افراد کی تعداد 6 لاکھ کے قریب تھی۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کی یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر میں آمد اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے ہجرت کا درمیانی عرصہ 626 شمسی سال ہے۔

فرعون تعاقب کرتا ہوا بنی اسرائیل تک پہنچ ہی گیا۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا اور پہچان بھی لیا اور معلوم یہی ہوتا تھا کہ ابھی حملہ ہو جائے گا' اسی لیے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا "یقیناً ہم تو پکڑ لیے گئے۔" انہوں نے وہی کہا جو انہیں نظر آ رہا تھا کیونکہ آگے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کی افواج اور دائیں بائیں بلند و بالا پہاڑ تھے۔ بنی اسرائیل بہت خوفزدہ ہو گئے کیونکہ وہ فرعونیوں کا ظلم دیکھ چکے تھے اس لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا "ہرگز نہیں' میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے ضرور راہ دکھائے گا۔"

آپ اپنے لشکر کے پچھلے حصے میں تھے' پھر آگے آ گئے اور دیکھا کہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے تو کہا مجھے تو یہیں سے گزرنے کا حکم ہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام اور یوشع بن نون علیہ السلام بھی تھے۔ یوشع علیہ السلام اس وقت ایک عبادت گزار عالم اور سردار تھے۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بعد انہیں ہی منصب نبوت عطا کیا گیا۔ ان کے متعلق مزید بیان ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔ آپ کے ساتھ قوم فرعون کا مومن شخص بھی تھا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے کئی بار سمندر میں گھوڑا اتارنے کی کوشش کی لیکن ایسا ممکن نہ ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو یہیں سے گزرنے کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں۔

جب فرعون اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت بہت قریب آ گیا اور معاملہ سنگین ہو گیا تو اہل ایمان سخت پریشان ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مار دیجئے۔ چنانچہ آپ نے یہ کہہ کر کہ "اللہ کے حکم سے پھٹ جا" سمندر پر لاٹھی مار دی۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ "ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مار پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور پانی کا ہر ایک حصہ پہاڑ کی مانند (ٹھہرا ہوا) ہو گیا۔" بیان کیا جاتا ہے کہ سمندر میں 12 راستے بن گئے تاکہ ہر قبیلہ الگ الگ راستے سے سمندر عبور کر لے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کے ذریعے پانی کو پہاڑوں کی مانند کھڑا کر دیا اور اس کی تو شان ہی یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کے لیے کہتا ہے "ہو جا" تو وہ ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہواؤں نے سمندر کا کیچڑ خشک کر دیا اور راستے بالکل صاف ہو گئے حتیٰ کہ گھوڑے اور دیگر جانور بھی بآسانی گزر گئے۔

فرعون اور قوم فرعون کی غرقابی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ ... قَوْمَهُ وَمَا هَدَى ﴾ ''ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لے' پھر نہ تجھے کسی کے آ پکڑنے کا خطرہ ہوگا نہ ڈر۔ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا' پھر سمندر ان سب پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے والا تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا۔''(۱)

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر میں راستے بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر ان راستوں سے گزر جائیں۔ بنی اسرائیل یہ صورتحال دیکھ کر حیران رہ گئے اور یقیناً یہ قدرت کی ایسی عظیم نشانی تھی کہ جسے دیکھنے کے بعد اہل ایمان کے ایمان مزید بڑھ جائیں اور وہ راہ راست پر اور بھی پختہ ہو جائیں۔ جب وہ سب ان راستوں سے گزر گئے اور ایک فرد بھی سمندر میں باقی نہ رہا' اس وقت فرعون اور اس کے لشکر سمندر میں داخل ہو رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ سمندر کا راستہ بند کرنے کے لیے لاٹھی مارنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اسے اس کی حالت پر ہی چھوڑ دیجئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ ... مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ﴾ ''یقیناً ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو بھی آزما چکے ہیں جن کے پاس باعزت رسول آیا۔ (اس نے کہا) کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو' یقین مانو کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی نہ کرو' میں تمہارے پاس کھلی دلیل لانے والا ہوں۔ اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو۔ پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ سب گناہگار لوگ ہیں۔ (ہم نے کہا) کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے کر نکل' یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ تو دریا کو ساکن چھوڑ کر چلا جا' بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا۔ وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے بھی۔ اور وہ آرام وہ اشیاء جن میں عیش کر رہے تھے۔ اسی طرح ہو گیا اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا۔ سو ان پر نہ تو آسمان و زمین روئے اور نہ انہیں مہلت ملی۔ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کن سزا سے نجات دی یعنی فرعون (کی اذیتوں) سے۔ یقیناً وہ سرکش اور حد سے گزر جانے والوں

(۱) [طه : 77-79]

میں سے تھا۔ اور ہم نے دانستہ طور پر بنی اسرائیل کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔ اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی۔''(۱)

موسیٰ علیہ السلام نے سمندر کو اس کی حالت پر ہی چھوڑ دیا۔ جب فرعون سمندر کے قریب آیا تو یہ منظر دیکھ کر گھبرا گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ عرش عظیم کے مالک اللہ کا ہی کام ہے۔ وہ دل ہی دل میں نادم ہوا اور اس کشمکش میں تھا کہ آگے بڑھے یا نہ۔ بالآخر اس نے اپنی قوم کے سامنے بہادری کا مظاہرہ کیا اور یہ کہتے ہوئے سمندر میں داخل ہو گیا کہ دیکھو میرے لیے سمندر نے بھی راستہ چھوڑ دیا ہے تاکہ میں اپنے باغی غلاموں کو پکڑ سکوں۔ فرعون کے پیچھے اس کی ساری فوج بھی سمندر میں داخل ہو گئی۔ جب سارا لشکر سمندر میں داخل ہو گیا اور اس کا اگلا حصہ سمندر سے باہر نکلنے کو تھا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا۔ آپ کے لاٹھی مارتے ہی سمندر کا پانی جاری ہو گیا اور تمام کافر غرق ہو گئے' ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

﴿ وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ... لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی۔ پھر باقی سب کو ڈبو دیا۔ یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں۔ اور بے شک آپ کا رب ہی غالب و مہربان ہے۔''(۲)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام مومن بندوں کو نجات دی' ان میں سے کوئی بھی غرق نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے تمام کافروں کو غرق کر دیا' ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی غالب اور قوت و طاقت والا ہے اور اس کے پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت برحق ہے۔

ہلاک ہوتے وقت فرعون کی ایمان لانے کی کوشش

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ ... عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴾ ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا' پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا حتی کہ جب ڈوبنے لگا تو بولا کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (جواب دیا گیا کہ) اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا۔ سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے نشانِ عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور

(۱) [الدخان : 17-33]

(۲) [الشعراء : 65-67]

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب قبطیوں کا سردار سمندر میں غرق ہو رہا تھا' اس وقت بنی اسرائیل بھی فرعون اور اس کے لشکروں کی ہلاکت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے تا کہ ان کے دل بھی مطمئن ہو جائیں۔ فرعون کو یقین ہو گیا کہ اب وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا تو اس نے توبہ کر لی اور ایمان قبول کر لیا لیکن اسے اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ ... الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴾ ''یقیناً جن لوگوں پر تیرے رب کا فیصلہ ثابت آچکا ہے' وہ ایمان نہیں لائیں گے' اگرچہ ان کے پاس تمام نشانیاں آجائیں' جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔''(۲)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ... وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ''جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور ہم جن جن کو اس کا شریک بنا رہے تھے ہم نے ان سب سے انکار کیا۔ لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کے ایمان نے انہیں فائدہ نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آرہا ہے اور اس جگہ کافر خائب و خاسر ہو گئے۔''(۳)

فرعون پر بددعا کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے اللہ! ان کے اموال تباہ کر دے اور ان کے دل اتنے سخت کر دے کہ عذاب میں مبتلا ہونے تک انہیں قبولِ ایمان کی توفیق نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے مرتے وقت ایمان لانا سود مند ثابت نہ ہوا اور وہ نادم و پشیمان ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون کو پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ ''یقیناً تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔'' اور قبولیت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اس طرح کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس وقت فرعون نے یہ بات کہی کہ میں اس اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ اے محمد! کاش آپ اس وقت دیکھتے کہ جب میں نے اس خدشہ سے فرعون کے منہ میں سمندر کی مٹی ڈال دی کہ کہیں اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو جائے۔''(۳)

---

(۱) [یونس : 90-92]

(۲) [یونس : 96-97]

(۳) [غافر : 84-85]

(٤) [**صحیح لغیرہ** : صحیح ترمذی' ترمذی (3107) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ یونس ، مسند احمد (240/1)]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا'' میں یہ ثبوت موجود ہے کہ اس کا ایمان قبول نہیں کیا گیا اور اگر مہلت دے بھی دی جاتی تو وہ پھر کفر کی طرف لوٹ جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی یہی خصلت بیان فرمائی ہے کہ جب وہ اپنی آنکھوں سے آتشِ جہنم ملاحظہ کر لیں گے تو پکار اٹھیں گے کہ ''کاش! ہمیں واپس بھیج دیا جائے تو ہم جھٹلانے والوں میں سے نہ ہوں اور ہم مومن بن جائیں۔''(۱) مزید اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ ''بلکہ ان کے لیے وہ چیز ظاہر ہو گئی جسے وہ اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے اور اگر انہیں واپس لوٹا بھی دیا جائے تو وہ وہی کام کریں جن سے انہیں منع کیا گیا ہے اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔''(۲)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تا کہ تو ان کے لیے نشانِ عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں'' کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ فرعون کی موت کے بارے میں بنی اسرائیل کو یقین نہ ہوا حتی کہ بعض نے یہ کہا کہ اسے تو موت آ ہی نہیں سکتی۔ تب اللہ کے حکم سے سمندر نے اس کی لاش پانی کی سطح پر ظاہر کر دی یا اُچھال کر ایک ٹیلے پر پھینک دی تا کہ انہیں اس کی ہلاکت کا یقین ہو جائے اور اس کی وہ قمیص جسے سب پہچانتے تھے کہ یہ اسی کی ہے اس کے بدن پر ہی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے'' یعنی تیری جانی پہچانی قمیص سمیت تیرا جسم محفوظ کر لیں گے۔ ''تا کہ تو ان کے لیے نشانِ عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں'' یعنی بنی اسرائیل کے لیے اور قدرتِ الٰہی کی نشانی بھی ثابت ہو جائے جس نے تجھے ہلاک کیا۔

فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ عاشوراء (یعنی 10 محرم) کے روز پیش آیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ نے دریافت کیا کہ تم لوگ اس دن کیوں روزہ رکھتے ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا تھا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ تم ان (یہودیوں) سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام پر حق رکھتے ہو اس لیے تم بھی (اس دن کا) روزہ رکھو۔''(۳)

---

(۱) [الأنعام : 27]

(۲) [الأنعام : 28]

(۳) [بخاری (2004) كتاب الصوم : باب صوم يوم عاشوراء ' مسلم (1130) كتاب الصيام : باب صوم يوم عاشوراء ' ابن ماجه (1734) كتاب الصيام : باب صيام يوم عاشوراء]

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کے حالات و واقعات

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ... مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ ''پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی انہیں دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے' اس سرزمین کے شرق وغرب کا مالک بنا دیا' جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے' سب کو درہم برہم کر دیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے' کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود مقرر کر دیجیے جیسے کہ ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔ فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو آل فرعون سے بچا لیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی غرقابی کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان کے بعد ان کے تمام اموال کا مالک اللہ تعالیٰ نے کمزور سمجھے جانے والے بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ جس روز بنی اسرائیل مصر سے نکلے اس رات اللہ تعالیٰ نے قبطیوں کی ساری کنواری اولاد اور تمام کنوارے جانور ہلاک کر دیئے تھے جس وجہ سے وہ ان کے غم میں مبتلا تھے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو گئے۔ بچوں کے علاوہ ان کی تعداد 6 لاکھ تھی اور وہ مصر میں 430 برس مقیم رہے۔ اہل کتاب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب وہ سمندر عبور کر کے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں تین دن تک پانی میسر نہ آیا۔ پھر ایک جگہ انہیں اس قدر کڑوا پانی ملا کہ جسے پینا ان کے بس میں نہ تھا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر ایک لکڑی اس پانی میں رکھ دی' جس سے وہ پانی میٹھا اور خوش ذائقہ ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر احکامات نازل فرمائے اور انہیں وصیتیں فرمائیں۔

بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نجات عطا فرما دی تو انہوں نے اللہ کے نبی

---

(۱) [الأعراف : 136-141]

موسیٰ علیہ السلام سے ایک بڑی غلط خواہش کا اظہار کیا' جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ ﴿ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ ... مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے' کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود مقرر کر دیجئے جیسے کہ ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔''(۱)

انہوں نے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود یہ گمراہی کی بات کہہ دی۔ ہوا یوں کہ وہ ایک بت پرست قوم کے پاس سے گزرے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے بت گائے کی شکل کے تھے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے ان پجاریوں سے دریافت کیا ہو کہ وہ ان کی پوجا کیوں کرتے ہیں اور انہوں نے جواب دیا ہو کہ انہیں ان سے نفع حاصل ہوتا ہے، تب انہوں نے ان بت پرستوں کی بات کو سچ سمجھ کر موسیٰ علیہ السلام سے اس خواہش کا اظہار کر دیا ہو کہ ''اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود مقرر کر دیجئے جیسے کہ ان کے یہ معبود ہیں۔'' موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں انہیں فرمایا کہ ''واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے' یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔''

حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ حنین کے لیے روانہ ہوئے تو ہمارا گزر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے ہوا جس پر وہ اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے اور اس کا نام ''ذاتِ انواط'' تھا۔ ہم نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی اس طرح کا ذاتِ انواط مقرر فرما دیجئے جیسے کہ ان کے لیے ذاتِ انواط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سبحان اللہ! یہ تو اسی طرح (جہالت پر مبنی) بات ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود مقرر کر دیجئے جیسے کہ ان کے یہ معبود ہیں۔'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور بضرور اپنے پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔(۲)

پھر جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر بیت المقدس پہنچے تو ان کا سامنا حیثانی، فزاری اور کنعانی اقوام سے ہوا جو زبردست قوت والے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ان سے لڑیں اور انہیں بیت المقدس سے نکال باہر کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ یہ ملک بنی اسرائیل کو

(۱) [الأعراف : 138-139]

(۲) [صحیح : صحیح ترمذی ' ترمذی (2180) کتاب الفتن : باب ما جاء لترکبن سنن من کان قبلکم ' المشکاۃ (5408) مسند احمد (20892) ابن أبی شیبة (634/8) عبد الرزاق (369/11) السنن الکبری للنسائی (346/6) طبرانی کبیر (394/3) دلائل النبوۃ للبیهقی (189/5) مسند ابو یعلی (1412) مسند حمیدی (887) صحیح ابن حبان (6826) معرفة السنن والآثار (56) مسند طیالسی (1430)]

ملے گا۔لیکن انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے ان پر دشمن کا ایسا خوف مسلط کر دیا کہ وہ 40 سال تک میدانِ تیہ میں بھٹکتے رہے۔ وہ وہاں مسافروں کی طرح چلتے پھرتے رہے اور اِدھر اُدھر آتے جاتے رہے حتیٰ کہ 40 سال گزر گئے۔اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ ... فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا' اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں سے نبی بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو سارے عالم میں کسی کو نہیں دیا۔ اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔انہوں نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے' ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم بخوشی چلے جائیں گے۔ دو آدمیوں نے جو خدا ترس لوگوں میں سے تھے' جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازے پر تو پہنچ جاؤ' دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اگر تم مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے' اس لیے تم اور تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو' ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے الٰہی! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں' پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی ڈال دے۔ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے' یہ خانہ بدوش اِدھر اُدھر سرگرداں پھرتے رہیں گے اس لیے تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔''(۱)

اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں' دردینی و دنیاوی احسانات یاد کرائے اور پھر انہیں حکم دیا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔فرمایا ''اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو'' یعنی دشمنوں سے جہاد کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لو ''کہ پھر نقصان میں جا پڑو'' یعنی ایسا نہ ہو کہ فائدے کے بعد نقصان اور عروج کے بعد زوال کا شکار ہو جاؤ۔قوم نے جواب دیا ''اے موسیٰ! وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں'' یعنی وہاں تو بڑے زبردست فسادی کافر موجود ہیں۔ ''اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے'' وہ وقت کے زبردست قوت والے فرعون کی ہلاکت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرنے کے باوجود ان سے ڈر گئے جو قوت میں اس سے زیادہ نہ تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ دشمنوں کے خلاف جہاد میں سستی کر کے قابل مذمت بن گئے تھے' اسی لیے پھر انہیں ملامت کی گئی۔

(۱) [المائدة : 20-26]

کچھ مفسرین نے ﴿ جَبَّارِیْنَ ﴾ کی تفسیر میں بہت سی جھوٹی اور من گھڑت باتیں نقل کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ بڑے بڑے جسموں والے تھے۔ ان میں ایک عوج بن عنق نامی شخص کا قد 3,333 ہاتھ تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ پہاڑ کی ایک چوٹی کو اُکھیڑ کر پکڑ لیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں پر پھینک دے۔ پھر ایک پرندہ آیا' اس نے اس چٹان کو اپنی چونچ کے ساتھ کریدا اور وہ عوج کی گردن کا طوق بن گئی وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس طرح کی تمام باتیں بے سروپا ہیں' ان کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔

﴿ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ﴾ ''دو آدمیوں' جو خدا ترس لوگوں میں سے تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا' نے کہا۔'' اس فضل و احسان سے مراد اسلام، ایمان، اطاعت اور شجاعت و بہادری ہے۔ ان دونوں نے کہا ''تم ان کے پاس دروازے پر تو پہنچ جاؤ' دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آجاؤ گے اور اگر تم مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔'' یعنی اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھ کر اس سے مدد طلب کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تم دشمنوں پر غالب آجاؤ گے۔ قوم نے جواب دیا ''اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے' اس لیے تم اور تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو' ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' ان کے سرداروں نے بزدلی دکھائی اور لڑائی نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ یوشع اور کالب نے یہ بات سن کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی یہ بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے۔ انہیں یہ ڈر لاحق ہوا کہ اس وجہ سے اللہ کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔

موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے ''الٰہی! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں' پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی ڈال دے۔'' ارشاد ہوا کہ ''اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے' یہ خانہ بدوش اِدھر اُدھر سرگرداں پھرتے رہیں گے اس لیے تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔'' جہاد سے اعراض کی وجہ سے انہیں یہ سزا دی گئی کہ وہ مقامِ تیہ میں چالیس سال بلا مقصد گھومتے پھرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ مقامِ تیہ میں داخل ہونے والے اس عرصے میں تمام ہلاک ہو گئے اور صرف یوشع اور کالب ہی باقی بچے۔

یہ تو بنی اسرائیل کی حالت تھی جبکہ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اطاعت و فرمانبرداری کا عظیم نمونہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے روز صحابہ سے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بات کی اور بہت ہی عمدہ بات کی۔ پھر مہاجرین نے بھی عمدہ بات کہی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی مشورہ طلب کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! غالباً آپ کا اشارہ ہماری (یعنی انصار کی) طرف ہے۔ تو اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! آپ ہمیں اگر سمندروں میں کود جانے کا بھی حکم

دیں تو ہم کود جائیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم اس بات پر ناراض نہیں ہیں کہ آپ ہمیں دشمنوں کے مقابلے میں کھڑا کر دیں۔ ہم یقیناً ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے ایسی (جنگی) صورتحال دکھائے کہ جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ آپ اللہ کے نام کی برکت سے ہمیں لے کر روانہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سنیں تو بہت خوش ہوئے۔ (۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مقداد رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا عمل کیا ہے اگر وہ مجھے حاصل ہو جاتا تو اس طرح کے دوسرے تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہوتا۔ انہوں نے جنگ بدر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا تھا کہ "تم اور تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔" بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے لڑائی کریں گے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ (۲)

بنی اسرائیل میدانِ تیہ میں

بنی اسرائیل نے اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر بیت المقدس میں موجود اقوام کے خلاف جہاد نہ کیا اور سزا کے طور پر چالیس سال میدانِ تیہ میں بھٹکتے رہے۔ یہ واقعہ اہل کتاب کی کسی بھی کتاب میں موجود نہیں۔ البتہ انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یوشع کو جہاد کے لیے تیار کیا۔ پھر موسیٰ، ہارون علیہما السلام اور خور نامی ایک شخص ٹیلے پر بیٹھ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی جب آپ اسے بلند کرتے تو یوشع غالب آ جاتے اور جب تھکاوٹ وغیرہ کی وجہ سے لاٹھی نیچے ہو جاتی تو کافر یوشع پر غالب آ جاتے۔ ہارون علیہ السلام اور خور دونوں نے شام تک موسیٰ علیہ السلام کو سہارا دیئے رکھا' جس کی وجہ سے آپ نے لاٹھی بلند کیے رکھی اور یوں یوشع غالب آ گئے۔

اہل کتاب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب مدین میں موجود موسیٰ علیہ السلام کے سسر نے فرعون اور اس کی قوم کی تباہی اور بنی اسرائیل کی اس سے نجات کے متعلق سنا تو مسلمان ہو کر آپ کے پاس آ گئے اور ساتھ صفورا نامی آپ کی بیوی اور اس سے ہونے والے آپ کے دو بیٹے بھی لے آئے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل طور سیناء کے قریب رہائش پذیر ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا اور انہیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون سے

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (8/6-7)]

(۲) [بخاری (3952) کتاب المغازی: باب قول الله تعالی اذ تستغيثون ربكم' مسند احمد (1/458) ابن أبي شيبة (8/469) السنن الكبرى للبيهقي (10/109) السنن الكبرى للنسائي (5/92) مستدرك حاكم (5498) طبراني كبير (4/238) تفسير ابن أبي حاتم (9574) دلائل النبوة للبيهقي (874)]

نجات والا میرا عظیم احسان یاد کراؤ اور انہیں پاکیزگی اختیار کرنے‘ غسل کرنے‘ کپڑے دھونے اور تیسرے دن کے لیے تیاری کرنے کا حکم دو۔ جب تیسرا دن آ جائے تو سب کو پہاڑ کے گرد جمع ہونے کا حکم دو اور وہ پہاڑ سے کچھ فاصلے پر رہیں کیونکہ جو اس کے قریب ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ جب تک بگل کی آواز سنتے رہیں اسی حالت میں رہیں اور جب آواز بند ہو جائے تب وہ پہاڑ پر چڑھ سکتے ہیں۔

بنی اسرائیل نے حکم مان لیا اور تیسرے روز پاکیزہ ہو کر تیار ہو گئے۔ اس روز ایک سیاہ بادل نے پہاڑ کو ڈھانپ لیا‘ اس میں گرجنے کی آوازیں اور چمکتی ہوئی بجلیاں تھیں۔ بگل کی آواز بھی شدید تھی اور مزید شدید ہو رہی تھی۔ اس سے پہاڑ پر زلزلہ بھی آ گیا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس باتوں کا حکم دیا۔ پھر بنی اسرائیل کے دریافت کرنے پر آپ نے انہیں وہ دس باتیں بتائیں۔ وہ یہ ہیں: صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرو، اللہ کا نام لے کر جھوٹی قسم مت کھاؤ، بروز ہفتہ صرف اللہ کی عبادت کرو، والدین کا احترام کرو تا کہ عمر لمبی ہو سکے، اللہ کی عطا کردہ اولاد قتل نہ کرو، بدکاری مت کرو، چوری سے بچو، جھوٹی گواہی نہ دو، ہمسائے کے گھر میں مت جھانکو، اپنے پڑوسی کی بیوی کی خواہش مت رکھو اور نہ ہی اس کے غلام، لونڈی، بیل، گدھے اور دوسری کسی چیز کی (مقصود حسد سے منع کرنا ہے)۔

متعدد اہل علم کا کہنا ہے کہ مذکورہ دس باتوں کا ذکر قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں ہے ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ... ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ ”آپ کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے، وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ، ماں باپ کے ساتھ احسان کرو، افلاس کے سبب اپنی اولاد کو قتل مت کرو، تم کو اور ان کو ہم رزق دیتے ہیں، بے حیائی کے تمام طریقوں کے قریب مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ، جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اسے قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ، ان کا تم کو تاکیدی حکم ہے تا کہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ رشد کو پہنچ جائے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو، ان کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم یاد رکھو۔ اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔“(۱)

مذکورہ دس احکام کے علاوہ اہل کتاب نے مزید احکام بھی بیان کیے ہیں‘ جن پر ایک عرصہ تک بنی اسرائیل عمل پیرا

(۱) [الأنعام: 151-153]

رہے' پھر ان کی بدبختی نافرمانی کی صورت میں ان پر غالب آ گئی اور انہوں نے ان میں تحریف کر دی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے بھی ان احکام کو منسوخ کر دیا کیونکہ حکم صرف اسی کا ہے' وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی یاددہانی

(1) ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ قَدْ أَنجَيْنَٰكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَٰعَدْنَٰكُمْ ... ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴾ ''اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے کوہِ طور کی دائیں طرف کا وعدہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا۔ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ اور اس میں حد سے تجاوز مت کرو، ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ یقیناً تباہ ہوا۔ بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہِ راست پر بھی رہیں۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اس نے انہیں دشمنوں سے نجات دی' تنگی سے نکالا اور انہیں موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں کوہِ طور کے دائیں جانب آنے کا حکم دیا تاکہ وہ ان پر ایسے عظیم احکام نازل فرمائے جن میں ان کا دنیاوی و اُخروی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دورانِ سفر بطورِ خوراک ایسی زمین میں من وسلویٰ نازل فرمایا جہاں نہ تو کوئی کھیتی تھی اور نہ ہی جانوروں کے دودھ کا کوئی بندوبست۔ ''من'' انہیں صبح صبح اپنے گھروں میں ہی حاصل ہو جاتا' وہ حسبِ ضرورت اس سے لے لیتے اور اگلے دن کے لیے ذخیرہ بھی کر لیتے لیکن اگر وہ اس سے زیادہ لیتے تو وہ خراب ہو جاتا' کم لینے والے کو وہ کافی ہو جاتا' اس کا ذائقہ انتہائی میٹھا اور رنگ انتہائی سفید تھا۔ وہ اسے روٹیوں کی شکل دے دیتے۔ شام کے وقت انہیں ''سلویٰ پرندے'' عطا کیے جاتے جو ان کے پاس جمع ہو جاتے اور وہ بآسانی جسے چاہتے پکڑتے اور اپنا رزق بنا لیتے۔ اسی طرح جب موسمِ گرما آتا اور شدید دھوپ ہوتی تو اللہ تعالیٰ بادلوں کے ذریعے ان پر سایہ فرما دیتے اور انہیں تیز دھوپ اور گرمی سے بچا لیتے۔

(2) سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ ٱلَّتِىٓ ... وَإِيَّٰىَ فَٱتَّقُونِ ﴾ ''اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ سے ہی ڈرو۔ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر فروخت مت کرو اور صرف مجھ سے ہی ڈرو۔''(۲)

---

(۱) [طه : 80-82]

(۲) [البقرة :40-41]

(3) مزید ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ... كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب چکھاتے تھے' تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے' اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا چیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہارے سامنے اس میں غرق کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے۔ لیکن ہم نے اس کے باوجود بھی تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو تمہاری ہدایت کے لیے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اب تم اپنے خالق کی طرف رجوع کرو، ایک دوسرے کو قتل کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری بہتری اسی میں ہے، تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی، وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔ اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ لیکن پھر اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔ اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا اور (کہہ دیا کہ) ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''(۱)

(4) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ ... يَعْتَدُوْنَ ﴾ ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ لاٹھی پتھر پر مارو، جس سے 12 چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور (ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا، اس لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز دے، آپ نے فرمایا بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو؟ اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی۔ ان پر ذلت اور مسکینی ڈال دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔''(۲)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں من و سلویٰ عطا فرمایا جو نہایت

---

(۱) [البقرۃ : 49-57]

(۲) [البقرۃ : 60-61]

عمدہ کھانے تھے اور بغیر کسی کوشش و محنت کے انہیں حاصل ہو جاتے تھے۔ صبح کے وقت ان پر من نازل ہوتا اور شام کے وقت سلویٰ پرندوں (یعنی بٹیروں) کا رزق۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر پر اپنی لاٹھی ماری تو اس سے 12 چشمے جاری ہو گئے۔ ہر قبیلے کا الگ چشمہ تھا' جس سے ان کے لیے میٹھا پانی جاری ہوتا۔ وہ ان چشموں سے خود بھی پانی پیتے' اپنے جانوروں کو بھی پلاتے اور ذخیرہ بھی کر لیتے۔ گرمی سے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔

یہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات تھے' مگر انہوں نے ناشکری کی اور اُکتا کر زمینی پیداوار یعنی ساگ' ککڑی' گندم' مسور اور پیاز کا مطالبہ کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا "کیا تم اعلیٰ چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کا مطالبہ کر رہے ہو؟ شہر میں جاؤ وہاں تمہیں تمہاری مانگی ہوئی اشیاء مل جائیں گی۔" یعنی ان اعلیٰ اشیاء کے بدلے میں تم جن اشیاء کا مطالبہ کر رہے ہو وہ تو تمام چھوٹی بڑی بستیوں میں موجود ہوتی ہیں' جب تم وہاں جاؤ گے تو تمہیں یہ تمام اشیاء مل جائیں گی البتہ یہاں میں تمہارا مطالبہ پورا نہیں کر سکتا۔

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو جن کاموں سے روکا گیا تھا وہ ان سے باز نہ آئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اس میں سرکشی نہ کرو ورنہ میرا غضب تم پر اُتر آئے گا اور جس پر میرا غضب اُتر آیا وہ تباہ ہو گیا۔" تاہم اس وعید شدید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لیے امید کا دروازہ کھلا رکھا جو اللہ کی طرف رجوع کرے' گناہوں سے تائب ہو اور شیطان کی تابعداری ترک کر دے۔ اسی لیے فرمایا کہ "بلاشبہ میں انہیں معاف کر دوں گا جو توبہ کریں' ایمان لائیں' عمل صالح کریں اور راہِ راست پر رہیں۔"

موسیٰ علیہ السلام کی پروردگار کو دیکھنے کی خواہش

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ... اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾
"اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور مزید دس راتوں سے ان تیس راتوں کو پورا کیا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس رات کا ہو گیا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہا کہ میرے بعد ان کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل نہ کرنا۔ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا' بے شک آپ کی ذات منزہ ہے' میں آپ کی جناب میں

توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے تم کو دوسرے لوگوں پر امتیاز دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔ اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی' (اور فرمادیا کہ) تم ان کو پوری طاقت سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں' اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں۔ میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں' جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔ اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔''(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، مجاہد اور دیگر متعدد اہل علم کا کہنا ہے کہ تیس راتوں سے مراد ذوالقعدہ کا مہینہ ہے اور پھر ذوالحجہ کے دس دنوں کے ساتھ چالیس راتیں پوری کی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام عیدالاضحیٰ کے روز اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ علاوہ ازیں دینِ محمدی کی تکمیل بھی اسی ماہ ہوئی۔

منقول ہے کہ تیس دن کی مدت پوری ہونے تک موسیٰ علیہ السلام مسلسل روزہ دار رہے اور اس دوران کچھ نہ کھایا۔ پھر تیس دن کے بعد کسی درخت کی چھال چبائی تاکہ منہ کی بدبو ختم ہو سکے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے دس دن مزید روزے رکھنے کا حکم دیا اور یوں چالیس دن کی مدت مکمل ہوئی۔

کوہِ طور پر روانگی کے وقت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر فرمادیا' جو معزز شخصیت کے حامل' آپ کے سگے بھائی اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ آپ کے وزیر بھی تھے۔ آپ نے انہیں احکام دیئے اور نصیحتیں کیں اور یہ چیز ان کی شان کے لائق ہی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا ﴾ ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے مقررہ وقت پر آئے۔'' یعنی جب انہیں آنے کا حکم دیا گیا تھا ﴿ وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ﴾ ''اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں۔'' یعنی پردے کے پیچھے سے کلام کیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی آواز سنی۔ اللہ نے آپ کے ساتھ کلام فرمایا اور اپنا قرب عطا کیا۔ یہ ایک عظیم مقام و مرتبہ تھا جو آپ کو عطا کیا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کو یہ مقام عطا کر چکے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ تمام پردے ہٹا کر آپ کو اللہ کا دیدار کرایا جائے اور یوں عرض کیا کہ ﴿ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي ﴾ ''اے

(۱) [الأعراف : 142-147]

میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں' ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔'' اللہ تعالیٰ نے جواب میں واضح فرما دیا کہ میری تجلی کے سامنے تو پہاڑ بھی قائم نہیں رہ سکتا تو تم مجھے کیسے دیکھ سکتے ہو؟ اسی لیے فرمایا کہ ﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ﴾ ''لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔''

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کا پردہ بھی نور ہے اور اگر وہ اس پردے کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کی روشنی اُن تمام اشیاء کو جلا کر راکھ بنا دے جن تک اس کی نگاہ پہنچے۔''(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ ''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں''(۲) کے متعلق فرمایا کہ اس سے مراد اس کا نور ہی ہے اور اگر اس کا کوئی حصہ بھی ظاہر ہو جائے تو اس کے سامنے کچھ بھی قائم نہ رہ سکے۔

اسی باعث اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ... وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا' بے شک آپ کی ذات منزہ ہے' میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا ہوں۔'' مجاہدؒ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی طرف دیکھنے کا اس لیے کہا کیونکہ وہ زیادہ بڑا اور مضبوط ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی کی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور یہ صورتحال دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ﴾ تلاوت فرمائی اور اپنی چھنگلی کے اوپر والے جوڑ پر انگوٹھا رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی تجلی کی تھی کہ جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے (مکمل) چھنگلی کے برابر تجلی فرمائی تھی۔(۴) اس سے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ قتادہؒ نے کہا ہے کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے تھے۔ لیکن پہلا قول ہی درست ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ ''پھر جب آپ ہوش میں آئے'' (اور یقیناً انسان بے ہوشی سے ہی ہوش میں آتا ہے)۔

---

(۱) [مسلم (179) كتاب الايمان : باب في قوله تعالى ان الله لا ينام ' ابن ماجه (195) مقدمة : باب فيما أنكرت الجهمية ' مسند احمد (18806) طبراني كبير (175/20) ابو عوانة (283) مسند ابو يعلى موصلي (7103) صحيح ابن حبان (265)]

(۲) [الأنعام : 103]

(۳) [صحيح : صحيح ترمذی ، ترمذی (3074) كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة الأعراف]

(٤) [تفسير طبری (70/6)]

موسیٰ علیہ السلام نے ہوش میں آ کر کہا ﴿ سُبْحَانَكَ ﴾ "(اے اللہ!) تو پاک ہے۔" یعنی تو اس قدر پاکیزہ اور تیری شان اتنی بلند ہے کہ تجھے کوئی بھی دیکھ نہیں سکتا۔ ﴿ تُبْتُ اِلَیْكَ ﴾ "میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔" یعنی آئندہ کبھی اس طرح کی درخواست نہیں کروں گا۔ ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ "اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔" اس بات پر کہ تجھے دیکھنے والا ہر جاندار مر جائے گا اور ہر غیر جاندار تباہ ہو جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے انبیاء میں کسی پر بھی فوقیت نہ دو۔ کیونکہ روزِ قیامت جب لوگ بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا اور میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرش کا ایک پایہ پکڑ رکھا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہوں گے یا کوہِ طور کی بے ہوشی کے عوض انہیں بے ہوش ہی نہیں کیا گیا۔"(۱)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت نہ دو۔"(۲) اس سے مراد یا تو کسرِ نفسی کا اظہار ہے یا یہ کہ تعصب کی بنا پر فضیلت نہ دو یا مقصود یہ ہے کہ فضیلت دینا تو صرف اللہ کا کام ہے تمہارا نہیں' وہ جسے چاہتا ہے درجات میں بلند کر دیتا ہے اور یہ چیز کسی کی رائے سے نہیں بلکہ اللہ کے بتلانے سے ہی معلوم ہوتی ہے۔

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف انسانوں بلکہ دیگر تمام مخلوقات میں بھی افضل ترین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی۔"(۳) اس امت کو یہ مقام اس کے نبی کے شرف کی بنا پر ہی حاصل ہوا ہے۔ نیز ایک حدیث میں بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں روزِ قیامت ساری اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں۔"(۴) اسی طرح مقامِ محمود کی آپ کے ساتھ خصوصیت بھی اسی کا ثبوت ہے کہ جس کی وجہ سے تمام پہلے اور پچھلے لوگ حتی کہ انبیاء و رسل اور اولوالعزم پیغمبر بھی آپ پر رشک کریں گے۔ واضح رہے کہ اولوالعزم پیغمبروں میں نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام شامل ہیں۔

---

(۱) [بخاری (2412) کتاب الخصومات : باب ما یذکر فی الاشخاص والخصومة بین المسلم والیهود، مسلم (2373) کتاب الفضائل : باب من فضائل موسی]

(۲) [بخاری (3408) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب وفاة موسی وذکره بعد ' مسند احمد (7270) السنن الکبری للنسائی (418/4) مشکل الآثار للطحاوی (500/2)]

(۳) [آل عمران : 110]

(٤) [بخاری (3340) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله عزوجل ولقد أرسلنا ... ، مسلم (2278) کتاب الفضائل : باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق ، ترمذی (3148) کتاب تفسیر القرآن ' مسند احمد (2415) دلائل النبوة للبیهقی (2226) شعب الایمان للبیهقی (1464) دارمی (56/1)]

آپ ﷺ کے اس فرمان ''سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ روزِ قیامت ساری مخلوق اس وقت اللہ تعالیٰ کی ہیبت و رعب اور جلالت و عظمت کے باعث بے ہوش ہوگی جب اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے تجلی فرمائیں گے۔ پھر سب سے پہلے خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ ہوش میں آئیں گے اور دیکھیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان کے لیے یا تو طور کی بے ہوشی کا بدلہ ہوگا یا ان کی بے ہوشی ہلکی ہو گی کیونکہ وہ ایک بار دنیا میں بھی اللہ کی تجلی کی وجہ سے بے ہوش ہو چکے ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک عظیم شرف ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مجموعی طور پر محمد ﷺ سے افضل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ﴾ ''اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے دوسرے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔'' اس سے مقصود اس زمانے کے لوگوں پر آپ کی برتری کا اظہار ہے نہ کہ پہلوں اور پچھلوں پر، کیونکہ بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ سے افضل تھے جو آپ سے پہلے تھے اور محمد ﷺ بھی یقیناً آپ سے افضل تھے جو آپ کے بعد تھے، جیسا کہ معراج کی رات تمام انبیاء و رسل پر آپ کی برتری ظاہر ہوئی اور روزِ قیامت بھی یہ برتری یوں ظاہر ہوگی کہ تمام انبیاء حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی آپ کو ملے ہوئے مقام کی رغبت کریں گے۔(۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے اور رسالت کی عطائیگی کا جو شرف عطا کیا گیا ہے اسے لیجیے اور اس پر شکر ادا کرتے ہوئے مزید کچھ بھی طلب نہ کیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی۔'' یہ تختیاں نہایت عمدہ جوہر سے بنائی گئی تھیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔''(۲) اس میں بہت سی نصیحتیں اور حلال و حرام سے متعلقہ اُمور کی تفصیل تھی۔ ''تم اسے مضبوطی سے پکڑو'' کا مطلب یہ ہے کہ اسے پختہ ارادے کے ساتھ پکڑو۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان احکام کا بہترین مفہوم اخذ کریں۔ ''اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں'' یعنی ان لوگوں کا جنھوں نے میرے احکام کی مخالفت کی اور میرے رسولوں کی تکذیب کی۔

---

(۱) مسلم (820) كتاب صلاة المسافرين : باب بيان أن القرآن أنزله على سبعة أحرف ، مسند احمد (127/5)]

(۲) [صحيح : صحيح ابوداود ، ابوداود (4701) كتاب السنة : باب في القدر ' مسند ابو يعلى موصلى (6115) مسند احمد (268/2)]

﴿ سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ ﴾ ''میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا۔'' یعنی ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ تفکر و تدبر سے کام نہیں لیں گے جس کے نتیجے میں وہ اس کلام کا مقصودی معنی سمجھنے سے عاجز رہیں گے۔ ''جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں' جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں۔'' یعنی ایسے معجزات' جنہیں دیکھ کر عقول حیران و ششدر رہ جائیں' کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہیں کرتے۔ ''اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔ اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔''

بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ ... هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴾ ''اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑا معبود ٹھہرالیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا' اس کو انہوں نے معبود قرار دیا اور بڑی بے انصافی کا کام کیا۔ اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے ہو جائیں گے۔ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی بری جانشینی کی' کیا اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کرلی' اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے ماں جائے! ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں تو تم مجھ پر دشمنوں کو مت ہنساؤ اور مجھے ان ظالموں کے ذیل میں مت شمار کرو۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے رب! میری خطا معاف فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی میں ہی پڑے گی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے پھر وہ ان کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دینے والا' رحمت کرنے والا ہے۔ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ ختم ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کے

مضامین میں ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی۔“(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَمَا أَعْجَلَكَ عَن قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ ... وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ ”اے موسیٰ! تجھے اپنی قوم سے (غافل کر کے) کون سی چیز لے آئی؟ کہا کہ وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے ہی ہیں اور اے رب! میں نے تیری طرف اس لیے جلدی کی تاکہ تو خوش ہو جائے۔ فرمایا! ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے بہکا دیا ہے۔ پس موسیٰ (علیہ السلام) سخت غضبناک ہو کر رنج کے ساتھ واپس لوٹے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے نیک وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا اس کی مدت تمہیں لمبی معلوم ہوئی؟ بلکہ تمہارا ارادہ ہی یہ ہے کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو؟ کہ تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدے کا خلاف نہیں کیا بلکہ ہم پر جو قوم کے زیورات کا بوجھ ڈال دیا گیا تھا' ہم نے انہیں ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیئے۔ پھر اس نے لوگوں کے لیے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا یعنی بچھڑے کا بت' جس کی گائے جیسی آواز بھی تھی' پھر کہنے لگا کہ یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی' لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔ کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے کا اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون (علیہ السلام) نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے' تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمٰن ہی ہے' پس تم سب میری تابعداری کرو اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے۔ موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اے ہارون! تجھے کس چیز نے روکا جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا؟ کہ تو میرے پیچھے نہ آیا' کیا تو بھی میرے حکم کا نافرمان بن بیٹھا؟ ہارون (علیہ السلام) نے کہا' اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑ اور سر کے بال نہ کھینچ' مجھے تو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ (نہ) فرمائیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی' تو میں نے فرستادۂ الٰہی کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی بھر لی اور اسے اس میں ڈال دیا' اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بھلی بنا دی۔ کہا اچھا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے کہ مجھے نہ چھونا اور ایک اور وعدہ بھی تیرے ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھا کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے۔ اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں' اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔“(۲)

(۱) [الأعراف : 148-154]

(۲) [طه : 83-98]

ان مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ان حالات کا تذکرہ کیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے اپنے رب سے ملاقات کے لیے جانے کے بعد پیش آئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور بہت سے سوالات کیے جن کے اللہ تعالیٰ نے جوابات دیئے۔ اس دوران 'ہارون سامری' نامی ایک شخص نے بنی اسرائیل سے وہ زیورات لے لیے جو انہوں نے آل فرعون سے عاریتاً لیے تھے۔ پھر انہیں ڈھال کر ایک بچھڑے کی شکل دی اور اس میں مٹی کی ایک مٹھی ڈال دی جو اس نے (فرعون کی غرقابی کے وقت) جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشانات سے لی تھی۔ جب اس نے وہ مٹی بچھڑے میں ڈالی تو اس سے ایسی آواز آنے لگی جو حقیقی بچھڑے سے آتی ہے۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ وہ حقیقی بچھڑا ہی بن گیا تھا اسی لیے وہ آواز دیتا تھا۔ کچھ کا کہنا ہے کہ جب ہوا اس کی پشت سے داخل ہو کر منہ سے خارج ہوتی تو حقیقی بچھڑے کی آواز کی مانند آواز پیدا ہوتی' جسے سن کر وہ لوگ اس کے قریب ناچنا شروع کر دیتے۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ "یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی لیکن وہ بھول گیا ہے۔" یعنی موسیٰ اپنا معبود ہمارے پاس بھول گیا ہے اور اسے کہیں اور جا کر تلاش کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام بے کار کی باتوں سے منزہ ہے' وہ پاکیزہ اسماء وصفات سے متصف ہے اور اس کی نعمتیں بے شمار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس موقف کی تردید فرمائی اور اسے شیطانی کام قرار دیتے ہوئے فرمایا "کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے کا اختیار رکھتا ہے۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا' اس کو انہوں نے معبود قرار دیا اور بڑی بے انصافی کا کام کیا۔" مطلب یہ ہے کہ یہ حیوان نہ تو بات کرتا ہے' نہ بات کا جواب دیتا ہے' نہ نفع ونقصان کا مالک ہے اور نہ ہی انہیں صراط مستقیم دکھاتا ہے' لہٰذا ان کا اسے اپنا معبود بنا لینا ظلم ہے اور فی الواقع ایسا ہے کہ انہیں بھی یہ علم ہے کہ ان کا یہ کام سراسر ضلالت وجہالت پر مبنی ہے۔ پھر جب انہیں یہ احساس ہو گیا کہ انہوں نے واقعتاً گمراہی کا کام کیا ہے تو انہوں نے کہا "اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے ہو جائیں گے۔"

جب موسیٰ علیہ السلام واپس پلٹے اور بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا تو جن تختیوں پر تورات مکتوب تھی انہیں پھینک دیا۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ آپ نے وہ تختیاں توڑ ڈالیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسری تختیاں دے دیں۔ لیکن قرآن سے اس کے برخلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے تختیاں محض زمین پر پھینکی تھیں۔ اہل کتاب نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تختیاں دو تھیں جبکہ قرآن کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تختیاں متعدد تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا کہ ان کی قوم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ہے تو انہیں اتنا غصہ نہ آیا جتنا اس وقت آیا جب آپ

نے قوم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ "سنی ہوئی بات دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی۔"(۱)
پھر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹا۔ انہوں نے اپنا عذر پیش کیا لیکن وہ درست نہ تھا۔ انہوں نے کہا "ہم پر جو قوم کے زیورات کا بوجھ ڈال دیا گیا تھا' ہم نے انہیں ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیئے۔" انہوں نے فرعونیوں کے زیورات استعمال کرنے میں حرج محسوس کیا حالانکہ وہ تو دشمن کا مال تھا جسے لینے کا خود اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا اور اسے ان کے لیے جائز قرار دیا تھا۔ انہوں نے اپنی کم عقلی اور جہالت کی بنا پر بچھڑے کی پوجا میں کوئی برائی محسوس نہ کی جسے انہوں نے اللہ کے برابر قرار دے لیا تھا حالانکہ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور وہ بے نیاز ہے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے یہ کہا کہ "جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو تجھے میرے پیچھے آنے سے کس چیز نے روکا۔" یعنی تمہیں تو چاہیے تھا کہ ان کے اس غلط کام کی فوراً مجھے آکر اطلاع دیتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ "مجھے یہ خدشہ تھا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا ہے۔" مطلب یہ کہ آپ کہیں تم انہیں چھوڑ کر میرے پاس آ گئے ہو حالانکہ میں نے تمہیں ان پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا فرمائی کہ "اے میرے رب! میری خطا معاف فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔" اس دعا میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی شریک کیا کیونکہ انہوں نے بنی اسرائیل کو اس کام سے روکنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ "اور ہارون (علیہ السلام) نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔" یعنی یہ جو کچھ ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے فیصلے کے مطابق ہی ہوا ہے اور اسی نے تمہاری آزمائش کے لیے اس بچھڑے میں آواز پیدا کر دی ہے۔ "اور بلاشبہ تمہارا پروردگار تو رحمٰن ہی ہے۔" یعنی یہ بچھڑا تمہارا پروردگار نہیں اس لیے تم میری بات سنو اور میری تابعداری کرو۔ قوم نے جواب دیا کہ "موسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے۔" تو یہاں اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کے حق میں گواہی دی ہے کہ انہوں نے تو قوم کو اس برے کام سے روکا تھا لیکن انہوں نے آپ کی ایک نہ سنی۔

سامری کا بچھڑا جلا دیا گیا

موسیٰ علیہ السلام نے پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اے سامری! تیرا معاملہ کیا ہے؟" یعنی تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ "مجھے وہ کچھ دکھائی دیا جو انہیں دکھائی نہ دیا۔" مطلب یہ تھا کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ لیا تھا

(۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (5373) المشکاۃ (5738) مسند احمد (215/1) مستدرک حاکم (3208) طبرانی أوسط (28/1)]

جب وہ گھوڑے پر سوار تھے اور میں نے ان کے گھوڑے کے نشان سے مٹی کی مٹھی بھری تھی۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ سامری نے گھوڑے کو دیکھا کہ وہ جہاں بھی قدم رکھتا ہے وہاں گھاس اُگ آتی ہے' لہٰذا اس نے وہاں سے مٹی لے لی اور پھر سونے کے بچھڑے میں پھینکی تو اس سے آواز آنے لگی۔ اسی لیے اس نے کہا کہ "میں نے اسے اس میں ڈال دیا' اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بھلی بنا دی۔ کہا اچھا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے کہ مجھے نہ چھونا۔"

یہ اسے بددعا دی گئی تھی کہ اسے کوئی نہ چھوئے کیونکہ اس نے ایسی چیز کو چھوا تھا جسے چھونا جائز نہ تھا۔ یہ تو تھی اس کی دنیوی سزا اور آخرت میں بھی اسے سزا سے دوچار کیا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ "اور ایک اور وعدہ بھی تیرے ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا۔" اور فرمایا "اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھا کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے۔" چنانچہ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ کو سمندر میں بکھیر دیا' پھر بنی اسرائیل کو وہ پانی پینے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے وہ پانی پیا تو جس نے بچھڑے کی پوجا کی تھی راکھ اس کے ہونٹوں پر ہی چپک گئی۔ اہل کتاب نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ کچھ اہل علم نے کہا ہے کہ ان کے رنگ زرد ہو گئے' تب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا "اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں' اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی میں ہی پڑے گی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔" پھر ایسا ہی ہوا تھا۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔" تا قیامت ہر بدعتی کے لیے قانونِ باری تعالیٰ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم و کرم اور مخلوق پر عظیم احسان کا ذکر یوں فرمایا کہ جو بھی توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا "اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دینے والا' رحمت کرنے والا ہے۔"

تاہم یہ واضح رہے کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی ان کی توبہ تب تک قبول نہ ہوئی جب تک انہیں قتل کی سزا سے دوچار نہ کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ... التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ "جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو' اپنے کو آپس میں قتل کرو' اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری بہتری اسی میں ہے' تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی' وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔"(۱) بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن

(۱) [البقرة : 54]

جب صبح ہوئی تو بچھڑے کی پوجا سے اجتناب کرنے والوں نے ہاتھوں میں تلواریں اٹھا رکھی تھیں' اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید دھند بھیج دی تاکہ کوئی اپنے قریبی رشتہ دار کو پہچان نہ سکے۔ پھر انہوں نے تمام بچھڑے کے پجاریوں کو قتل کر ڈالا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ہی صبح مقتولین کی تعداد 70 ہزار تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ ختم ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کے مضامین میں 'ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے' ہدایت اور رحمت تھی۔'' کچھ لوگوں نے ان الفاظ ''ان کے مضامین میں'' سے یہ اخذ کیا ہے کہ وہ تختیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ لیکن آیت میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے یہ چیز ثابت ہوتی ہو۔ (واللہ اعلم)

بنی اسرائیل کے ستر علماء طور پہاڑ پر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهُ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ... هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ''اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے وقت معین کے لیے منتخب کیے' سو جب انہیں زلزلہ نے آ پکڑا تو موسیٰ (علیہ السلام) عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! اگر تجھ کو یہ منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ واقعہ محض تیری طرف سے امتحان ہے' ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔ تو ہی تو ہمارا کارساز ہے پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے۔ اور ہم لوگوں کے لیے دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی' ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جسے وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتا ہے اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتا ہے۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے' ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔''(۱)

سدیؒ' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن اسحٰقؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہونے والے یہ ستر افراد بنی اسرائیل کے علماء تھے اور وہ بنی اسرائیل کے بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کی طرف سے معافی مانگنے کے لیے گئے تھے۔

(۱) [الأعراف : 155-157]

انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ قوم کے لیے معافی کی دعا مانگو، روزہ رکھو، پاکی اختیار کرو اور غسل کرو۔ جب وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ پر چڑھے تو وہاں بادل چھایا ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس بادل میں داخل ہو گئے اور دوسروں کو اپنے قریب آنے کو کہا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تو آپ کے چہرے پر ایک ایسا نور چھا جاتا جس کا مشاہدہ کوئی انسان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور دیگر افراد کے درمیان پردہ حائل کر دیا۔

جب وہ سب لوگ بادل میں داخل ہوئے تو سجدے میں گر گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام تھے' اللہ تعالیٰ آپ کو بعض کاموں کا حکم دے رہے تھے اور بعض سے روک رہے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو احکامات دے دیئے اور بادل ہٹا دیا تو ان حضرات نے کہا کہ ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ''ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔''(۱) ان کا یہ کہنا تھا کہ ان پر ایک کڑک آئی اور وہ سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا والتجا کی کہ ''اے میرے پروردگار! اگر تجھ کو یہ منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟'' مطلب یہ کہ ہم میں سے چند بے وقوف لوگ بچھڑے کی پوجا میں مصروف ہو گئے تھے' ان کی وجہ سے ہمیں سزا مت دینا' ان کے عمل سے ہمارا یکسر کوئی تعلق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہیں زلزلے اور کڑک کے عذاب سے اس لیے دوچار کیا گیا کہ انہوں نے قوم کو بچھڑے کی پوجا سے روکا نہیں تھا۔(۲)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''یہ واقعہ محض تیری طرف سے امتحان ہے۔'' یعنی اے اللہ! یہ واقعہ تیرے تقدیر کے فیصلے کے مطابق ہی پیش آیا ہے جس کے ذریعے تو نے انہیں آزمایا ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام نے پہلے ہی ان سے کہا تھا کہ ''اے میری قوم! اس بچھڑے کے ذریعے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔'' اس مقام پر بھی فتنہ کا لفظ آزمائش کے معنی میں ہے' اسی لیے فرمایا گیا کہ '' ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔'' یعنی تیری مرضی ہر مقام پر غالب ہے اور اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ ''تو ہی تو ہمارا کارساز ہے پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے۔ اور ہم لوگوں کے لیے دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی' ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔'' یعنی ہم توبہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔'' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو ایک تحریر لکھی جو اس

(۱) [البقرۃ : 55]

(۲) [تفسیر طبری (101/6)]

کے پاس عرش پر موجود ہے (اور وہ یہ ہے کہ) ''میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔''(۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''میں وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' یعنی میری رحمت انہیں حاصل ہوگی جو ان صفات کے ساتھ متصف ہوں گے۔ ''جو لوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جسے وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' یہاں موسیٰ علیہ السلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے متعلق خبر دی جارہی ہے اور یہ ان خبروں میں شامل تھی جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئیں' اس کی تفصیل ہم اپنی تفسیر (یعنی تفسیر ابن کثیر) میں کرچکے ہیں جسے یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ قتادہؒ کے بیان کے مطابق موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں ان تختیوں میں ایسی قوم کا ذکر پاتا ہوں جو بہترین امت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے' اے اللہ! اسے میری امت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ... لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر کوہِ طور کو اٹھا کھڑا کیا (اور حکم کیا) کہ ہم نے تمہیں جو کتاب دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد رکھو تاکہ (عذاب وعقاب سے) محفوظ رہو۔ تو اس کے بعد تم پھر گئے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے۔''(۲) مزید یہ بھی ارشاد ہے کہ ﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ ... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ ''اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ قبول کرو اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں اس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔''(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر متعدد اہل علم کا بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام تختیوں کی صورت میں تورات لے کر بنی اسرائیل کے پاس آئے تو انہیں اس پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرنے کو کہا۔ انہوں نے کہا' ہم تختیاں دیکھ لیتے ہیں' اگر تو ان میں موجود احکام آسان ہوئے تو قبول کرلیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' ان میں جو کچھ بھی ہے اسے قبول کرو۔ جب انہوں نے اپنی بات پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے ان پر پہاڑ کو اٹھا لیا اور وہ ان پر بادل کی مانند چھا

---

(۱) [بخاری (7422) کتاب التوحید : باب و کان عرشه علی الماء ، ابن ماجه (4295) کتاب الزهد : باب ما یرجی من رحمة الله یوم القیامة ، ترمذی (3543) کتاب الدعوات : باب خلق الله مائة رحمة ، السلسلة الصحیحة (1629) صحیح الجامع الصغیر (1755)]

(۲) [البقرة : 63-64]

(۳) [الأعراف : 171]

گیا۔ پھر انہیں کہا گیا کہ اگر تم ان احکام کو قبول کرلو تو ٹھیک ورنہ تم پر پہاڑ کو گرا دیا جایا جائے گا۔ یہ صورتحال دیکھ کر انہوں نے اسے قبول کر لیا' پھر انہیں سجدے کا حکم دیا گیا تو وہ سجدہ ریز ہو گئے لیکن وہ سجدے کی حالت میں بھی پہاڑ کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ یہودیوں میں آج تک اس سجدے کا رواج موجود ہے' ان کا کہنا ہے کہ اس سجدے سے زیادہ عظیم کوئی سجدہ نہیں ہوسکتا جس کے باعث ہم سے عذاب ٹال دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''پھر اس کے بعد تم پھر گئے۔'' یعنی اس قدر عظیم معاہدے کے باوجود بھی تم نے عہد توڑ دیئے۔ ''پھر اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔'' کہ اس نے تم پر کتابیں نازل کیں اور تمہاری طرف رسول بھیجے ''تو تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے۔''

گائے کا واقعہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ... لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾
''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ انہوں نے کہا' اے موسیٰ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس کی ماہیت بیان کر دے' آپ نے فرمایا سنو! وہ گائے نہ تو بالکل بڑھیا ہو' نہ بچی' بلکہ درمیانی عمر کی جوان ہو' اب جو تمہیں حکم دیا گیا ہے بجا لاؤ۔ وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہے' اس کا رنگ چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے' اس جیسی گائے تو بہت ہیں پتہ نہیں چلتا' اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی' زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں' وہ تندرست اور بے داغ ہے۔ انہوں نے کہا' اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے' لیکن اسے مانا اور گائے ذبح کر دی۔ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا' پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔''(۱)

مفسرین کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا شخص تھا جو بہت مالدار تھا۔ اس کے بھتیجے چاہتے تھے کہ وہ

(۱) [البقرۃ: 67-73]

فوت ہو اور اس کا مال انہیں مل جائے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے رات کے وقت اسے قتل کر کے اس کی لاش ایک چوراہے پر پھینک دی' ایک قول یہ ہے کہ کسی کے دروازے کے آگے پھینک دی۔ صبح کے وقت جب لوگ اس کے متعلق باتیں کرنے لگے تو اس کا بھتیجا روتا ہوا آ گیا اور مظلومیت کا روپ دھار لیا۔ لوگوں نے کہا کہ تم آپس میں کیوں جھگڑتے ہو؟ اللہ کے نبی کے پاس چلے جاؤ' اس پر بھتیجا اپنے چچا کا معاملہ لے کر اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اگر کسی کو بھی اس مقتول کے متعلق کسی بات کا علم ہے تو وہ ضرور بتائے۔ لیکن کسی نے کچھ نہ کہا۔ تب انہوں نے کہا کہ اس کے متعلق اپنے رب سے دریافت کیجئے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

اس پر آپ نے لوگوں سے کہا ''اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہو؟'' یعنی ہم تو مقتول کے متعلق دریافت کر رہے ہیں اور آپ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہو' اِس کا اُس معاملے سے کیا تعلق؟ تو آپ نے فرمایا ''میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں۔'' یعنی میں نے تو تمہیں صرف وہی حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ، ابوالعالیہؒ، عکرمہؒ، قتادہؒ اور دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ اگر وہ لوگ کوئی گائے بھی ذبح کر دیتے تو معاملہ حل ہو جاتا لیکن انہوں نے جب خود سختی کی تو ان پر بھی سختی کر دی گئی۔ انہوں نے اس کے رنگ' عمر اور دیگر صفات کے متعلق سوال کیا تو انہیں ان سب اشیاء کے متعلق بتلا دیا گیا لیکن پھر اس جیسی گائے تلاش کرنا ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ انہوں نے گائے کا رنگ پوچھا تو انہیں بتا دیا گیا کہ وہ زرد مگر سرخی مائل ہو' دیکھنے والوں کو بھلی معلوم ہو' ایسا رنگ بہت کم ملتا ہے۔

پھر انہوں نے اپنے اوپر مزید سختی کرتے ہوئے کہا کہ ''اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے' اس قسم کی گائے تو بہت ہیں پتہ نہیں چلتا' اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔'' آپ نے فرمایا ''اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی' زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں' وہ تندرست اور بے داغ ہے۔ انہوں نے کہا' اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے' لیکن اسے مانا اور گائے ذبح کر دی۔'' اب یہ صفات پہلی صفات سے بھی زیادہ سخت تھیں کہ ایسی گائے ذبح کرو جو کام کرنے کی عادی نہ ہو' اس سے ہل چلانے یا کھیتی سیراب کرنے کا کام نہ لیا گیا ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ یہ تمام صفات سن لینے کے بعد انہوں نے کہا کہ ''اب آپ حق لائے ہیں۔''

بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں اس طرح کی گائے ایک ایسے شخص کے پاس ملی جو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتا تھا۔ وہ اسے فروخت کرنے کو تیار نہ تھا۔ بالآخر (سدیؒ کے بیان کے مطابق) انہوں نے وہ گائے اس سے گائے

کے وزن کے برابر دس گنا سونا دے کر حاصل کی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ کے حکم کے مطابق گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور حکم دیا کہ اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے بدن کے ساتھ لگائیں۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو وہ مقتول اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے' یہ کہتے ہی وہ دوبارہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔" یعنی اس نے جیسے تمہیں یہ مقتول زندہ کر کے دکھایا ہے اسی طرح وہ جب چاہے تمام مردوں کو بھی بیک وقت زندہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ﴾ "تم سب کو پیدا کرنا اور (مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھانا ایک جان کی مانند ہی ہے۔"(۱)

موسیٰ اور خضر علیہما السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ ... مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴾ "جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے نوجوان سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا حتی کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچوں' خواہ مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔ جب وہ دونوں دریا کے سنگم پر پہنچے' وہاں اپنی مچھلی بھول گئے جس نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنا لیا۔ جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ لاؤ ہمارا کھانا پیش کرو' ہمیں تو اپنے سفر سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جبکہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا' دراصل شیطان نے ہی مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔ اس مچھلی نے ایک انوکھے طور پر دریا میں اپنا راستہ بنا لیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا' یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے' چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشانات ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے۔ پس ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا' جسے ہم نے اپنی طرف سے خاص رحمت عطا کر رکھی تھی اور اپنی طرف سے خاص علم سکھا رکھا تھا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس نے کہا' آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں نہ لیا ہو اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں بھی آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس نے کہا' اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں۔ پھر وہ دونوں چلے حتی کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی کے تختے

(۱) [لقمان : 28]

توڑ دیے' موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا آپ اسے توڑ رہے ہیں تاکہ کشتی والوں کو ڈبو دیں' یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑیے اور مجھے اپنے کام میں تنگی میں نہ ڈالئے۔ پھر دونوں چلے حتیٰ کہ ایک لڑکے کو پایا' اس نے اسے مار ڈالا' موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے عوض مار ڈالا؟ بے شک آپ نے تو بڑی ناپسندیدہ حرکت کی۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کا سوال کروں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا' یقیناً آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے۔ پھر دونوں چلے' ایک گاؤں والوں کے پاس آ کر ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان کی مہمان نوازی سے صاف انکار کر دیا' دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرنے والی تھی' اس نے اسے ٹھیک اور درست کر دیا' موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔ اس نے کہا پس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان' اب میں تمہیں ان باتوں کی حقیقت بھی بتلا دوں گا جس پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ کشتی تو چند مساکین کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح) کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا۔ اور اس لڑکے کے ماں باپ ایمان والے تھے' ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کر دے۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس کے بدلے اس سے بہتر پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت اور پیار والا بچہ عنایت فرمائے۔ دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے' ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آ کر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں' یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔"(۱)

بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ خضر علیہ السلام کی طرف سفر کر کے جانے والے معروف پیغمبر موسیٰ بن عمران علیہ السلام نہیں بلکہ موسیٰ بن منسا بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام تھے۔ کچھ اہل علم نے ان کی کتابوں سے اخذ کر کے یہی رائے اختیار کی ہے جن میں نوف بن فضالہ بکالی بھی ہیں۔ لیکن درست موقف یہی ہے کہ وہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام تھے جیسا کہ قرآن کا سیاق اور صحیح احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ سعید بن جبیرؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کا کہنا ہے کہ جس موسیٰ کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی وہ بنی اسرائیل کے (پیغمبر) موسیٰ کے علاوہ کوئی اور ہے۔

(۱) [الکھف : 60-82]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا' خدا کے دشمن نے غلط کہا ہے۔ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرمار ہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو وعظ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ انسانوں میں سب سے زیادہ علم کس کے پاس ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے پاس۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گئے کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا تھا۔

تب اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے بتلایا کہ دو دریاؤں (فارس اور روم) کے سنگم پر میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو اور اسے ایک زنبیل میں رکھ لو' وہ جہاں گم ہو جائے بس وہ میرا بندہ وہیں ملے گا۔ چنانچہ آپ نے مچھلی لی اور زنبیل میں رکھ کر روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خادم یوشع بن نون بھی تھے۔

جب یہ دونوں چٹان کے پاس آئے تو سر رکھ کر سو گئے' ادھر مچھلی زنبیل میں تڑپی اور اس سے نکل گئی اور اس نے دریا میں اپنا راستہ پا لیا۔ مچھلی جہاں گری تھی اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کی روانی کو روک دیا اور پانی اس پر ایک طاق کی طرح بن گیا (یہ حال یوشع اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے) پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع ان کو مچھلی کے متعلق بتانا بھول گئے۔ اس لیے دن اور رات کے باقی حصے میں چلتے رہے' دوسرے دن موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اب کھانا لاؤ' ہم کو سفر نے بہت تھکا دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت تک نہیں تھکے جب تک وہ اس مقام سے گزر نہ گئے جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا تھا۔

اب ان کے خادم نے کہا آپ نے نہیں دیکھا جب ہم چٹان کے پاس تھے تو میں مچھلی کے متعلق بتانا بھول گیا تھا اور صرف شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا۔ اس نے تو عجیب طریقے سے اپنا راستہ بنا لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مچھلی نے تو دریا میں اپنا راستہ لیا لیکن موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو (مچھلی کا جو نشان اب تک موجود تھا) دیکھ کر تعجب ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ وہی جگہ تھی جس کی تلاش میں ہم تھے۔ چنانچہ دونوں حضرات اسی راستے سے پیچھے لوٹے۔ دونوں پیچھے اپنے نقشِ قدم پر چلتے چلتے آخر اس چٹان تک پہنچ گئے۔

وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک صاحب (خضر علیہ السلام) کپڑے میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا۔ خضر علیہ السلام نے کہا (تم کون ہو؟) تمہارے ملک میں سلام کہاں سے آ گیا؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں موسیٰ ہوں۔ پوچھا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ جواب دیا' جی ہاں اور آپ کے پاس اس غرض سے حاضر ہوا ہوں تا کہ جو علمِ ہدایت آپ کو حاصل ہے وہ مجھے بھی سکھا دیں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا' موسیٰ! آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے' مجھے اللہ کی طرف سے ایک خاص علم ملا ہے جسے آپ نہیں جانتے' اسی طرح آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم ملا ہے اسے میں

نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی معاملے میں بھی آپ کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا' اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو کسی چیز کے متعلق سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ کو اس کے متعلق بتا دوں۔

اب یہ دونوں سمندر کے کنارے کنارے روانہ ہوئے۔ اتنے میں ایک کشتی گزری' انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں بھی اس پر سوار کر لیں۔ کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کسی کرایہ کے بغیر انہیں سوار کر لیا۔ جب یہ دونوں کشتی پر بیٹھ گئے تو خضر علیہ السلام نے کلہاڑے کے ساتھ کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو خضر علیہ السلام سے کہا کہ انہوں نے تو بغیر کسی کرایہ کے ہمیں اپنی کشتی پر سوار کر لیا تھا اور آپ نے انہی کی کشتی چیر ڈالی تاکہ سارے مسافر ڈوب جائیں۔ بلاشبہ آپ نے یہ بڑا ناگوار کام کیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا' کیا میں نے آپ سے پہلے ہی نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو بات میں بھول گیا تھا آپ مجھے اس پر معاف کر دیں اور میرے معاملے میں تنگی نہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ پہلی مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے بھول کر انہیں ٹوکا تھا۔

راوی کا بیان ہے کہ اتنے میں ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے کنارے بیٹھ کر سمندر میں ایک مرتبہ اپنی چونچ ماری تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرے اور آپ کے علم کی حیثیت اللہ کے علم کے مقابلے میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے سمندر کا پانی کم کیا ہے۔ پھر یہ دونوں کشتی سے اتر گئے۔ ابھی وہ سمندر کے کنارے چل ہی رہے تھے کہ خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو دیکھا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آپ نے اس بچے کا سر اپنے ہاتھ میں دبایا اور اسے (گردن سے) اکھاڑ دیا اور اس کی جان لے لی۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام بولے کہ آپ نے ایک بے گناہ کی جان بغیر کسی جان کے بدلے لے لی' یہ آپ نے بڑا ناپسندیدہ کام کیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ خضر علیہ السلام نے یہ بات پہلے سے بھی زیادہ سخت انداز میں کہی تھی لیکن موسیٰ علیہ السلام نے پھر معذرت کر لی اور کہا کہ اگر میں نے اس کے بعد آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔

پھر دونوں روانہ ہوئے حتی کہ ایک بستی میں پہنچے اور بستی والوں سے کہا کہ ہمیں اپنا مہمان بنا لو' لیکن انہوں نے میزبانی سے انکار کر دیا' پھر انہیں بستی میں ایک دیوار دکھائی دی جو گرنے والی تھی اور وہ جھک رہی تھی۔ خضر علیہ السلام کھڑے ہوئے اپنے ہاتھ سے دیوار سیدھی کر دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہم ان کے پاس آئے اور ان سے کھانا طلب کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا' اگر آپ چاہتے تو دیوار سیدھا کرنے کے کام پر اجرت بھی لے سکتے تھے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے۔ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ان واقعات کی حقیقت کے متعلق بتایا جیسا کہ آیات کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "ہم تو چاہتے تھے کہ

موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے مزید واقعات بھی ہم سے بیان کرتا۔''(۱)

خضر علیہ السلام کون تھے؟

اس سلسلے میں مختلف آراء ہیں۔بعض نے انہیں نیک آدمی' بعض نے فرشتہ' بعض نے فرعون کا بیٹا وغیرہ کہا ہے۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ وہ آج بھی زندہ ہیں۔اس موقف کی تردید میں یہ آیت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ﴿ وَ إِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ ... فَاشْهَدُوْا وَ أَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشَّاهِدِيْنَ ﴾ ''جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا کہ میں تمہیں جو کچھ کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے' فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔''(۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا تھا کہ وہ اپنے بعد آنے والے ہر نبی پر ایمان لائیں گے اور اس کی مدد کریں گے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا وعدہ لیا ہے کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔لہٰذا ہر نبی جو آپ کے زمانے میں موجود ہو اس پر لازم ہے کہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کرے۔اگر خضر علیہ السلام آپ کے زمانے تک بھی زندہ ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ آپ کی اتباع کرتے' آپ کے ساتھ ملاقات کرتے' آپ کی مدد کرتے اور جنگ بدر میں آپ کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف جنگ کرتے جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام اور دیگر جلیل القدر فرشتے اس جنگ میں شریک تھے۔

خضر علیہ السلام کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یا تو وہ نبی تھے' اور یہی بات برحق ہے' یا رسول تھے جیسا کہ بعض اہل علم نے کہا ہے یا بادشاہ یا فرشتے تھے جیسا کہ یہ بھی کہا گیا ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ فرشتوں کے سردار جبرئیل علیہ السلام اور عظیم پیغمبر موسیٰ علیہ السلام دونوں خضر علیہ السلام سے افضل ہیں۔جب ان دونوں پر لازم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں تو خضر علیہ السلام پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا لازم ہوتا (اگر وہ زندہ ہوتے) اور اگر وہ ولی تھے جیسا کہ متعدد اہل علم کی یہی رائے ہے تو پھر بھی ضروری تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہوتے اور آپ کی مدد فرماتے۔لیکن کسی حسن بلکہ ضعیف روایت میں بھی ایسا کوئی ذکر نہیں کہ وہ ایک دن بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو۔البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خضر علیہ السلام کے اظہارِ افسوس کی ایک

---

(۱) [بخاری (4725) کتاب التفسیر : باب قولہ واذ قال موسی لفتاہ]

(۲) [آل عمران : 81]

روایت ملتی ہے جسے امام حاکمؒ نے روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے (لہٰذا حیاتِ خضر کے سلسلے میں یہی موقف راجح ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں)۔ (واللہ اعلم)

قارون کا قصہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ... وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''قارون تھا تو قومِ موسیٰ سے' لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا' ہم نے اسے اس قدر خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقتور لوگ بہ مشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے' ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اِترا مت! اللہ تعالیٰ اِترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو' یقین مان کہ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو ناپسند کرتا ہے۔ قارون نے کہا' یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے' کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے اور گناہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔ پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا' تو دنیاوی زندگی کے متوالے کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے' یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ اہل علم نے انہیں سمجھایا کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطورِ ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں۔ (بالآخر) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی' نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔ اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا' کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟ آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں' پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔''(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد تھا۔ وہ بہت خوبصورت آواز کے ساتھ تورات پڑھا کرتا تھا' لیکن وہ سامری کی طرح اللہ کا دشمن منافق بن گیا اور کثرتِ مال کے باعث اس کی سرکشی نے اسے

(۱) [القصص : 76-83]

ہلاک کر دیا۔ کچھ علما کا کہنا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا لیکن اہل علم کی اکثریت نے پہلی رائے کو ہی ترجیح دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سے خزانے عطا کر رکھے تھے حتیٰ کہ اس کے خزانوں کی چابیاں اٹھانے کے لیے ہی ایک طاقتور جماعت درکار ہوتی تھی۔ اس کی قوم کے خیر خواہ لوگوں نے اس سے کہا کہ ''اِترا مت'' یعنی اللہ نے جو تجھے مال دے رکھا ہے اس کی وجہ سے دوسروں پر فخر نہ کر۔ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اِترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ۔'' یعنی تجھے آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ''اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول۔'' یعنی اپنے مال کو حلال و پاکیزہ اشیاء کے حصول میں صرف کر اور ان سے فائدہ اٹھا۔ ''اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر۔'' یعنی جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی مخلوق پر اسی طرح احسان کر۔ ''اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔'' یعنی لوگوں کو حقیر نہ سمجھ ان سے برا رویہ مت برت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کر ورنہ وہ تجھ سے اپنا دیا سب کچھ چھین لے گا۔ ''یقین مان کہ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو ناپسند کرتا ہے۔''

اس عمدہ نصیحت کے جواب میں قارون نے صرف یہ کہا کہ ''یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔'' یعنی مجھے تمہاری باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سب کچھ اسی لیے دیا کہ میں اس کا مستحق ہوں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں اس کی نظر میں محبوب ہوں۔ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے اور گناہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔'' یعنی قارون سے پہلے بہت سے لوگ ایسے تھے جو اس سے بھی زیادہ مالدار تھے لیکن ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا تھا۔ اگر قارون کی بات درست ہوتی تو ہم ان سب کو کیوں ہلاک کرتے جو مال میں اس سے بھی زیادہ تھے لہٰذا مال کی فراوانی ہمارا محبوب ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ ''تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں تمہیں ہمارے قریب نہیں لا سکتیں الا کہ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔''(۱) دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ ○ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾ ''کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں، وہ ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔''(۲)

---

(۱) [سبا: 37]

(۲) [المومنون: 55-56]

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ''پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا۔'' مفسرین نے آرائش کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ وہ خوبصورت لباس پہن کر عمدہ سواریوں اور نوکروں چاکروں کے ساتھ نکلا۔ اس کی یہ چمک دمک دیکھ کر عام لوگوں کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ انہیں بھی اس جیسی شان و شوکت حاصل ہو جائے اور وہ اس پر رشک کرنے لگے۔ لیکن اہل دانش اور صاحب بصیرت لوگوں نے جب ان کی یہ بات سنی تو کہا ''افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطورِ ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔'' یعنی ایسے لوگوں کو جو اُخروی انعامات ملیں گے وہ یقیناً بہتر اور دیرپا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں۔'' یعنی دنیاوی مال و دولت اور شان و شوکت دیکھنے کے بعد ایسی خیر خواہی کو قبول کرنا صرف ایسے شخص کو ہی نصیب ہوتا ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہو اور اسے ثابت قدم رکھا ہو' ایسا شخص پھر دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ آخرت ہی اس کا مطمح نظر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی' نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے فخر و غرور اور تکبر کی سزا کا ذکر کیا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ایک آدمی اپنا تہبند (زمین تک لٹکا کر) کھینچتا ہوا چل رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا' وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔''(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قارون نے ایک بدکار عورت کو کچھ مال دیا اور یہ شرط لگائی کہ وہ لوگوں کے سامنے جا کر کہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ساتھ بدکاری کی ہے۔ چنانچہ اس نے لوگوں میں جا کر ایسا ہی کہہ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرا گئے۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی' پھر اس عورت کو قسم دے کر سچ بولنے کو کہا تو اس نے توبہ واستغفار کر لیا اور بتایا کہ قارون نے اسے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے سجدے میں گر کر قارون کے لیے بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے زمین کو آپ کے تابع کر دیا ہے' وہ آپ کا حکم ضرور مانے گی۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون اور اس کے محل کو نگل جا' تو وہ اسے نگل گئی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قارون پوری زیب و زینت کے ساتھ قوم میں آیا اور لاؤ لشکر' سواریوں اور خوبصورت لباس کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی مجلس سے گزرا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو گزشتہ اقوام کے واقعات سنا کر وعظ فرما رہے تھے۔ جب لوگوں نے قارون کی ظاہری شان و شوکت دیکھی تو اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو بلا کر پوچھا

(۱) [بخاری (3485) کتاب أحادیث الأنبیاء' نسائی (5326) کتاب الزینة : باب التغلیظ فی جر الازار' مسند احمد (5088) السنن الکبری للنسائی (483/5)]

کہ تو نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! اگر تمہیں نبوت کے ذریعے مجھ پر فضیلت دی گئی ہے تو مجھے مال و دولت کے ذریعے تم پر فضیلت دی گئی ہے اور اگر تم چاہو تو آؤ ہم ایک دوسرے کے لیے بددعا کریں۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام بھی نکل آئے اور قارون بھی اپنی قوم کے ساتھ باہر نکل آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ پہلے تو دعا کرے گا یا میں کروں؟ اس نے کہا میں دعا کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے پہلے آپ پر بددعا کی جو قبول نہ ہوئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! آج زمین کو میرے حکم کے تابع بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ میں نے ایسا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ ان کو پکڑ لے تو زمین نے انہیں قدموں تک پکڑ لیا۔ پھر زمین کو گھٹنوں تک پکڑنے کا حکم دیا تو اس نے انہیں گھٹنوں تک پکڑ لیا' اسی طرح پھر شانوں تک انہیں پکڑ لیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان کے تمام خزانوں کو بھی پکڑ لے تو اس نے ان کے تمام خزانے پکڑ لیے۔ یہ منظر سب لوگ دیکھ رہے تھے۔ بالآخر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان تمام کو دور لے جا تو زمین ان سب کو نگل کر برابر ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی' نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔" یعنی نہ تو وہ خود اپنی مدد کر سکا اور نہ ہی کوئی اور اس کی مدد کر سکا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ﴾ "اس کے پاس (روزِ قیامت) نہ تو کوئی طاقت ہو گی اور نہ ہی کوئی مددگار۔"(۱)

بہرحال جب قارون اور اس کے تمام خزانے زمین میں دھنس گئے تو جو لوگ اس جیسا بننے کی تمنا کر رہے تھے وہ نادم و پشیمان ہوئے اور کہنے لگے کہ "اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا' کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟" اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اُخروی گھر ہی دائمی ہے جسے وہ عطا کر دیا جائے وہ یقیناً قابل رشک ہے اور جو اس سے محروم کر دیا جائے وہ بلاشبہ قابل افسوس ہے۔ تاہم یہ یاد رہے کہ اُخروی نعمتیں ان کے لیے ہیں "جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں' پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔"

گمانِ غالب یہ ہے کہ قارون کا یہ واقعہ بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے سے پہلے کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے اسے اور اس کے گھر (یعنی محل) کو زمین میں دھنسا دیا۔ یہاں گھر سے بظاہر تو عمارت ہی مراد ہے۔ البتہ یہ امکان بھی ہے کہ یہ واقعہ میدانِ تیہ میں پیش آیا ہو اور تب گھر سے مراد وہ مقام ہو گا جہاں انہوں نے خیمے لگا رکھے تھے۔

قارون کی مذمت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دیگر مقامات پر بھی ذکر فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ "اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام)

---

(۱) [الطارق : 10]

کوفرعون، ہامان اور قارون کی طرف اپنی نشانیاں اور واضح دلائل دے کر بھیجا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔''(۱) دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى ... وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''اور (ہم نے) قارون، فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کر دیا) ان کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کھلے کھلے معجزات لے کر آئے تھے' پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔ پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا' ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور ان میں سے بعض کو زوردار سخت آواز نے دبوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا' اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔''(۲)

پس زمین میں دھنسایا جانے والا قارون تھا اور پانی میں غرق ہونے والا فرعون، ہامان اور اس کے لشکر تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے متعلق فرمایا ''جس نے اس کی حفاظت کی اس کے لیے یہ روزِ قیامت نور' برہان اور کامیابی کا ذریعہ ہوگی اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی یہ اس کے لیے نہ نور' نہ برہان اور نہ ہی کامیابی کا ذریعہ ہوگی بلکہ وہ شخص روزِ قیامت قارون' فرعون' ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔''(۳)

موسیٰ علیہ السلام کے فضائل قرآن وسنت کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ اذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ... اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴾ ''اس قرآن میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر بھی کر' جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا۔ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور سرگوشی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔ اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر عطا فرمایا۔''(۴)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ ... مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ ''اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے دوسرے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔''(۵)

---

(۱) [المومن : 23-24]

(۲) [العنکبوت : 39-40]

(۳) [صحیح : المشکاۃ (578) مسند احمد (6288) شعب الایمان للبیہقی (2697) دارمی (2777) صحیح ابن حبان (1489) مسند عبد بن حمید (355) مشکل الآثار للطحاوی (2687)]

(٤) [مریم : 51-53]

(٥) [الأعراف : 144]

صحیحین کی وہ روایت پیچھے گزر چکی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت نہ دو' کیونکہ روزِ قیامت جب لوگ بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا اور میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرش کا ایک پایہ پکڑ رکھا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہوں گے یا کوہِ طور کی بے ہوشی کے عوض انہیں بے ہوش ہی نہیں کیا گیا۔"(۱)

پیچھے یہ وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد محض تواضع و انکساری پر مبنی ہے ورنہ یہ حقیقت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے واضح طور پر کلام فرمایا۔"(۲)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴾ "اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اذیت دی' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بہتان سے بری کر دیا جو انہوں نے آپ پر لگایا تھا اور آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز تھے۔"(۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی باحیا اور بدن ڈھانپ کر رکھنے والے تھے۔ ان کی حیا کی وجہ سے ان کے بدن کا کوئی حصہ بھی دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ بنی اسرائیل کے جو لوگ انہیں اذیت پہنچانے کے درپے تھے وہ کیوں باز رہ سکتے تھے' انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اس درجہ بدن چھپانے کا اہتمام صرف اس لیے ہے کہ ان کے جسم میں عیب ہے یا کوڑھ ہے یا ان کے خصیتین بڑھے ہوئے ہیں یا پھر کوئی اور بیماری ہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان تمام باتوں سے بری قرار دے۔ تو ایک روز موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرنے کے لیے آئے اور ایک پتھر پر اپنے کپڑے (اتار کر) رکھ دیئے' پھر غسل شروع کیا۔ جب فارغ ہوئے تو کپڑے اٹھانے کے لیے بڑھے لیکن پتھر ان کے کپڑوں سمیت بھاگنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اٹھایا اور پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے اور ان سب نے آپ کو ننگا دیکھ لیا' آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر حالت میں تھے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا۔ اب پتھر بھی رُک گیا اور آپ نے اپنے کپڑے اٹھا کر پہن لیے۔ پھر پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے۔ اللہ

---

(۱) [بخاری (3408) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب وفاة موسی و ذکره بعد' مسند احمد (7270) السنن الکبری للنسائی (418/4) مشکل الآثار للطحاوی (500/2)]

(۲) [النساء : 164]

(۳) [الأحزاب : 69]

کی قسم! اس پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''تم ان کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی تہمت سے بری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے ہی معزز تھے۔'' میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔''(۱)

کچھ اہل علم نے موسیٰ علیہ السلام کی عظیم شان کی ایک مثال یہ بھی دی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کو معاون نبی بنانے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما کر ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴾ ''اور ہم نے اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا۔''(۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مال تقسیم کیا' ایک شخص نے کہا کہ یہ ایک ایسی تقسیم ہے جس میں اللہ کی رضا جوئی کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ غصہ ہوئے اور میں نے آپ کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے۔ پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے' ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی تھی مگر انہوں نے صبر کیا۔(۳)

حدیثِ معراج میں ہے کہ معراج کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی' وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔(٤)

معراج کے سلسلے میں ایک دوسری روایت میں ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں' ان کو سلام کہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے انہیں سلام کہا تو انہوں نے فرمایا' صالح نبی اور صالح بھائی کے لیے مرحبا! جب میں ان کے پاس سے گزرا تو وہ رو پڑے۔ ان سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا' میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے بعد آنے والے ایک نوجوان کی امت کے افراد میری امت کے افراد سے زیادہ جنت میں جائیں گے۔(٥)

---

(۱) [بخاری (3404) کتاب أحادیث الأنبیاء' مسند احمد (10262) ابن أبی شیبة (455/7)]

(۲) [مریم: 53]

(۳) [بخاری (3405) کتاب أحادیث الأنبیاء]

(٤) [مسلم (172) کتاب الایمان: باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال' ابن منده (740)]

(٥) [مسلم (164) کتاب الایمان: باب الاسراء برسول الله ﷺ الی السموات وفرض الصلوات' مسند احمد (7850) ترمذی (3346) نسائی (447) ابن منده (715) ابن حبان (48) ابن أبی شیبة (302/14) أبو عوانة (116/1) بیهقی فی دلائل النبوة (373/2)]

جب امت محمد پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں تو آپ ﷺ کا گزر موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں۔ آپ سے پہلے میں بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں اور آپ کی امت کے کان' آنکھیں اور دل زیادہ کمزور ہیں۔ پھر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر بار بار جاتے رہے اور ہر مرتبہ کچھ تخفیف کرا لیتے بالآخر پانچ نمازیں رہ گئیں اور فرما دیا گیا کہ یہ پڑھنے میں پانچ مگر ثواب میں پچاس ہی ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ محمد ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے سامنے تمام امتیں لائی گئیں اور میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی جماعت آسمان کے کناروں پر چھائی ہوئی ہے۔ پھر بتایا گیا کہ یہ اپنی قوم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''میرے سامنے امتیں پیش کی گئیں' کسی نبی کے ساتھ پوری امت گزری' کسی نبی کے ساتھ چند آدمی گزرے' کسی نبی کے ساتھ دس آدمی گزرے' کسی نبی کے ساتھ پانچ آدمی گزرے اور کوئی نبی تنہا گزرا۔ پھر میں نے دیکھا تو دور سے انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت نظر آئی۔ میں جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا یہ میری امت ہے؟ انہوں نے کہا نہیں یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے لیکن آپ افق کی طرف دیکھیے۔ میں نے دیکھا تو ایک بہت زبردست جماعت دکھائی دی۔ فرمایا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے آگے جو ستر ہزار کی تعداد ہے ان لوگوں سے نہ تو حساب لیا جائے گا اور نہ ہی انہیں عذاب ہوگا۔

یہ بات فرما کر آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ صحابہ اس بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ کون لوگ ہوں گے جو بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے؟ بعض نے کہا' ممکن ہے وہ نبی ﷺ کی صحبت حاصل کرنے والے افراد ہوں۔ بعض نے کہا' شاید یہ وہ لوگ ہوں گے جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے کچھ بھی اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا۔ انہوں نے اس طرح کے مختلف خیالات کا اظہار کیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے آئے اور پوچھا کہ کس بارے میں گفتگو چل رہی ہے؟ صحابہ کرام نے اپنی ساری باتیں آپ ﷺ کے سامنے بیان کر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو داغ نہیں لگواتے' دم جھاڑ نہیں کراتے' بدشگونی نہیں لیتے بلکہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔'' پھر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اٹھے اور آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے بھی ان لوگوں

---

(۱) [مسلم (163) كتاب الايمان : باب الاسراء برسول الله ﷺ الى السموات وفرض الصلوات ' نسائی (448) وفی السنن الكبرى (314/1) أبو عوانة (133/1) ابن منده (714) ابن حبان (7406)]

(۲) [بخاری (3410) كتاب أحاديث الأنبياء : باب وفاة موسى وذكره بعده]

میں کر دے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اسے ان میں سے بنا دے۔ پھر ایک دوسرے صحابی نے بھی کھڑے ہو کر اپنے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا "اس سلسلے میں عکاشہ تم پر سبقت لے گیا ہے۔"(۱)

قرآن کریم میں بھی موسیٰ علیہ السلام کا متعدد مقامات پر تذکرہ کیا گیا ہے اور آپ کی بہت تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے۔ آپ کا قصہ کہیں مفصل اور کہیں مختصر بیان ہوا ہے۔ بہت سے مقامات پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب کا ذکر محمد ﷺ اور آپ کی کتاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ ... كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ "جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا' ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا' گویا جانتے ہی نہ تھے۔"(۲)

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے کہ ﴿ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ... عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴾ "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے۔ جس نے آپ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے' جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے' اسی نے اس سے پہلے تورات اور انجیل کو اتارا تھا۔ اس سے پہلے' لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر اور قرآن بھی اسی نے اتارا' جو لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے' بدلہ لینے والا۔"(۳)

سورۂ انعام میں فرمایا کہ ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ... عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴾ "اور ان لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر کرنا واجب تھی ویسی قدر نہ کی جبکہ یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ آپ یہ کہیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے' جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت ہے جس کو تم نے ان متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے خرافات میں کھیلتے رہنے دیجیے۔ اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے' اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تاکہ آپ اہل مکہ اور آس پاس والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے

---

(۱) [بخاری (6541) کتاب الرقاق : باب یدخل الجنة سبعون الفا بغیر حساب ، مسند احمد (2321) السنن الکبری للبیهقی (139/10) مصنف عبد الرزاق (409/10) السنن الکبری للنسائی (378/4) مستدرك حاكم (7035) طبرانی کبیر (314/8) شعب الایمان للبیهقی (265) دارمی (2879) أبو عوانة (189)]

(۲) [البقرة : 101]

(۳) [آل عمران : 2-4]

آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔"(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تورات کی تعریف فرمائی ہے اور پھر قرآن کی۔ سورۂ انعام میں ہی دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْ ... لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ "پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تا کہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لائیں۔ اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی' سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو۔"(۲)

سورۂ مائدہ میں فرمایا کہ ﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ ... هُمُ الْكَافِرُوْنَ ﴾ "ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے' یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماننے والے انبیاء (علیہم السلام) اور اللہ والے اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے۔ اب تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو' میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے عوض مت بیچو' جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں۔"(۳)

سورۂ مائدہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ... وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ "اور انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے ساتھ حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں۔ اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کی محافظ ہے۔"(٤)

ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم پہلی کتب سماویہ کے لیے محافظ و نگران ہے' ان میں جو تحریف کی گئی ہے یہ اس کی وضاحت کرتا ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ اہل کتاب کو اپنی کتابوں کا محافظ بنایا گیا تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے جس کے نتیجے میں ان میں بہت سی تبدیلیاں ہو گئیں۔ نیز ان کے برے فہم اور کم علمی کی بنا پر بھی ان کتب میں بہت سی اغلاط آ گئیں۔ مزید برآں ان کی بدنیتی اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدوں میں خیانت بھی ان کتب میں تحریفات کا سبب بنی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کتب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے متعلق بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔

---

(۱) [الأنعام : 91-92]

(۲) [الأنعام : 154-155]

(۳) [المائدة : 44]

(٤) [المائدة : 47-48]

سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ... أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴾ ''یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ وہارون کو فیصلے کرنے والی نورانی اور پرہیزگاروں کے لیے وعظ و نصیحت والی کتاب عطا فرمائی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے رب سے (اسے) بغیر دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت (کے تصور) سے کانپتے رہتے ہیں۔ اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہمیں نے نازل فرمایا ہے' کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟۔''(۱)

سورۂ قصص میں فرمایا﴿ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ ... إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴾ ''پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہتے ہیں کہ یہ وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے موسیٰ دیئے گئے تھے' اچھا تو کیا جو کچھ موسیٰ کو دیا گیا تھا اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا' صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم تو ان سب کے منکر ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو' میں اسی کی پیروی کروں گا۔''(۲)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کتابوں (یعنی تورات اور قرآن) اور دونوں رسولوں (یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف فرمائی ہے۔ جنات نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ ﴿ إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔''(۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت عظیم شریعت تھی اور آپ کی امت کثیر التعداد تھی۔ اس میں بہت سے انبیا، علما، عبادت گزار، زاہد، بادشاہ، امرا، سردار اور بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ لیکن انہوں نے اپنا یہ مقام اس طرح ضائع کیا کہ اپنی شریعت میں تحریفات کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے بطورِ سزا ان کی صورتیں تبدیل کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا۔ ان پر اور بھی بہت سی آفات نازل ہوئیں جن کا تذکرہ باعث طوالت ہوگا۔ آئندہ ہم ان کے متعلق بالاختصار اہم واقعات بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ اور حج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ ازرق سے گزرے تو دریافت فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا' یہ وادیٔ ازرق ہے۔ فرمایا' گویا میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں' وہ گھاٹی سے

---

(۱) [الأنبياء : 48-50]

(۲) [القصص : 48-49]

(۳) [الأحقاف : 30]

نیچے اتر رہے ہیں اور بآواز بلند تلبیہ پکار رہے ہیں۔ پھر جب آپ ﷺ "ہرشاء" گھاٹی پر پہنچے تو دریافت کیا کہ یہ کون سی گھاٹی ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ یہ ہرشاء گھاٹی ہے۔ فرمایا' گویا میں یونس بن متی کو دیکھ رہا ہوں' وہ ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں' اُون کا جبہ پہنے ہوئے ہیں' اونٹنی کی نکیل کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی ہے اور وہ تلبیہ پکار رہے ہیں۔ (۱)

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دجال کے متعلق یہ گفتگو شروع ہو گئی کہ اس کی پیشانی پر "ك، ف، ر" لکھا ہو گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ لوگ کس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' وہ کہہ رہے ہیں کہ دجال کی پیشانی پر "ك، ف، ر" لکھا ہو گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو میں نے نبی کریم ﷺ سے نہیں سنی البتہ یہ سنا ہے کہ اگر تم ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا چاہو تو اپنے ساتھی (یعنی محمد ﷺ) کو دیکھ لو اور موسیٰ کا رنگ گندمی اور بال گھنگریالے تھے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار تھے' اس کی نکیل کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی تھی۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ تلبیہ پکارتے ہوئے وادی سے اتر رہے ہیں۔ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میں نے معراج کی رات موسیٰ بن عمران کو دیکھا' ان کا قد لمبا اور بال گھنگریالے تھے جیسے کہ شنوءہ قبیلے کے آدمی ہوں۔ میں نے عیسیٰ کو بھی دیکھا' ان کا قد درمیانہ' رنگ سرخ و سفید اور بال سیدھے تھے۔" (۳)

موسیٰ علیہ السلام کی وفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس (روح قبض کرنے کے لیے) ملک الموت کو بھیجا' جب ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ نے اسے تھپڑ مار دیا۔ وہ اپنے رب کی طرف واپس گیا اور عرض کیا کہ تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ اپنا ہاتھ کسی بیل کی پیٹھ پر رکھے' اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آ جائیں اتنے سال کی عمر اسے مزید عطا کی جائے گی۔ (جب ملک الموت نے آ کر یہ خبر دی تو) موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! پھر اس کے بعد کیا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر موت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر ابھی (وفات آ جائے تو ٹھیک ہے)۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ

(۱) [مسلم (166) كتاب الايمان : باب الاسراء برسول الله ﷺ الى السموات وفرض الصلوات ' ابن ماجه (2891) مسند احمد (215/1) ابن حبان (6186)]

(۲) [بخاری (3355) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى واتخذ الله ابراهيم خليلا ' مسلم (166) كتاب الايمان : باب الاسراء برسول الله ﷺ الى السموات ' مسند احمد (277/1)]

(۳) [مسلم (165) كتاب الايمان : باب الاسراء برسول الله ﷺ الى السموات ' مسند احمد (259/1)]

تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے بیت المقدس کے اتنا قریب کر دیا جائے کہ (جہاں میری قبر ہو وہاں سے) اگر کوئی پتھر پھینکنے والا پتھر پھینکے تو وہ بیت المقدس تک پہنچ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو بیت المقدس میں تمہیں ان کی قبر دکھاتا جو راستے کے کنارے پر ریت کے سرخ ٹیلے کے نیچے ہے۔[۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ملک الموت روح قبض کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے پروردگار کی طرف چلیے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اسے تھپڑ مار دیا جس سے ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دی۔"[۲] آگے اسی طرح حدیث بیان کی جیسے سابقہ حدیث ہے۔

درحقیقت موسیٰ علیہ السلام کو امید تھی کہ مزید کچھ واقعات پیش آئیں گے اور آپ کی خواہش تھی کہ وہ آپ کی حیات میں ہی پیش آئیں جیسا کہ میدانِ تیہ سے نکلنا اور ارضِ مقدس جانا لیکن اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرما چکے تھے کہ آپ کی وفات ہارون علیہ السلام کے بعد میدانِ تیہ میں ہی ہو۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل کو میدانِ تیہ سے نکال کر ارضِ مقدس لے جانے والے خود موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔ لیکن یہ رائے نہ تو جمہور علمائے اسلام کے مطابق ہے اور نہ ہی اہل کتاب کے اس لیے درست نہیں۔ جمہور کے موقف کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے وفات سے قبل اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ مجھے ارضِ مقدس کے اتنا قریب کر دے کہ جہاں سے پتھر پھینکا جائے تو ارضِ مقدس پہنچ جائے۔ اگر آپ پہلے ہی ارضِ مقدس پہنچ چکے ہوتے تو اس دعا کا کیا مطلب؟ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ میدانِ تیہ میں ہی تھے اور وفات کے وقت آپ کی خواہش تھی کہ اس سرزمین کے قریب فوت ہوں جس کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اسی لیے فرمایا تھا کہ "اگر میں وہاں موجود ہوتا تو بیت المقدس میں تمہیں ان کی قبر دکھاتا جو راستے کے کنارے پر ریت کے سرخ ٹیلے کے نیچے ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "معراج کی رات جب مجھے (بیت المقدس) لے جایا گیا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں۔"[۳]

(۱) [بخاری (3407) کتاب أحادیث الأنبیاء: باب وفاة موسی وذکره بعد]

(۲) [ابن حبان (6190)]

(۳) [مسلم (172) کتاب الایمان: باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال، ابن منده (740)]

حضرت شعیا بن امصیا علیہ السلام

شعیا علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا بادشاہ کی دعا اور اس کی قبولیت

امام ابن اسحق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ان کا زمانہ زکریا اور یحییٰ علیہما السلام سے پہلے کا ہے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کی نبوت کی بشارت دی تھی۔ ان کے دور میں بیت المقدس میں بنی اسرائیل کا بادشاہ ''حزقیا'' تھا۔ وہ شعیا علیہ السلام کی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل پیرا تھا۔ ان دنوں بنی اسرائیل حادثات کا شکار تھی' جس باعث بادشاہ بیمار ہو گیا تھا اور اس کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا تھا۔ دوسری طرف بابل کا بادشاہ ''سخاریب'' 6 لاکھ فوج لے کر بیت المقدس پر چڑھ آیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر لوگ بہت پریشان ہو گئے۔ بادشاہ نے شعیا علیہ السلام سے پوچھا کہ سخاریب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیا وحی بھیجی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی تک تو کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ پھر کچھ دیر بعد وحی آ گئی کہ حزقیا سے کہا جائے کہ وہ کسی کو اپنا نائب بنا دے کیونکہ اس کی موت قریب ہے۔ جب آپ نے بادشاہ کو یہ پیغام الٰہی سنایا تو وہ قبلہ رخ ہو کر نماز و دعا میں مصروف ہو گیا اور خوب گریہ وزاری کی۔ اس نے اسی حالت میں اللہ پر توکل' صبر و استقامت اور پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ

''اے اللہ! اے بادشاہوں کے بادشاہ! اے معبودوں کے معبود! اے رحمٰن و رحیم! اے وہ ذات جسے نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند! میرے اعمال اور بنی اسرائیل پر منصفانہ حکومت کرنے پر مجھے یاد رکھ۔ یہ سب کچھ تیری ہی توفیق سے ہے اور یہ بات مجھ سے زیادہ تیرے علم میں ہے اور میرا ظاہر و باطن تیرے لیے ہی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور شعیا علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اسے بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر اس کی عمر 15 برس بڑھا دی ہے اور اسے اس کے دشمن سخاریب سے بھی نجات عطا فرما دی ہے۔ جب شعیا علیہ السلام نے یہ خبر بادشاہ کو سنائی تو فوراً وہ تندرست ہو گیا' اس کے تمام فکر ختم ہو گئے اور وہ اللہ کے آگے سجدے میں گر گیا اور سجدے میں یہ کہا کہ ''اے اللہ! تو جسے چاہتا ہے بادشاہت عطا فرما دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے' تو جسے چاہتا ہے عزت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے' تو غیب و حاضر سب سے واقف ہے' تو ہی پہلا اور آخری اور ظاہر و باطن ہے' تو رحیم اور بے کسوں کی فریاد سننے والا ہے۔''

جب بادشاہ سجدے سے فارغ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے شعیا علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بادشاہ سے کہیں کہ وہ انجیر کا پانی

نکالے اور اپنے زخم پر لگائے' وہ شفایاب ہو جائے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا تو اسے شفا مل گئی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے سخاریب کے لشکر پر موت نازل فرما دی اور وہ سب ہلاک ہو گئے' صرف بادشاہ سخاریب اور اس کے پانچ رفقاء باقی بچ گئے' جن میں سے ایک بخت نصر تھا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ نے اپنے آدمی بھیج کر انہیں گرفتار کر لیا۔ پھر انہیں بیڑیاں پہنا کر ذلیل کرنے کے لیے 70 دن شہر میں گھمایا۔ انہیں روزانہ جو کی دو دو روٹیاں کھلا کر دوبارہ قید میں ڈال دیا جاتا۔ بالآخر شعیا علیہ السلام پر وحی کی گئی اور انہوں نے وحی کے مطابق بادشاہ سے فرمایا کہ ان قیدیوں کو ان کے علاقوں میں بھیج دو تاکہ وہ واپس جا کر بتائیں کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا۔ جب وہ واپس پہنچے تو سخاریب نے ساری صورتحال اپنی قوم کے سامنے رکھ دی۔ اس کے جادوگروں اور نجومیوں نے کہا کہ ہم نے تو پہلے ہی آپ کو اُن کے پروردگار اور اُن کے انبیاء کے متعلق بتایا تھا لیکن آپ نے ہماری بات پر کان نہ دھرے' چونکہ انہیں اپنے رب کی تائید و حمایت حاصل ہے اس لیے انہیں شکست دینا ممکن نہیں۔ پھر اس واقعہ کے سات سال بعد سخاریب فوت ہو گیا۔

شعیا علیہ السلام کی شہادت

امام ابن اسحٰق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب بنی اسرائیل کا بادشاہ حزقیا فوت ہو گیا تو ان کے حالات بہت خراب ہو گئے اور ان میں بہت سی برائیوں نے جنم لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے شعیا علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں بتائیں اگر وہ میری نافرمانی کریں گے تو میرے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جب شعیا علیہ السلام انہیں یہ وحی سنا چکے تو وہ آپ کو قتل کے درپے ہوئے' آپ بھاگے اور وہ آپ کے پیچھے تھے' آپ بھاگتے ہوئے ایک درخت کے قریب سے گزرے تو وہ آپ کے لیے پھٹ گیا اور آپ اس کے اندر داخل ہو گئے لیکن شیطان نے آپ کے کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لیا اور آپ کو ظاہر کر دیا۔ وہ آرا لے کر آئے اور درخت کو چیر دیا' اس وجہ سے آپ کا جسم بھی دو حصے ہو گیا اور آپ شہید ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت ارمیا بن حلقیا علیہ السلام

ارمیا علیہ السلام لاوی بن یعقوب کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ نے کہا ہے کہ آپ ہی خضر علیہ السلام ہیں لیکن یہ بات درست نہیں۔ حافظ ابن عساکرؒ نے بیان کیا ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا تو آپ نے دمشق میں ان کا بہتا ہوا خون دیکھ کر کہا "اے خون! تو نے لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے اب رک جا۔" چنانچہ خون رک گیا اور زمین میں جذب ہوگیا۔ یہ واقعہ یحییٰ علیہ السلام کے قصے میں ذکر کیا جائے گا۔

ابن ابی الدنیاؒ نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ نے بیان کیا کہ ارمیا علیہ السلام نے فرمایا "اے اللہ! تجھے اپنے بندوں میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟" اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ "جو مجھے زیادہ یاد کرے، جنہیں میری یاد مخلوق کی یاد بھلا دیتی ہے، جن کے دل میں نہ تو فنا کا خیال آتا ہے اور نہ ہی وہ بقا کے خواہشمند ہیں، اگر انہیں دنیاوی عیش ونشاط کا سامان میسر آئے تو وہ اسے پسند نہیں کرتے اور اگر ان سے دنیاوی عیش ونشاط کا سامان چھین لیا جائے تو اسے پسند کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے میں محبت کرتا ہوں اور انہیں ان کی طلب سے بڑھ کر عطا کرتا ہوں۔"

بیت المقدس کی بربادی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ آتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَ جَعَلۡنٰهُ هُدًى لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ... لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا﴾

"ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کر دیا تھا، وہ بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا۔ ہم نے بنو اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دوبار فساد برپا کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرو گے۔ ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم نے تمہارے مقابلہ پر اپنے بندے بھیج دیئے جو بڑے ہی لڑاکے تھے۔ پس وہ تمہارے گھروں کے اندر تک پھیل گئے اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑے جتھے والا بنا دیا۔ اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لیے اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیے، پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا تاکہ) وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں اور جس

جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر جڑ سے اُکھاڑ دیں۔‘‘(۱)

وہب بن منبہؒ نے بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل بہت زیادہ گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی ارمیا علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو میرا یہ پیغام سنا دو ’’ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں‘ ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن وہ سنتے نہیں۔ میں نے ان کے آباؤ اجداد کے اچھے کاموں کی وجہ سے ان پر رحمت کی لیکن انہوں نے میری نافرمانی کی۔ ان کو پوچھیئے کہ میری نافرمانی کے بدلے میں انہیں کیا فائدہ ہوا؟ میری نافرمانی کے نتیجے میں کیا کوئی فلاح پا سکتا ہے یا کوئی میری فرمانبرداری کر کے نامراد ہو سکتا ہے؟ جانور بھی اپنے گھروں کو یاد رکھتے ہیں اور بالآخر ان کی طرف لوٹ آتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے کاموں کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی کہ جن کی بدولت انہیں عزت عطا کی گئی تھی۔ ان کے علماء نے حق کا انکار کر دیا۔ قراء نے میرے سوا دوسروں کی پوجا شروع کر دی۔ عابدوں نے علم سے فائدہ نہ اٹھایا۔ حکام نے مجھ پر اور میرے پیغمبروں پر جھوٹ باندھا۔ ان کے دل مکروفریب کا منبع بن گئے اور زبانیں جھوٹ کی عادی ہو گئیں۔ مجھے میری عزت کی قسم! میں ان پر ایسے لشکر مسلط کر دوں گا جو نہ ان کی زبان سمجھتے ہوں گے‘ نہ ان کے چہرے پہچانیں گے اور نہ ہی ان پر کچھ رحم کھائیں گے۔ ان پر ایسا ظالم و جابر اور سخت دل بادشاہ مسلط کر دوں گا جس کے لشکر بادلوں کی مانند بہت زیادہ ہوں گے‘ ان کے جھنڈے اڑتے ہوئے عقابوں کی مانند اور ان کے شاہسواروں کے حملے شہبازوں کی مانند ہوں گے‘ وہ آبادیوں کو ویران کر دیں گے اور شہروں میں دہشت پھیلا دیں گے۔ ایلیاء کے شہریوں پر افسوس ہے! میں انہیں کیسے سخت انداز میں تباہ کروں گا‘ ان پر غلامی مسلط کر دوں گا‘ خوشیوں کو چیخوں میں بدل دوں گا‘ گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی جگہ بھیڑیوں کے غرانے کی آوازیں آنے لگیں گی‘ بڑے بڑے عظیم محلات درندوں کا مسکن بن جائیں گے‘ سورج کی روشنی کی جگہ گرد اٹھنے لگے گی‘ عزت ذلت میں اور آزادی غلامی میں بدل جائے گی‘ ان کی عورتیں خوشبو کی جگہ اپنے سروں پر مٹی ڈالیں گی‘ ان کے بدن گندگی میں بدل جائیں گے‘ میرے حکم سے آسمان لوہے کا اور زمین تانبے کی بن جائے گی‘ آسمانی بارش زمین سے کچھ نہ اُگائے گی اور اگر کچھ اُگے گا بھی تو وہ جانوروں پر رحم کی وجہ سے ہوگا‘ فصل کی کاشت کے موسم میں بارش رک جائے گی اور کٹائی کے موسم میں بارش ہوگی‘ اگر ان کی کاشت کی ہوئی کوئی چیز اُگے گی تو اس پر کوئی آفت مسلط کر دی جائے گی‘ پھر بھی اگر کچھ بچ گیا تو اس میں برکت نہ ہوگی‘ وہ روئیں پیٹیں گے مگر میں ان پر رحم نہ کروں گا اور اگر وہ عاجزی کا اظہار کریں گے تو میں ان سے اپنا رخ پھیر لوں گا۔‘‘(۲)

---

(۱) [الاسراء : 2-8]

(۲) [تاریخ دمشق لابن عساکر (20/8)]

بنی اسرائیل دینی واخلاقی اعتبار سے بہت سی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ''میں ان کے گناہوں کے سبب ان سے بدلہ لینے والا ہوں اس لیے آپ صخرہ (بیت المقدس کی چٹان) پر چڑھ جائیں' وہاں میں آپ پر اپنے احکام نازل کرتا رہوں گا۔'' ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا' اے اللہ! تو ان پر کس قوم کو مسلط کرنے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وہ آگ کے پجاری ہیں' نہ میرے عذاب سے خائف ہیں اور نہ ہی میرے ثواب کے طلبگار ہیں۔ اپنی قوم کو خبردار کر دیجئے کہ اب تک اللہ تعالیٰ نے تمہارے آباء کی نیکی کی وجہ سے تم پر رحم کیے رکھا' لیکن چونکہ اب تم نافرمانی میں حد سے گزر چکے ہو اس لیے میں تم پر ایسا ظالم حکمران مسلط کروں گا جو تم پر بالکل رحم نہیں کرے گا اور تمہیں ہلاک کر دے گا۔''

ارمیا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام قوم کو سنا دیا۔ جب انہوں نے اسے سنا تو کہا تم جھوٹ بولتے ہو اور اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس ارضِ مقدس اور مساجد کو عبادت گزاروں سے خالی کر دے؟ اگر ایسا ہوا تو پھر زمین میں اس کی عبادت کون کرے گا؟ پھر انہوں نے آپ کو قید میں ڈال دیا۔ انہی دنوں بخت نصران کے علاقے پر حملہ آور ہوا اور اس نے بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد قتل کر دی' ایک بڑی تعداد کو قیدی بنا لیا' صرف بوڑھوں' عورتوں اور معذوروں کو چھوڑ دیا' بیت المقدس کو گرا دیا' مساجد کو مسمار کر دیا' تورات کے نسخوں کو جلا دیا' واپسی پر اس نے تمام مال و دولت لوٹ لیا اور قیدیوں کو گھسیٹتا ہوا ساتھ لے گیا۔

غلام بن کر اس کے ساتھ جانے والے بادشاہوں اور علماء کے بچے 90 ہزار تھے۔ 7 ہزار داؤد علیہ السلام کے خاندان سے' 11 ہزار یوسف اور بنیامین علیہم السلام کے خاندان سے' 8 ہزار آشر بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے' 14 ہزار زبولون اور نفتالی کے خاندان سے' 14 ہزار ان کی اولادوں سے' 8 ہزار اشکار بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے' 2 ہزار شمعون بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے' 4 ہزار روبن اور لاوی کے خاندان سے اور 12 ہزار بنی اسرائیل کے باقی گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ بخت نصران سب کو بابل لے گیا۔

ایک روایت کے مطابق جب بخت نصر بیت المقدس پر حملہ کے لیے آیا تو وہاں کا حکمران داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ اس نے بخت نصر سے صلح کر لی۔ بخت نصر نے اس کی طرف سے صلح کو قبول کیا اور بطورِ ضمانت کچھ افراد لے کر واپس لوٹ گیا۔ جب وہ مقام طبریہ پر پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ بنی اسرائیل نے اپنے بادشاہ کے اس صلح کے اقدام سے ناراض ہو کر اسے قتل کر دیا ہے تو اس نے وہیں پر ضمانت پر لیے ہوئے افراد کو قتل کر دیا اور دوبارہ بیت المقدس کی طرف پلٹا۔ اس نے شہر پر حملہ کیا اور تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔

بنی اسرائیل مختلف علاقوں میں پھیل گئے

ہشامؒ کی روایت کے مطابق بخت نصر کو جب پتہ چلا کہ ارمیا علیہ السلام قید میں ہیں تو اس نے فوراً آپ کو قید سے نکالا۔ آپ نے بخت نصر کو بتایا کہ میں نے انہیں پہلے ہی خبردار کیا تھا لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی اور مجھے ہی قید میں ڈال دیا۔ اس پر بخت نصر نے کہا کہ ''وہ قوم بہت ہی بری ہے جس نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی۔'' وہ آپ کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آیا۔

بنی اسرائیل کے باقی ماندہ لوگ جمع ہوئے اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگے اور ارمیا علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ سے دعا کریں وہ ہماری توبہ قبول فرمالے۔ انہوں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنی توبہ میں سچے ہیں تو ان سے کہیے کہ یہ اسی شہر میں آپ کے ساتھ رہائش اختیار کر لیں۔ جب آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا تو انہوں نے کہا ہم اس شہر میں کیسے رہ سکتے ہیں' یہاں تو اللہ کا عذاب نازل ہوا ہے اور مزید برآں یہ شہر کھنڈرات کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

اس کے بعد بنی اسرائیل مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ کچھ حجاز' کچھ یثرب اور کچھ وادیٔ قریٰ میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان میں سے چند مصر بھی چلے گئے۔ بخت نصر نے مصر کے بادشاہ کی طرف خط لکھا کہ ہمارے بھاگے ہوئے افراد ہمیں واپس کر دیے جائیں لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر بخت نصر اپنے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو گیا اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ پھر آخر تک مغربی علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد مغرب' مصر' بیت المقدس' فلسطین اور اردن کے بہت سے قیدی لے کر واپس لوٹا' ان قیدیوں میں دانیال علیہ السلام بھی تھے۔

زیادہ درست بات یہ ہے کہ یہ دانیال اکبر نہیں بلکہ حزقیل کے بیٹے دانیال اصغر ہیں۔ جیسا کہ وہب بن منبہؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت دانیال علیہ السلام

ارمیا علیہ السلام کی دانیال علیہ السلام سے ملاقات

ابن ابی الدنیاؒ نے عبداللہ بن ابی ہذیل سے بیان کیا ہے کہ بخت نصر نے دو شیر پال رکھے تھے' اس نے انہیں ایک کنوئیں میں ڈال دیا اور دانیال علیہ السلام کو بھی کنوئیں میں ان کے آگے ڈال دیا' لیکن انہوں نے آپ کو کچھ نہ کہا۔ پھر کچھ عرصے بعد وہاں آپ کو شدید بھوک محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ملک شام میں موجود ارمیا علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ دانیال علیہ السلام کے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کریں۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں بیت المقدس میں ہوں جبکہ دانیال عراق کے شہر بابل میں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ہمارے حکم پر کھانے پینے کا بندوبست کریں ہم آپ کو وہاں پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ انہوں نے کھانا تیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیج دیا جو آپ کو اور کھانے کو لے کر اس کنوئیں کے پاس آ گیا۔ دانیال علیہ السلام نے پوچھا' تم کون ہو؟ انہوں نے کہا' میں ارمیا ہوں۔ پوچھا' کس لیے آئے ہو؟ فرمایا' مجھے آپ کے پروردگار نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ پوچھا' کیا میرے پروردگار نے میرا نام ذکر کیا ہے؟ فرمایا' ہاں۔ تب دانیال علیہ السلام نے کہا' اس اللہ کا شکر ہے جو اپنے یاد کرنے والے کو کبھی نہیں بھولتا' اس کا شکر ہے جس سے امید رکھنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا' اس کا شکر ہے جو اپنے اوپر توکل کرنے والے کو کبھی کسی دوسرے کا محتاج نہیں کرتا' اس کا شکر ہے جو صبر کے بدلے میں نجات عطا فرماتا ہے' اس کا شکر ہے جو نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ ہی دیتا ہے' اس کا شکر ہے جو پریشانی آئے تو اسے دور کر دیتا ہے' اس کا شکر ہے جو ہماری اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب ہم اپنی بدعملیوں کے باعث بدگمانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس کا شکر ہے جس سے ہم اس وقت بھی امید قائم رکھتے ہیں جب ہمارے تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں۔ (۱)

ابوالعالیہؒ نے بیان کیا ہے کہ جب ہم نے تُستَر شہر فتح کیا تو ہرمزان کے بیت المال کے پاس ایک چارپائی رکھی ہوئی تھی جس میں میت تھی اور اس کے سر کے قریب ہمیں ایک تحریر ملی' ہم نے اسے عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ آپ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ پھر اسے سب سے پہلے میں نے پڑھا اور مجھے وہ اب بھی اسی طرح یاد ہے جیسے قرآن یاد ہے۔ خالد بن دینارؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہؒ سے پوچھا کہ اس میں کیا تحریر تھا؟ انہوں

(۱) [البداية والنهاية (36/2)]

نے فرمایا' تمہارے حالات' معاملات' اخلاقیات اور آئندہ پیش آنے والے تمام واقعات اس میں تحریر تھے۔ پھر میں نے پوچھا کہ تم نے اس میت کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا' دن کے وقت ہم نے 13 قبریں کھودیں اور رات کے وقت اسے کسی ایک میں دفن کر کے تمام کو برابر کر دیا' اس کا سبب اس کی قبر کو پوشیدہ رکھنا اور اسے لوگوں سے بچانا تھا۔ میں نے کہا کہ لوگ اس میت سے کیا امید رکھتے تھے؟ فرمایا کہ جب بارش نہ ہوتی تو وہ اس چارپائی کو کھلے میدان میں لے آتے تو بارش ہو جاتی۔ میں نے کہا' آپ کی اس میت کے بارے میں کیا رائے ہے کہ وہ کسی کی ہے؟ فرمایا کہ یہ دانیال علیہ السلام کی میت ہے۔ میں نے کہا' انہیں فوت ہوئے کتنی مدت ہو چکی ہے؟ فرمایا کہ 3 سو سال۔ میں نے پوچھا' ان کا بدن کچھ تبدیل نہیں ہوا؟ فرمایا نہیں' صرف گدی کے بال کچھ تبدیل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ زمین انبیاء کے جسموں کو بوسیدہ نہیں کرتی اور نہ ہی انہیں درندے کھاتے ہیں۔ (۱)

مذکورہ روایت کی سند ابو العالیہ رحمہ اللہ تک صحیح ہے لیکن اگر وہ فی الواقع تین سو سال پہلے فوت ہوئے تھے تو وہ نبی نہیں ہو سکتے بلکہ کوئی اور نیک شخص ہوں گے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی اور رسول نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان 4 سو سال اور ایک قول کے مطابق 6 سو سال کا فاصلہ ہے اور اگر وہ میت دانیال علیہ السلام کی ہی تھی تو پھر ان کی وفات 3 سو سال کی بجائے 8 سو سال پہلے ہوئی ہو گی۔ زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دانیال علیہ السلام ہی تھے کیونکہ شاہ فارس نے انہیں پکڑ کر قید کر رکھا تھا جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔

ابو الزناد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو بردہ رحمہ اللہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس پر دو شیر بنے ہوئے تھے۔ دونوں شیروں کے درمیان ایک آدمی بھی تھا جسے وہ دونوں چاٹ رہے تھے۔ ابو بردہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ اس آدمی کی انگوٹھی ہے جسے اس بستی کے لوگ دانیال علیہ السلام کہتے ہیں۔ جس روز انہیں دفن کیا گیا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ انگوٹھی لے لی۔ پھر بستی کے علماء سے اس پر بنی ہوئی تصویر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ دانیال علیہ السلام جس ملک میں پیدا ہوئے تھے اس کے بادشاہ کو نجومیوں نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ ایک ایسا لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا۔ بادشاہ نے قسم اٹھا لی کہ اس رات جو بھی بچہ پیدا ہو گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جب دانیال علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو لوگوں نے انہیں شیروں کی کچھار میں پھینک دیا۔ جب آپ کی والدہ نے جا کر دیکھا تو شیر اور شیرنی دونوں آپ کو پیار کر رہے تھے اور چاٹ رہے تھے۔ بستی کے علماء نے بتایا کہ دانیال علیہ السلام نے انگوٹھی پر اپنی اور شیروں کی تصویر اس لیے بنوائی تھی تا کہ آپ اللہ کی نعمت ہمیشہ یاد رکھیں۔ (۲)

---

(۱) [البدایة والنهایة (37/2)]

(۲) [البدایة والنهایة : 38/2)]

بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر اور بنی اسرائیل کا دوبارہ اکٹھا ہونا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ... كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ ''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی' وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال کے لیے مار دیا' پھر اسے اٹھایا' پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ' فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا' پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ' ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں' پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں' جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''(۱)

ہشام بن کلبیؒ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میں بیت المقدس کو آباد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اس لیے آپ وہاں چلے جایئے۔ آپ وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ بالکل ویران ہو چکا ہے۔ آپ نے دل میں سوچا کہ سبحان اللہ! اللہ نے مجھے اس شہر میں رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ اسے آباد کرے گا' یہ تو بالکل مردہ ہو چکا ہے اسے وہ کب زندہ کرے گا؟ اس کے بعد وہ لیٹ گئے اور انہیں نیند آ گئی۔ آپ کے ساتھ آپ کا گدھا اور ٹوکری میں کچھ اشیائے خورد ونوش بھی تھیں۔ آپ 70 سال تک سوئے رہے۔ اس دوران بخت نصر اور اس کے اوپر حکمران لہراسپ دونوں مر گئے۔ اس نے 120 برس حکومت کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ''بشتاسپ'' بادشاہ بنا۔ لہراسپ کو اطلاع موصول ہوئی کہ شام کا علاقہ بہت زیادہ ویران ہو چکا ہے اور فلسطین میں درندے بہت زیادہ ہو گئے ہیں جبکہ انسان کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ اس نے بابل میں اعلان کرا دیا کہ بنی اسرائیل میں سے جو بھی واپس شام جانا چاہتا ہے جا سکتا ہے۔ پھر اس نے بنی اسرائیل کے ہی ایک شخص کو ان کا امیر مقرر کر دیا اور انہیں بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کا حکم دیا۔ وہ لوگ وہاں جا کر مقیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو نیند سے بیدار کیا تو انہوں نے دیکھا کہ شہر آباد ہو چکا ہے۔ آپ 100 برس تک سوئے رہے لیکن آپ کو یہ محسوس ہوا کہ آپ محض ایک گھڑی ہی سوئے ہیں۔ ان کے سونے سے پہلے شہر ویران تھا لیکن جاگنے کے بعد آباد ہو چکا تھا' انہوں نے یہ صورتحال دیکھی تو فرمایا کہ ﴿ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

بنی اسرائیل اس علاقے میں مقیم رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ شان وشوکت سے نواز دیا۔ پھر طوائف الملوکی کے دور میں رومیوں نے ان پر غلبہ پا لیا۔ جب رومی ان پر غالب آئے تو پھر ان کی کوئی حکومت باقی نہ رہی اور وہ

---

(۱) [البقرة : 259]

ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے۔

ابن جریرؒ نے بیان کیا ہے کہ لہراسپ بہت انصاف پسند' اچھا نگران اور بہترین سیاستدان تھا۔ تمام امراء اس کی بات تسلیم کرتے تھے۔ شہروں کی آبادکاری اور نہروں کی کھدائی وغیرہ جیسے اُمور میں وہ نہایت حکمت سے کام لیتا تھا۔ 100 سال سے کچھ زائد عرصہ حکومت کرنے کے بعد اس نے حکومتی معاملات اپنے بیٹے بشتاسپ کے سپرد کر دیئے۔ اس کے دور میں مجوسیت شروع ہوئی۔ اس کا سبب یہ بنا کہ زرتشت نامی ایک شخص کچھ عرصہ ارمیا علیہ السلام کے ساتھ رہا۔ اس نے کسی وجہ سے ارمیا علیہ السلام کو ناراض کر دیا تو انہوں نے اسے بددعا دے دی۔ جس کے باعث وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور آذربائیجان کے علاقے میں منتقل ہو گیا۔ وہاں اس نے بشتاسپ کی صحبت اختیار کر کے اسے اپنے ایجاد کردہ مذہب مجوسیت کی طرف بلایا۔ اس نے یہ مذہب قبول کر لیا اور زبردستی لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی اور جنہوں نے انکار کیا ان کی بڑی تعداد کو قتل کرا دیا۔

بشتاسپ کے بعد اس کا بیٹا بہمن بادشاہ بنا۔ وہ ایران کا بڑا بہادر آدمی اور مشہور بادشاہ تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن جریرؒ کے قول کے مطابق اس شہر سے گزرنے والے ارمیا علیہ السلام تھے۔ بہت سے علماء نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ تاہم صحابہ وتابعین کی ایک جماعت اس واقعہ کو عزیر علیہ السلام کی طرف منسوب کرتی ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عزیر علیہ السلام

نام ونسب اور واقعات

حافظ ابن عساکرؒ نے آپ کا نام ''عزیر بن جروہ'' اور نسب ''عزیر بن سوریق بن عرنا بن ایوب بن درزنا بن عدی بن تقی بن اسبوع بن فنحاص بن العازر بن ہارون بن عمران'' بیان کیا ہے۔ آپ کے والد کا نام ''سروخا'' بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی قبر دمشق میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق 100 برس بعد نیند سے بیدار کیے جانے والے شخص عزیر علیہ السلام ہی تھے۔

وہب بن منبہؒ نے بیان کیا ہے کہ عزیر علیہ السلام بڑے نیک اور اہل دانش شخص تھے۔ آپ ایک روز اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کے لیے نکلے اور واپسی پر ایک کھنڈر کے قریب سے گزرے۔ گرمی سے بچاؤ کے لیے اس کھنڈر میں چلے گئے۔ آپ اپنے گدھے سے نیچے اتر آئے' آپ کے پاس ایک ٹوکری تھی جس میں انجیر اور انگور تھے۔ آپ نے اپنا پیالہ نکالا اور اس میں انگوروں کا رس نکالا' پھر اپنے پاس موجود روٹی اس میں ڈبو دی تا کہ نرم ہو جائے اور آپ اسے کھالیں۔ اس انتظار میں کہ روٹی نرم ہو جائے آپ کچھ دیر دیوار کے ساتھ لیٹ گئے۔ اسی اثنا میں آپ کی نظر ایک چھت پر پڑی جو خود تو قائم تھی مگر اس کے نیچے رہنے والا کوئی باقی نہ تھا بلکہ وہ ہڈیاں بن چکے تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ ﴿ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ''اس کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کیسے زندہ کرے گا؟''(۱)

(۱) [البقرۃ : 259]

انہیں اس بارے میں شک نہیں تھا بلکہ انہوں نے حیرت وتعجب کی بنا پر یہ بات کہی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا تو اس نے آکر آپ کی روح قبض کر لی اور 100 سال تک آپ اسی حالت میں رہے۔ جب سو سال کی مدت گزری تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ آیا اور اس نے آپ کا دل پیدا کیا تا کہ آپ سب سمجھ سکیں اور آنکھیں پیدا کیں تا کہ آپ خود دیکھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے پیدا کرے گا۔ پھر آپ کی نظروں کے سامنے آپ کا تمام جسم زندہ کیا گیا' ہڈیوں پر گوشت چڑھایا گیا' بال بنائے گئے اور پھر روح ڈالی گئی۔ یہ سارا منظر آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جب آپ اٹھ کھڑے ہوئے تو فرشتے نے پوچھا کہ ''آپ کتنی مدت ٹھہرے ہیں؟'' آپ نے جواب دیا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔'' کیونکہ آپ دوپہر سے پہلے یہاں آئے تھے اور جب اٹھے تو شام کا وقت تھا اور

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔

تب فرشتے نے آپ کو بتایا کہ ''آپ یہاں سو سال تک ٹھہرے ہیں اور اپنے کھانے اور پینے کو دیکھئے۔'' یعنی آپ کی خشک روٹی اور انگور کا رس اسی حالت میں ہے' دونوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اسی لیے فرمایا کہ ''وہ بالکل خراب نہیں ہوا'' انجیر اور انگور بھی ابھی بالکل تازہ ہی تھے۔ آپ نے سوچا یہ کیسے ممکن ہے تو فرشتے نے کہا ''اپنے گدھے کو بھی دیکھ۔'' جب انہوں نے اسے دیکھا تو اس کی بوسیدہ ہڈیاں پڑی تھیں۔ فرشتے نے انہیں بلایا تو وہ سب اکٹھی ہو کر آ گئیں۔ پھر اس نے ان تمام کو اپنے اپنے مقام پر جوڑا' پھر ان پر گوشت اور جلد لگائی' پھر اس پر بال اُگے اور پھر اس میں پھونکا تو وہ آسمان کی طرف سر اٹھا کر آواز نکالنے لگا۔ اس نے سمجھا کہ شاید قیامت آ گئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اور اپنے گدھے کو دیکھ' ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں' پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔'' یعنی گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کہ کیسے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ رہی ہیں' جب ڈھانچہ مکمل ہو جائے تو دیکھنا کہ ہم اس پر گوشت کیسے چڑھاتے ہیں؟ جب آپ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور حقیقت واضح ہو گئی تو آپ نے فرمایا ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آپ گدھے پر سوار ہوئے اور اپنے علاقے کی طرف آئے۔ وہاں نہ تو آپ کی جان پہچان کا کوئی آدمی تھا اور نہ ہی کوئی دوسرا آپ کو پہچان رہا تھا۔ بہر حال آپ اپنے گھر پہنچے تو دیکھا کہ ایک 120 برس کی بڑھیا بیٹھی ہے جو اندھی ہے۔ وہ آپ کی لونڈی تھی۔ جب آپ گھر سے نکلے تھے تو اس کی عمر 20 برس تھی۔ آپ اسے پہچان گئے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا عزیر کا گھر یہی ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا اور پھر رو پڑی اور کہنے لگی کہ اتنا عرصہ ہوا کسی نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ سب اسے بھول چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فوت کر دیا تھا اور اب سو سال بعد زندہ کیا ہے۔ اس نے کہا سبحان اللہ! عزیر تو سو سال سے گم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہی عزیر ہوں۔ اس پر وہ بولی کہ اگر تم عزیر ہو تو عزیر مستجاب الدعوات ہے۔ اس کی دعا سے مریضوں کو شفا ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم میرے لیے دعا کرو کہ اللہ میری بینائی لوٹا دے' اگر تم ہی عزیر ہوئے تو میں خود ہی تمہیں پہچان لوں گی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کی بینائی لوٹ آئی۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ٹانگیں بھی صحیح فرما دیں اور وہ صحت یاب ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے آپ کو دیکھتے ہی گواہی دی کہ آپ ہی عزیر ہیں۔

پھر وہ بنی اسرائیل کے محلے میں گئی' وہ اپنی مجالس ومحافل میں تھے۔ ایک مجلس میں عزیر علیہ السلام کا بیٹا بھی تھا جس کی عمر 118 برس تھی اور آپ کے پوتے بھی تھے جو سب بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس نے لوگوں کو پکار کر کہا کہ عزیر علیہ السلام

تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے یقین نہ کیا تو اس نے کہا کہ میں تم لوگوں کی آزاد کردہ لونڈی ہوں اور آج انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے میری آنکھیں صحیح فرمادی ہیں اور میرے قدم بھی چلنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں 100 سال بعد دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ آپ کا بیٹا کہنے لگا کہ ہمارے باپ کے کندھوں کے درمیان ایک تل تھا۔ جب انہوں نے دیکھا تو واقعی تل موجود تھا' تب انہیں یقین آ گیا۔

لوگوں نے کہا کہ ہم میں صرف عزیر کو ہی مکمل تورات یاد تھی۔ تورات کا تحریری نسخہ بخت نصر نے جلا دیا تھا۔ اب ہمارے پاس اتنی ہی تورات موجود ہے جتنی لوگوں کو یاد ہے' اس لیے آپ ہمیں مکمل تورات لکھ دیجئے۔ عزیر علیہ السلام کے والد نے بخت نصر کے دور میں تورات کو ایک جگہ چھپا دیا تھا جس کا علم عزیر علیہ السلام کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ آپ لوگوں کو وہاں لے گئے اور وہ اوراق نکال لیے لیکن ان میں اکثر الفاظ مٹ چکے تھے۔ پھر آپ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور بنی اسرائیل بھی آپ کے گرد جمع ہو گئے' اتنے میں آسمان سے دو شہاب ثاقب اترے اور آپ کے پیٹ میں داخل ہو گئے' جس سے پوری تورات آپ کو دوبارہ یاد ہو گئی اور وہ آپ نے لکھ کر لوگوں کو دے دی۔ اسی واقعہ کی وجہ سے بنی اسرائیل نے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ یہ واقعہ سواد کے علاقے میں حزقیل (نبی) کی عبادت گاہ میں پیش آیا۔ جس بستی میں آپ کی وفات ہوئی اس کا نام سائر آباد تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے نشانی بنائیں۔'' کے مطابق عزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کے لیے نشانی بنے۔ کیونکہ جب آپ اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھے ہوتے تو آپ کے بیٹے بوڑھے ہوتے اور آپ جوان نظر آتے۔ جب آپ کو فوت کیا گیا اس وقت آپ کی عمر 40 برس تھی اور جب دوبارہ زندہ کیا گیا تب بھی آپ اسی جوانی کی عمر میں ہی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق آپ بخت نصر کے بعد زندہ کیے گئے۔ حسن رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے۔

عزیر علیہ السلام کا زمانہ

مشہور یہ ہے کہ آپ بنی اسرائیل کے نبی تھے اور آپ کا زمانہ نبوت داؤد وسلیمان علیہما السلام اور زکریا و یحییٰ علیہما السلام کے درمیان کا ہے۔ بنی اسرائیل میں کسی کو تورات یاد نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام آپ کو ساری تورات یاد کرا دی اور آپ نے پوری تورات بنی اسرائیل کو لکھا دی۔ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کیوں قرار دیا تھا؟ انہوں نے تورات زبانی لکھوانے کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا' بنی اسرائیل کا کہنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے پاس صرف تحریری صورت میں ہی تورات لائے

تھے جبکہ عزیر علیہ السلام نے تو اپنے حافظے کی بنا پر ہی اسے پیش کر دیا۔ اسی لیے لوگوں نے انہیں اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ اسی باعث اہل علم نے کہا ہے کہ تورات کا تواتر و تسلسل عزیر علیہ السلام کے زمانہ میں ہی منقطع ہو گیا تھا۔

حسنؒ نے کہا ہے کہ عزیر علیہ السلام اور بخت نصر کا زمانہ ایک ہی ہے۔ فرمان نبوی ہے کہ ابن مریم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب میں ہوں کیونکہ ان (عیسیٰ علیہ السلام) کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں۔ (۱) وہب بن منبہؒ کے بیان کے مطابق عزیر علیہ السلام کا زمانہ سلیمان علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک نبی کسی درخت کے نیچے ٹھہرے تو ایک چیونٹی نے انہیں کاٹ لیا۔ بدلے میں انہوں نے تمام چیونٹیوں کو بل سے نکال کر آگ لگوا دی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کر دی کہ صرف ایک چیونٹی کو ہی سزا کیوں نہ دی؟" (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصریؒ کے بیان کے مطابق وہ نبی عزیر علیہ السلام تھے۔ (واللہ اعلم)

(۱) [مسلم (2365) کتاب الفضائل : باب فضائل عیسیٰ]

(۲) [بخاری (3319) کتاب بدء الخلق : باب اذا وقع الذباب فی شراب أحدکم، مسلم (2241)]

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام

نام ونسب

حافظ ابن عساکرؒ نے زکریا علیہ السلام کا نام ''زکریا بن برخیا'' اور ایک قول کے مطابق ''زکریا بن دان'' نقل کیا ہے۔ بعض اہل علم کے بیان کے مطابق آپ کا نسب یوں ہے ''زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن برخیا بن بلعطہ بن ناحور بن شلوم بن بہفا بن شاط بن اینامن بن رحیعام بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام۔ آپ کی کنیت ابو یحییٰ ہے اور آپ کا تعلق انبیائے بنی اسرائیل سے ہے۔

قرآن کریم میں ذکر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ کٓھٰیٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ... وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴾ ''یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔ جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی۔ کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے' لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔ میری بیوی بھی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔ جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی جانشین اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنا لے۔ اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے' ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا۔ زکریا (علیہ السلام) کہنے لگے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا' جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا' تیرے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جبکہ کچھ نہ تھا میں تجھے پیدا کر چکا ہوں۔ کہنے لگے میرے پروردگار! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما دے' ارشاد ہوا کہ تیرے لیے علامت یہ ہے کہ تندرست ہونے کے باوجود تو تین راتوں تک کسی سے بات نہ کر سکے گا۔ اب زکریا (علیہ السلام) اپنے حجرے سے نکلے اور اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو۔ اے یحییٰ! میری کتاب کو مضبوطی سے تھام لے اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی' وہ پرہیزگار شخص تھا۔ اور اپنے ماں باپ

سے نیک سلوک کرنے والا تھا' وہ سرکش اور گناہگار نہ تھا۔ اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ فوت ہوا اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔''(۱)

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے کہ ﴿ وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ... وَ الْإِبْكَارِ ﴾ ''اس کی خیر خبر لینے والا زکریا (علیہ السلام) کو بنایا۔ جب کبھی زکریا ان (مریم علیہا السلام) کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے' وہ پوچھتے اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی۔ وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' بلاشبہ وہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی' کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما' بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔ پس فرشتوں نے انہیں آواز دی' جبکہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا' سردار' ضابط نفس اور صالحین میں سے نبی ہے۔ کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا؟ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے' فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ کہنے لگے پروردگار! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دے' فرمایا نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہیں کر سکے گا' صرف اشارے سے سمجھائے گا' تو اپنے رب کا کثرت سے ذکر کر اور صبح و شام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ۔''(۲)

سورۂ انبیاء میں ہے کہ ﴿ وَ زَكَرِيَّا إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا ... وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾ ''اور زکریا کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ' تو سب سے بہتر وارث ہے۔ ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحییٰ عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا۔ یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں طمع و خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔''(۳)

سورۂ انعام میں ارشاد ہے کہ ﴿ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ إِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (علیہم السلام) کو بھی (ہدایت دی) یہ سب نیک لوگ تھے۔''(۴)

زکریا علیہ السلام کی دعا

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ لوگوں کو زکریا کا قصہ سنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے میں اولاد کی

(۱) [مریم : 1-15]
(۲) [آل عمران : 37-41]
(۳) [الأنبياء : 89-90]
(٤) [الأنعام : 85]

نعمت سے نوازا حالانکہ ان کی بیوی بھی بوڑھی اور بانجھ تھی۔ یہ قصہ اس لیے سنائیں تاکہ کوئی بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔ جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی۔'' اس آیت کی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پاکیزہ دل کا علم ہے اور وہ پوشیدہ آوازیں بھی سنتا ہے۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ آپ رات کے وقت اٹھے اور اپنی آواز چھپاتے ہوئے دعا کی کہ ''اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے' لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔'' یعنی اے پروردگار! میں نے جب بھی تجھ سے کچھ مانگا تو نے میری دعا ضرور قبول فرمائی۔ اس دعا کا محرک یہ تھا کہ مریم علیہا السلام آپ کی کفالت میں تھیں اور آپ جب بھی ان کے پاس جاتے تو بے موسم پھل دیکھتے۔ یقیناً یہ کرامت تھی۔ آپ سمجھ گئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ مریم علیہا السلام کو بے موسم پھل عطا فرما سکتا ہے اسی طرح مجھے بھی اس بڑھاپے کی عمر میں اولاد عطا فرما سکتا ہے جبکہ میری بیوی بھی اس قابل نہیں۔

تب آپ نے یہ دعا فرمائی کہ ''اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما' یقیناً تو دعا سننے والا ہے۔'' آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ ''مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے' میری بیوی بھی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔ جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی جانشین اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنا لے۔'' مطلب یہ ہے کہ آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کا خاندان گناہوں میں ملوث ہو جائے گا' اس لیے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ آپ کو نیک اور پاکیزہ بیٹا عطا کیا جائے جو اللہ کے ہاں بھی مقبول ہو۔

اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے' ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا۔ زکریا (علیہ السلام) کہنے لگے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا' جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا' تیرے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جبکہ کچھ نہ تھا میں تجھے پیدا کر چکا ہوں۔ کہنے لگے میرے پروردگار! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما دے' ارشاد ہوا کہ تیرے لیے علامت یہ ہے کہ تندرست ہونے کے باوجود تو تین راتوں تک کسی سے بات نہ کر سکے گا۔ اب زکریا (علیہ السلام) اپنے حجرے سے نکلے اور اپنی قوم کے پاس آ کر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو۔ اے یحییٰ! میری کتاب کو مضبوطی سے تھام لے اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی' وہ پرہیزگار شخص تھا۔ اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا' وہ سرکش اور گناہگار نہ تھا۔ اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ فوت ہوا اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔''

انبیاء کی وراثت

زکریا علیہ السلام کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا بھی نبی ہو جیسے کہ آلِ یعقوب میں نبی ہوئے ہیں اور نبوت کا سلسلہ اس خاندان میں پہلے بھی چلتا رہا ہے۔ اس جگہ وراثت سے مراد یہی نبوت تھی' مالی وراثت مراد نہیں تھی جیسا کہ بعض شیعہ حضرات اور کچھ دیگر اہل علم نے یہ رائے اپنائی ہے۔ ہمارے موقف کے دلائل حسب ذیل ہیں:

① آیت ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ ﴾ میں وراثت سے مراد نبوت اور حکومت ہے (جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جائے گا) کیونکہ بہت سی کتب حدیث میں متعدد صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں' اس کے وارث نہیں بنائے جاتے بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے۔''(۱) یہ حدیث اس سلسلے میں صریح نص ہے کہ انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی وراثت تقسیم فرما دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کے ورثاء میں آپ کی 9 ازواج مطہرات' بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور چچا عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث کو پیش نظر رکھا تھا۔ اس حدیث کے رواۃ صحابہ میں عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عباس بن عبدالمطلب، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر، ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

② ایک دوسری حدیث میں تمام انبیاء کے متعلق یہی بات کہی گئی ہے جیسا کہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿ إِنَّا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ ﴾ ''ہم انبیاء کی جماعت کی وراثت نہیں ہوتی۔''(۲)

③ انبیاء کرام کے نزدیک دنیا کی اتنی اہمیت نہ تھی کہ وہ اسے جمع کرتے یا اس کی طرف توجہ کرتے یا اس کے لیے اتنی فکر کرتے کہ اللہ تعالیٰ سے اسی کے لیے اولاد یں طلب کرتے۔ انبیاء کے علاوہ کوئی عام زہد و تقویٰ کا حامل شخص بھی اللہ تعالیٰ سے اس لیے اولاد طلب نہیں کرتا کہ وہ اس کے مالی ورثے کی محافظ بنے (تو کوئی نبی ایسا کیسے کر سکتا ہے؟)۔

④ زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے اور اپنے ہاتھ سے کام کیا کرتے تھے جیسا کہ داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ لہٰذا انبیاء کا یہ طریقہ نہیں کہ اپنے آپ کو سخت مشقت میں مبتلا کر کے مال جمع کریں اور پھر اسے اپنی اولاد کے لیے سنبھال کر رکھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔''(۳)

---

(۱) [مسند احمد (7/1) السنن الکبری للبیهقی (298/6) شعب الایمان للبیهقی (1456) صحیح ابن حبان (4913) صحیح ابن خزیمة (2291)]

(۲) [مسند احمد (7/1)]

(۳) [مسلم (2379) کتاب الفضائل : باب فضائل زکریا' ابن ماجه (2150) کتاب التجارات : باب الصناعات' مسند احمد (405/2) صحیح الجامع الصغیر (4456)]

ولادتِ یحییٰ علیہ السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے' ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا۔" اس آیت کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے "پس فرشتوں نے انہیں آواز دی' جبکہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا' سردار' ضابط نفس اور صالحین میں سے نبی ہے۔" جب آپ کو نیک بچے کی خوشخبری دے دی گئی تو نہایت تعجب سے پوچھنے لگے "میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا' جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں۔" یعنی اس قدر بوڑھے شخص کے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر 70 سال تھی اور ایک قول کے مطابق 77 سال تھی۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کی عمر اس سے بھی زیادہ تھی۔ (واللہ اعلم)

یہ اظہارِ تعجب بھی اسی طرح کا ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بچے کی بشارت ملنے پر کیا تھا ﴿ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴾ "کیا تم مجھے بڑھاپا پہنچ جانے کے بعد خوشخبری دے رہے ہو' پس یہ کیسی خوشخبری دے رہے ہو؟"(۱) آپ علیہ السلام کی بیوی سارہ علیہا السلام نے بھی فرمایا تھا کہ ﴿ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ ... إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴾ "ہائے میری ہلاکت! میرے جیسی عورت کیسے بچہ پیدا کرسکتی ہے؟ میں بوڑھی اور بانجھ ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہیں۔ فرشتوں نے کہا' کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہو؟ اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں' بلاشبہ وہ تعریف کا سزاوار اور بزرگوار ہے۔"(۲)

زکریا علیہ السلام کو بھی اسی طرح کا جواب ملا' بشارت لے کر آنے والے فرشتے نے کہا "وعدہ اسی طرح ہو چکا' تیرے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جبکہ کچھ نہ تھا میں تجھے پیدا کر چکا ہوں۔" یعنی تو کچھ بھی نہیں تھا تو میں نے تجھے وجود عطا فرمایا تو کیا تجھے بڑھاپے میں بیٹا نہیں دے سکتا؟ ارشاد فرمایا کہ "ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحییٰ عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا۔ یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں طمع وخوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔" بیوی کو درست کرنے کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسے ماہانہ ایام نہیں آتے تھے' تو اس کے ایام جاری ہو گئے۔ انہوں نے کہا "میرے

(۱) [الحجر : 54]

(۲) [ھود : 72-73]

پروردگار! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما دے۔'' تا کہ مجھے یہ علم ہو جائے کہ میری بیوی حاملہ ہو گئی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ''تیرے لیے علامت یہ ہے کہ درست ہونے کے باوجود تو تین راتوں تک کسی سے بات نہ کر سکے گا۔'' جب آپ نے یہ بشارت سنی تو بہت خوش ہوئے اور خوشی کی حالت میں ہی اپنے حجرے سے باہر نکلے تو ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ''تم صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو۔'' مجاہدؒ، عکرمہؒ، سدیؒ، وہبؒ اور قتادہؒ نے کہا ہے کہ بغیر کسی بیماری کے ہی آپ کی زبان بند ہو گئی تھی۔ ابن زیدؒ نے فرمایا ہے کہ آپ تلاوت بھی کر لیتے' تسبیحات اوراذ کار وغیرہ بھی کر لیتے لیکن کسی سے گفتگو نہ کر سکتے۔ (۱)

یحییٰ علیہ السلام کو کتاب وحکمت کی عطائیگی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اے یحییٰ! میری کتاب کو مضبوطی سے تھام لے اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی۔'' اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو جیسے بیٹے کی خوشخبری دی تھی انہیں اسی طرح کا بیٹا عطا فرما دیا اور اس بیٹے کو بچپن میں ہی حکمت ودانائی کا علم سکھا دیا۔ حضرت معمرؒ بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام سے بچوں نے کھیلنے کے لیے کہا تو انہوں نے جواب دیا ''ہمیں کھیلنے کے لیے تخلیق نہیں کیا گیا۔'' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''اور ہم نے اسے لڑکپن سے ہی دانائی عطا فرما دی'' کا یہی مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اور اپنے پاس سے شفقت عطا کی'' یعنی زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام عطا فرما کر ان پر رحمت کی۔ عکرمہؒ نے بیان کیا ہے کہ شفقت سے مراد یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام لوگوں کے بہت ہمدرد تھے اور بطورِ خاص اپنے والدین کے ساتھ محبت کرنے والے اور حسن سلوک سے پیش آنے والے تھے۔ ''اور پاکیزگی بھی عطا فرمائی'' یعنی انہیں اچھے اخلاق والا بنایا' بری عادات سے بچایا اور احکامِ باری تعالیٰ کا عامل بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا' وہ سرکش اور گناہگار نہ تھا۔'' اس کے بعد ارشاد فرمایا ''اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ فوت ہوا اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔'' یہی تین اوقات انسان کے لیے مشکل ہوتے ہیں کیونکہ ان میں انسان ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف منتقل ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ ایک جہان کے ساتھ مانوس ہو چکا ہوتا ہے' پھر اسے وہ جہان چھوڑ کر اگلے جہان جانا پڑتا ہے جس کے متعلق اسے کچھ علم نہیں ہوتا کہ وہاں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ جب وہ اپنی ماں کے جسم سے باہر نکلتا ہے تو چیختا چلاتا ہے اور اس دنیا کے غموں اور پریشانیوں کا سامنا کرنے کے لیے اس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ دنیا

---

(۱) [تفسیر طبری (6/9)]

سے رخصت ہوتا ہے تو عالم برزخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو دنیا و آخرت کا درمیانی مقام ہے۔ پھر وہ وہاں قیامت کے دن تک صور پھونکے جانے کا منتظر ہو جاتا ہے کہ جس روز لوگ اپنے اپنے اعمال کی وجہ سے یا تو جنت میں داخل ہوں گے اور یا پھر بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیئے جائیں گے۔

کسی شاعر نے کیا خوب بات کہی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ''جب تیری ماں نے تجھے جنم دیا تھا تو رو رہا تھا مگر تیرے قریبی لوگ خوش ہو رہے تھے' پس تو اپنے لیے ایسے اعمال کر کہ تیری موت کے وقت وہ رو رہے ہیں اور تو خوش ہو۔''

انسان کے لیے یہ تینوں اوقات نہایت مشکل ہوتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو ان تینوں اوقات میں سلامتی عطا فرمائی۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' میرے لیے دعائے مغفرت فرمایئے اس لیے کہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔ جواب میں یحییٰ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کو خود سے افضل قرار دیا اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' آپ مجھ سے اس لیے افضل ہیں کہ میں نے خود اپنے لیے سلامتی کی دعا کی لیکن آپ کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سلامتی کی بشارت دی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے کسی نہ کسی گناہ کے ساتھ ملے گا سوائے یحییٰ علیہ السلام کے اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''سردار اور ضابط نفس۔''(۱) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ''حسن اور حسین رضی اللہ عنہما تمام اہل جنت کے سردار ہیں سوائے دو خالہ زاد بھائیوں کے' یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام۔''(۲)

بنی اسرائیل کو دعوت

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کو بھی ان باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ آپ نے کچھ تاخیر کر دی تو عیسیٰ علیہ السلام نے آپ سے فرمایا کہ آپ کو پانچ احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور فرمایا گیا تھا کہ ان باتوں کا بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں۔ آپ انہیں یہ احکام پہنچا دیں ورنہ میں ایسا کر دیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا' میرے بھائی!

---

(۱) [تفسیر طبری (348/3)]

(۲) [**صحیح** : صحیح ترمذی (3768) کتاب المناقب : باب مناقب الحسن والحسین ، ابن ماجہ (118) مقدمة : باب فضل علی بن ابی طالب ، مسند احمد (3/3) السنن الکبری للنسائی (50/5) مستدرک حاکم (4762) طبرانی کبیر (63/3) صحیح ابن حبان (458/28)]

مجھے خدشہ ہے کہ اگر آپ نے انہیں مجھ سے پہلے یہ احکام سنا دیئے تو کہیں اللہ تعالیٰ مجھے عذاب سے دوچار نہ کر دے یا زمین میں نہ دھنسا دے۔

پھر یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ میں جمع کیا اور اونچی جگہ پر بیٹھ کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی' پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں تم کو بھی ان باتوں پر عمل کا حکم دوں (وہ یہ ہیں):

① اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسی نے اپنے ذاتی سونے یا چاندی سے ایک غلام خریدا۔ پھر وہ غلام کام کرتا ہے اور کمائی مالک کے علاوہ کسی دوسرے کو دے دیتا ہے۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو چاہتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہارا خالق اور رازق ہے' پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

② میں تمہیں نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہوں۔ جب بندہ نماز پڑھتا ہے اور اِدھر اُدھر توجہ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا رخ اس کی طرف کر لیتے ہیں۔ لہٰذا جب نماز پڑھو تو اِدھر اُدھر مت دیکھو۔

③ میں تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں۔ روزہ دار کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو لوگوں کی جماعت میں موجود ہو اور اس کے پاس کستوری کی تھیلی ہو اور تمام لوگ اس سے خوشبو محسوس کر رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

④ میں تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جسے دشمن نے پکڑ رکھا ہو اور اس کے ہاتھ گردن کے پیچھے باندھ دیئے ہوں اور اسے قتل گاہ کی طرف لے جا رہے ہوں۔ وہ ان سے کہے کہ کیا میں تمہیں اپنی جان کا فدیہ نہ دے دوں؟ پھر وہ اپنی ہر کم زیادہ چیز دے کر ان سے آزادی حاصل کر لے۔

⑤ میں تمہیں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس کے دشمن تیزی سے اس کے تعاقب میں ہوں' اسے ایک مضبوط قلعہ نظر آئے اور وہ اس میں داخل ہو کر اپنے آپ کو محفوظ کر لے۔ اسی طرح انسان بھی شیطان سے سب سے زیادہ محفوظ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' مجھے بھی اللہ نے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے اور میں بھی تمہیں ان پر عمل کا حکم دیتا ہوں: جماعت کے ساتھ مل کر رہنا، (شرعی امیر) کا حکم سننا، اس کے حکم پر عمل کرنا، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔ جو شخص ایک بالشت برابر بھی جماعت سے دور ہوتا ہے تو وہ اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار پھینکتا ہے الا کہ وہ لوٹ آئے اور جس نے جاہلیت کی پکار پکاری وہ جہنم کا ایندھن ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! خواہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو؟ آپ نے فرمایا' (ہاں) خواہ

وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو ان کے انہی ناموں سے پکارا کرو جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں (اور وہ یہ ہیں) مسلمین، مومنین اور اللہ کے بندے۔"(۱)

تقویٰ و پرہیزگاری

اہل علم نے بیان کیا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام تنہائی پسند تھے۔ آپ اکثر اوقات جنگلوں کا رخ کرتے' وہاں پتے کھاتے اور چشموں کا پانی پیتے۔ پھر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے یحییٰ! تجھ سے زیادہ کس کو نعمتیں حاصل ہیں؟۔ ابن مبارکؒ نے وہیب بن وردؒ سے بیان کیا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام تین دن تک زکریا علیہ السلام کو نظر نہ آئے تو وہ ان کی تلاش میں جنگل کی طرف چل نکلے۔ اچانک دیکھا کہ یحییٰ علیہ السلام نے قبر کھود رکھی ہے اور اس میں کھڑے رو رہے ہیں۔ فرمایا کہ اے میرے بیٹے! میں تجھے تین دن سے تلاش کر رہا ہوں اور تم یہاں قبر میں کھڑے رو رہے ہو۔ یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے ابا جان! کیا آپ نے ہی مجھے نہیں بتایا تھا کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک جنگل ہے جسے آنسوؤں کے ذریعے ہی عبور کیا جا سکتا ہے۔ تو زکریا علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا اور پھر دونوں رو پڑے حتیٰ کہ مسلسل رونے کی وجہ سے ان کے رخسار نشان زدہ ہو گئے۔

یحییٰ علیہ السلام کی شہادت

یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے کئی اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ اس دور میں دمشق کے حاکم نے ایک ایسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا جس سے شرعاً نکاح حرام تھا۔ اس پر یحییٰ علیہ السلام نے انہیں روکا تو عورت کے دل میں ناراضگی پیدا ہو گئی۔ جب اس نے دیکھا کہ بادشاہ اس کی محبت میں اندھا ہو چکا ہے تو اس نے اس کے سامنے یحییٰ علیہ السلام کے قتل کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ نے فوراً اپنا ایک اہلکار روانہ کیا اور وہ آپ کو شہید کر کے آپ کا سر ایک تھال میں رکھ کر آ حاضر ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس عورت نے آپ کا سر دیکھا تو فوراً مر گئی۔

ایک واقعہ یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ملکہ یحییٰ علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئی اور آپ کو برائی پر آمادہ کیا۔ جب آپ اس کے جال میں نہ پھنسے تو اس نے بادشاہ سے آپ کے قتل کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے پہلے تو انکار کیا لیکن بالآخر اس کی بات مان لی اور ایک آدمی روانہ کیا جو آپ کو شہید کر کے آپ کا سر اور خون تھال میں لے کر ملکہ کے پاس آ گیا۔

شملہ بن عطیہؒ نے بیان کیا ہے کہ بیت المقدس میں ایک چٹان ایسی ہے جس پر 70 انبیاء قتل کیے گئے' ان میں

(۱) [صحیح : صحیح ترمذی (2863) کتاب الأمثال : باب ما جاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ، مسند احمد (130/4)]

سے ایک یحییٰ علیہ السلام بھی تھے۔

حافظ ابن عساکرؒ نے کتاب ''المستقصی فی فضائل الاقصیٰ'' میں ایک واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ دمشق کے بادشاہ ''ہداد بن ہداد'' نے اپنے بیٹے کی شادی اس کی چچازاد ''اریل'' سے کر دی جو ''صیدا'' کی ملکہ تھی۔ اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں اور پھر رجوع کی خواہش ہوئی تو یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ مانگا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تمہارے لیے حلال نہیں۔ اس پر عورت ناراض ہو گئی اور اپنی ماں سے مشورہ کرنے کے بعد بادشاہ سے یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے ایک آدمی روانہ کیا جو آپ کا سر کاٹ کر ایک تھال میں رکھ کر لے آیا۔ جب سر اس کے سامنے پہنچا تو اس سے یہی آواز آ رہی تھی کہ وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ بالآخر وہ عورت زمین میں دھنسا دی گئی۔

زکریا علیہ السلام کی وفات

زکریا علیہ السلام کی شہادت کے متعلق اہل علم کی دو آراء ہیں:

1- وہب بن منبہؒ نے بیان کیا ہے کہ زکریا علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگ کر ایک درخت میں چھپ گئے۔ قوم کے لوگوں کو آپ کا علم ہوا تو انہوں نے ایک آراء لیا اور درخت کو چیرنا شروع کر دیا۔ جب آراء آپ کی پسلیوں تک پہنچا تو آپ باآواز بلند چلانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اگر آپ چلانا بند نہ ہوئے تو میں زمین کو تمام مخلوقات سمیت اُلٹ دوں گا۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے اور انہوں نے آپ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

2- وہب بن منبہؒ کی ہی دوسری روایت کے مطابق درخت تو حضرت شعیا علیہ السلام کے لیے پھٹا تھا اور زکریا علیہ السلام کو طبعی موت آئی تھی۔ (واللہ اعلم)

حضرت یوشع علیہ السلام

نام و نسب

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے کہ ''یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام''

قرآن و حدیث میں آپ کا ذکر

قرآن میں بغیر نام کے آپ کا ذکر خضر علیہ السلام کے قصے میں یوں کیا گیا ہے ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ ﴾ ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے نوجوان سے کہا۔''(۱) مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ ﴾ ''جب دونوں وہاں سے آگے گزر گئے تو اس (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نے اپنے نوجوان سے کہا۔''(۲) صحیح بخاری میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس نوجوان سے مراد ''یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔(۳)

نبوتِ یوشع علیہ السلام

اہل کتاب کے ہاں یوشع علیہ السلام کی نبوت کے متعلق اتفاق ہے۔ اہل کتاب کا سامری فرقہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے نبی کو تسلیم نہیں کرتا' حالانکہ ان کی نبوت کا ذکر تورات میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ وہ دیگر انبیاء کے انکاری ہیں حالانکہ وہ بھی برحق ہیں اور خود تورات بھی ان کی تصدیق کرتی ہے۔ اس تحریف و تکذیب کے حامل لوگوں پر تا قیامت اللہ کی لعنتیں برستی رہیں۔

ابن جریرؒ اور دیگر مفسرین نے ابن اسحٰقؒ سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے آخری ایام میں ان کی نبوت یوشع علیہ السلام کی طرف منتقل کر دی گئی تھی اور پھر موسیٰ علیہ السلام یوشع علیہ السلام سے نئے نازل ہونے والے احکام دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تب میں تو آپ سے اس کے متعلق دریافت نہیں کرتا تھا حتی کہ آپ خود ہی مجھے بتا دیتے تھے (اسی طرح آپ بھی مجھ سے دریافت نہ کیا کیجئے جب میں

---

(۱) [الکھف : 60]

(۲) الکھف : 62]

(۳) [بخاری (4726) کتاب التفسیر : باب قولہ فلما بلغا مجمع بینھما]

مناسب سمجھوں گا آپ کو بتا دیا کروں گا)۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام زندگی سے ہی بیزار ہو گئے اور موت کی تمنا کی۔ واضح رہے کہ ابن اسحٰق" کی یہ روایت درست نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تا حیات نبی رہے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے رہے اور آپ پر وحی بھی نازل ہوتی رہی۔ اگر ابن اسحٰق" نے یہ روایت اہل کتاب سے نقل کی ہے تب بھی درست نہیں کیونکہ تورات میں واضح طور پر موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر وفات تک وحی نازل ہوتی رہی۔

موسیٰ علیہ السلام کی طرف "گنتی" کے نام سے جو تیسری کتاب منسوب ہے اس میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے تمام قبیلوں کے افراد کی گنتی کریں اور پھر ہر قبیلے پر ایک امیر مقرر فرما دیں۔ اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدانِ تیہ سے نکل کر جابر قوم سے مقابلے کے لیے تیاری کر لیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میدانِ تیہ میں چالیس برس مکمل ہونے والے تھے۔ یہی باعث ہے کہ کچھ علما نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو تھپڑ اس لیے مارا تھا کیونکہ آپ اسے اس حالت میں پہچان نہ سکے تھے اور اس لیے بھی کہ آپ کو ایک حکم دیا گیا تھا اور آپ کی خواہش تھی کہ وہ آپ کے ہاتھوں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے (مراد بیت المقدس کی فتح ہے)۔ لیکن اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرما چکے تھے کہ یہ کام آپ کے خادم یوشع علیہ السلام کے ہاتھوں مکمل ہو۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کا ارادہ کر رکھا تھا اور اس سلسلے میں آپ 9 ہجری میں لشکر لے کر تبوک بھی گئے لیکن بغیر جنگ کے ہی واپس آنا پڑا۔ پھر آئندہ برس یعنی 10 ہجری میں آپ نے حج فرمایا اور حج سے واپسی پر پھر رومیوں کے خلاف جنگ کے لیے لشکرِ اسامہ تیار کیا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ یہ چھوٹا لشکر پہلے وہاں پہنچے اور پھر ہم بھی ان کے پیچھے جا کر رومیوں کے خلاف جنگ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ... حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ ''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے' جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے' نہ ہی دین حق کو قبول کرتے ہیں' ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔''(۱)

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے لشکرِ اسامہ روانہ ہوا اور ابھی مقامِ جرف پر خیمہ زن ہی تھا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے۔ پھر یہ لشکر آپ ﷺ کے دوست اور (اول) خلیفۂ راشد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا۔ پھر جب جزیرۂ عرب میں (آپ ﷺ کی وفات کے بعد اٹھنے والے فتنوں کا قلع قمع کر دیا گیا اور) حالات معمول پر آ گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے

(۱) [التوبة : 92]

دائیں اور بائیں (ہر طرف) لشکر روانہ کیے۔ آپ نے شاہِ ایران "کسریٰ" اور شاہِ روم "قیصر" کی طرف لشکر روانہ کیے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انہیں فتح و غلبہ عطا فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی اسی طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی اسرائیل کو جنگ کے لیے تیار کرنے اور ان کے ہر گروہ کا الگ امیر مقرر کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ... فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ہم نے انہی میں سے 12 سردار مقرر فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں' اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں' اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی تم میں سے جو انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔"(۱)

یعنی اگر تم اپنے اوپر فرض کردہ تمام اعمال سرانجام دو گے اور جہاد سے منہ نہیں پھیرو گے جیسے کہ پہلے تم نے پھیرا تھا تو اس نیکی کے بدلے میں تمہارے گناہوں کی سزا معاف کر دوں گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ حدیبیہ سے پیچھے رہنے والے اعرابیوں سے فرمایا تھا کہ ﴿ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ ... عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ "آپ پیچھے چھوڑے ہوئے اعرابیوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے' پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔"(۲)

بنی اسرائیل سے بھی یہی کہا گیا کہ ﴿ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ "اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی تم میں سے جو انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔"(۳)

بلعام کا واقعہ

امام ابن اسحاق ؒ کی رائے کے مطابق موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی بیت المقدس فتح کیا تھا اور یوشع علیہ السلام لشکر کے اگلے دستے کے امیر تھے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ اسی سفر کے دوران بلعام بن باعور کا واقعہ پیش آیا تھا جس کے متعلق اللہ

(۱) [المائدۃ: 12]

(۲) [الفتح: 16]

(۳) [المائدۃ: 12]

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا ... وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا' پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے' یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔ ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور وہ اپنے نفسوں پر ہی ظلم کرتے ہیں۔''(۱)

اس کا قصہ ہم اپنی تفسیر میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ ابن اسحٰق رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق یہ شخص اسم اعظم جانتا تھا (جس کے ساتھ کی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے)۔ اس کی قوم نے اس سے مطالبہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کے لیے بددعا کر۔ اس نے انکار کر دیا۔ جب وہ لوگ اصرار کرنے لگے تو وہ اپنی گدھی پر سوار ہوا اور بنی اسرائیل کے لشکر کی طرف چل پڑا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی۔ اس نے اسے مار کر اٹھایا تو وہ اٹھ گئی اور کچھ دور جا کر پھر بیٹھ گئی۔ اس نے پھر اسے مارا تو وہ پکار اٹھی کہ اے بلعام! تو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تجھے فرشتے دکھائی نہیں دیتے جو میرے آگے ہیں اور مجھے چلنے سے روک رہے ہیں۔ کیا تو اللہ کے نبی اور اہل ایمان پر بددعا کے لیے جا رہا ہے؟ لیکن وہ باز نہ آیا اور گدھی کو مار کر پھر چلانے لگا حتیٰ کہ وہ کوہ حسبان کے پاس پہنچا اور اس کے پیچھے سے بنی اسرائیل کو دیکھنے لگا اور ان پر بددعا کرنے لگا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کی زبان لڑکھڑا گئی اور اس نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کے حق میں دعا اور اپنی قوم پر بددعا کر دی۔ یہ سن کر اس کی قوم کے لوگوں نے اسے لعنت ملامت کی تو اس نے کہا' میری زبان سے یہی الفاظ نکل رہے ہیں۔ پھر اس کی زبان باہر نکل آئی اور اس قدر طویل ہو گئی کہ سینے تک آ گئی تب اس نے کہا کہ میری دنیا اور آخرت برباد ہو گئی۔ اب سوائے مکر و فریب کے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اپنی عورتوں کو مزین کر کے بنی اسرائیل کے پاس بھیجو، شاید وہ بدکاری میں ملوث ہو جائیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی بدکاری میں ملوث ہو گیا تو پھر تمہیں مزید کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے اس مشورے کے مطابق اپنی عورتوں کو خوب زیب و زینت کرا کے بھیج دیا۔ ان عورتوں میں سے ایک کا نام ''کسبتی'' تھا، وہ بنی اسرائیل کے ''زمری بن شلوم'' نامی شخص کے پاس سے گزری۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آل شمعون کا سردار تھا۔ وہ اس عورت کو لے کر اپنے خیمے میں گھس گیا اور دونوں نے خلوت اختیار کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے بنی

(۱) [الاعراف : 175-177]

اسرائیل پر طاعون کی وبا مسلط کردی۔ جب فنحاص بن العیزر بن ہارون علیہ السلام تک اس واقعے کی اطلاع پہنچی تو اس نے اپنا برچھا پکڑا اور ان کے خیمے میں گھس گیا اور دونوں کو اس برچھے میں پرو دیا' پھر اسی حالت میں انہیں لے کر باہر نکلا اور انہیں آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگا کہ اے اللہ! ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے وبا ختم کردی۔ اس وبا کے ذریعے 70 ہزار اور ایک قول کے مطابق 20 ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ فنحاص اپنے باپ العیزر کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسی لیے بنی اسرائیل جب قربانی کا جانور ذبح کرتے تو اس کی گردن، بازو اور جبڑے کا گوشت فنحاص کی اولاد کے لیے مخصوص کردیتے تھے اور انہیں اپنا عمدہ مال عطا کرتے تھے۔ ابن اسحٰق رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ قصہ صحیح ہے اور اہل کتاب کی کتب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یوشع علیہ السلام میدانِ جہاد میں

جمہور کی رائے کے مطابق ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے دو سال قبل میدانِ تیہ میں ہی وفات پا چکے تھے اور پھر موسیٰ علیہ السلام بھی میدانِ تیہ میں ہی فوت ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کو یوشع علیہ السلام ہی بیت المقدس لے کر آئے تھے۔ اہل کتاب کے بیان کے مطابق موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ دریائے اُردن پار کیا اور ''اریحا'' بستی میں چلے گئے۔ اس بستی میں بہت زیادہ آبادی ہے اور اس کی عمارتیں بہت بلند ہیں۔ آپ نے 6 ماہ اس کا محاصرہ کیے رکھا۔ پھر ایک روز سب نے اس کو گھیرے میں لے کر بگل بجائے اور بیک آواز سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو اس کی دیوار ٹوٹ کر گر گئی۔ مسلمان اندر داخل ہو گئے' بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا اور 12 ہزار کے قریب مردوں اور عورتوں کو قتل کیا۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یہ محاصرہ بروز جمعہ عصر کے بعد ختم ہوا کہ جب سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور ''یوم السبت'' (یعنی ہفتہ کا دن) شروع ہونے والا تھا' جس کی تعظیم ان کے ہاں واجب تھی۔ اس وقت یوشع علیہ السلام نے سورج سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو بھی اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی اور پھر کہا کہ اے اللہ! اسے روک دے (یعنی یہ غروب نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ نے اسے روک دیا اور انہوں نے شہر فتح کرلیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چاند کو بھی رکنے کا حکم دیا تو وہ بھی رک گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے مہینے کی چودھویں رات تھی۔ سورج رک جانے کا قصہ تو حدیث میں ہے جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا اور چاند رکنے کا قصہ اہل کتاب سے ماخوذ ہے جو حدیث کے خلاف نہیں۔ لہٰذا نہ تو اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ ہی تکذیب۔ البتہ یہ بات محل نظر ہے کہ یہ واقعہ اریحا کی فتح کے وقت پیش آیا' زیادہ مناسب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ بیت المقدس کی فتح کے دوران پیش آیا کیونکہ فتح اریحا مقصود نہیں تھی بلکہ محض ایک ذریعہ تھی اور مقصود تو بیت المقدس کی فتح تھی۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی کے لیے بھی سورج نہیں روکا گیا سوائے یوشع علیہ السلام کے جبکہ وہ بیت المقدس کی طرف گیا تھا۔''(۱)

اِس سے اُس روایت کا ضعف معلوم ہوتا ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر سر رکھا اور سو گئے حتی کہ علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ عصر فوت ہو گئی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ سورج واپس پلٹ آئے تاکہ میں نماز عصر وقت پر ادا کر سکوں۔ چنانچہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج پلٹ آیا۔ یہ حدیث نہ تو صحیح احادیث کے مجموعوں میں ہے اور نہ ہی حسن کے۔ حالانکہ یہ ایسی روایت ہے جو بکثرت نقل ہونی چاہیے تھی لیکن حالت یہ ہے کہ اس کی راوی اہل بیت کی صرف ایک عورت ہے جس کے حالات بھی معلوم نہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نے جہاد کیا تو اپنے لوگوں سے کہا کہ میرے ساتھ وہ آدمی نہ جائے جو نکاح کر چکا ہو اور چاہتا ہو کہ اپنی عورت سے صحبت کرے لیکن اس نے ابھی تک صحبت نہیں کی اور نہ وہ شخص جس نے مکان بنایا ہو اور ابھی تک چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے جننے کا منتظر ہو (اس لیے کہ ان لوگوں کا دل ان چیزوں میں لگا رہے گا اور وہ اطمینان سے جہاد نہیں کر سکیں گے)۔ پھر اس پیغمبر نے جہاد کیا تو عصر کے وقت یا عصر کے قریب اس گاؤں کے پاس پہنچا (جہاں جہاد کرنا تھا) تو پیغمبر نے سورج سے کہا کہ تو بھی تابعدار ہے اور میں بھی تابعدار ہوں۔ اے اللہ! اس کو تھوڑی دیر میرے اوپر روک دے (تاکہ ہفتہ کی رات نہ آ جائے کیونکہ ہفتہ کو لڑنا حرام تھا اور یہ لڑائی جمعہ کے دن ہوئی تھی)۔ پھر سورج رک گیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دے دی۔ پھر لوگوں نے مال غنیمت اکٹھا کیا اور آسمان سے آگ اسے کھانے کے لیے آئی لیکن اسے نہ کھایا۔ پیغمبر نے کہا کہ تم میں سے کسی نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے (اس لیے یہ نذر قبول نہیں ہوئی)۔ لہٰذا تم میں سے ہر گروہ کا ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے۔ پھر سب نے بیعت کی تو ایک شخص کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا۔ اس پر پیغمبر نے کہا کہ تم لوگوں میں خیانت معلوم ہوتی ہے' تمہارا قبیلہ مجھ سے بیعت کرے۔ پھر اس قبیلے نے بیعت کی تو دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغمبر سے لگا اور چمٹ گیا۔ تو پیغمبر نے کہا کہ تم نے خیانت کی ہے۔ پھر انہوں نے بیل کے سر کے برابر سونا نکال کر دیا۔ وہ بھی اس مال میں رکھ دیا گیا جو بلند زمین پر (جلانے کے لیے) رکھا گیا تھا۔ پھر آگ آئی اور اسے کھا گئی۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) ہم سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا صرف ہمارے لیے حلال

(۱) [صحیح : السلسلة الصحيحة (202) مسند احمد (2/325)]

ہوا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ضعیفی اور عاجزی دیکھی تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔“(۱)

قوم پر عذاب کا نزول

بہرحال جب یوشع علیہ السلام اپنے لشکر کو لے کر شہر میں داخل ہونے لگے تو انہیں حکم ہوا کہ سجدہ کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوں یعنی عاجزی وانکساری کے ساتھ اور اللہ کا شکرادا کرتے ہوئے داخل ہوں کیونکہ اسی نے انہیں یہ فتح عطا فرمائی ہے جس کا اس نے وعدہ کر رکھا تھا۔ اور یہ بھی حکم ہوا کہ شہر میں داخل ہوتے وقت ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کہیں یعنی اے اللہ! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرما دے کیونکہ ہم پہلے اس حکم پر عمل کرنے سے جان چھڑاتے تھے۔

غالباً اسی باعث رسول اللہ ﷺ بھی جب فتح مکہ کے وقت مکہ میں داخل ہوئے تو اپنی اونٹنی پر سوار تھے' آپ اللہ کا شکرادا کر رہے تھے اور عاجزی کا انداز اپنائے ہوئے تھے۔ آپ کا سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ داڑھی کجاوے کی لکڑی کو چھو رہی تھی۔ یہ آپ کی طرف سے اللہ کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار تھا حالانکہ آپ فاتحانہ طور پر داخل ہو رہے تھے اور آپ کے ساتھ ایک بڑا لشکر بھی تھا' بطورِ خاص وہ دستہ جسے آپ نے ''خضراء'' نام دے رکھا تھا اور اس میں آپ خود موجود تھے۔ پھر جب آپ مکہ میں داخل ہو گئے تو آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔(۲) اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نماز فتح پر اللہ کا شکرادا کرتے ہوئے ادا فرمائی تھی۔ کچھ نے اسے نمازِ چاشت بھی قرار دیا ہے۔ غالباً انہوں نے یہ رائے اس لیے اختیار کی ہے کیونکہ آپ نے یہ نماز چاشت کے وقت ادا فرمائی تھی۔

تاہم بنی اسرائیل بالکل اس کے برعکس اپنے قول وفعل سے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس شہر میں داخل ہوئے۔ وہ اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے اور شکرگزاری اور توبہ واستغفار کے بجائے یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے کہ ((حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ)) ''بالی میں گندم۔'' یعنی انہوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی اور اس کا مذاق اڑایا جیسا کہ سورۂ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ ... بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴾ ''اور جب انہیں حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور اس سے کھاؤ جس جگہ تم رغبت کرو

---

(۱) [مسلم (1747) كتاب الجهاد والسير : باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة ، بخاری (3124) کتاب فرض الخمس : باب قول النبی أحلت لكم الغنائم ، مسند احمد (318/2) السنن الكبرى للبيهقى (290/6) أبو عوانة (5322)]

(۲) [بخاری (1103) كتاب التقصير : باب من تطوع في السفر في غير دبر الصلوات وقبلها ، السنن الكبرى للنسائى (182/1) طبرانی کبیر (173/18) دلائل النبوة للبيهقى (127/5) دارمی (1504)]

اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے اور دروازے میں جھک کر داخل ہونا، ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے، جو لوگ نیک کام کریں گے انہیں مزید بھی عطا کریں گے۔ پس ان ظالموں نے (اسے) بدل کر ایک اور کلمہ کہا جو اُس کے خلاف تھا جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی' اس پر ہم نے ان پر ایک آسمانی آفت بھیجی' اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔"(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ ... بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ "اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سجدے کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے "حطة" (کالفظ) کہو، ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا، ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔"(۲)

آیت کے ان الفاظ ﴿ وَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ﴾ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ چھوٹے دروازے سے جھک کر داخل ہونا۔ مجاہدؒ، سدیؒ اور ضحاکؒ کے بیان کے مطابق یہاں دروازے سے مراد بیت المقدس کے شہر ایلیاء کا دروازہ ہے۔ عکرمہؒ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگ حکم کے برعکس سر اٹھا کر (اتراتے ہوئے) داخل ہوئے۔ واضح رہے کہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کے خلاف نہیں کہ وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تھے' کیونکہ جب وہ دروازے سے گزر رہے تھے تو جہاں ایک طرف وہ سرین کے بل گھسٹ رہے تھے وہاں وہ سر بھی اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔

اور یہ کہو کہ ﴿ حِطَّةٌ ﴾ "توبہ ہے۔" سے مراد یہ ہے کہ یوں عاجزی و انکساری کے ساتھ شہر میں داخل ہونا کہ تمہاری زبان پر توبہ و استغفار کے الفاظ ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ﴿ وَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ﴾ "دروازے میں سجدے کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے کہو کہ معاف فرما! ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے۔" انہوں نے (ان الفاظ کو) تبدیل کر دیا اور سرین کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے سے گزرے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ((حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ)) "بالی میں گندم۔"(۳)

---

(۱) [الأعراف : 161-162]

(۲) [البقرة : 58-59]

(۳) [بخاری (3403) كتاب أحاديث الأنبياء : باب ، مسلم (3015) كتاب التفسير : باب فى تفسير آيات متفرقة ، مسند احمد (7882) السنن الكبرى للنسائى (286/6) صحيح ابن حبان (6357)]

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نافرمانی کی سزا یوں دی کہ ان پر عذاب نازل فرما دیا اور یہ عذاب طاعون کی صورت میں تھا۔ جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ بیماری (یعنی طاعون) ایک عذاب ہے جو تم سے پہلی قوموں پر بھیجا گیا تھا۔"(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ، ابو مالکؒ، سدیؒ، حسنؒ اور قتادہؒ نے کہا ہے کہ "رجـــز" سے مراد عذاب ہے۔ ابو العالیہؒ نے کہا ہے کہ اس سے غصہ مراد ہے جبکہ شعبیؒ اور سعید بن جبیرؒ نے اس سے طاعون کی بیماری ہی مراد لی ہے۔

یوشع علیہ السلام کی وفات

جب بنی اسرائیل بیت المقدس پر قابض ہو گئے تو وہ وہیں آباد ہو گئے۔ اللہ کے نبی یوشع علیہ السلام ان میں اللہ کی نازل کردہ کتاب تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے حتی کہ وہ وفات پا گئے۔ ان کی عمر 127 برس تھی اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد 27 برس زندہ رہے۔

(۱) [بخاری (3473) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب حدیث الغار ، مسلم (2218) کتاب السلام : باب الطاعون ، مسند احمد (193/1)]

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تحصیل علم کے لیے خضر علیہ السلام کی طرف سفر کیا تھا۔ آپ کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کا نام خضر اس لیے رکھا گیا کہ وہ ایک مرتبہ سفید خشک گھاس پر بیٹھے' پھر جب اٹھے تو گھاس سرسبز تھی اور لہلہا رہی تھی۔''(۱)

نبوتِ خضر کے دلائل

خضر علیہ السلام کی طرف موسیٰ علیہ السلام کے سفر کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب موسیٰ اور یوشع علیہما السلام چلتے چلتے خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ سمندر کے پانی پر ایک سبز چادر پر لیٹے ہوئے ہیں' وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے اطراف انہوں نے اپنے سر اور قدموں کے نیچے دبا رکھے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر سلام کہا تو انہوں نے کپڑا ہٹا کر جواب دیا اور حیرت کا اظہار یوں کیا کہ یہاں سلام کیسے' تم کون ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ میں موسیٰ ہوں۔ تب انہوں نے پوچھا کہ بنی اسرائیل کا موسیٰ؟ فرمایا' جی ہاں۔ پھر جو کچھ ہوا گزشتہ اَوراق میں سورۂ کہف کے حوالے سے اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس واقعہ سے خضر علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت ملتا ہے اور اس کی متعدد وجوہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً ... عِلْمًا ﴾ ''پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا' جسے ہم نے اپنی طرف سے خاص رحمت عطا کر رکھی تھی اور اپنی طرف سے خاص علم سکھا رکھا تھا۔''(۲) موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ ﴿ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ ... أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴾ ''میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس نے کہا' آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں نہ لیا ہو اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں بھی آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس

(۱) [بخاری (3402) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب حدیث الخضر مع موسی ، ترمذی (3151) کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الکھف ، صحیح ابن حبان (6189)]

(۲) [الکھف : 65]

نے کہا' اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں۔''(۱)

اگر خضر علیہ السلام نبی نہ ہوتے اور ولی ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام آپ سے اس انداز سے گفتگو نہ کرتے اور آپ اس انداز سے جواب بھی نہ دیتے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی رفاقت اس لیے طلب کی تا کہ آپ سے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ وہ علم حاصل کر سکیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا۔ اگر آپ نبی نہ ہوتے تو معصوم بھی نہ ہوتے اور موسیٰ علیہ السلام (جیسے معصوم عن الخطا، جلیل القدر پیغمبر) کو ایک غیر معصوم ولی سے تحصیل علم کا اس قدر شوق نہ ہوتا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی رفاقت اختیار کر لی تو آپ سے نہایت تواضع وانکساری کے ساتھ پیش آئے اور ایک طالبِ علم کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح پیغمبر اور حاملِ وحی تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کچھ ایسے اسرار و علومِ عطا کر رکھے تھے جو موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے برگزیدہ پیغمبر ہونے کے باوجود حاصل نہ تھے۔ رمانیؒ نے خضر علیہ السلام کی نبوت کو اسی طرح ثابت کیا ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ آپ نے یہ کام بغیر وحی کے کیا ہو۔ لہٰذا یہ بھی آپ کی نبوت اور آپ کے معصوم ہونے کی ایک واضح اور مستقل دلیل ہے۔ کیونکہ ایک ولی محض اپنے دل میں ڈالے جانے والے الہام کی بنیاد پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا، اس کے دل کا خیال باطل ہو سکتا ہے اور اس پر امت کا اتفاق ہے کہ ولی سے غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ معصوم عن الخطا نہیں۔ لیکن خضر علیہ السلام نے اس نوجوان لڑکے کو قتل کر دیا اور اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو علم تھا کہ وہ بڑا ہو کر کافر بنے گا اور اس کے والدین بھی اس سے محبت کے باعث کفر میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ نے اسے قتل کر دیا کیونکہ اسے زندہ رکھنے سے اس کے قتل میں ہی زیادہ فائدہ تھا۔ امام ابن جوزیؒ نے اسی دلیل کو مدنظر رکھتے ہوئے خضر علیہ السلام کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔

پھر جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام معاملات کی حقیقت سے آگاہ کیا تو فرمایا کہ ﴿ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ﴾ ''(یہ سب کچھ) تیرے رب کی مہربانی ورحمت سے ہی ہوا ہے، میں نے اپنی رائے سے کچھ نہیں کیا۔''(۲) یعنی یہ تمام کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ وحی الٰہی کی وجہ سے کیے ہیں۔

ان تمام دلائل سے ثابت ہو جاتا ہے کہ خضر علیہ السلام نبی تھے۔ کچھ حضرات نے آپ کو ولی یا رسول بھی قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی رائے نبوت کے قول کے منافی نہیں (کیونکہ رسالت اور ولایت دونوں کا نبوت سے گہرا تعلق ہے)۔ البتہ

---

(۱) [الکہف : 66-67]

(۲) [الکہف : 62]

جنہوں نے آپ کو فرشتہ قرار دیا ہے ان کی رائے درست نہیں۔ بہر حال جب آپ کی نبوت ثابت ہوگئی تو ان لوگوں کی رائے باطل ٹھہرتی ہے جنہوں نے آپ کو محض ایک ولی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ولی بعض اوقات ایسے حقائق کا بھی ادراک کر لیتا ہے جن تک شریعت کے ظاہر کو جاننے والے نہیں پہنچ سکتے۔

کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ خضر علیہ السلام آج تک زندہ ہیں۔ ان کا مستدل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ جو ان کی میت کو دفن کرے اس کی عمر لمبی ہو۔ یہ دعا خضر علیہ السلام کو پہنچی۔ کچھ نے کہا ہے کہ آپ نے آب حیات پیا ہے' اس لیے آپ کو دائمی زندگی نصیب ہوئی۔ وہ اس سلسلے میں کچھ روایات بھی پیش کرتے ہیں جنہیں امام ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب "عجالة المنتظر فی شرح حالة الخضر" میں نقل کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ایسی تمام روایات موضوع و من گھڑت ہیں اور صحابہ و تابعین کے وہ تمام اقوال بھی ضعیف ہیں جن سے اس مسئلے کے اثبات کے لیے استدلال کیا جاتا ہے۔

کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ ان اہل علم میں امام بخاری، ابراہیم حربی، ابوالحسن بن المنادی اور امام ابن جوزی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ امام ابن جوزیؒ نے اپنے موقف کے اثبات کے لیے اپنی کتاب "عجالة المنتظر" میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر پیش خدمت ہے:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ ''اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہیشگی عطا نہیں کی۔''(۱) یہ آیت عام ہے اور اس میں مذکور لفظ بشر میں تمام انسان شامل ہیں۔ اب اگر خضر علیہ السلام زندہ ہیں تو ان کے اس عمومی قاعدے سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی واضح دلیل ہونی چاہیے جو موجود نہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ... الشَّاهِدِينَ ﴾ ''جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے' فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔''(۲)

---

(۱) [الأنبياء : 34]

(۲) [آل عمران : 81]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر اس کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہو جائیں تو وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کرے۔ تو اگر خضر علیہ السلام نبی یا ولی ہوتے (اور تا حال زندہ ہوتے) تو لازماً وہ بھی اس عہد کے پابند تھے اور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ان کے لیے یہ بات یقیناً باعث شرف تھی کہ وہ آپ ﷺ سے ملاقات کرتے اور آپ پر ایمان لا کر ہر دشمن کے خلاف آپ کی مدد فرماتے۔ کیونکہ اگر وہ ولی تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے افضل تھے اور اگر وہ نبی تھے تو موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل تھے (اور جب ان دونوں کے لیے آپ ﷺ کے بعد آپ کی پیروی لازم ہے تو خضر علیہ السلام آپ کی خدمت میں کیوں حاضر نہ ہوئے)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی میری اتباع کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا۔''(۱)

مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے یقینی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اگر تمام انبیاء بھی نبی کریم ﷺ کی زندگی میں زندہ ہوتے تو ان سب کو بھی آپ ﷺ کی ہی اتباع کرنا پڑتی۔ واقعہ معراج بھی اس کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ جب آپ ﷺ کو آسمانوں میں تمام انبیاء سے زیادہ بلند مقام پر لے جایا گیا اور پھر بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت کے لیے جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو ہی آگے کیا۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہی تمام انبیاء کے امام، خاتم اور پیشوا ہیں۔ [ان تمام بزرگ و برتر ہستیوں اور ان کے امام پر درود و سلام ہو۔]

اب ان تمام دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر مومن یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ محمد ﷺ کے امتی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے اور آپ پر ایمان لا کر آپ کی اتباع کرتے۔ اس سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واضح مثال بھی موجود ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے تو شریعت محمدی کے مطابق ہی فیصلے فرمائیں گے اور اس سے کچھ بھی انحراف نہیں کریں گے حالانکہ وہ پانچ اُولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک اور بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ہیں۔ یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ کسی بھی صحیح یا حسن درجے کی روایت میں یہ مذکور نہیں کہ خضر علیہ السلام کسی وقت بھی نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے ہوں یا آپ کے ساتھ کسی غزوے میں شریک ہوئے ہوں۔ غزوۂ بدر میں تو آپ ﷺ نے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے طلب نصرت کی دعا فرمائی تھی کہ ''اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔''(۲) اس لڑائی میں آپ ﷺ کے ساتھ جہاں افضل ترین مومن شامل تھے وہاں افضل ترین فرشتے بھی شامل تھے حتیٰ کہ جبرئیل امین علیہ السلام بھی ان میں تھے۔ تو اگر خضر علیہ السلام

---

(۱) [مسند احمد (387/3) مصنف ابن أبی شیبة (228/6) مسند أبی یعلی موصلی (189/5)]

(۲) [مسلم (1763) کتاب الجهاد والسیر : باب الامداد بالملائكة فی غزوة بدر واباحة الغنائم]

زندہ ہوتے تو نہ صرف وہ آپ ﷺ کے جھنڈے تلے کفار کے خلاف جہاد میں شریک ہوتے بلکہ یہ بات ان کے لیے باعث شرف وافتخار بھی ہوتی۔

قاضی ابو یعلی محمد بن حسین فراء حنبلیؒ نے فرمایا ہے کہ ہمارے ایک ساتھی سے خضر علیہ السلام کی وفات کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ ابو یعلیؒ نے فرمایا ہے کہ ابو طاہر بن غباریؒ سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے۔ ان کا مستدل یہی ہے کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو لازماً نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ یہ تمام اقوال امام ابن جوزیؒ نے (عجالة المنتظر میں) نقل فرمائے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ خضر علیہ السلام ان تمام اہم مواقع پر موجود تو تھے مگر کسی نے بھی آپ کو دیکھا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے اور ایسے توہمات اور احتمالات سے عموم شرع کی تخصیص نہیں ہوتی۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ اگر آپ ان تمام مواقع پر موجود تھے تو پھر کسی کو نظر کیوں نہ آئے؟ حالانکہ ایسے مواقع پر آپ کا ظہور آپ کے لیے باعث اجر وثواب اور بلندئ درجات کا ذریعہ تھا۔ علاوہ ازیں اگر آپ زندہ ہوتے تو لامحالہ آپ کتاب وسنت کی تبلیغ کرتے، من گھڑت روایات، بدعات وخرافات اور باطل نظریات کی تردید کرتے، مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتے، انہیں فائدہ پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی کوشش کرتے، علما اور حکام کی اصلاح کرتے اور صحیح مسائل ودلائل کی تصدیق کرتے۔ بلاشبہ یہ تمام کام ان کے شہروں میں چھپے رہنے اور جنگلوں میں گھومنے پھرنے سے کہیں افضل تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں جو انہیں نہیں جانتے اور پھر وہ اپنے خیالات ان کے ذریعے لوگوں تک منتقل کرتے رہتے ہیں۔ اگر واقعتاً ایسا ہو تو پھر وہ امت کے مسائل حل کرنے کے لیے کیوں ظہور پذیر نہ ہوئے۔ بہر حال مذکورہ بالا گفتگو سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ صحیح موقف کیا ہے، باقی ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہی ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

(3) خضر علیہ السلام کی وفات کی ایک دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نے نماز عشاء پڑھانے کے بعد فرمایا کہ "آج کے بعد سو سال تک، روئے زمین پر جو بھی آج افراد زندہ ہیں ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہے گا۔" صحابہ یہ سن کر گھبرا گئے (کہ کہیں قیامت نہ آ جائے) جبکہ نبی کریم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے زمانے کے تمام لوگ اس عرصے میں وفات پا جائیں گے۔ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں رسول اللہ ﷺ نے نماز عشاء پڑھائی اور سلام

(۱) [بخاری (601) کتاب مواقیت الصلاة : باب السفر فی الفقه ، مسلم (2537) کتاب فضائل الصحابة : باب بيان معنى قوله على رأس مائة سنة]

پھیرنے کے بعد فرمایا ''تم اس رات کو دیکھ رہے ہو؟ روئے زمین پر جتنے لوگ بھی زندہ ہیں سو سال کے بعد ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند ایام یا ایک ماہ قبل فرمایا کہ ''کوئی بھی جاندار ایسا نہیں کہ جس پر سو سال گزریں اور وہ باقی رہے۔''(۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا کہ ''لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں؟ اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ کی قسم! زمین پر آج کوئی بھی زندہ انسان نہیں کہ اس پر سو سال گزر جائیں (اور وہ زندہ رہے)۔''(۳)

امام ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ تمام صحیح احادیث حیاتِ خضر کے نظریہ کو جڑ سے کاٹ ڈالتی ہیں۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ گمانِ غالب ہے بلکہ قطعی بات یہی ہے کہ اگر خضر علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قبل فوت ہو چکے تھے تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اور اگر آپ کے زمانے میں موجود تھے تو پھر مذکورہ حدیث کے مطابق آپ کے بعد سو سال تک فوت ہو گئے تھے اور اب موجود نہیں کیونکہ عمومِ حدیث میں وہ بھی شامل ہیں اور تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [مسند احمد (112/2)]

(۲) [مسند احمد (305/3)]

(۳) [مسلم (2538) کتاب فضائل الصحابة : باب بيان معنى قوله على رأس مائة سنة ، ترمذی (220) كتاب الفتن: باب لاتأتي مائة سنة ، مسند احمد (322/3)]

حضرت الیاس علیہ السلام

نام و نسب

اہل علم نے آپ کا نسب یوں بیان کیا ہے: الیاس بن یاسین بن فنحاص بن العیزر بن ہارون علیہ السلام۔ایک قول کے مطابق آپ کا نسب اس طرح ہے: الیاس بن العازر بن العیزر بن ہارون بن عمران۔

قرآن میں آپ کا ذکر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ صافات میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ﴿ وَ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ... اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ”بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا رب ہے۔ لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا، پس وہ ضرور (عذاب میں) حاضر رکھے جائیں گے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے۔ ہم نے (الیاس علیہ السلام) کا ذکرِ خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا۔ کہ الیاس پر سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔“(۱)

آپ کا مقام بعثت اور دیگر احوال

اہل علم کا کہنا ہے کہ آپ کو دمشق کے مغرب میں واقع ”بعلبک“ نامی ایک شہر کی طرف مبعوث کیا گیا۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور انہیں سمجھایا کہ ”بعل“ بت کی پوجا چھوڑ دو۔ آپ نے ان سے کہا کہ ﴿ اَلَا تَتَّقُوْنَ ... وَ رَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ ”تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا رب ہے۔“

ان لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے آپ کی تکذیب کی اور آپ کی اس قدر مخالفت کی کہ آپ کے قتل کا پروگرام بنالیا۔ تب آپ انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور کہیں چھپ گئے۔

(۱) [الصافات: 123-132]

حضرت کعب احبارؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ سے چھپ گئے اور دس سال تک چھپے رہے (ایک قول یہ بھی ہے کہ الیاس علیہ السلام 20 یا 40 برس تک ایک پہاڑ کی غار میں چھپے رہے) حتی کہ وہ بادشاہ مر گیا اور کوئی دوسرا شخص بادشاہ بن گیا۔ تب الیاس علیہ السلام ظاہر ہوئے اور بادشاہ کو جا کر دعوتِ اسلام دی۔ اس کی قوم کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ صرف دس ہزار افراد نے اسلام قبول نہ کیا تو اس نے ان سب کو قتل کرا دیا۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے انبیاء کا ذکر

امام ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر فرمایا ہے کہ مسلم و غیر مسلم (تمام) مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے تمام معاملات کی نگرانی کالب بن یوفنا علیہ السلام نے سنبھال لی تھی۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے ایک ساتھی اور آپ کی بہن مریم کے شوہر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے والے دو افراد (جن کا سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کی جہاد سے روگردانی کے سلسلے میں ذکر ہے) میں سے ایک یہی تھے اور دوسرے یوشع علیہ السلام تھے۔ جب بنی اسرائیل نے جہاد سے اعراض کا مظاہرہ کیا تھا تو انہی دونوں نے ان سے یہ بات کہی تھی کہ

﴿ ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾ ''ان پر دروازے میں داخل ہو جاؤ، پس جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے اور اگر تم مومن ہو تو اللہ پر ہی بھروسہ رکھو۔''(۱)

امام ابن جریرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت کالب علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے تمام معاملات حزقیل بن بوذی علیہ السلام نے سنبھالے۔ آپ ہی وہ پیغمبر ہیں جن کی دعا کے باعث اللہ تعالیٰ نے اُن ہزاروں افراد کو زندہ کر دیا تھا جو موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل بھاگے اور پھر اللہ کے حکم سے مر گئے تھے۔(۲)

(۱) [المائدۃ : 23]

(۲) [تاریخ طبری (271/1)]

حضرت حزقیل علیہ السلام

حزقیل علیہ السلام کی دعا سے قوم کا زندہ ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ... وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ ''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ' پھر انہیں زندہ کر دیا' بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے' لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔''(۱)

امام ابن اسحاق ؒ نے نقل فرمایا ہے کہ وہب بن منبہ ؒ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یوشع علیہ السلام کے بعد کالب بن یوفنا علیہ السلام کو بھی فوت کر دیا تو بنی اسرائیل میں حزقیل علیہ السلام ان کے جانشین بنے۔ انہوں نے ہی اپنی قوم کے لیے دعا کی تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں ذکر فرمایا ہے کہ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴾ ''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔''

امام ابن اسحاق ؒ کا بیان ہے کہ وہ لوگ ایک وبا کے خوف سے بھاگے تھے۔ وہ ایک میدان میں مقیم ہوئے تو سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گرد ایک باڑ بنا دی جس کے باعث وہ درندوں سے محفوظ ہو گئے۔ اسی حالت میں ایک لمبا زمانہ گزر گیا۔ پھر ایک دفعہ حزقیل علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ انہیں دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ تب آپ سے کہا گیا کہ کیا آپ کی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو آپ کے سامنے زندہ فرما دے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا تو آپ سے کہا گیا کہ آپ ان کی ہڈیوں سے مخاطب ہو کر کہیں کہ گوشت پہن لیں اور رگیں اور پٹھے ایک دوسرے سے آ کر مل جائیں۔ آپ نے ایسا ہی کہا تو وہ سب اللہ کے حکم سے زندہ ہو گئے اور سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندہ کر دیا اور پھر سب نے بلند آواز سے نعرۂ تکبیر لگایا۔(۲)

مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں سدی ؒ نے بیان کیا ہے کہ واسط کے قریب ایک شہر ''داوردان'' ہے' جس میں طاعون پھیل گیا تو اس کے اکثر رہائشی شہر سے باہر نکل کر ایک قریبی مقام پر ٹھہر گئے۔ پھر شہر میں رہنے والوں کی اکثریت طاعون کی وجہ سے ہلاک ہو گئی اور باہر نکل جانے والے اس سے محفوظ رہے۔ جب یہ وبا ختم ہوئی تو باہر والے شہر میں واپس آ گئے اور شہر

---

(۱) [البقرۃ: 243]

(۲) [تفسیر طبری (794/2)]

میں طاعون سے بچ جانے والے افراد نے کہا کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ دانش منداور فہم وفراست کے مالک تھے اگر ہم بھی ان کے ساتھ باہر نکل جاتے تو بچ جاتے۔ اب اگر دوبارہ طاعون کی وبا پھیلی تو ہم بھی ان کے ساتھ نکل جائیں گے۔

چنانچہ جب اگلے برس دوبارہ طاعون کی وبا پھیلی تو یہ تمام لوگ' جن کی تعداد 35 ہزار کے قریب تھی' شہر سے نکل کر ایک مقام پر ٹھہر گئے۔ پھر ایک فرشتے نے وادی کے نچلے حصے سے اور ایک نے اوپر والے حصے سے آواز لگائی کہ سب مر جاؤ تو وہ سب وہیں مر گئے اور ان کے جسم وہیں پڑے رہے۔ پھر (ایک لمبے عرصے کے بعد اللہ کے نبی) حزقیل علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا۔ جب انہوں نے اتنی بڑی تعداد کی بے روح لاشیں دیکھیں تو حیران رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ انہیں آپ کی آنکھوں کے سامنے زندہ کر دیا جائے؟ آپ نے کہا' جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں پکاریئے۔ تو آپ نے انہیں یوں پکارا کہ اے ہڈیو! اللہ کے حکم سے اکٹھی ہو جاؤ۔ آپ کا یہ کہنا ہی تھا کہ تمام ہڈیاں اُڑ اُڑ کر ایک دوسرے سے ملنے لگیں اور مکمل ڈھانچے بننے لگے۔ پھر آپ کی طرف وحی بھیجی گئی کہ ان سے کہو' اللہ کے حکم سے گوشت پہن لو۔ آپ کی یہ بات سنتے ہی تمام ہڈیوں پر گوشت چڑھنا شروع ہو گیا اور اجسام میں خون کی گردش شروع ہو گئی اور ان کے اجسام اپنے اپنے اس لباس سے ڈھک بھی گئے جو مرتے وقت انہوں نے پہن رکھا تھا۔ پھر اللہ کے حکم سے آپ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو کھڑا ہونے کا حکم دیتا ہے۔ تو وہ سب (زندہ ہو کر) کھڑے ہو گئے۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام "سرغ" پر پہنچے تو فوج کے سپہ سالاروں یعنی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے آپ سے ملاقات کی اور بتایا کہ شام میں (طاعون کی) وبا پھیلی ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا تو مختلف حضرات نے مختلف آراء پیش کیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو مشورہ کے وقت موجود نہ تھے' آئے تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب تم کسی علاقے میں موجود ہو اور یہ وبا پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگو اور جب تمہیں کسی دوسرے علاقے میں اس وبا کے پھیلنے کی خبر ملے تو اس علاقے میں مت جاؤ۔"(۲) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے لشکر لے کر واپس روانہ ہو گئے۔ (۳)

امام ابن اسحٰق ؒ نے بیان کیا ہے کہ ہمیں حزقیل علیہ السلام کی بنی اسرائیل میں مدتِ قیام معلوم نہیں ہو سکی۔ بہر حال جب آپ فوت ہوئے تو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے وعدے کو بھلا دیا اور بت پرستی شروع کر دی۔ ان کے ایک بت کا نام "بعل" تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا، جن کا تذکرہ پیچھے کیا جا چکا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت یسع بن اخطوب علیہ السلام ان میں مبعوث کیے گئے۔

---

(۱) [تفسیر طبری (795/2)]

(۲) [بخاری (5728) کتاب الطب : باب ما یذکر فی الطاعون' مسند احمد (22430) بیھقی (6795)]

(۳) [مسند احمد (194/1)]

نام ونسب اور قرآن میں آپ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں دیگر انبیاء کے ساتھ آپ کا نام بھی ذکر فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ''اور (ہم نے) اسماعیل' یسع' یونس اور لوط (علیہم السلام کو ہدایت دی) اور ہم نے سب کو جہان والوں پر فضیلت دی۔''(۱)

سورۂ ص میں ارشاد ہے کہ

﴿ وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْیَارِ ﴾ ''(اے نبی!) اسماعیل' یسع اور ذوالکفل کو یاد کیجیے اور یہ تمام بہترین لوگ تھے۔''(۲)

حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ الیاس علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں یسع علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ نے الیاس علیہ السلام کی شریعت کو اپنایا اور قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی۔ پھر جب یسع علیہ السلام بھی فوت ہو گئے تو بنی اسرائیل میں بہت سی بدعات نے جنم لے لیا' بکثرت اللہ کی نافرمانیاں ہونے لگیں' ظالم وجابر لوگ حکمران بن گئے' باغی وسرکش افراد بڑھ گئے' انہوں نے بہت سے انبیاء کو قتل کر دیا۔ ان میں ایک بہت سرکش بادشاہ آیا' بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ کے نبی ذوالکفل علیہ السلام نے اسی کے متعلق ذمہ اٹھایا تھا کہ اگر وہ توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آ جائے تو یقیناً جنت میں داخل ہوگا اور پھر اسی مناسبت سے انہیں ذوالکفل (یعنی ذمہ داری اٹھانے والا) کا نام دیا گیا۔

حافظ ابن عساکرؒ نے آپ کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے: یسع بن عدی بن شوتلم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام۔ کچھ اہل علم نے آپ کو الیاس علیہ السلام کے چچا قرار دیا ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ جب الیاس علیہ السلام بعلبک کے بادشاہ کے شر سے بچنے کے لیے کوہ قاسیون کی غار میں چھپ گئے تھے تو ان کے ساتھ آپ بھی تھے۔ پھر جب الیاس علیہ السلام (اس بادشاہ کی وفات کے بعد) غار سے باہر نکلے تو آپ بھی ان کے ساتھ ہی باہر آئے۔ پھر جب الیاس علیہ السلام کو (آسمان پر) اٹھا لیا گیا تو آپ ان کے نائب کی حیثیت سے قوم کی

(۱) [الانعام : 86]

(۲) [ص : 48]

رہنمائی کا ذریعہ بنے۔

امام ابن جریرؒ اور دیگر مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ یسع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی' وہ اللہ کی نافرمانیوں میں حد سے بڑھ گئے حتی کہ انہوں نے انبیاء کو شہید کرنے سے بھی گریز نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے (بطور سزا) ان پر ظالم و جابر بادشاہوں کو مسلط کر دیا' جو ان پر بہت مظالم ڈھاتے اور ان کا خون بہاتے۔

بنی اسرائیل جب دشمنوں سے جنگ کرتے تو اپنے ساتھ تابوت سکینہ بھی رکھتے جس میں آل موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی باقی ماندہ اشیاء تھیں' وہ ان سے برکت و سکونت حاصل کرتے تھے اور انہیں فتح حاصل ہوتی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں تو اللہ نے ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیا۔ پھر جب غزہ اور عسقلان کے لوگوں سے ان کی جنگ ہوئی تو انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا اور ان کا تابوت بھی چھین لیا گیا۔ جب بنی اسرائیل کو اس کی اطلاع ملی تو ان کا بادشاہ شدید غم میں مبتلا ہو گیا حتی کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔

اس کے بعد بنی اسرائیل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی صورتحال بکریوں کے اس ریوڑ جیسی ہو گئی جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا ایک نبی مبعوث فرمایا جس کا نام ''شمویل'' تھا۔ بنی اسرائیل نے ان سے ایک بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم کا بدلہ لے سکیں۔ پھر جو حالات پیش آئے ان کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔

امام ابن جریرؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ یوشع علیہ السلام کی وفات اور شمویل علیہ السلام کی بعثت کا درمیانی عرصہ 460 برس ہے۔

نام ونسب

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: شمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن الیہوابن تہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموصا بن عزریا۔

نبوت ودیگر احوال

مقاتلؒ نے بیان کیا ہے کہ شمویل علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے ورثاء میں سے تھے۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ جب غزہ اور عسقلان کے باشندے (عمالقہ) بنی اسرائیل پر غالب آگئے تو انہوں نے بے شمار اسرائیلیوں کو قتل کیا اور ان کی ایک بڑی تعداد کو غلام بنالیا۔ لاوی کے خاندان میں کوئی نبی باقی نہ رہا' صرف ایک حاملہ عورت باقی بچی۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا فرمادیا۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام ''شمویل'' رکھا۔ عبرانی زبان میں اس کا مطلب اسماعیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی۔

جب یہ بچہ کچھ پختہ عمر کو پہنچا تو اس نے بچے کو مسجد میں لے جا کر ایک نیک آدمی کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اچھی باتیں اور عبادت کا طریقہ سیکھ جائے۔ جوان ہونے تک بچہ اسی نیک شخص کے پاس رہا۔ ایک رات جب وہ سویا ہوا تھا تو مسجد کے ایک کونے سے آواز آئی۔ وہ گھبرایا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے استاد نے اسے بلایا ہے۔ اس نے اپنے استاد سے پوچھا کہ کیا آپ نے مجھے آواز دی ہے؟ استاد نے جب اسے پریشان دیکھا تو کہا کہ ہاں میں نے بلایا ہے مگر تم سو جاؤ۔ وہ سو گیا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ یہی معاملہ پیش آیا۔ جب وہ اٹھا تو اس نے دیکھا کہ جبرئیل علیہ السلام اسے پکار رہے ہیں۔ وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر آپ کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ پھر وہ حالات پیش آئے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا ... ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ''کیا آپ نے موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا جب کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم

جہاد نہ کرو، انہوں نے کہا کہ بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔ تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ تو بادشاہت کے حقدار ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو، اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔ ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تو تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ جب طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔ لیکن سوائے چند افراد کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا۔ طالوت مومنین سمیت جب اس نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا، بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور کفار قوم پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی اور داود (علیہ السلام) کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود (علیہ السلام) کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔"(۱)

اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ ان آیات میں جس نبی کا تذکرہ ہے وہ شمویل علیہ السلام ہیں' کچھ نے شمعون علیہ السلام مراد لیے ہیں اور کچھ نے کہا ہے کہ یوشع علیہ السلام مراد ہیں۔ لیکن یہ قول بہت ہی بعید ہے کیونکہ امام ابن جریرؒ کے قول کے مطابق شمویل علیہ السلام کو یوشع علیہ السلام کے 460 برس بعد مبعوث کیا گیا تھا۔

(۱) [البقرة: 246-251]

بنی اسرائیل کا جہاد کے لیے امیر مقرر کرنے کا مطالبہ

بنی اسرائیل ایک لمبا عرصہ جنگ میں مشغول رہے حتی کہ ان کے دشمن ان پر غالب آ گئے اور پھر ان پر بہت ظلم وستم ڈھایا۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا کہ ان پر ایک بادشاہ مقرر کیا جائے تا کہ وہ دشمنوں سے جنگ کریں اور اپنے اوپر ڈھائے گئے مظالم کا بدلہ لیں۔ شمویل علیہ السلام چونکہ اس قوم کی حالت سے واقف تھے اس لیے انہوں نے کہا ''ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو۔'' انہوں نے کہا'' بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں۔'' یعنی ہم پر ظلم ڈھایا گیا اور ہمیں اپنے بیوی اور بچوں سے بھی دور کر دیا گیا ہے تو ہم اپنے بیوی بچوں کو آزاد کرانے کے لیے کیوں جہاد نہ کریں گے؟۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ'' پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' جیسا کہ قصہ کے آخر میں یہ وضاحت مذکور ہے کہ بادشاہ کے ساتھ دریا پار کر کے جہاد کے لیے جانے والے بہت کم لوگ تھے باقی سب جہاد سے انکار کر کے منہ پھیر گئے تھے۔ انہیں ان کے نبی نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔'' حافظ ابن عساکرؒ نے طالوت کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: طالوت بن امال بن ضرار بن یحرب بن افیح بن اسن بن بنیامین بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔ ان کا پیشہ پانی پلانا یا کھالوں کو رنگنا تھا۔ اسی لیے انہوں نے کہا کہ'' بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ تو بادشاہت کے حقدار ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔''

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے نبوت لاوی کے خاندان میں اور بادشاہت یہودا کے خاندان میں تھی اور طالوت بنیامین کے خاندان سے تھے۔ اس لیے یہودا کے خاندان والوں نے ان کی بادشاہت کو پسند نہ کیا اور اس پر اپنے حق کا اظہار کیا۔ مزید ان کا اعتراض یہ بھی تھا کہ اس کے پاس تو مال ہی نہیں' یہ بادشاہ کیسے بن سکتا ہے؟ شمویل علیہ السلام نے جواب دیا کہ بادشاہت کا تقرر تمہارے اختیار میں نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہ جسے چاہتا ہے بادشاہت عطا فرما دیتا ہے۔ فرمایا'' سنو، اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے۔'' یعنی عقل وفہم میں بھی سب سے بڑھ کر ہے اور قد وقامت میں بھی۔

پھر ان کے نبی نے انہیں کہا'' اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔

یقیناً یہ تو تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' اسی نیک بادشاہ کی برکت کی وجہ سے انہیں وہ ''تابوت سکینہ'' واپس لوٹا دیا گیا جسے وہ جنگ میں ساتھ لایا کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کی نصرت کی جاتی تھی اور وہ فتح یاب ہوا کرتے تھے۔ یہ تابوت ان کے دشمنوں نے ان سے چھین لیا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان سے یہ وعدہ فرمار ہے ہیں کہ طالوت کی وجہ سے انہیں وہ تابوت دوبارہ واپس لوٹا دیا جائے گا۔

تابوت سکینہ میں کیا تھا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تابوت میں ایسی کون سی اشیاء تھیں جو ان کے لیے سکینت کا باعث تھیں؟ تو اس کے متعلق اہل علم کے مختلف اقوال ہیں:

- ایک قول یہ ہے کہ اس میں سونے کا ایک تھال تھا جس میں انبیاء کے سینوں کو دھویا گیا تھا۔
- ایک قول یہ ہے کہ اس میں ایک خاص قسم کی تیز ہوا تھی۔
- ایک قول یہ ہے کہ اس میں بلی کی طرح کا ایک جانور تھا، جب دورانِ جنگ وہ آواز نکالتا تو بنی اسرائیل کو معلوم ہو جاتا کہ اب اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوگی اور وہ فتح یاب ہوں گے۔
- ایک قول یہ ہے کہ اس میں تختیوں کے ٹکڑے اور کچھ من تھا جو اُن پر میدانِ تیہ میں اترتا رہا تھا (کہا جاتا ہے کہ آل موسیٰ علیہ السلام اور آل ہارون علیہ السلام کی باقی ماندہ اشیاء سے مراد یہی تھا)۔

شمویل علیہ السلام نے اس تابوت کے متعلق قوم سے فرمایا کہ ''اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔'' یعنی تمہارے سامنے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ظاہر ہو جائے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ طالوت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی بادشاہ مقرر کیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ''یقیناً اس میں تمہارے لیے کھلی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو۔''

جب عمالقہ یہ تابوت بنی اسرائیل سے چھین کر اپنی قوم میں لے گئے تو انہوں نے اسے ایک بت کے نیچے رکھ دیا۔ پھر جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ تابوت بت کے اوپر ہے۔ انہوں نے اسے نیچے رکھ دیا اور اگلے روز دیکھا تو وہ پھر اس کے اوپر تھا۔ بار بار ایسا ہوا تو انہیں اس عمل کے منجانب اللہ ہونے کا یقین ہو گیا تو وہ اسے دور کسی دیہات میں رکھ آئے۔ پھر انہیں ایک بیماری نے آلیا جس کا اثر ان کی گردنوں میں ظاہر ہوا۔ تب انہوں نے وہ تابوت بیل گاڑی میں رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا اور فرشتے اس بیل گاڑی کو بنی اسرائیل کے پاس لے آئے۔ یہ واقعہ اہل کتاب نے بھی بیان کیا ہے اور اکثر مفسرین نے بھی مگر آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس تابوت کو

فرشتے ہی اٹھا کر لائے تھے۔ (واللہ اعلم)

جب طالوت لشکروں کو لے کر نکلا تو اس نے کہا ''سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس میں مذکور دریا سے مراد دریائے اُردن ہے۔ طالوت اور اس کے لشکروں کا واقعہ اسی مقام پر پیش آیا تھا۔ طالوت نے انہیں اس دریا سے پانی نہ پینے کا حکم اس لیے دیا کیونکہ ان کے نبی (شمویل علیہ السلام) نے انہیں ایسا کرنے کو کہا تھا اور نبی کا حکم یقیناً اللہ کے حکم کے تابع ہی ہوتا ہے' لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ ان پر اللہ کی طرف سے آزمائش تھی۔ بہر حال پھر یوں ہوا کہ ''سوائے چند افراد کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا۔'' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بیان کیا کرتے تھے کہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد طالوت کے ساتھیوں کی تھی، جنہوں نے ان کے ساتھ دریا پار کیا تھا اور وہ تین سو سے کچھ اوپر تھے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ '' طالوت مومنین سمیت جب اس نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔'' انہوں نے جب دشمن کے مقابلے میں خود کو تعداد میں بہت کم دیکھا تو کہا کہ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ تو ان میں موجود اہل ایمان نے اللہ پر کامل یقین و توکل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' یعنی جو ان میں اہل ایمان تھے انہوں نے باقی ساتھیوں کو حوصلہ دیا اور دشمن کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارا اور جب جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی کہ ''اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور کفار قوم پر ہماری مدد فرما۔''

اور اہل ایمان کم تعداد کے باوجود غالب آ گئے

وہ دشمن کی طرف بڑھے اور جب دشمن کے سامنے پہنچے تو اللہ تعالیٰ کو پکارا جو اہل ایمان کی پکار کو سننے والا اور ان پر اپنی نصرت نازل فرمانے والا ہے۔ انہوں نے دعا کی کہ اللہ ان کی مدد فرمائے اور کفار' جو اللہ کی ناشکری

(۱) [بخاری (3958،3957) كتاب المغازی : باب عدة أصحاب بدر]

کرنے والے اور اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں، پر انہیں غلبہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی۔'' یعنی انہیں یہ فتح صرف اور صرف اللہ کی توفیق اور نصرت کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی، نہ کہ اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے، کیونکہ ان کی اپنی تعداد اور طاقت تو دشمن کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کو بھی (ہر لحاظ سے کم قوت کے باوجود) اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی فتح عطا فرمائی تھی جس کے متعلق فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم کمزور تھے، پس تم اللہ سے ہی ڈرو تاکہ تم شکرگزاری کرو۔''(۱)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور داود (علیہ السلام) کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود (علیہ السلام) کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔''

اس آیت سے داود علیہ السلام کی شجاعت و بہادری کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے دشمنوں کے بادشاہ کو قتل کر ڈالا، جس کے باعث ان کا سارا لشکر ذلیل و رسوا ہو گیا۔ کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ اہل ایمان کو عزو شرف اور بہت سا مال غنیمت نصیب ہوا۔ دشمنوں کی ایک بڑی تعداد قید کر لی گئی اور اہل ایمان کو اہل کفر پر غلبہ حاصل ہو گیا۔

(۱) [آل عمران : 123]

حضرت داود علیہ السلام

نام ونسب

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: داود بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عمیناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

صفات واخلاق

وہب بن منبہؒ نے بیان کیا ہے کہ داود علیہ السلام کا قد چھوٹا' آنکھیں نیلی' بال کم اور دل انتہائی پاکیزہ تھا۔ جب آپ نے دورانِ جنگ جالوت کو قتل کر دیا تو بنی اسرائیل میں آپ کو بہت بلند مقام ومرتبہ حاصل ہو گیا۔ بالآخر آپ کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے بھی نواز دیا اور یوں نبوت وبادشاہت ایک ہی شخص میں جمع کر دی گئی، جبکہ اس سے پہلے نبوت ایک خاندان میں اور بادشاہت دوسرے خاندان میں ہوا کرتی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ... عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''داود (علیہ السلام) کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود (علیہ السلام) کو مملکت وحکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے۔''(۱)

امام ابن جریرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ جالوت نے طالوت کو دعوتِ مبارزت دی کہ یا تم میری طرف آؤ یا میں تمہاری طرف آتا ہوں۔ اس پر طالوت نے اپنی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس چیلنج کو کون قبول کرے گا؟ تو داود علیہ السلام آگے بڑھے اور انہوں نے جالوت کا خاتمہ کر دیا۔(۲)

وہب بن منبہؒ نے فرمایا ہے کہ جب لوگوں نے داؤد علیہ السلام کی بہادری دیکھی تو طالوت کی بادشاہت ختم کر کے آپ کو بادشاہ بنا لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو اس وقت کے نبی شمویل علیہ السلام نے بادشاہ مقرر کیا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کو جنگ سے پہلے ہی بادشاہ نامزد کر دیا گیا تھا۔ تاہم جمہور نے پہلی رائے کو ہی اختیار کیا ہے۔

آپ پر اللہ کے انعامات

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ ... اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾

---

(۱) [البقرۃ: 251]

(۲) [تفسیر طبری (844/2)]

''اور ہم نے داود پر اپنا فضل کیا' اے پہاڑو! اس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم ہے) اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا۔ کہ تو پوری پوری زرہیں بنا اور جوڑوں میں اندازہ رکھ' تم سب نیک کام کیا کرو۔ (یقین مانو) کہ میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں۔''(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ ﴿ وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَ الطَّیْرَ وَ کُنَّا فٰعِلِیْنَ ... شٰکِرُوْنَ ﴾ ''اور ہم نے پہاڑ داؤد کے تابع کر دیئے جو تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی۔ ہم کرنے والے ہی تھے۔ اور ہم نے اسے تمہارے لیے لباس بنانے کی کاریگری سکھائی تا کہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو۔ کیا تم شکر گزار بنو گے؟''(۲)

اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے حفاظت کی غرض سے لوہے کی زرہیں بنانے میں داود علیہ السلام کی مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہیں بنانے کا طریقہ بھی سکھایا جیسا کہ فرمایا کہ ''اور جوڑوں میں اندازہ رکھ۔'' مجاہدؒ، قتادہؒ، حکمؒ اور عکرمہؒ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کیل نہ تو اتنا باریک ہو کہ برقرار نہ رہ سکے اور نہ ہی اتنا موٹا ہو کہ اسے توڑ ہی ڈالے۔

اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کے لیے لوہے کو اس طرح نرم کر دیا تھا کہ آپ اسے اپنے ہاتھ سے ہی موڑ لیتے تھے۔ قتادہؒ نے بیان کیا ہے کہ آپ کو زرہیں بنانے کے لیے لوہے کو گرم کرنے یا ہتھوڑے استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی' آپ ٹھنڈے لوہے سے ہی جو چاہتے بنا لیتے تھے۔ لوہے کی زرہ سب سے پہلے آپ نے ہی بنائی تھی' پہلے دفاع کے لیے لوہے کے تختے ہی استعمال کیے جاتے تھے۔ ابن شوذب نے کہا ہے کہ آپ ہر روز ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اسے 6 ہزار درہم میں فروخت کر دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''انسان کے لیے سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جسے وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے۔''(۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ... وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ ''اور ہمارے بندے داود (علیہ السلام) کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا' یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں۔ اور پرندوں کو بھی جمع ہو کر' سب کے سب اس کے زیر فرمان رہتے۔ اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا۔''(٤)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہدؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ قوت و طاقت سے مراد عبادت کرنے اور اللہ کے احکام کی پابندی کرنے کی طاقت ہے۔ قتادہؒ نے بیان کیا ہے کہ داود علیہ السلام کو عبادت و ریاضت کی قوت اور دین کا

---

(۱) [سبا: 10-11]

(۲) [الانبیاء: 79-80]

(۳) [بخاری (2073) کتاب البیوع: باب کسب الرجل وعمله بیده]

(٤) [ص: 17-20]

فہم عطا کیا گیا تھا۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داود علیہ السلام کی نماز ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزے بھی داود علیہ السلام کے ہیں۔ آپ آدھی رات آرام فرماتے' پھر ایک تہائی رات قیام فرماتے اور پھر رات کے چھٹے یعنی آخری حصے میں سو جاتے اور آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے۔ جب آپ دشمن کے سامنے آتے تو بھاگتے نہیں تھے (بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے)۔''(۱)

خوبصورت آواز

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں۔'' آپ کی آواز بہت عمدہ اور سریلی تھی۔ جب آپ زبور کی تلاوت فرماتے تو اُڑتے ہوئے پرندے بھی آپ کی آواز سن کر تسبیح میں مصروف ہو جاتے اور اسی طرح جب آپ صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے تو آپ کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح خوانی شروع کر دیتے۔

امام اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ داود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر اچھی آواز عطا فرمائی تھی کہ اگر جنگلی جانور اور پرندے بھی آپ کی آواز سن لیتے تو آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ وہبؒ نے بیان کیا ہے کہ آپ کی آواز جو بھی سنتا اس پر رقص کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ اس قدر سریلی آواز سے زبور کی تلاوت فرماتے کہ کسی کان نے کبھی ایسی آواز نہ سنی ہوتی۔ آپ کی خوبصورت آواز سن کر جن وانس اور پرند وچرند (سب) اپنی توجہ آپ کی طرف کر لیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ ''اسے داود علیہ السلام کی آواز کا ایک حصہ دیا گیا ہے۔''(۲)

داود علیہ السلام کو جہاں نہایت عمدہ آواز عطا فرمائی گئی تھی وہاں اس صفت سے بھی متصف کیا گیا تھا کہ آپ بہت جلد تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''داود علیہ السلام کے لیے تلاوت کو آسان بنا دیا گیا تھا' آپ اپنی سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور سواری کے تیار ہونے سے پہلے ہی پورا قرآن (یعنی زبور) پڑھ لیا کرتے تھے اور آپ صرف اپنے

(۱) [بخاری (3420) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب أحب الصلاة الی الله صلاة داود ، ابو داود (2448) کتاب الصوم : باب فی صوم یوم وفطر یوم ، ابن ماجه (1712) کتاب الصیام : باب ما جاء فی صیام داود ، نسائی (1630) کتاب قیام اللیل : باب ذکر صلاة نبی الله داود ، مسند احمد (6203) السنن الکبری للبیهقی (3/3) مصنف عبد الرزاق (295/4) السنن الکبری للنسائی (118/2) دارمی (1806) ابو عوانة (1760)]

(۲) [مسند احمد (167/6)]

ہاتھوں سے کمائی ہوئی چیز ہی کھاتے تھے۔''(۱)

واضح رہے کہ آپ کی یہ تلاوت خشوع وخضوع کے ساتھ ہوتی تھی اور حدیث میں مذکور قرآن سے مراد زبور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ ''اور ہم نے داود (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔''(۲) زبور معروف آسمانی کتاب ہے جو داود علیہ السلام پر ماہِ رمضان میں نازل کی گئی تھی۔ اس میں نصیحت وحکمت کی باتیں تھیں۔

قوتِ فیصلہ

آپ کو عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک نعمت قوتِ فیصلہ بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا۔''(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو آدمی ایک گائے کا معاملہ لے کر داود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے گائے چھین لی ہے۔ مدعا علیہ نے اس سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان کا معاملہ رات تک مؤخر کر دیا۔ رات کے وقت اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور مدعی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ صبح ہوئی تو آپ نے مدعی کو اللہ کی وحی کے متعلق بتایا اور اسے سچی بات بتانے کو کہا۔ اس نے کہا کہ میں اپنے دعوے میں بالکل سچا ہوں البتہ میں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ پھر آپ نے بطورِ سزا اس کے قتل کا فرمان جاری کر دیا۔ آپ کے اس فیصلے سے بنی اسرائیل کی نظر میں آپ کا مقام مزید بلند ہو گیا اور وہ آپ کی اطاعت میں اور بھی زیادہ ہو گئے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا۔'' فرمانِ نبوی ہے کہ ''گواہ و دلیل لانا مدعی کی ذمہ داری ہے اور انکار کرنے والے (یعنی مدعا علیہ) کے ذمہ قسم ہے۔''(٤) مجاہدؒ اور سدیؒ نے فرمایا ہے کہ ''بات کا فیصلہ کرنا'' سے مراد معاملات کو نہایت باریک بینی سے سمجھ کر ان کا صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق ہے۔(٥)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ... لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴾ ''اور

(۱) [بخاری (4713) کتاب التفسیر : باب قوله و آتینا داود زبورا]

(۲) [النساء : 163]

(۳) [ص : 20]

(٤) [صحیح : ارواء الغلیل (1938) صحیح الجامع الصغیر (2897) ترمذی (1341) کتاب الأحکام : باب ما جاء فی أن البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر ، المشکاۃ (3758) السنن الکبری للبیهقی (279/8) دارقطنی (4565) مسند شافعی (865)]

(٥) [تفسیر طبری (165/2)]

کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی بھی خبر ملی ہے؟ جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے۔ جب وہ داود (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو یہ ان سے ڈر گئے۔ انہوں نے کہا خوف نہ کیجئے! ہم مقدمہ کے دو فریق ہیں' ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے۔ (سنئے) یہ میرا بھائی ہے' اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے' لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے اور مجھ پر بات میں بڑی سختی برتتا ہے۔ آپ نے فرمایا' اس کا دنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بے شک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور اکثر حصہ دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں' سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں اور داود (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے' پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے اور (پوری طرح) رجوع کیا۔ پس ہم نے بھی ان کا وہ (قصور) معاف کر دیا' یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں۔''(۱)

اس واقعہ کے ضمن میں مفسرین نے مختلف واقعات ذکر فرمائے ہیں جن میں سے اکثر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں اور یقیناً ان میں سے کچھ جھوٹے ہیں اس لیے ہم یہاں قصداً انہیں ذکر نہیں کر رہے اور قرآنی عبارت پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ ... يَوْمَ الْحِسَابِ ﴾ ''اے داود! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا' تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی' یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔''(۲)

اس آیت میں اگرچہ مخاطب داود علیہ السلام ہیں مگر مراد وہ تمام حکمران ہیں جن کی ذمہ داری لوگوں کے مابین فیصلے کرنا ہے۔ انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے فیصلوں میں عدل سے کام لیں' اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کی اتباع کریں اور دلی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ان لوگوں کے لیے زجر و توبیخ بھی ہے جو ان تعلیمات کے خلاف فیصلے کرتے ہیں۔ داود علیہ السلام اپنے زمانے میں عدل و انصاف' عبادات کی کثرت اور دیگر تمام اچھے اُمور کی انجام دہی میں تمام لوگوں کے لیے ایک کامل ترین اسوہ و نمونہ تھے۔ دن اور رات کا شاید ہی کوئی ایسا وقت ہو جس میں آپ کے گھر کا کوئی فرد عبادت میں مصروف نہ ہو۔ اسی باعث اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿ اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ ''اے آل داود! اس (عبادت و ریاضت کی توفیق) کے شکر کے طور پر نیک عمل کرو'

(۱) [ص : 21-25]

(۲) [ص : 26]

میرے بندوں میں سے شکر گزار کم ہی ہیں۔‘‘(۱)

آپ کی عمر اور وفات

تخلیقِ آدم علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد نکالی تو انہیں اپنی اولاد میں ایک روشن چہرے والا شخص نظر آیا تو پوچھا اے پروردگار! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ’’یہ تیرا بیٹا داود ہے۔‘‘ پھر پوچھا‘ اے پروردگار! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ’’60 برس۔‘‘ عرض کیا کہ اے پروردگار! اس کی عمر بڑھا دے۔ فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا‘ ہاں تیری عمر میں کمی کر کے اس کی عمر بڑھائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے اپنی ایک ہزار برس عمر میں سے 40 برس داود علیہ السلام کو دے دیئے۔ پھر (دنیا میں آنے کے بعد) جب آدم علیہ السلام کی عمر (960 برس) پوری ہوئی اور ملک الموت تشریف لائے تو انہوں نے کہا‘ ابھی تو میری عمر کے 40 برس باقی ہیں۔ وہ بھول گئے کہ اپنی عمر کے 40 برس تو وہ اپنے بیٹے داود کو دے چکے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال مکمل کر دی اور داود علیہ السلام کی عمر بھی پورے 100 سال کر دی۔(۲)

آپ کی وفات کے سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’داود علیہ السلام بہت غیرتمند انسان تھے۔ جب وہ گھر سے نکلتے تو تمام دروازے بند کر دیتے تاکہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی گھر میں داخل نہ ہو سکے۔ ایک روز جب آپ دروازہ بند کر کے گھر سے نکلے تو آپ کی بیوی نے گھر میں ایک آدمی کو دیکھا۔ اس نے گھر کے دوسرے افراد سے اس کے متعلق پوچھا اور کہا کہ اللہ کی قسم! داود علیہ السلام تو ہمیں رسوا کر دیں گے۔ اسی دوران آپ گھر میں تشریف لے آئے اور اس آدمی کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا‘ میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور رکاوٹیں جس کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ داود علیہ السلام سمجھ گئے اور کہا کہ تب تم موت کے فرشتے ہی ہو اور مجھے اللہ کا حکم قبول ہے۔ پھر آپ کی روح قبض کر لی گئی‘ آپ کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا۔ اتنے میں دھوپ نکل آئی تو سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو اپنے پروں کے ذریعے زمین پر سایہ کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے سایہ کر دیا حتی کہ اندھیرا چھا گیا۔ تب سلیمان علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اپنا ایک ایک پر سمیٹ لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا کہ پرندوں نے کیسے سایہ کیا تھا اور آپ نے اپنا ایک بازو سمیٹ لیا۔(۳)

---

(۱) [سبا : 13]

(۲) [مسند احمد (252/1)]

(۳) [مسند احمد (419/2)]

نام ونسب

حافظ ابن عساکرؒ نے آپ کا نسب نامہ یوں ذکر فرمایا ہے: سلیمان بن داود بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عمیناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔

داود علیہ السلام کی جانشینی

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو داود علیہ السلام کی نبوت و بادشاہت کا جانشین بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَ قَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴾ "اور داود کے وارث سلیمان ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں سب کچھ عطا کیا گیا ہے بلاشبہ یہ بالکل کھلا فضل الٰہی ہے۔"(۱)

اس آیت میں داود کے وارث ہونے سے مراد ان کی نبوت اور بادشاہت میں وارث ہونا ہے یہاں مالی وراثت مراد نہیں۔ کیونکہ داود علیہ السلام کے اور بیٹے بھی تھے اور ان سب کو محروم کر کے صرف سلیمان علیہ السلام کو وراثت دینا قطعاً ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم وارث نہیں بنائے جاتے اور ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔"(۲) ایک دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "ہم انبیاء کی جماعت وارث نہیں بنائی جاتی۔"(۳) لہٰذا انبیاء کی وفات کے بعد ان کا مال اقرباء میں تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ غرباء و مساکین کے حق میں صدقہ کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک دنیا بہت حقیر ہے جیسے اس کے نزدیک حقیر ہے جس نے انہیں مبعوث فرمایا ہے۔

سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے کہا "ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔" یعنی پرندے جو کچھ بھی بولتے تھے سلیمان علیہ السلام اسے سمجھ لیتے تھے۔ "اور ہمیں سب کچھ عطا کیا گیا ہے۔" اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی ملک پر حکمرانی کے لیے درکار ہوتی ہے جیسے اسلحہ، افواج، ساز و سامان، جنات، انسان، پرندے، تمام حیوانات کی جماعتیں، علم وفنون

(۱) [النمل : 16]

(۲) [مسلم (1757) کتاب الجھاد : باب حکم الفیء]

(۳) [مسند احمد (49/1)]

اور ہر قسم کی مخلوقات کی باتیں سمجھنے اور انہیں سمجھانے کی قوت وطاقت وغیرہ۔" بلاشبہ یہ بالکل کھلا فضل الٰہی ہے۔"

بے مثل حکمرانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ ... عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾

"سلیمان (علیہ السلام) کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات، انسان اور پرند میں سے جمع کیے گئے (ہر ہر قسم کی) الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی۔ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ' ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔ اس کی اس بات سے سلیمان (علیہ السلام) مسکرا کر ہنس پڑے اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہیں اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے' مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔"(۱)

اللہ تعالیٰ اپنے نبی و رسول کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ ایک روز انہوں نے جن و انس اور پرندوں میں سے اپنے تمام لشکر جمع کیے اور کسی مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہر قسم کے لشکر پر کوئی نہ کوئی امیر مقرر تھا جو اپنے ماتحتوں کی نگرانی کرتا تھا۔ جب وہ سب چیونٹیوں کی وادی سے گزرنے لگے تو ایک چیونٹی نے کہا "اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ' ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔" سلیمان علیہ السلام نے اس کی یہ بات سن لی اور اس پر مسکرا دیئے۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ سلیمان علیہ السلام سے پہلے تمام جانور اور انسان ایک دوسرے کی زبان سمجھ لیتے تھے' بعد میں سلیمان علیہ السلام نے جانوروں سے وعدہ لیا کہ وہ انسانوں سے گفتگو نہ کریں' اس لیے آج ہم ان کی گفتگو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ تمام باطل اوہام وخیالات ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور اگر بالفرض اسے تسلیم کر لیا جائے تو پھر سلیمان علیہ السلام کا دوسرے انسانوں سے امتیاز کیا ہوا؟ پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ جانوروں کو انسانوں سے گفتگو کرنے سے روکنے میں سلیمان علیہ السلام کا کیا فائدہ تھا؟ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا یہ خاصہ تھا کہ آپ جانوروں کی زبان سمجھ لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ چیونٹی کی بات سن کر جہاں آپ مسکرا دیئے وہاں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ "اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہیں اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے' مجھے

---

(۱) [النمل: 17-19]

اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کرلے۔'' بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کے والدین سے مراد آپ کی عبادت گزار اور نیک والدہ اور داود علیہ السلام ہیں۔

ہدہد اور ملکہ بلقیس

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ ... أَذِلَّةً وَّ هُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾ ''انہوں (یعنی سلیمان علیہ السلام) نے پرندوں کا جائزہ لیا اور فرمانے لگے کہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا یا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟ یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا' یا اسے ذبح کر ڈالوں گا' یا میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے۔ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے آ کر کہا' میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ جس کی تجھے خبر نہیں' میں سبا کی ایک سچی خبر تیرے پاس لایا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان کی حکمرانی ایک عورت کے ہاتھ میں ہے جسے کچھ نہ کچھ ہر طرح کی چیز عطا کی گئی ہے اور اس کا تخت بھی بڑا عظیم ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا' شیطان نے انہیں ان کے کام اچھے کر کے دکھلائے ہیں اور صحیح راہ سے روک دیا ہے' پس وہ ہدایت پر نہیں آتے۔ کہ اسی اللہ کے لیے سجدے کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہی عظیم عرش کا مالک ہے۔ سلیمان (علیہ السلام) نے کہا' اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔ میرے اس خط کو لے جا کر انہیں دے دے' پھر ان کے پاس سے لوٹ آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ وہ (ملکہ سبا خط ملنے کے بعد) کہنے لگی اے سردارو! میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔ جو سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے۔ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ۔ اس نے کہا اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو' میں کسی امر کا قطعی فیصلہ اس وقت تک نہیں کیا کرتی جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو۔ ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ ہمیں آپ کیا حکم فرماتی ہیں۔ اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اُجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ میں انہیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں' پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں؟ پس جب قاصد سلیمان (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا' کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے' پس تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو۔ جا ان کی طرف واپس لوٹ جا' ہم ان (کے مقابلہ) پر وہ لشکر لائیں گے جن کا سامنا کرنے کی ان

میں طاقت نہیں اور ہم انہیں ذلیل ورسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے۔"(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہدہد اور ملکہ بلقیس کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندے بھی شامل تھے لہٰذا ہر پرندے کو اپنے اپنے وقت پر سلیمان علیہ السلام کے پاس لایا جاتا تھا۔ آپ اس کی ذمہ داری لگاتے اور وہ اسے سرانجام دیتا تھا۔ ہدہد کی ذمہ داری یہ تھی کہ جب دورانِ سفر صحراء وغیرہ میں پانی میسر نہ ہوتا تو وہ بتاتا کہ زمین کے کس حصے میں پانی مل سکتا ہے' پھر اس کی بتائی ہوئی جگہ کو کھودا جاتا تو پانی نکل آتا۔ ایک روز جب سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو طلب کیا تو بتایا گیا کہ وہ حاضر نہیں تو آپ نے فرمایا "یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا یا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟ یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا' یا اسے ذبح کر ڈالوں گا' یا میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے۔"

آپ نے اس کی غیر حاضری پر ناراضگی کا اظہار کیا اور اس کے لیے سزا کا اعلان کر دیا' لیکن ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بیان کر دے تو پھر اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ کچھ ہی دیر میں ہدہد آ گیا اور کہنے لگا "میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ جس کی تجھے خبر نہیں' میں سبا کی ایک سچی خبر تیرے پاس لایا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان کی حکمرانی ایک عورت کے ہاتھ میں ہے جسے کچھ نہ کچھ ہر طرح کی چیز عطا کی گئی ہے اور اس کا تخت بھی بڑا عظیم ہے۔" ہدہد نے سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا اور اس کی حکومت کے متعلق خبر دی۔ یہ علاقہ یمن میں تھا اور اس دور میں اس کی حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں تھی' اس کا سبب یہ تھا کہ اس سے پہلے بادشاہ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ایران پر ایک عورت کی حکومت قائم ہو گئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ قوم کبھی فلاح یاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے معاملات کی نگران کسی عورت کو بنا لیا۔"(۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "جسے کچھ نہ کچھ ہر طرح کی چیز عطا کی گئی ہے۔" مطلب یہ ہے کہ اسے ہر وہ چیز عطا کی گئی ہے جو حکمرانوں کے پاس ہوتی ہے۔ "اور اس کا تخت بھی بڑا عظیم ہے۔" بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے تخت میں بہت قیمتی جواہرات' ہیرے' موتی اور سونا وغیرہ لگا ہوا تھا۔ پھر ہدہد نے سلیمان علیہ السلام کو یہ بھی بتایا کہ وہاں کے لوگ اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پوجا کرتے ہیں اور یقیناً شیطان نے ہی انہیں اُس پروردگار کی عبادت سے دور کر رکھا ہے جو آسمانوں اور زمین کی مخفی اشیاء باہر نکالتا ہے اور وہ ظاہری اور پوشیدہ تمام اشیاء سے باخبر ہے۔ پھر اس نے کہا

---

(۱) [النمل : 20-37]

(۲) [بخاری (4425) کتاب المغازی : باب کتاب النبی الی کسری وقیصر ، نسائی (5388) کتاب آداب القضاۃ: باب النہی عن استعمال النساء فی الحکم ، ترمذی (2262) کتاب الفتن : باب ، مسند احمد (19507) مصنف ابن ابی شیبۃ (711/8) السنن الکبری للبیہقی (90/3) السنن الکبری للنسائی (465/3) مستدرک حاکم (4585) صحیح ابن حبان (4599) مسند طیالسی (909)]

''اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہی عظیم عرش کا مالک ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش ہی فی الحقیقت سب سے بڑا ہے جس کے برابر کوئی دوسری چیز نہیں۔

ہدہد کی یہ ساری گفتگو سن کر سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کی طرف خط بھیجا جس میں اسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کر لینے کی تلقین کی اور فرمایا'' کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آجاؤ۔'' یعنی میری تابعداری میں آجاؤ۔ جب ہدہد یہ خط لے کر ملکہ کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے وزیروں اور مشیروں کو جمع کر لیا تا کہ اس کے متعلق ان سے مشورہ کرے اور کہا'' اے سردارو! میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔'' پھر خط بھیجنے والے کے متعلق یوں بتایا کہ'' یہ (خط) سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے۔'' پھر انہیں خط میں لکھی ہوئی تحریر یوں سنائی کہ'' وہ بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے۔ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آجاؤ۔''

پھر ملکہ سبا اپنے وزیروں سے یوں مشورہ کرنے لگی کہ'' اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو' میں کسی امر کا قطعی فیصلہ اس وقت تک نہیں کیا کرتی جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو۔'' ان سب نے جواب دیا کہ'' ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ ہمیں آپ کیا حکم فرماتی ہیں۔'' یعنی اس کے وزیروں کا اشارہ اس طرف تھا کہ ہم بھی قوت والے ہیں اس لیے ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن ملکہ فہم وفراست میں ان سے بڑھ کر تھی اور وہ اندازِ تحریر سے سمجھ چکی تھی کہ اس قسم کا خط بھیجنے والے کیا کچھ کر سکتے ہیں تو اس نے کہا'' بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اُجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔''

وہ یہ جان چکی تھی کہ اگر یہ بادشاہ ہمارے ملک پر قابض ہو گیا تو سب سے پہلے وہی اس کے غضب کا شکار ہو گی اس لیے اس نے ایک تدبیر آزمانے کی کوشش کی اور کہا'' میں انہیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں' پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔'' اس نے سوچا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کو کچھ تحائف کی صورت میں رشوت دے کر اپنی حکومت بچا لے گی لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ آپ تو اللہ کے نبی ہیں جو کبھی بھی کفر کے ساتھ صلح کا رویہ اختیار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب اس کا قاصد آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا'' کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے' پس تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو۔'' پھر آپ نے اس سے کہا'' جا ان کی طرف واپس لوٹ جا' ہم ان (کے مقابلہ) میں وہ لشکر لائیں گے جس کا سامنا کرنے کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انہیں ذلیل ورسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے۔''

جب قاصد نے آپ کا یہ پیغام ملکہ سبا تک پہنچا دیا تو ملکہ اور اس کے تمام وزراء کے پاس آپ کی اطاعت قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا' چنانچہ انہوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی اور اس کے اظہار کے لیے سب آپ کی طرف روانہ بھی ہو گئے۔ جب آپ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنے پاس موجود تابع فرمان جنوں سے مخاطب ہو کر کہا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمَلَؤُا۟ أَيُّكُمْ يَأْتِينِى بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِى مُسْلِمِينَ ... مَعَ سُلَيْمَٰنَ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾ ''اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو ان کے مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لا دے۔ ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا' آپ اس مجلس سے اٹھیں اس سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں' یقین مانئے کہ میں اس پر قادر ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا کہ آپ کے پلک جھپکنے سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔ جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے یہی میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری' شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پرواہ اور بزرگ ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کے تخت کی صورت کو تبدیل کر دو تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ راہ پاتی ہے یا ان میں سے ہو جاتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا کہ تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گویا وہی ہے' ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے۔ (سلیمان علیہ السلام نے) اسے اس سے روک دیا جس کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہی تھی' یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی جاؤ' جسے دیکھ کر اس نے یہ سمجھا کہ یہ حوض ہے تو اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں' فرمایا کہ یہ تو شیشے سے بنی ہوئی عمارت ہے' کہنے لگی میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اب میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں۔''(۱)

جب سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں موجود جنات سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے پہلے اس کا تخت لے آئیں تو ایک طاقتور جن نے کہا ''آپ اس مجلس سے اٹھیں اس سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔'' آپ کا معمول تھا کہ آپ مختلف اُمور کے فیصلے کرنے کے لیے صبح سے دوپہر تک دربار لگایا کرتے تھے۔ اس جن نے آپ سے یہ بھی کہا کہ ''یقین مانئے کہ میں اس پر قادر ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔'' چونکہ بلقیس کے تخت میں بہت سے قیمتی جواہرات لگے ہوئے تھے اس لیے اس نے کہا کہ میں امانت دار ہوں یعنی میں کسی قسم کی خیانت کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ وہیں پر ایک ایمان دار جن بھی موجود تھا' وہ بولا کہ ''آپ کے پلک جھپکنے سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔'' اور پھر اس نے ایسا کر بھی دکھایا کہ اچانک تخت یمن سے بیت المقدس میں پہنچ چکا تھا۔

---

(۱) [النمل: 38-44]

جب آپ نے اسے اپنے سامنے پایا تو فرمانے لگے "یہی میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری' شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پرواہ اور بزرگ ہے۔" یعنی اگر کوئی اس کا شکر نہیں کرتا تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اور اسی طرح اگر کوئی اس کا شکر کرتا ہے تو پھر بھی اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو آزمانے کے لیے حکم دیا کہ تخت کی آرائش و زیبائش میں کچھ تبدیلی کر دی جائے تا کہ اس کی فہم و فراست کا اندازہ لگایا جا سکے کہ وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا نہیں۔ جب وہ سلیمان علیہ السلام کے دربار میں آ گئی تو اس سے پوچھا گیا "تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے؟" تو اس نے جواب دیا کہ "یہ گویا وہی ہے۔" بلقیس کا خیال تھا کہ یہ اس کا تخت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو اپنا تخت یمن میں چھوڑ آئی ہے اور اس کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ جس طرح کی ہنرمندی کا مظاہرہ اس کے تخت پر کیا گیا ہے وہ کہیں اور نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق خبر دی کہ انہوں نے کہا "ہمیں (اس کی آمد کا) پہلے سے ہی علم تھا اور ہم فرمانبردار ہیں۔" پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ "(سلیمان علیہ السلام نے) اسے اس سے روک دیا جس کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہی تھی' یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔" یعنی وہ لوگ محض اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں سورج کی پرستش کر رہے تھے اور اس پر ان کے پاس کوئی بھی دلیل موجود نہیں تھی اس لیے سلیمان علیہ السلام نے اسے اس کام سے روک دیا۔

سلیمان علیہ السلام نے صاف شفاف شیشے کا ایک محل تعمیر کرایا تھا۔ اس کے نیچے پانی بہہ رہا تھا' جس میں مچھلیاں اور دیگر آبی جانور موجود تھے۔ جب ملکہ بلقیس آئی تو اسے اس محل میں داخل ہونے کے لیے کہا گیا تو اس نے اسے حوض سمجھ کر اپنی پنڈلیوں سے کپڑا کھول دیا۔ تب اس سے کہا گیا کہ یہ تو شیشے سے بنا ہوا محل ہے تو وہ بولی "میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا' اب میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں۔"

سلیمان علیہ السلام کا مقام و مرتبہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ... لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴾
"اور ہم نے داود (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) عطا فرمایا' جو بہت اچھا بندہ اور بے حد رجوع کرنے والا تھا۔ جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو خاصے گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو کہنے لگے' میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی' یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا۔ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ! پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا' پھر

اس نے رجوع کیا۔ کہا کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو' تو بڑا ہی عطا کرنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔ اور (طاقتور) جنات کو بھی (ان کے ماتحت کر دیا) ہر عمارت بنانے والے اور غوطہ خور کو۔ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔ یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو احسان کر یا روک رکھ' کچھ حساب نہیں۔ ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔"(۱)

ایک روز شام کے قریب سلیمان علیہ السلام کے پاس بہت اچھے گھوڑے لائے گئے۔ آپ انہیں دیکھنے میں اتنے مصروف ہو گئے کہ نماز عصر کا وقت ختم ہو گیا۔ آپ نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ یہ امکان بھی ہے کہ آپ کی شریعت میں نماز میں تاخیر کے جواز کے لیے ایسا عذر معقول ہو۔ کچھ علما نے اس آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے گھوڑے دوڑائے، جب گھوڑے بہت دور نکل گئے حتی کہ نظروں سے اوجھل ہونے لگے تو آپ نے انہیں واپس لانے کا حکم دیا اور پھر آپ شفقت سے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

بیت المقدس کی تعمیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَٰنَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِۦ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴾ "اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا' پھر اس نے رجوع کیا۔"(۲)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں جن میں سے اکثر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ وغیرہ نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام 40 دن اپنے تخت سے غائب رہے اور جب واپس تشریف لائے تو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم دیا اور اس کی عمارت بہت مضبوط بنوائی۔ درست قول کے مطابق پہلے یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر فرمائی' پھر آپ نے بھی اسے تعمیر کیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسجد حرام۔" میں نے عرض کیا' پھر کون سی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسجد بیت المقدس۔" پھر میں نے عرض کیا کہ ان دونوں کا درمیانی عرصہ کتنا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "40 برس۔"(۳)

---

(۱) [ص : 30-40]

(۲) [ص : 34]

(۳) [بخاری (3366) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى واتخذ الله ابراهيم خليلا' مسلم (520) كتاب المساجد : باب المساجد ومواضع الصلاة' مسند احمد (150/5)]

یہاں اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ ابراہیم اور سلیمان علیہما السلام کا درمیانی عرصہ 40 برس نہیں بلکہ ہزار سال سے بھی زیادہ ہے اور آپ نے یہ دعا ''آپ جیسی بادشاہت کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو'' بیت المقدس کی تعمیر کے بعد کی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کے بعد اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں، جن میں سے دو تو قبول ہوگئیں لیکن ایک قبول نہ ہوئی۔ تیسری نعمت کے متعلق امید ہے کہ وہ ہمیں (یعنی امت محمد کو) نصیب ہوگی۔ سلیمان علیہ السلام نے ایک دعا یہ فرمائی کہ ان کا فیصلہ اللہ کے فیصلے کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمالی۔ انہوں نے دوسری دعا یہ فرمائی کہ مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قبول فرمالی۔ انہوں نے تیسری دعا یہ فرمائی کہ جو شخص اپنے گھر سے اس مسجد میں نماز کے ارادے سے نکلے وہ گناہوں سے ایسے پاک ہوجائے جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا (تو وہ پاک تھا)۔ امید ہے کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے قبول فرمالی ہے۔''(۱)

پرحکمت فیصلے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے داود اور سلیمان علیہما السلام کے فیصلے کے متعلق ان کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ... حُكْمًا وَّ عِلْمًا ﴾ ''اور داود اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جبکہ وہ کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کررہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چر چگ گئی تھیں اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے۔ ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا، ہاں ہر ایک کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا۔''(۲)

قاضی شریح اور دیگر سلف کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں کا انگوروں کا باغ تھا۔ کچھ دوسرے لوگوں کی بکریاں رات کے وقت ان کے باغ میں آئیں اور اسے نقصان پہنچا گئیں۔ وہ یہ معاملہ لے کر داود علیہ السلام کے پاس آئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بکریوں والے باغ کے نقصان کے مطابق رقم باغ والوں کو ادا کریں۔ پھر ان لوگوں کی سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے داود علیہ السلام کا فیصلہ ذکر کردیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا کہ بکریاں باغ والوں کے سپرد کردی جائیں اور وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائیں اور بکریوں والے باغ کی اسی

---

(۱) [صحیح : صحیح ابن ماجہ، ابن ماجہ (1408) کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها : باب ما جاء فی الصلاة فی مسجد بیت المقدس، مسند احمد (176/2) حاکم (3/1)]

(۲) [الانبیاء : 78-79]

طرح اصلاح کردیں جیسے وہ پہلے تھا' تب وہ اپنی بکریاں واپس لے لیں۔ جب داود علیہ السلام کو اس فیصلے کی خبر ملی تو انہوں نے اسی فیصلے کو نافذ کر دیا اور پہلا فیصلہ منسوخ قرار دے دیا۔

اس طرح کا ایک واقعہ صحیحین میں بھی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو عورتیں چل رہی تھیں اور ان کے ساتھ اپنا اپنا بچہ بھی تھا۔ اتنے میں ایک بھیڑیا آیا اور ایک کے بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ دونوں میں سے ایک عورت نے کہا' بھیڑیا تمہارے بچے کو لے گیا ہے اور دوسری نے کہا' تمہارے بچے کو لے گیا ہے۔ دونوں اپنا مقدمہ داود علیہ السلام کے پاس لائیں۔ آپ نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ دونوں سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں اور انہیں اپنے جھگڑے کے متعلق بتایا۔ انہوں نے فرمایا کہ چھری لاؤ' میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ یہ سن کر چھوٹی عورت نے کہا' اللہ آپ پر رحم فرمائے! ایسا مت کیجئے' میں تسلیم کرتی ہوں کہ یہ بچہ بڑی کا ہی ہے۔ تب سلیمان علیہ السلام نے بچہ اسی چھوٹی کے حوالے کر دیا۔''(۱)

ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں دونوں کے فیصلے درست ہوں' البتہ زیادہ صحیح فیصلہ سلیمان علیہ السلام کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فہم و فراست کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ ... فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ ﴾ ''ہم نے ہر ایک کو حکم و علم دے رکھا تھا اور ہم نے پہاڑ اور پرند داود کے تابع کر دیئے تھے جو تسبیح کرتے تھے اور ہم ایسا کرنے والے ہی تھے۔ اور ہم نے اسے تمہارے لیے لباس بنانے کی کاریگری سکھائی تا کہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو' کیا تم شکر گزار بنو گے؟''(۲)

جنوں اور ہواؤں پر حکمرانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ ... لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴾ ''ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دیا جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور ہم ہر چیز سے باخبر اور دانا ہیں۔ اسی طرح بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کیے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے کام کرتے تھے' ان کے نگہبان ہم ہی تھے۔''(۳)

---

(۱) [بخاری (3427) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالی ووهبنا لداود سلیمان ، مسلم (1720) کتاب الاقضیة : باب اختلاف المجتهدین]

(۲) [الانبیاء : 79-80]

(۳) [الانبیاء : 81-82]

سورۂ ص میں ارشاد ہے کہ ﴿ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ... وَحُسْنَ مَآبٍ ﴾ ''پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔ اور (طاقتور) جنات کو بھی (ان کا ماتحت کر دیا) ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو۔ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔ یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو احسان کر یا روک رکھ' کچھ حساب نہیں۔ ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔''(۱)

جب سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی رضا کی خاطر گھوڑے چھوڑ دیے تو اللہ تعالیٰ نے بدلے میں آپ کو ہوا عطا فرما دی' جو بہت تیز' طاقتور اور عظیم تھی اور جس کی دیکھ بھال کی مشقت اٹھانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ ''وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔'' آپ کا تخت لکڑی سے بنا ہوا تھا لیکن اس میں اتنی وسعت تھی کہ تعمیر شدہ مکانات' محلات' خیمے' گھوڑے' اونٹ' انسان' جن اور دیگر ساز و سامان سب کچھ اس میں سما جاتا تھا اور آپ ہوا کے ذریعے دشمن کے خلاف جہاد وغیرہ کے لیے سفر کیا کرتے تھے۔ آپ ہوا کو جہاں بھی جانے کا حکم دیتے وہ آپ کو وہیں لے جاتی اور اسی طرح آپ ہوا کو جتنی رفتار سے بھی چلنے کا حکم دیتے وہ اسی رفتار سے چلتی۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ... عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴾ ''اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ جو کچھ سلیمان (علیہ السلام) چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں' اے آلِ داود! اس کے شکریہ میں نیک عمل کرو' میرے بندوں میں سے شکرگزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔''(۲)

اللہ تعالیٰ نے بہت سے کام کرنے والے جن سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے تھے' وہ نہ تو کام سے تھکتے تھے اور نہ ہی آپ کے حکم سے روگردانی کرتے تھے۔ ہاں جب کبھی کوئی جن آپ کی نافرمانی کرتا تو آپ اسے سزا بھی دیتے تھے۔ وہ آپ کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بناتے' دیواروں پر تصویریں بناتے' ممکن ہے تصویریں بنانا ان کی شریعت میں جائز ہو (مگر ہماری شریعت میں جائز نہیں) اسی طرح وہ بڑے بڑے حوض اور بڑی بڑی دیگیں بھی بناتے جو اپنی جگہ سے ہلتی

---

(۱) [ص : 36-40]

(۲) [سبا : 12-13]

نہیں تھیں۔ ان میں کھانا پکایا جاتا اور انسانوں اور جانوروں کو کھلایا جاتا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اے آلِ داود! اس کے شکریہ میں نیک عمل کرو' میرے بندوں میں سے شکرگزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اور (طاقتور) جنات کو بھی (ان کا ماتحت کر دیا) ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو۔ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔'' یعنی کچھ جنات کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ عمارتیں تعمیر کریں اور کچھ کی یہ تھی کہ وہ سمندروں میں غوطہ لگائیں اور وہاں سے ہیرے جواہرات اور موتی وغیرہ نکال کر لائیں۔ سب اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرتے' ہاں جب کوئی جن نافرمانی کرتا تو آپ اسے زنجیروں میں جکڑ دیتے۔ ان سب پر آپ کو حکمرانی حاصل تھی اور یہ آپ کی اس دعا کا نتیجہ تھا جو آپ نے ان الفاظ میں فرمائی تھی ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔''(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''گزشتہ شب ایک سرکش جن میرے سامنے آ گیا تاکہ میری نماز خراب کر دے' لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دے دی اور میں نے اسے پکڑ لیا۔ پھر میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ بھی اسے دیکھ سکو۔ لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی کہ ''اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔'' اس لیے میں نے اسے ذلیل ورسوا کر کے چھوڑ دیا۔''(۲)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''میں اللہ سے تیری پناہ پکڑتا ہوں اور تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔'' آپ نے تین مرتبہ یہ فرمایا اور ساتھ اپنا ہاتھ بھی آگے بڑھایا' گویا آپ کوئی چیز پکڑ رہے ہوں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے نماز میں آپ کو کچھ پڑھتے ہوئے سنا ہے جو پہلے نہیں سنا اور اسی طرح کچھ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کا دشمن ابلیس میرے منہ پر مارنے کے لیے آگ کا شعلہ لے کر آیا تو میں نے تین مرتبہ تعوذ پڑھا اور اسے کہا کہ میں تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔ جب تین مرتبہ یہ الفاظ کہنے

---

(۱) [ص : 35]

(۲) [بخاری (3423) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالی وھبنا لداود سلیمان ، موطا (1497) مسلم (842) کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ : باب جواز لعن الشیطان فی اثناء الصلاۃ' مسند احمد (7628) مصنف ابن ابی شیبۃ (449/5) مصنف عبد الرزاق (35/11) السنن الکبری للنسائی (237/3) مستدرک حاکم (4142) دلائل النبوۃ للبیھقی (302/1)]

کے باوجود وہ پیچھے نہ ہٹا تو میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ اللہ کی قسم! اگر میرے بھائی سلیمان علیہ السلام نے وہ دعا نہ کی ہوتی تو وہ صبح کو بندھا ہوا ہوتا اور اہل مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔''(۱)

ان شاء اللہ نہ کہنے کا انجام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ آج رات میں اپنی 70 بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر بیوی ایک شہسوار کو جنم دے گی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے گا۔ ان کے ساتھی نے ان شاء اللہ کہا لیکن انہوں نے نہ کہا۔ چنانچہ کسی بیوی کے ہاں بھی بچہ پیدا نہ ہوا' صرف ایک کے ہاں ہوا لیکن اس کی بھی ایک جانب بے کار تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو (سب کے ہاں بچے پیدا ہوتے جو بڑے ہوتے اور) اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔''(۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات میں 100 عورتوں کے پاس جاؤں گا اور ہر عورت ایک بچے کو جنم دے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ یہ بات کہتے ہوئے آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ پھر آپ اس رات 100 عورتوں کے پاس گئے لیکن ان میں سے صرف ایک عورت نے آدھے بچے کو جنم دیا۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ہر عورت ایک بچے کو جنم دیتی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا۔''(۳)

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو ایک عظیم الشان حکومت عطا فرمائی تھی۔ آپ انسانوں کے ہی نہیں بلکہ جنوں' جانوروں اور پرندوں کے بھی حاکم تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز عطا کر رکھی تھی۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ﴿ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ ''ہمیں سب کچھ عطا کیا گیا۔'' اور فرمایا ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حکومت عطا کر بھی دی اور یہ بھی اجازت دے دی کہ آپ اس میں سے کسی کو جو چاہیں عطا کر دیں اور جسے جس چیز سے چاہیں محروم کر دیں' یعنی آپ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں جیسے چاہیں تصرف

(۱) [مسلم (541) کتاب المساجد : باب جواز لعن الشیطان فی أثناء الصلاۃ ، نسائی (1216) کتاب السھو : باب ابلیس وتعوذ باللہ منہ فی الصلاۃ]

(۲) [بخاری (3424) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی ووھبنا لداود سلیمان ، مسلم (1654) کتاب الأیمان : باب الاستثناء فی الیمین وغیرھا]

(۳) [مسند احمد (275/2)]

کریں آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا۔ یہ ایک بادشاہ نبی کی شان ہے جبکہ ''عبد'' نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مال میں اسی طرح تصرف کر سکتا ہے جیسے اللہ نے حکم دیا ہو۔

ہمارے نبی محمد ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ چاہیں تو بادشاہوں جیسی شان وشوکت والے نبی بن جائیں یا عبد (یعنی عام بندوں کی طرح کے) نبی بن جائیں تو آپ نے عبد نبی بننے کو اختیار کر لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو تواضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا تو آپ نے عبودیت والا نبی بنا پسند کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت میں تا قیامت خلافت وحکومت رکھ دی اور آپ کی امت کا ایک گروہ تا قیامت غالب بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو جہاں دنیاوی نعمتیں عطا فرمائیں وہاں ان کے لیے اُخروی مقام ومرتبہ بھی مقرر فرما دیا' جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴾ ''ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔''(۱)

وفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴾ ''پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے' جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا۔ پس جب (سلیمان علیہ السلام) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔''(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک سال تک گھن کا کیڑا آپ کے عصا کو اندر سے کھاتا رہا' پھر آپ نیچے گرے۔ امام ابن جریرؒ کے بیان کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر 50 برس سے کچھ اوپر تھی۔ آپ کے بعد آپ کا بیٹا ''رحعام'' بادشاہ بنا اور 17 برس حکمران رہا۔ پھر بنی اسرائیل کی حکومت پارہ پارہ ہوگئی۔

(۱) [ص : 40]

(۲) [سبا : 14]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

قرآن میں مریم علیہا السلام کا ذکر

سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کی تردید فرمائی ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق میں سے ایک ہیں' اسی نے ان کی صورت بنائی ہے البتہ انہیں آدم علیہ السلام کی طرح بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔مزید برآں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم علیہا السلام کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ... بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم (علیہ السلام) کو' نوح (علیہ السلام) کو' ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان اور عمران (علیہ السلام) کے خاندان کو منتخب فرمایا۔ کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔ جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے' اسے میں نے تیرے نام پر آزاد کرنے کی نذر مانی' تو میری طرف سے قبول فرما! یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے۔ جب بچی کو جنم دیا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی' اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں' میں نے اس کا نام مریم رکھا' میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی۔ زکریا (علیہ السلام) کو اس کی خیر خبر لینے والا بنایا' جب بھی زکریا (علیہ السلام) اس کے حجرے میں جاتے تو اس کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے۔ وہ پوچھتے اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتی کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے' بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے۔''(۱)

یہاں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی شریعت کی پابند اور مخلص اولاد کو منتخب فرمایا۔ پھر ان میں بطورِ خاص آل ابراہیم علیہ السلام کو منتخب فرمایا جن میں اسماعیل علیہ السلام سرفہرست ہیں۔اس کے بعد ایک اور پاکیزہ گھرانے کا ذکر فرمایا جو عمران کا گھرانہ ہے اور عمران سے مراد مریم علیہا السلام کے والد ہیں۔عمران اور ان کی بیوی حنہ بنت فاقوذ دونوں اپنے زمانے کے بہت نیک اور عبادت گزار لوگوں میں سے تھے اور زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کی بہن ''اشیاع'' کے خاوند تھے۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ اشیاع ان کی بہن نہیں بلکہ خالہ تھی اور زکریا علیہ السلام خالو تھے۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [آل عمران : 33-37]

امام ابن اسحق" اور دیگر اہل علم کا بیان ہے کہ مریم علیہا السلام کی والدہ کو حمل نہیں ٹھہرتا تھا۔ایک روز اس نے ایک پرندہ دیکھا جو اپنے بچے کے منہ میں خوراک ڈال رہا تھا۔یہ دیکھ کر اس کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوئی تو اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے بچہ عطا فرمائیں گے تو وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دے گی۔اہل علم کا کہنا ہے کہ جب اس نے یہ نذر مانی تو اسے ایام شروع ہو گئے' پھر وہ پاک ہوئی تو اس کے شوہر نے اس سے ہم بستری کی' جس سے وہ حاملہ ہو گئی۔پھر جب مریم علیہا السلام کو جنم دیا تو کہنے لگی کہ" پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی' اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں۔" یعنی اسے امید تھی کہ لڑکا پیدا ہو گا لیکن جب لڑکی ہوئی تو وہ مایوس ہو گئی اور کہا کہ یہ تو لڑکی ہے اور اس کے ذریعے میری نذر بھی پوری نہیں ہو سکتی۔آیت کے ان الفاظ" میں نے اس کا نام مریم رکھا" سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے روز بھی بچے کا نام رکھا جا سکتا ہے اور اس کی دلیل صحیحین کی وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کو پیدائش کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے گھٹی دی اور اس کا نام "عبداللہ" رکھا۔ (۱) البتہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے' پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے' اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈائے جائیں [مذکورہ دونوں طرح کی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل علم نے کہا ہے کہ بچے کا نام پہلے دن بھی رکھا جا سکتا ہے اور ساتویں دن بھی' احادیث میں دونوں طرح کا ذکر ملتا ہے اس لیے ساتویں روز تک سوچ کر بچے کا نام تجویز کر لینا چاہیے۔(راقم)]"(۲)

مریم علیہا السلام کی والدہ نے جو یہ کہا کہ" میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔" تو اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ دعا قبول فرمالی اور نذر بھی قبول کر لی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اولادِ آدم کا کوئی بھی بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے چھوتا ہے اور وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے چیختا ہے سوائے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کے۔" اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو" میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"(۳)

---

(۱) [بخاری (۵٤٧٠) كتاب العقيقة : باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه وتحنيكه' مسلم (۲۱٤٤) كتاب الأداب]

(۲) [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۲۸۳۸) كتاب الضحايا : باب في العقيقة' ترمذي (۱۵۲۲) كتاب الأضاحي : باب العقيقة بشاة' ابن ماجة (۳۱٦۵) كتاب الذبائح : باب العقيقة]

(۳) [بخاری (3431) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى واذكر في الكتاب مريم]

زکریا علیہ السلام کی کفالت میں

مریم علیہا السلام کے والد اپنی قوم کے سردار تھے مگر وہ آپ کی پیدائش کے وقت فوت ہو چکے تھے۔ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو قوم کے بہت سے معزز لوگ آپ کی کفالت کی خواہش رکھتے تھے۔ لہٰذا جب اس سلسلے میں قرعہ اندازی کی گئی تو زکریا علیہ السلام کا نام نکل آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی' زکریا (علیہ السلام) کو اس کی خیر خبر لینے والا بنایا۔''

متعدد مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو کپڑوں میں لپیٹ کر مسجد میں لائی اور خدام مسجد کے حوالے کر دیا۔ زیادہ درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو دودھ پلانے کی مدت کے بعد ہی خدام مسجد کے سپرد کیا ہوگا۔ بہر حال جب اس نے آپ کو ان کے حوالے کر دیا تو اپنے سردار کی بیٹی ہونے کی وجہ سے سب کی خواہش تھی کہ اس کی کفالت کریں۔ لہٰذا ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ زکریا علیہ السلام' جو اس زمانے میں ان کے نبی تھے' بھی اس خواہش میں شریک تھے کیونکہ ان کی بیوی مریم علیہا السلام کی بہن یا خالہ تھی۔ پھر جب قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ زکریا علیہ السلام کے نام ہی نکل آیا کیونکہ خالہ ماں کے درجہ میں ہی ہوتی تو انہیں مریم علیہا السلام کا کفیل بنا دیا گیا۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ ... اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں' تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم (علیہا السلام) کو ان میں سے کون پالے گا اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔''(1)

اس قرعہ اندازی کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا معروف قلم ڈالا' پھر وہ سب قلم جمع کر لیے گئے اور ایک بچے کو ان میں سے ایک قلم اٹھانے کو کہا گیا۔ جب اس نے قلم اٹھایا تو وہ زکریا علیہ السلام کا قلم تھا۔ انہوں نے دوبارہ قرعہ اندازی کا مطالبہ کیا۔ اس کا طریقہ کار یہ طے ہوا کہ سب اپنا اپنا قلم نہر میں پھینکیں' جس کا قلم پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت میں بہہ پڑا وہ کفالت کا مستحق ٹھہرے گا' چنانچہ اس بار بھی زکریا علیہ السلام کا قلم ہی مخالف سمت میں بہہ نکلا۔ پھر انہوں نے تیسری مرتبہ قرعہ اندازی کا کہا اور اس کا طریقہ کار یہ طے کیا کہ اب جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے مطابق چلے گا وہ کفالت کا مستحق ہوگا تو اللہ کے فیصلے کے مطابق اس بار بھی زکریا علیہ السلام کا قلم ہی سیدھے رخ چلنا شروع ہو گیا اور باقی سب کے قلم مخالف سمت میں چل نکلے اور یوں زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی حکمتوں کی

(1) [آل عمران: 44]

بنا پر مریم علیہا السلام کا کفیل مقرر فرما دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جب کبھی زکریا (علیہ السلام) اس کے حجرے میں جاتے تو اس کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے۔ وہ پوچھتے اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتی کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے۔"

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے لیے مسجد میں ایک جگہ مخصوص کر دی تھی، وہ وہاں اللہ کی عبادت میں مصروف رہتیں اور اپنی باری کا انتظار کرتیں، پھر جب ان کی باری آتی تو بیت المقدس کی خدمت کے حوالے سے اپنی ذمہ داری ادا کرتیں۔ آپ اس قدر اللہ کی عبادت کرتیں کہ بنی اسرائیل میں آپ کی عبادت کی مثال دی جانے لگی۔ آپ اپنی عمدہ عادات وصفات کی بنا پر مشہور ہو گئیں۔ یہاں تک کہ صورتحال یہ ہو گئی کہ زکریا علیہ السلام جب بھی آپ کے کمرے میں آتے تو آپ کے پاس بے موسم کے پھل دیکھتے یعنی موسم گرما میں موسم سرما کے پھل اور موسم سرما میں موسم گرما کے پھل اور پوچھتے "اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟" تو وہ جواب دیتیں "یہ اللہ کے پاس سے ہے، بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے۔" یہ عجیب کیفیت دیکھ کر زکریا علیہ السلام کے دل میں بیٹے کی خواہش پیدا ہوئی، حالانکہ آپ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد طلب کرتے ہوئے فرمایا ﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴾ "اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، یقیناً تو دعا سننے والا ہے۔"(۱)

کچھ اہل علم نے کہا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی دعا کے الفاظ یہ تھے "اے مریم کو بے موسم کے پھل عطا کرنے والی ذات! مجھے بھی بے موسم کی اولاد عطا فرما دے۔" اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ زکریا علیہ السلام کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے۔

مریم علیہا السلام کی سارے جہان کی خواتین پر برتری

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ... إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴾ "اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں سے تیرا انتخاب کر لیا۔ اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف بذریعہ وحی پہنچاتے ہیں، تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم (علیہا السلام) کو ان میں سے

(۱) [آل عمران : 38]

کون پالے گا؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔ جب فرشتوں نے کہا' اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے' جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور میرے مقربین میں سے ہے۔ وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں باتیں کرے گا اور اُدھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ کہنے لگیں' الٰہی مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا' فرشتے نے کہا' اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے' جب بھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے لکھنا' حکمت اور تورات وانجیل سکھائے گا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا' کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لایا ہوں' میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو جلا دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں' اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے' اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں' اس لیے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ یقین مانو! میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے' تم سب اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھی راہ ہے۔"(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ فرشتوں نے مریم علیہا السلام کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے زمانے کی تمام عورتوں پر برتری دی ہے اور انہیں اس شرف کے لیے منتخب فرمایا ہے کہ ان کے بطن سے بغیر باپ کے بچہ پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمائیں گے۔ انہوں نے مزید یہ بشارت بھی دی کہ وہ بچہ شریف و معزز نبی ہوگا۔ وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرے گا۔ بچپن میں بھی توحید باری تعالیٰ کا پرچار کرے گا اور بڑھاپے میں بھی۔ مریم علیہا السلام کو حکم دیا گیا کہ بکثرت اللہ کی عبادت کریں اور رکوع وسجود میں مشغول رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت کی مستحق بن سکیں اور اس کی نعمت کا شکر بھی ادا ہو۔ چنانچہ وہ اس حکم کی تعمیل میں بہت طویل قیام کیا کرتی تھیں۔

فرشتوں کی اس بات "اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں سے تیرا انتخاب کر لیا۔" کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ مریم علیہا السلام اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے افضل تھیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی افضلیت تمام زمانوں کی عورتوں پر ہے۔ اس موقف کے حاملین نے آپ کو نبوت کے مقام پر فائز قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور اسحٰق علیہ السلام کی والدہ سارہ علیہا السلام بھی نبی تھیں اور بطورِ

(۱) [آل عمران : 42-51]

دلیل یہ بات پیش کی ہے کہ ان سے فرشتے ہم کلام ہوئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے تو قرآن میں واضح طور پر ''وحی'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لیکن امام ابوالحسن اشعریؒ کے بیان کے مطابق جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ نبوت کا مقام صرف مردوں کے لیے ہی خاص ہے۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مریم علیہا السلام نبوت کے علاوہ باقی مراتب میں دیگر خواتین سے افضل ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چار عورتیں ایسی ہیں جو تمام جہانوں کی عورتوں سے افضل ہیں: مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔''(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی بات کی تھی تو وہ پہلے کیوں رو پڑی تھیں اور پھر کیوں ہنس پڑی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں روئی اس لیے تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو جائیں گے اور ہنسی اس لیے تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں آپ کے بعد آپ کے تمام گھر والوں سے پہلے فوت ہو کر آپ سے جا ملوں گی اور میں مریم بنت عمران کے علاوہ جنت کی تمام خواتین کی سردار ہوں گی۔(۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چاروں خواتین میں سے مریم علیہا السلام اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ زیادہ ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مردوں میں بہت سے افراد کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں کامل صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسری خواتین پر اس طرح فوقیت حاصل ہے جیسے ثرید کو باقی کھانوں پر فوقیت ہے۔''(۳)

غالباً یہاں کمال سے مراد اپنے اپنے زمانے میں کمال کا حصول ہے کیونکہ ان دونوں عورتوں نے ایک ایک نبی کی بچپن میں پرورش کی ہے' آسیہ علیہا السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی اور مریم علیہا السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کی۔ علاوہ ازیں اور بھی با کمال خواتین گزری ہیں۔ اس حدیث سے دیگر خواتین مثلاً خدیجہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے کمال کی نفی نہیں ہوتی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بعثت سے قبل پندرہ برس اور بعثت کے بعد دس برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی رہیں اور اپنے مال و جان کے ساتھ آپ کا بھرپور تعاون کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی باقی بہنوں سے افضل تھیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ برداشت کیا جبکہ باقی بہنیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی وفات پا چکی

---

(۱) [مسند احمد (368/2)]

(۲) [بخاری (6286-6286) کتاب الاستئذان : باب من ناجی بین یدی الناس' مسلم (2450) کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل فاطمة]

(۳) [بخاری (3769) کتاب فضائل اصحاب النبی : باب فضل عائشه]

تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی باکمال خاتون تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب اور واحد کنواری بیوی تھیں۔ جب منافقین نے آپ پر بہتان لگایا تو آپ کی براءت اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں نازل فرما دی۔ آپ علم و عمل اور فہم و فراست میں بھی دیگر خواتین میں یکتا تھیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً 50 برس زندہ رہیں اور اس دوران قرآن و سنت کی تبلیغ اور مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کا کام سرانجام دیتی رہیں۔ یہی باعث ہے کہ کچھ اہل علم عائشہ رضی اللہ عنہا کو خدیجہ رضی اللہ عنہا سمیت دیگر تمام امہات المومنین سے افضل قرار دیتے ہیں جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک دوسرے پر افضل قرار دینے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس مسئلے میں توقف ہی اختیار کیا جائے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ... عَظِيمٍ ﴾
"اس کتاب میں مریم (علیہا السلام) کا بھی واقعہ بیان کر جبکہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر مشرقی جانب آئیں۔ اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا' پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح (جبرئیل علیہ السلام) کو بھیجا' پس وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ یہ کہنے لگیں' میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں' تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔ کہنے لگیں بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں۔ اس نے کہا بات تو یہی ہے لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے' ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں گے اور اپنی خاص رحمت بھی' یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔ پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور جگہ پر چلی گئیں۔ پھر اسے دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا' بولی کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی۔ اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزردہ خاطر نہ ہو' تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا' یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرا دے گا۔ اب چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ' اگر تجھے کوئی انسان نظر آ جائے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ رکھ لیا ہے' میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔ اب عیسیٰ (علیہ السلام) کو لیے ہوئے وہ اپنی قوم کے پاس آئیں۔ سب کہنے لگے مریم! تو نے بڑی بری حرکت کی۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ مریم (علیہا السلام) نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا' سب کہنے لگے کہ بھلا ہم گود کے بچے سے کیسے باتیں کریں؟ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے میں جہاں بھی ہوں اور اس

نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے میں جب تک بھی زندہ رہوں۔ اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا۔ اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا' سلام ہی سلام ہے۔ یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کا' یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ اس کے اولاد ہو' وہ تو بالکل پاک ذات ہے' وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھی راہ ہے۔ پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے' پس کافروں کے لیے ہلاکت ہے ایک بڑے دن کی حاضری سے۔"(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ "اور اس (پاکدامن مریم علیہا السلام کو بھی یاد کرو) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔ تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اسے اور اس کے بیٹے کو تمام جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا۔"(۲)

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ آپ کے کفیل زکریا علیہ السلام تھے جو اپنے زمانے کے نبی تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے مسجد میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی' جہاں آپ اللہ کی عبادت میں مشغول رہتیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو بے موسم کے پھل عطا فرماتا۔ پھر فرشتوں نے آ کر آپ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منتخب کر لیا ہے اور یہ بھی بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک ایسا بیٹا عطا کریں گے جو ایک معزز نبی ہوگا جسے مختلف معجزات بھی عطا کیے جائیں گے۔

بیٹے کی بشارت سن کر مریم علیہا السلام کو بہت حیرت ہوئی کیونکہ نہ تو وہ شادی شدہ تھیں اور نہ ہی بدکاری کی مرتکب تھیں۔ فرشتے نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام پر قادر ہے' وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف کہتا ہے "ہو جا" تو وہ کام بغیر کسی سبب کے بھی ہو جاتا ہے۔ مریم علیہا السلام اللہ کے فیصلے پر راضی ہو گئیں' لیکن انہیں یہ علم تھا کہ یہ ان پر ایک بڑی آزمائش ہوگی کیونکہ لوگ حقیقت حال سے بے خبری کے باعث مختلف قسم کی باتیں کریں گے اور ظاہر کو ہی پیش نظر رکھیں گے۔

مریم علیہا السلام اکثر اوقات مسجد میں ہی رہتیں' صرف ماہانہ ایام یا کسی ضروری چیز مثلاً پانی وغیرہ کے لیے ہی باہر نکلتیں۔ ایک روز جب وہ کسی کام کے لیے باہر نکلیں اور مسجد اقصیٰ کی مشرقی جانب اکیلی کھڑی تھیں تو جبرئیل علیہ السلام پورے انسانی

---

(۱) [مریم : 16-37]

(۲) [الانبیاء : 91]

روپ میں ان کے سامنے آ گئے۔ آپ اسے انسان سمجھ کر کہنے لگیں ''میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے۔'' جبرئیل علیہ السلام نے وضاحت فرمائی کہ وہ تو اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں اور ایک پاکباز بیٹے کی بشارت لے کر آئے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے کہا ''بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں۔'' فرشتے نے جواب میں کہا کہ یہ تو اللہ کا حکم ہے جو ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا کہ ''یہ تو مجھ پر بہت آسان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کو اسباب کی ضرورت نہیں۔ اس نے آدم علیہ السلام کو بغیر کسی مرد اور عورت کے پیدا کیا۔ حواء علیہا السلام کو صرف مرد سے پیدا کیا۔ تمام انسانوں کو مرد اور عورت سے پیدا کرتا ہے' وہی ذات عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں گے اور اپنی خاص رحمت بھی۔'' یعنی وہ بچپن اور بڑھاپے میں لوگوں کو توحید کی دعوت دے گا۔ ''یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔'' اہل علم کا کہنا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے گریبان میں پھونک ماری جو عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا سبب بنی' البتہ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے منہ میں پھونک ماری تھی' لیکن پہلا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ﴾ ''اور مریم بنت عمران' جس نے اپنے عصمت کی حفاظت کی' تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔''(۱)

عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ معمول کے مطابق 9 ماہ ہی بطنِ مادر میں رہے۔ جبکہ کچھ اہل علم نے 9 گھنٹوں کا ذکر کیا ہے اور کچھ نے کہا ہے کہ حمل اور ولادت کچھ ہی دیر میں واقع ہو گئی۔ ان کا مستدل یہ آیت ہے ''پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور جگہ پر چلی گئیں۔ پھر اسے دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا۔'' لیکن پہلی رائے ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال مریم علیہا السلام کے حاملہ ہونے کی خبر ہر طرف پھیل گئی' جس کی وجہ سے ان کے خاندان والوں کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ حضرات نے آپ پر یوسف نجار' جو ایک نیک شخص تھا اور مسجد میں عبادت کیا کرتا تھا' کے ساتھ برائی میں ملوث ہونے کا الزام لگایا۔ اس صورتحال کے پیش نظر آپ تمام لوگوں سے الگ ہو کر ایک دور مقام پر چلی گئیں۔ کچھ روایات میں ہے کہ آپ ''بیت لحم'' چلی گئی تھیں' پھر اسی مقام پر ایک بادشاہ نے عظیم عمارت بھی تعمیر کرائی تھی۔

پھر جب دردِ زہ کی وجہ سے وہ ایک کھجور کے درخت کے پاس آئیں تو پکار اٹھیں کہ ''کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی۔'' دراصل آپ دو طرح کی اذیت سے دوچار تھیں۔ ایک طرف

(۱) [التحریم : 12]

حمل کے باعث جسمانی تکلیف میں مبتلا تھیں اور دوسری طرف لوگوں کی باتوں کو سوچ کر ذہنی پریشانی کا شکار تھیں۔ آپ کو یقین تھا کہ لوگ آپ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے اور آپ کی باتوں پر یقین نہیں کریں گے۔ پھر آپ کا تعلق بھی ایک پاکیزہ گھرانے سے تھا جو اللہ کی عبادت میں معروف تھا اور آپ کی عبادت بھی ضرب المثل بن چکی تھی۔ لوگوں کی طرف سے ان باتوں کا خدشہ کہ اتنے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود برائی کا ارتکاب کیا' آپ کے لیے موت کی تمنا کرنے کا باعث بنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزردہ خاطر نہ ہو' تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔'' اس میں اختلاف ہے کہ یہ آواز کس نے دی تھی۔ متعدد اہل علم نے کہا ہے کہ یہ آواز جبرئیل علیہ السلام نے دی تھی اور کچھ کا کہنا ہے کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے ہی یہ آواز دی تھی۔ پھر آپ کو یہ حکم ہوا کہ ''کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ۔'' کھجور کے جس درخت سے آپ کو کھجوریں حاصل کرنے کا کہا گیا تھا وہ خشک تھا یا پھل دار؟ تو زیادہ درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ خشک تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام کرتے ہوئے اسے پھل دار بنا دیا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت موسم سرما میں ہوئی تھی اور اس موسم میں کھجور کے درخت کو پھل نہیں لگتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احسان کے انداز میں فرمایا کہ ''اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا' یہ تیرے سامنے تر و تازہ پکی کھجوریں گرا دے گا۔''

پھر آواز آئی کہ ''اگر تجھے کوئی انسان نظر آ جائے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ رکھ لیا ہے' میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔'' معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی شریعت میں چپ کا روزہ رکھنا جائز تھا جبکہ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔ (۱) اہل کتاب کے بیان کے مطابق جب کچھ عرصہ مریم علیہا السلام نظر نہ آئیں تو لوگ ان کی تلاش میں نکلے اور جب ان سے ملے تو ان کی گود میں بچہ تھا۔ انہوں نے حیرانگی سے کہا ''مریم! تو نے بڑی بری حرکت کی۔'' لیکن یہ بات اس لیے درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی۔'' یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خود ہی قوم کے پاس آئی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق آپ نفاس کے 40 روز پورے کرنے کے بعد واپس تشریف لائی تھیں۔

لوگوں نے کہا ''اے ہارون کی بہن!'' سعید بن جبیرؒ نے فرمایا ہے کہ ہارون اس دور کے ایک عبادت گزار انسان تھے۔ چونکہ مریم علیہا السلام بھی اس کی طرح بہت زیادہ عبادت کرتی تھیں اس لیے لوگوں نے آپ کو اس کے ساتھ تشبیہ دیتے

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (3300) کتاب الأیمان والنذور : باب من رأی علیه کفارة اذا کان فی معصیة' صحیح الجامع الصغیر (5869) المشکاة (3430)]

ہوئے ہارون کی بہن کہہ دیا۔ کچھ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم تو اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام کی طرح عبادت گزار ہو۔ محمد بن کعب قرظیؒ نے کہا ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی سگی بہن تھیں جبکہ درحقیقت یہ بات غلط ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کئی صدیوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نجران بھیجا تو وہاں لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم قرآن میں یہ پڑھتے ہو" اے ہارون کی بہن" حالانکہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے طویل عرصہ پہلے گزرے ہیں؟ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا" تم نے انہیں یہ کیوں نہیں کہا کہ وہ لوگ اپنے انبیاء کے ناموں پر نام رکھ لیا کرتے تھے۔"(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مریم علیہا السلام کے ایک بھائی کا نام ہارون تھا جو بہت زیادہ عبادت گزار تھا۔ اسی لیے لوگوں نے یہ بھی کہا کہ" نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔" یعنی تیرا بھائی بھی نیک آدمی تھا اور تیرے ماں باپ بھی نیک تھے' پھر تو نے اس برائی کا ارتکاب کیسے کر لیا؟۔ جب معاملہ مریم علیہا السلام کے بس سے باہر نکل گیا اور آپ لا جواب ہو گئیں تو آپ نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے حقیقت پوچھ لو۔ اس پر لوگوں نے کہا" بھلا ہم گود کے بچے سے کیسے باتیں کریں؟" لوگ اس بات پر حیران تھے کہ باپ کے بغیر بچہ پیدا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ مریم کی بات کو مذاق سمجھ رہے تھے کہ اچانک بچہ خود ہی بول اٹھا۔ اس نے کہا" میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے میں جہاں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے میں جب تک بھی زندہ رہوں۔ اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا۔ اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا' سلام ہی سلام ہے۔"

عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے جو بات کہی وہ یہ تھی" بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔" یعنی میں صرف اللہ کا ایک بندہ ہوں بیٹا نہیں۔ اس سے عیسائیوں کے اس عقیدے کی تردید ہوتی ہے کہ مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ پر لگائے جانے والے الزام کی تردید فرمائی اور یہ بھی وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و حکمت عطا فرمائی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہو اس کی پیدائش غلط طریقے سے ہو۔ ان کے اس بہتان کی اللہ تعالیٰ نے یوں بھی تردید فرمائی ہے کہ ﴿ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴾" ان کے کفر کے باعث اور مریم (علیہا السلام) پر عظیم بہتان کے باعث (اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کر دیا)۔"(۲)

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا صحیح واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے عقیدے کی تردید فرمائی۔ فرمایا

(۱) [مسند احمد (4/168)]

(۲) [النساء : 156]

''یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کا' یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ اس کے اولاد ہو' وہ تو بالکل پاک ذات ہے' وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر بھی اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے ﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ... فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ''یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہو بہو آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے' خبردار! شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ اس لیے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں' پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔ یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بے شک غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے۔''(۱)

ان آیات کا نزول اس وقت ہوا جب 60 افراد پر مشتمل وفدِ نجران نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے سردار تین افراد تھے جن کے نام یہ ہیں: عاقب، سید اور ابو حارثہ بن علقمہ۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے بحث و مباحثہ شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل فرما دیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا کہ اگر وہ آپ پر ایمان نہ لائیں اور آپ کی تابعداری نہ کریں تو ان سے مباہلہ کیجئے۔ چنانچہ آپ نے انہیں دعوتِ مباہلہ پیش کی لیکن جب انہوں نے آپ کے ارادے کی پختگی دیکھی تو گھبرا گئے اور صلح کی پیش کش کر دی۔

ان کے ایک سردار عاقب نے وفد سے مخاطب ہو کر کہا' اے عیسائیوں کی جماعت! تمہیں خوب علم ہے کہ محمد ﷺ نبی اور رسول ہیں۔ انہوں نے تمہارے نبی کے متعلق کھلی اور واضح باتیں بیان کی ہیں۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جو قوم بھی کسی نبی سے مباہلہ کرتی ہے وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر تم نے بھی ایسا کیا تو تمہارا مقدر بھی تباہی بن جائے گی۔ لہٰذا اگر تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو رسول اللہ ﷺ سے صلح کر لو اور واپس لوٹ چلو۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے اور جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ آپ ﷺ نے جزیہ کی وصولی کے لیے ابو عبیدہ

(۱) [آل عمران : 58-63]

بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے یہودی تین گروہ بن گئے۔ایک وہ جنہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ اور آپ کی والدہ کے متعلق غلط قسم کی باتیں کیں۔دوسرے وہ جو آپ پر ایمان لے آئے مگر انہوں نے غلو سے کام لیا اور آپ کو اللہ کا بیٹا اور خدا قرار دے دیا اور تیسرے وہ جو آپ پر صحیح ایمان لائے اور وہ آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول ہی سمجھتے ہیں' یہی گروہ کامیابی کے راستے پر ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے انہوں نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے آنے والی ایک روح ہیں اور جنت برحق ہے' دوزخ برحق ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دیں گے خواہ اس کے اعمال کی تعداد کتنی ہی ہو؟۔''(۱)

اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ... وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ ''ان کا قول یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے۔یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو۔قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے رحمٰن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔آسمان وزمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے۔یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔''(۲)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ اولاد کا ہونا تو اس کی شان کے لائق ہی نہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز اس کی غلام ومحتاج اور ماتحت ہے۔اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی اولاد ہے اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا کے بطور آسمان پھٹ جائے' زمین تباہ ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں تو بالکل درست ہے۔جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ ... وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ ''اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے

(۱) [بخاری (3435) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قوله تعالی یا أهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم]

(۲) [مریم : 88-95]

حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلا سند تراش رکھی ہیں اور وہ ان باتوں سے پاک اور برتر ہے جو یہ کرتے ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے' اللہ تعالیٰ کی اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی تو کوئی بیوی ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے' تو تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔"(۱)

یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ جب وہ ہر چیز کا خالق ہے تو اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد تو ان دو نفسوں کی ہوتی ہے جن میں کوئی مناسبت و مساوات ہو اور اللہ کے برابر تو کوئی ہے ہی نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ... وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ "(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا۔ اور نہ کسی نے اس کو جنا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔"(۲)

عیسیٰ علیہ السلام محض اللہ کا کلمہ اور ایک روح تھے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ... مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ "اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو' مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ (کن سے پیدا شدہ) ہیں' جسے مریم (علیہا السلام) کی طرف ڈال دیا گیا اور اس کی طرف سے روح ہیں' اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تین ہیں' اس سے باز آ جاؤ (کیونکہ) اسی میں تمہاری بہتری ہے' عبادت کے لائق اللہ تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو' اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔ مسیح (علیہ السلام) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو' اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے' اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا۔ پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا' انہیں المناک عذاب دے گا اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے۔"(۳)

---

(۱) [الانعام : 100-103]

(۲) [الاخلاص : 1-4]

(۳) [النساء : 171-173]

اہل کتاب میں سے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو وزیادتی سے کام لیا اور انہیں ان کے مقام سے بڑھا کر خدا کے ساتھ ملا دیا' انہیں یہاں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ان کے لیے خیر اسی میں ہے کہ وہ اپنی ان باتوں سے باز آ جائیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو محض اللہ کا بندہ اور رسول ہی سمجھیں' اسی طرح ان کی والدہ (مریم علیہا السلام) کو بھی محض اللہ کی ایک پاکباز بندی ہی خیال کریں۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے لیے جو روح اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد صرف ان کے بلند مقام و مرتبے کا اظہار ہی ہے جیسے بیت اللہ (اللہ کا گھر)، ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) اور عبد اللہ (اللہ کا بندہ) جیسے الفاظ میں بھی اللہ کی طرف نسبت سے مقصود صرف شرف و عزت ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ''روح اللہ'' سے بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایک پاکیزہ روح ہی مراد ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں

جہاں عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا تھا وہاں یہودیوں نے بھی عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا تھا، اسی طرح دیگر مشرکینِ عرب بھی اللہ کے لیے اولاد کو ثابت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان سب کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ ... أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴾ ''یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے' یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ پہلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے' اللہ انہیں غارت کرے' وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔''(۱)

مشرکینِ عرب میں سے بعض نے یہ عقیدہ اختیار کر لیا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جو جن خواتین سے پیدا ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ﴾ ''انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا حالانکہ وہ بھی رحمٰن کے بندے ہیں۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے کہ ان کی گواہی لکھ لی جائے یا ان سے پوچھا جائے۔''(۲)

مزید فرمایا کہ ﴿ فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ... إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴾ ''ان سے دریافت کیجئے کہ کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہیں اور ان کے بیٹے ہیں؟ یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا۔ آگاہ رہو کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پردازی سے کہہ رہے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے' یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے' کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟

---

(۱) [التوبة : 30]

(۲) [الزخرف : 19]

کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے ؟ یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے۔ تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ۔ اور ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی ہے اور حالانکہ خود جنات کو معلوم ہے کہ وہ (یعنی اس عقیدہ کے لوگ عذاب کے) سامنے پیش کیے جائیں گے۔ جو کچھ یہ (اللہ کے بارے میں) بیان کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بالکل پاک ہے۔ سوائے! اللہ کے مخلص بندوں کے۔"(۱)

سورۂ انبیاء میں ہے کہ ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ... كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ "(مشرکین) کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اولاد کو اختیار کر لیا ہے' اس کی ذات پاک ہے' بلکہ وہ تو سب اس کے معزز بندے ہیں۔ کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں۔ وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام اُمور سے واقف ہے' وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے سوائے ان کے جن سے اللہ خوش ہو' وہ تو خود ہیبتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائقِ عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں' ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔"(۲)

سورۂ کہف کی ابتدا میں فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ... اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴾ "تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ بلکہ ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک رکھا تا کہ اپنے پاس کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے اور ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا دے کہ ان کے لیے بہترین بدلہ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔ درحقیقت نہ تو خود انہیں اس کا علم ہے نہ ان کے باپ دادوں کو' یہ تہمت بڑی بری ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے' وہ صرف جھوٹ بک رہے ہیں۔"(۳)

سورۂ یونس میں ارشاد ہے کہ ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ... بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾ "وہ (یعنی مشرکین) کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے' سبحان اللہ! وہ تو کسی کا محتاج نہیں' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کی ملکیت ہے' تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں' وہ کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ دنیا میں (تھوڑا سا) فائدہ ہے پھر انہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے' پھر ہم انہیں ان کے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھائیں گے۔"(۴)

(۱) [الصافات : 149-160]

(۲) [الانبیاء : 26-29]

(۳) [الکھف : 1-5]

(۴) [یونس : 68-70]

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی الوہیت کی خود بھی تردید فرمائی تھی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ... اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ ''بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے' یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے' اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گناہگاروں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا' اللہ تین میں سے تیسرا ہے' دراصل اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے انہیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں نہیں جھکتے اور استغفار کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم پیغمبر ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں' اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں' ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں' دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے' آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجئے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔''(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے الوہیتِ مسیح کے عقیدے کی پرزور تردید فرمائی ہے اور اسے کفر قرار دیتے ہوئے واضح کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خود بھی اللہ ہی کی عبادت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دیتے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے حاملین سے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ اگر وہ اس عقیدے سے باز نہ آئے تو انہیں آتشِ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عقیدۂ تثلیث کی بھی تردید فرمائی ہے کہ اللہ ایسی واحد و یکتا ذات ہے جو ناقابلِ تقسیم ہے اور آخر میں انہیں توبہ و استغفار کی ترغیب دلائی ہے کہ اگر وہ اپنے اس عقیدے کو چھوڑ کر اللہ سے توبہ کر لیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ وہ صدیقہ یعنی پاکباز خاتون تھیں' بدکردار نہیں تھیں جیسا کہ یہود نے ان پر الزام لگایا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں جیسا کہ کچھ علما اس بات کے بھی قائل ہیں۔ آیت کے ان الفاظ ''وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے'' سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں بھی عام انسانوں کی طرح خوراک کے محتاج تھے' لہٰذا وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس سورت کے آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط عقیدے کی تردید فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ ... الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

(۱) [المائدۃ : 72-75]

''اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو۔ عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے کہ میں تو تجھے منزہ سمجھتا ہوں' مجھے کسی طرح بھی زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں' اگر میں نے کہا ہو گا تو تجھے اس کا علم ہو گا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور تیرے نفس میں جو کچھ ہے میں اسے نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔ اگر تو انہیں سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرما دے تو تو زبردست حکمت والا ہے۔''(۱)

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ یہ سوال جواب اس لیے کریں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کی عزت و تکریم ہو اور ان کافروں کو ڈانٹا جائے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں غلو کر کے انہیں معبود بنا لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو تو علم ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایسی کوئی بات نہیں کی مگر محض کفار کو زجر و توبیخ کے لیے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو۔ عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے کہ میں تو تجھے منزہ سمجھتا ہوں' مجھے کسی طرح بھی زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔'' کیونکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دے۔

عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے ''اگر میں نے کہا ہو گا تو تجھے اس کا علم ہو گا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور تیرے نفس میں جو کچھ ہے میں اسے نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا۔'' اور وہ یہ تھا کہ ''تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا۔'' یعنی جب لوگوں نے مجھے سولی پر چڑھانے کا ارادہ کیا تو تو نے اپنی خاص رحمت سے مجھے زندہ آسمانوں پر اٹھا کر محفوظ کر لیا اور بنی اسرائیل کے ایک آدمی کو میری صورت دے دی اور پھر انہوں نے مجھے سمجھ کر اس سے بدلہ لے لیا۔ اس صورتِ حال پر تو نگران اور گواہ تھا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں سے اظہار براءت کرتے ہوئے فرمائیں گے ''اگر تو انہیں سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرما دے تو تو زبردست حکمت والا ہے۔'' آپ ان کی بخشش کو اللہ کی مشیت پر موقوف قرار دیں گے اور اس سے ان کی بخشش لازم نہیں آتی بلکہ نافذ تو اللہ کا فیصلہ ہی ہو گا۔ اسی لیے آپ اللہ تعالیٰ کے متعلق عزیز اور

(۱) [المائدۃ: 116-118]

حکیم کے الفاظ بیان فرمائیں گے' غفور رحیم کے نہیں۔

دیگر متعدد آیات بھی اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں جیسا کہ چند ایک پیش خدمت ہیں:

(1) ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا' وہ تو پاک ہے اور وہی اللہ اکیلا' بہت قہر والا ہے۔''(۱)

(2) ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ... عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اگر (بالفرض) اللہ کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔ جو کچھ بھی یہ لوگ بیان کرتے ہیں آسمانوں' زمین اور عرش کا مالک اس سے پاک ہے۔''(۲)

(3) ﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ... وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی بادشاہت میں کوئی شریک ہے اور نہ ہی وہ عاجز و کمزور ہے کہ وہ کسی کا محتاج ہو اور اس کی مکمل طور پر بڑائی بیان کرتے رہو۔''(۳)

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ اس کے لائق نہیں (اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ) وہ کہتا ہے میری اولاد ہے حالانکہ میں تو اکیلا ہوں' بے نیاز ہوں' نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے مجھے جنا اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر ہے۔''(٤)

فرمانِ نبوی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی بھی اپنی توہین کو برداشت کرنے والا نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے' وہ پھر بھی انہیں رزق اور عافیت دیتا ہے۔''(٥)

چار الہامی کتب کب نازل ہوئیں؟

امام ابوزرعہ دمشقیؒ نے فرمایا ہے کہ مجھے خبر دی گئی کہ تورات موسیٰ علیہ السلام پر 6 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ زبور داود علیہ السلام پر 12 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ یہ کتاب تورات کے 482 برس بعد نازل ہوئی۔ انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر

---

(۱) [الزمر : 4]

(۲) [الزخرف : 81-82]

(۳) [بنی اسرائیل : 111]

(٤) [بخاری (4974) کتاب تفسیر القرآن : باب یقال لا ینون أحد أی واحد' مسند احمد (7873)]

(٥) [بخاری (7378) کتاب التوحید : باب قول اللہ تعالی ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین' مسلم (2804) کتاب صفات المنافقین : باب فی الکفار' مسند احمد (18767) مصنف عبد الرزاق (182/11)]

18 رمضان المبارک کو نازل ہوئی اور یہ زبور کے 1050 برس بعد نازل ہوئی۔ اور قرآن کریم نبی ﷺ پر 24 رمضان (یعنی 25 ویں رات) نازل ہوا۔ امام ابن جریرؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی تو آپ کی عمر 30 برس تھی اور تین سال بعد 33 برس کی عمر میں آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ ... بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴾ ''جب اللہ تعالیٰ (عیسیٰ علیہ السلام سے) ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے' جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتاب' حکمت کی باتوں' تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور جب تم میرے حکم سے مٹی کے ساتھ ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے' پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے میرے حکم سے وہ پرندہ بن جاتا تھا اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو نکال کر کھڑا کر دیتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے' پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ سوائے کھلے جادو کے اور کچھ نہیں۔ اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں۔''(۱)

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے عظیم احسان کا ذکر کیا ہے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا کر کے ساری امت کے لیے نشانی بنا دیا اور پھر انہیں اپنا اُولوالعزم پیغمبر بھی بنایا۔ اسی طرح آپ کی والدہ پر بھی احسان کیا کہ انہیں اس نعمت کے لیے منتخب فرما لیا اور پھر لوگوں کے الزامات سے ان کی براءت بھی ثابت کر دی۔ اسی لیے فرمایا کہ ''جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔'' یعنی جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے آپ کی روح آپ کی والدہ میں پھونکی اور پھر جب آپ نبی بنے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کی طرف وحی لائے اور کافروں سے آپ کا دفاع کیا۔

ارشاد ہے کہ ''تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی۔'' یعنی آپ نے بچپن میں بھی لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی اور بڑھاپے میں بھی۔ ''اور جب میں نے تم کو کتاب' حکمت' تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔'' بعض سلف سے منقول ہے کہ اس سے تورات وانجیل کے الفاظ اور معانی دونوں کی تعلیم مراد ہے۔ ''اور جب تم میرے حکم سے مٹی کے ساتھ ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے۔'' یعنی آپ اللہ کے حکم سے مٹی کے ساتھ

(۱) [المائدۃ: 110-111]

پرندوں کی صورت بناتے تھے۔ ''پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے میرے حکم سے وہ پرندہ بن جاتا تھا۔''
اس معجزے کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کا دو مرتبہ ارشاد فرمایا ہے تا کہ کسی کو یہ شبہ بھی نہ رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ کام کسی ذاتی کمال کی وجہ سے کرتے تھے اور یہ واضح ہو جائے کہ یہ سب کچھ صرف اللہ کے حکم سے ہی ہوتا تھا۔

''اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔'' مادرزاد اندھا اور کوڑھ کا پرانا مریض (دونوں) اس حالت میں ہوتے ہیں کہ کسی بھی دواء سے ان کا علاج ممکن نہیں رہتا لیکن عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے انہیں صحت یاب کر دیا کرتے تھے۔ ''اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو نکال کر کھڑا کر دیتے تھے۔'' یعنی وہ زندہ ہو جاتے اور قبروں سے نکل کر باہر آ جاتے اور ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کئی بار ہوا تھا۔ ''اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے' پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ سوائے کھلے جادو کے اور کچھ نہیں۔'' یہاں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے آپ کو سولی دینے کا پروگرام بنایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و احسان سے آپ کو زندہ ہی آسمانوں کی طرف اٹھا لیا تھا۔ ''اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں۔'' یہاں وحی سے مراد یا تو الہام ہے اور یا پھر پیغمبر کے ذریعے حاصل ہونے والی وحی الٰہی کو قبول کرنے کی توفیق ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسان یہ بھی تھا کہ اللہ نے آپ کو ایسے مخلص و باکباز ساتھی عطا فرما دیئے تھے جو آپ کے ساتھ مل کر لوگوں کو دعوتِ توحید پیش کیا کرتے تھے۔ یہ احسان اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر بھی کر رکھا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ... اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''وہی ذات ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین سے تیری تائید کی ہے۔ ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں اُلفت ڈال دی ہے' وہ غالب حکمتوں والا ہے۔''(۱)

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ... وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ اسے لکھنا' حکمت اور تورات و انجیل سکھائے گا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا' کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لایا ہوں' میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ

(۱) [الأنفال : 62-63]

تعالیٰ کے حکم سے میں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو جلا دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں' اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے' اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں' اس لیے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ یقین مانو! میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے' تم سب اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھی راہ ہے۔ مگر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر محسوس کر لیا تو کہنے لگے' اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں (مددگاروں) نے جواب دیا کہ ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں' ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں۔ اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی' پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔''(۱)

عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو اپنے احوال زمانہ کے مطابق معجزے دیئے گئے

اہل علم بیان کرتے ہیں کہ ہر نبی کو وہ معجزہ دیا گیا جو اس کے احوالِ زمانہ کے مناسب تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بہت شہرہ تھا اس لیے انہیں ایسے معجزے دیئے گئے جنہیں دیکھ کر اس وقت کے بڑے بڑے جادوگر حیران رہ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسانی کمال کا مظہر نہیں ہو سکتے بلکہ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا ہی نتیجہ ہیں اس لیے وہ بلا تاخیر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب و حکمت کا عروج تھا اس لیے انہیں ایسے معجزے دیئے گئے جو کسی بڑے سے بڑے ماہر طبیب و حکیم کے بس میں بھی نہیں تھے۔ کون ایسا طبیب ہے جو قبر میں پڑے مردہ شخص کو زندہ کر کے باہر نکال سکے یا مادرزاد اندھے اور پرانے کوڑھ کے مریض کو صحت یاب کر سکے۔ یہ تمام کام ایسے تھے جو آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل تھے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم جیسا عظیم الشان معجزہ عطا فرما دیا کہ اس جیسی ایک سورت بھی کوئی آج تک نہیں لا سکا۔

بہر حال جب عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے دعوت توحید پیش کی تو چند لوگ آپ پر ایمان لے آئے جنہوں نے آپ کی تائید و حمایت بھی کی' لیکن اکثر لوگ کفر پر ہی جمے رہے حتیٰ کہ کچھ بدبخت ایسے بھی تھے جو حاکم وقت کو آپ کے

---

(۱) [آل عمران : 48-54]

متعلق غلط خبریں پہنچاتے اور بالآخر انہوں نے آپ کو سولی دینے کا منصوبہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا اور کسی دوسرے شخص کو آپ کی شکل دے دی۔ انہوں نے اسے پکڑا اور سولی پر چڑھادیا اور سمجھا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ ساتھ بہت سے یہودیوں نے بھی یہ بات تسلیم کر لی اور یوں دونوں گروہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔

عیسیٰ علیہ السلام نے محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ... وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ''اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا' اے (میری قوم) بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں' میں اپنے سے پہلے کی کتاب 'تورات' کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمد ہے. پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو کہنے لگے' یہ تو کھلا جادو ہے۔ اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے' گو کافر برا مانیں۔''(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ''جو لوگ ایسے رسول نبی امی (یعنی محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف وخصائل کو) وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت ومدد کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے' ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔''(۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔''(۳)

---

(۱) [الصف : 6-8]

(۲) [الاعراف : 157]

(۳) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (1463) السلسلة الصحیحة (1545) صحیح السیرة النبویة (ص / 16) مسند احمد (262/5) مستدرك حاكم (3525) دلائل النبوة للبیهقی (20/1)]

بنی اسرائیل میں جب عیسیٰ علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے تو آپ نے انہیں خطبہ ارشاد فرمایا اور ان کے سامنے وضاحت کی کہ بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا ہے اور اب صرف ایک نبی امی تشریف لائیں گے جو عرب سے ہوں گے اور سلسلہ نبوت کو مکمل طور پر ختم کر دیں گے۔ ان کا نام "احمد" ہو گا۔

دسترخوان کا نزول

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ... اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ "اس وقت کو یاد کرو جب حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل فرما دے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو۔ وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ عیسیٰ بن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ، اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد کے ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرما دے اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔"(۱)

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو 30 روزے رکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے حکم پر عمل کیا اور 30 روزے رکھ لیے۔ جب روزے مکمل ہوئے تو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل ہوتا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ ان کی عبادت قبول ہو گئی ہے اور پھر وہ اس دن کو اپنے لیے خوشی کا دن بھی مقرر کر لیں اور یہ کھانا اتنا ہو کہ ہر امیر و غریب کو کافی ہو جائے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ لوگ اس نعمتِ خداوندی کا صحیح طور پر شکر ادا نہیں کر سکیں گے انہیں اپنی خواہش ترک کر دینے کی نصیحت کی۔ لیکن وہ مصر رہے تو آپ اُونی لباس پہن کر جائے نماز پر کھڑے ہو گئے اور انتہائی عاجزی کے ساتھ ان کی خواہش کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دسترخوان نازل فرما دیا جو آہستہ آہستہ زمین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُدھر عیسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا میں مصروف تھے کہ یہ دسترخوان باعث رحمت ہو باعث عذاب نہ ہو۔

(۱) [المائدۃ: 112-115]

بالآخر دستر خوان عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے آ کر رُک گیا اور آپ نے یہ الفاظ ((بسم اللّٰه خير الرازقين)) ''اس اللہ کے نام سے جو بہترین رزق دینے والا ہے'' کہتے ہوئے اس پر پڑا ہوا کپڑا اٹھایا۔ اس پر 7 مچھلیاں اور 7 روٹیاں تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس پر سر کہ انار اور دیگر متعدد قسم کے پھل بھی موجود تھے۔ ان کی خوشبو بہت عمدہ تھی اور یہ سب اشیاء اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ '' کن '' سے پیدا فرمائی تھیں۔ بہرحال عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ پہلے آپ کھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی خواہش تو تم ہی نے کی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی کھانے کے لیے نہ بڑھے تو آپ نے وہ کھانا غرباء و مساکین' محتاجوں اور معذوروں کو کھلا دیا' جن کی تعداد 1300 کے قریب تھی۔ اس سے وہ تندرست ہو گئے۔ جب پہلے لوگوں نے یہ صورتحال دیکھی تو انہیں حسرت ہوئی کہ ہم نے یہ کھانا کیوں نہ کھایا؟ کچھ اہل علم نے کہا ہے کہ ابتدا میں روزانہ دستر خوان نازل ہوتا تھا اور سب لوگ اکٹھے کھاتے تھے' جن کی تعداد تقریباً 7 ہزار ہو جاتی تھی' پھر ایک دن چھوڑ کر نازل ہونے لگا جیسے صالح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ایک دن چھوڑ کر (معجزاتی طور پر ظاہر ہونے والی) اونٹنی کا دودھ پیا کرتے تھے۔ پھر دستر خوان کو محتاجوں کے لیے خاص کر دیا گیا تب منافقین کو برداشت نہ ہوا اور وہ غلط قسم کی باتیں کرنے لگے' جس کے نتیجے میں دستر خوان اترنا بالکل بند ہو گیا اور منافقوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ دستر خوان نازل ہوا ہی نہیں تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔'' تو وہ لوگ خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے اپنی خواہش کو ترک کر دیا۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ اہم واقعات میں سے ایک ہے جس کا قرآن نے تو ذکر کیا ہے جبکہ عیسائیوں کی کتب میں اس کا کہیں ذکر موجود نہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کے چند فرامین

اہل علم نے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کا ذکر سن کر رو پڑتے اور فرماتے کہ ابن مریم کے لائق نہیں کہ قیامت کا ذکر سن کر بھی خاموشی اختیار کیے رکھے۔ آپ حواریوں کو یوں نصیحت فرماتے کہ جیسے بادشاہوں نے تمہارے لیے حکومت چھوڑ دی ہے ویسے تم ان کے لیے دنیا چھوڑ دو۔ آپ فرماتے کہ تم مجھ سے پوچھ لیا کرو' میں نرم دل ہوں اور اپنے آپ کو چھوٹا خیال کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے ساتھیوں کو یہ بھی نصیحت فرمائی کہ جو کی روٹی کھاؤ' صاف پانی پیو اور دنیا سے امن و سلامتی کے ساتھ رخصت ہو جاؤ۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کی مٹھاس آخرت کی تلخی اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے اور یہ بھی

سچی بات ہے کہ بدترین شخص وہ عالم ہے جو اپنی خواہش کو اپنے علم پر ترجیح دے اور یہ چاہے کہ سب لوگ اس جیسے بن جائیں۔ آپ یہ بھی فرماتے کہ دنیا کو آباد نہ کرو' دنیا کی محبت ہی ہر برائی کی جڑ ہے اور ناجائز دیکھنے سے دل میں خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا' اے آدم کے کمزور بیٹے! تم جہاں بھی جاؤ اللہ سے ڈرتے رہو' دنیا میں مہمان کی طرح زندگی بسر کرو' مسجدوں کو اپنا گھر بنالو' اپنی آنکھوں کو رونا سکھا دو' اپنے جسم کو صبر کی تعلیم دے دو' دل کو غور وفکر کا عادی بنالو اور کل کے رزق کی بھی فکر نہ کرو کیونکہ یہ بھی گناہ ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا

کچھ سازشی یہودیوں کی وجہ سے حاکم وقت نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا منصوبہ بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اٹھالیا' لہٰذا یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ... فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴾ ''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہترین خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو قیامت تک کافروں پر غالب کرنے والا ہوں' پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے' میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔''(۱)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ ... عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴾ ''ان کے عہد توڑنے' احکام الٰہی کے ساتھ کفر کرنے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے سبب اور اس سبب سے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر پردہ ہے (ہم نے انہیں یہ سزا دی)۔ حالانکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' اس لیے یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم (علیہا السلام) پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث۔ اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کا شبیہ بنا دیا گیا تھا۔ یقین جانو کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں' انہیں اس کا کوئی یقین نہیں سوائے تخمینی باتوں پر عمل کے اور انہوں نے یقیناً عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑا زبردست

(۱) [آل عمران : 54-55]

اور پوری حکمتوں والا ہے۔ اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔"(۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لینے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ آپ ایک گھر میں تھے جہاں آپ کے 12 حواری بھی تھے۔ آپ نے چشمے سے غسل کیا' جو گھر کے اندر ہی تھا' پھر ان کے پاس آئے اور آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص ایسا ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد 12 مرتبہ کفر کرے گا۔ پھر ان سے پوچھا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اسے میری صورت دے دی جائے اور وہ میری جگہ سولی پر چڑھا دیا جائے اور پھر وہ جنت میں میرے ساتھ ہو۔ ان میں سب سے کم عمر کا ایک نوجوان کھڑا ہوا تو آپ نے اسے بیٹھنے کو کہا اور دوبارہ وہی سوال کیا تو وہی نوجوان دوبارہ کھڑا ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں ہی یہ مقام حاصل ہو گا۔ چنانچہ پھر اس کی شکل مکمل طور پر عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو گئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھا لیا گیا مگر اس نوجوان کو یہودیوں نے پکڑ کر سولی دے دی۔ پھر ان میں سے ایک آدمی نے 12 مرتبہ کفر بھی کیا۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تو عیسائی تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقے نے کہا کہ خود اللہ ہی کچھ دیر ہمارے اندر موجود رہا اور پھر آسمان پر چلا گیا۔ یہ فرقہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا قرار دیتا ہے اور اسے "یعقوبیہ" کہا جاتا ہے۔ ایک فرقے نے کہا کہ اللہ کا بیٹا ہمارے اندر کچھ دیر رہا' پھر جب اللہ کی مرضی ہوئی تو وہ اسے اپنے پاس لے گیا۔ یہ فرقہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتا ہے اور اسے "نسطوریہ" کہا جاتا ہے۔ ایک فرقے نے یہ کہا کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کچھ عرصہ ہم میں موجود رہا پھر جب اللہ نے چاہا اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ موحد لوگ تھے۔ پھر یہ ہوا کہ دونوں کافر فرقوں نے موحدین کی جماعت کو شہید کر دیا اور حقیقی دینِ اسلام مفقود ہو گیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا۔

حسن بصریؒ اور امام ابن اسحٰقؒ کے بیان کے مطابق جس بادشاہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا حکم جاری کیا تھا اس کا نام "داود بن نورا" تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کے جس گھر میں تھے انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب تھی۔ جب وہ اندر داخل ہونے ہی والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے گھر میں موجود ایک آدمی کو عیسیٰ علیہ السلام کی شکل دے دی اور آپ کو ایک کھڑکی سے نکال کر آسمان پر اٹھا لیا۔ پھر جب بادشاہ کے اہلکار گھر میں داخل ہوئے تو انہیں وہاں وہی نوجوان نظر آیا جسے عیسیٰ علیہ السلام کی شکل دی گئی تھی' لہٰذا انہوں نے اسے ہی پکڑا اور سولی پر چڑھا دیا۔ انہوں نے بطورِ مذاق اس کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی بنا دیا تھا۔ پھر وہ عیسائی جو وہاں موجود نہیں تھے انہوں نے یہودیوں کی بات تسلیم

(۱) [النساء : 155-159]

کر کے اپنا عقیدہ یہی بنا لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے۔'' سے مراد وہ زمانہ ہے جب قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے' خنزیروں کو قتل کریں گے' صلیب توڑیں گے' جزیہ کا حکم منسوخ کر دیں گے اور کسی کو بھی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب اپنانے کی اجازت نہیں دیں گے۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک گھر میں آئے' آپ کے ساتھ 17 حواری تھے۔ اس گھر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جب دشمن اندر داخل ہوئے تو تمام حواریوں کو عیسیٰ علیہ السلام کی شکل دے دی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ تم کیوں ہم سے مذاق کر رہے ہو اور تم سب نے ایک جیسی شکلیں بنا رکھی ہیں' ہمیں بتاؤ کہ عیسیٰ کہاں ہیں ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے؟ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو جنت خریدنا چاہے؟ ایک آدمی کھڑا ہوا تو آپ نے اسے کہا کہ باہر جا کر کہہ دو' میں عیسیٰ ہوں۔ چنانچہ جب اس نے باہر جا کر کہا تو انہوں نے اسے پکڑ لیا اور سولی دے کر شہید کر دیا اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا ہے۔ عیسائیوں نے بھی یہی سمجھ لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی ہے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بحفاظت آسمان پر اٹھا لیا تھا۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ مریم علیہا السلام اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد تقریباً 5 برس زندہ رہیں پھر 53 برس کی عمر میں فوت ہو گئیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا اس وقت آپ اپنی عمر کے 34 ویں برس میں تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ جنت میں داخل ہونے والوں کے جسموں پر بال نہیں ہوں گے' نہ داڑھی ہوگی نہ مونچھ' آنکھیں سرگیں ہوں گی اور ان کی عمر 33 برس ہوگی۔ (۱) سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں فرمایا ہے کہ آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 33 برس تھی۔

فضائلِ عیسیٰ علیہ السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ﴾ ''مسیح ابن مریم پیغمبر ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں' اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں' ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔''(۲)

---

(۱) [حسن : صحیح ترمذی ' ترمذی (2545) کتاب صفة الجنة : باب ما جاء في سن أهل الجنة]

(۲) [المائدة : 75]

عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ چونکہ آپ کے زمانے کے یہودی آپ کی شدید مخالفت کرتے اور آپ کی والدہ پر الزام تراشی کرتے اس لیے آپ دعوت وتبلیغ کی غرض سے اکثر وبیشتر سفر پر ہی رہا کرتے تھے۔ اسی باعث آپ کو مسیح کہا جاتا ہے۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ مسیح کا معنی ممسوح القدمین ہے یعنی آپ کے دونوں قدم برابر تھے۔

قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ ﴾ ''ان کے بعد بھی ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی۔''(۱)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ ﴿ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ﴾ ''اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل عطا کیے اور روح القدس کے ذریعے ان کی تائید کی۔''(۲)

صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان یوں منقول ہے کہ ''اولادِ آدم کا کوئی بھی بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے چھوتا ہے اور وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے چیختا ہے سوائے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کے۔''(۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے انہوں نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے آنے والی ایک روح ہیں اور جنت برحق ہے' دوزخ برحق ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دیں گے خواہ اس کے اعمال کی تعداد کتنی ہی ہو؟۔''(٤)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو اچھی طرح ادب سکھائے اور پورے طور پر اسے دین کی تعلیم دے' پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اسے دُگنا ثواب ملتا

---

(۱) [الحدید : 27]

(۲) [البقرة : 253]

(۳) [بخاری (3431) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالی واذکر فی الکتاب مریم ، مسلم (2366) کتاب الفضائل : باب فضائل عیسیٰ]

(٤) [بخاری (3435) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قوله تعالی یا أهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ، مسلم (28) کتاب الایمان : باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعا]

ہے اور وہ شخص جو پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا' پھر مجھ پر ایمان لایا تو اسے بھی دُگنا ثواب ملے گا اور وہ غلام جو اپنے رب کا بھی خوف رکھتا ہے اور اپنے آقا کی بھی اطاعت کرتا ہے تو اسے بھی دُگنا ثواب ملے گا۔''(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''معراج کی رات میری عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔(ان کا حلیہ یوں تھا کہ) درمیانہ قد اور سرخ وسپید رنگ تھا جیسے ابھی ابھی غسل خانے سے باہر آئے ہوں۔''(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔عیسیٰ علیہ السلام نہایت گھنگریالے بال والے اور چوڑے سینے والے تھے اور موسیٰ علیہ السلام گندم گوں، دراز قد اور سیدھے بالوں والے تھے جیسے کوئی قبیلہ زط کا آدمی ہو۔''(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں' ایک صاحب (پر میری نظر پڑی) جو گندم گوں تھے اور ان کے سر کے بال بھی سیدھے تھے اور سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ میرے قریب کے لوگوں نے بتایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک موٹے شخص پر نظر پڑی جو سرخ تھا' اس کے بال گھنگریالے تھے' ایک آنکھ کا کانا تھا' اس کی ایک آنکھ انگور کی طرح اٹھی ہوئی تھی۔لوگوں نے بتایا کہ یہ دجال ہے۔''(٤)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دونوں مسیحوں کا حلیہ بتا دیا ہے۔ایک مسیح جو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور دوسرا مسیح جو گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے۔تاکہ جب مومن ہدایت دینے والے مسیح (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کو دیکھیں تو اس پر ایمان لے آئیں اور جب گمراہ کرنے والے مسیح (یعنی دجال) کو دیکھیں تو اسے پہچان کر اس سے بچ جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری

---

(۱) [بخاری (3446) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالىٰ واذكر فى الكتاب مريم ، مسلم (154) كتاب الايمان : باب وجوب الايمان برسالة نبينا محمد ﷺ ، مسند احمد (18777) السنن الكبرى للبيهقى (128/7) مصنف عبد الرزاق (270/7) أبو عوانة (224) معرفة السنن والآثار (4341) مسند طيالسى (498) مشكل الآثار للطحاوى (1684)]

(۲) [بخارى (3437) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالىٰ واذكر فى الكتاب مريم ، مسلم (245) كتاب الايمان : باب الاسراء برسول الله الى السموات ، مسند احمد (7457) مصنف عبد الرزاق (329/5) تهذيب الآثار للطبرى (2758) دلائل النبوة للبيهقى (675) أبو عوانة (261) صحيح ابن حبان (51)]

(۳) [بخارى (3438) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى واذكر فى الكتاب مريم ، مسند احمد (2564) طبرانى كبير (277/9)]

(٤) [بخارى (7128) كتاب الفتن : باب ذكر الدجال ، مسلم (169) كتاب الايمان : باب ذكر المسيح بن مريم]

کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس سے پوچھا کہ کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے کہا بالکل نہیں' اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور میری آنکھوں کو دھوکہ ہوا۔''(۱)

یہ حدیث آپ کے سلیم الطبع ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ جب ایک شخص نے اللہ کی قسم اٹھائی تو آپ نے اس کا یقین کرلیا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا معاملہ جھوٹ قرار دے دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر (دورانِ خطبہ) یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے'' مجھے میرے مرتبے سے زیادہ مت بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھا دیا ہے۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں' اس لیے (میرے متعلق) یہی کہا کرو کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔''(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تمام انبیاء کا باپ ایک ہے' ان کی مائیں الگ الگ ہیں اور سب کا دین ایک ہی ہے (یعنی شریعتیں الگ الگ ہیں مگر دین جیسے توحید، رسالت وغیرہ ایک ہی ہے)۔ میرا سب سے زیادہ تعلق عیسیٰ علیہ السلام سے ہے کیونکہ ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں۔ جب وہ نازل ہوں تو تم انہیں دیکھتے ہی پہچان لینا۔ ان کا قد درمیانہ، رنگ سرخ وسفید' بال سیدھے اور سر یوں معلوم ہوگا کہ گویا بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، اگرچہ پانی نہ بھی لگا ہو۔ انہوں نے دو چھڑیاں پکڑ رکھی ہوں گی۔ وہ صلیب توڑیں گے، خنزیر قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور تمام مذاہب کو ختم کر کے صرف اسلام کو ہی باقی چھوڑیں گے۔ ان کے دور میں اللہ تعالیٰ دجال کو تباہ کرے گا' پھر زمین میں امن قائم ہو جائے گا حتی کہ اونٹ اور شیر مل کر چریں گے، چیتے اور گائیں، بھیڑیئے اور بکریاں اکٹھے رہا کریں گے۔ کم سن بچے سانپوں سے کھیلا کریں گے اور ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وہ 40 برس تک زندہ رہیں گے پھر وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کر کے انہیں دفن کر دیں گے۔''(۳)

عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اتریں گے تو دمشق کے سفید منار پر نازل ہوں گے اور اس وقت نماز فجر کے لیے تکبیر بھی کہہ دی گئی ہوگی۔ مسلمانوں کا امام آپ کو نماز پڑھانے کے لیے کہے گا لیکن آپ اسے جواب دیں گے کہ تمہیں یہ شرف حاصل ہے کہ تم ایک دوسرے کے امیر ہو۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام اس امام سے کہیں گے کہ تکبیر

(۱) [بخاری (3444) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم ، مسلم (2368) کتاب الفضائل : باب فضائل عیسیٰ ، مسند احمد (3013) السنن الکبری للبیهقی (157/10) السنن الکبری للنسائی (488/3) صحیح ابن حبان (4413) مسند شامیین للطبرانی (2336)]

(۲) [بخاری (3435) کتاب احادیث الأنبیاء : باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم ، مسند احمد (47/1)]

(۳) [مسند احمد (406/2)]

تمہارے لیے کہی گئی ہے اس لیے تم ہی نماز پڑھاؤ۔ پھر آپ اس کی اقتدا میں نماز ادا فرمائیں گے۔ اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مل کر دجال کو تلاش کریں گے اور بالآخر اسے لُدّ (فلسطین کے ایک شہر) کے دروازے پر پائیں گے اور اسے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیں گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان 6 سو سال کا فاصلہ ہے۔ (۱)

عقیدۂ تثلیث کی ترویج کب شروع ہوئی؟

جب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا تو عیسائی دنیا اختلاف کا شکار ہوگئی۔ کچھ نے کہا' اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہم میں تھا اور پھر آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ کچھ نے کہا' اللہ خود انسانی شکل میں ظاہر ہوا تھا اب واپس چلا گیا ہے۔ کچھ نے کہا' وہ اللہ کا بیٹا تھا اسے اللہ نے واپس بلا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴾ ''پس ہم نے اہل ایمان کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی اور انہوں نے غلبہ پالیا۔'' (۲)

عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً 3 سو برس بعد عیسائی علما میں بہت شدید اختلاف رونما ہوا۔ تب لوگ اس وقت کے بادشاہ قسطنطین کے پاس گئے۔ بادشاہ نے سب کی بات سنی تو اسے یہ بات صحیح معلوم ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عقیدۂ تثلیث درست ہے۔ جو حضرات اس موقف کے قائل تھے انہیں فرقہ ملکیہ کہا جانے لگا (جنہیں آج کل رومن کیتھولک کہا جاتا ہے)۔ بادشاہ نے ان لوگوں پر بہت سختی کی جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول قرار دیتے تھے' جن میں پادری عبداللہ بن اریوس اور اس کے ساتھی وغیرہ شامل تھے۔ چنانچہ یہ لوگ شہروں سے نکل کر جنگلوں میں مقیم ہو گئے اور آہستہ آہستہ ختم ہوتے چلے گئے۔ اس بادشاہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش پر ایک شہر تعمیر کرایا جس کا نام بیت اللحم معروف ہوا۔ اسی طرح جسے عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی دی گئی تھی اس کی قبر پر اس بادشاہ کی ماں ''ہیلانہ'' نے ایک کنیسہ تعمیر کرایا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے ایک نیا کام شروع کر دیا جو وہ پہلے نہیں کیا کرتے تھے' انہوں نے اپنے گرجاؤں میں تصویریں اور مجسمے بنانے شروع کر دیے۔

(۱) [بخاری (3948) کتاب مناقب الانصار : باب اسلام سلمان فارسی]

(۲) [الصف : 14]

انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے فوائد و نتائج

فوائد و نتائج قصہ آدم علیہ السلام

1- جنت کا وجود آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجے جانے سے پہلے بھی تھا۔

2- آدم علیہ السلام کی خاص فضیلت کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔

3- زمین پر آدم علیہ السلام سے پہلے بھی مخلوق آباد تھی جیسا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا' کیا تو زمین میں فساد مچانے والے اور خون بہانے والے کو پیدا کرے گا۔ یعنی وہ پہلے زمینی آبادی کے برے کام دیکھ چکے تھے۔

4- انسان کی فرشتوں پر فضیلت کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔

5- تکبر و حسد کی قباحت کیونکہ شیطان انہی بداخلاقیوں کے باعث تا قیامت ملعون و مردود ٹھہرا۔

6- ابلیس انسان کا ازلی دشمن ہے کیونکہ اس نے اسے گمراہ کرنے اور جہنم میں پہنچانے کی قسمیں اٹھا رکھی ہیں۔

7- تمام شیطانوں کا باپ ابلیس ہے۔

8- گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ سے معافی مانگ لینی چاہیے جیسا کہ آدم و حواء علیہما السلام نے شیطان کے حملے کے بعد کیا۔

9- کائنات کا پہلا قتل حسد کی وجہ سے ہوا اور وہ قتل آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کا کیا تھا۔

فوائد و نتائج قصہ ادریس علیہ السلام

1- ادریس علیہ السلام کا مقام چوتھے آسمان پر ہے کیونکہ معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے چوتھے آسمان پر ہی ملے تھے۔

2- قلم کے موجد ادریس علیہ السلام ہیں۔

فوائد و نتائج قصہ نوح علیہ السلام

1- اہل ارض کی طرف مبعوث کیے جانے والے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں۔

2- بت پرستی کا آغاز قوم نوح کے نیک لوگوں کے بنائے جانے والے مجسموں اور تصاویر سے ہوا۔

3- نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو 950 برس توحید کی دعوت دی مگر پھر بھی سوائے چند افراد کے باقی تمام کفر پر ہی جمے رہے۔

4- ایمان کے بغیر انبیاء کی قرابت داری بھی نجات نہیں دلا سکے گی۔

5- مالی لحاظ سے طبقاتی کشمکش اس دور میں بھی موجود تھی کہ مالدار لوگ غریبوں کو حقیر و رزیل سمجھتے تھے۔

6- اگر کفار کی سرکشی حد سے بڑھ جائے اور ان پر حجت کا اتمام کیا جا چکا ہو تو ان پر بددعا کی جا سکتی ہے۔
7- طوفانِ نوح کے ذریعے کائنات کے تمام کافروں کو ہلاک کر دیا گیا اور ایک بھی نافرمان روئے زمین پر باقی نہ رہا۔
8- طوفانِ نوح کے بعد نسلِ نوح کے علاوہ کوئی نسل باقی نہ رہی اس لیے بعد کی ساری انسانیت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں (سام، حام اور یافث) کی ہی اولاد ہے۔
9- روزِ قیامت لوگ شفاعت کی غرض سے نوح علیہ السلام کے پاس بھی آئیں گے لیکن وہ اپنا عذر بیان کر کے انہیں دوسرے رسول کی طرف بھیج دیں گے۔

فوائد و نتائج قصہ ہود علیہ السلام

1- طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کرنے والی قوم عاد ہے۔
2- قومِ عاد کی ہلاکت کا سبب شرک و بت پرستی میں آباؤ اجداد کی اندھی تقلید، اللہ کی نعمتوں کی ناشکری اور دعوت ہود کا کھلم کھلا انکار تھا۔
3- قومِ عاد تند و تیز ہوا کے ذریعے ہلاک کی گئی۔
4- توبہ و استغفار اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور جب بھی کوئی قوم اپنے گناہوں سے تائب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف اسے معاف فرما دیتے ہیں، بلکہ اپنی بہت سی نعمتیں بھی عطا فرماتے ہیں۔

فوائد و نتائج قصہ صالح علیہ السلام

1- قومِ ثمود کا تعلق عرب سے تھا۔
2- قومِ ثمود بھی اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں شرک و بت پرستی کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئی۔
3- قومِ ثمود کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر قوت و طاقت دے رکھی تھی کہ وہ پہاڑوں کو تراش کر محلات تعمیر کر لیتے تھے۔
4- قومِ ثمود کو ایک زوردار چیخ کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔
5- اسلوبِ دعوت نہایت پر حکمت اور نرم مزاجی پر مشتمل ہونا چاہیے، صالح علیہ السلام نے اسی کو اپنایا تھا۔

فوائد و نتائج قصہ ابراہیم علیہ السلام

1- دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کرنا چاہیے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔
2- داعی کو کمال درجے کا نرم مزاج اور رحم دل ہونا چاہیے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد نے جب آپ کو رجم کرنے کا کہا تو آپ نے جواب میں انہیں سلام ہی کہا۔

3- مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں خواہ وہ سگے والدین ہی ہوں۔

4- اللہ کی راہ میں اگر اپنے تمام اموال حتیٰ کہ اولاد بھی قربان کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

5- جب کسی علاقے میں اللہ کی عبادت کرنے پر پابندی ہو یا رکاوٹیں ہوں تو اُس علاقے کی طرف ہجرت کر جانا جہاں بلا روک ٹوک اللہ کے حکموں پر عمل کیا جا سکے انبیاء کی سنت ہے۔

6- ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے (میں بیمار ہوں، بڑے بت نے انہیں توڑا ہے اور سارہ میری بہن ہے) لیکن وہ حقیقی جھوٹ نہ تھے۔

7- ابراہیم علیہ السلام نے لوط علیہ السلام اور ان کے مال مویشی چھڑانے کے لیے دشمنوں کے خلاف لڑائی بھی کی تھی، جس سے ان کی جرأت و بہادری ظاہر ہوتی ہے۔

8- ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ اللہ تعالیٰ کے یکطرفہ دین پر کار بند تھے، لہٰذا آج بھی اگر کوئی ابراہیمی بننا چاہتا ہے تو اسے وہی یکطرفہ دین اپنانا ہوگا جو عقیدۂ توحید پر مشتمل اور شرک کی آلائش سے پاک ہو۔

9- چند ایسے اُمور جو سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے کیے اور ان اُمور کو اولیات ابراہیم کا نام دیا جاتا ہے:

- وہ کھانا جسے ''ثرید'' کہا جاتا ہے سب سے پہلے آپ نے تیار کیا تھا۔
- سب سے پہلے بالوں میں مانگ آپ نے نکالی تھی۔
- مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور زیر ناف مونڈنا سب سے پہلے آپ نے شروع کیا تھا۔
- خطبہ دینے کے لیے سب سے پہلے منبر آپ نے استعمال کیا تھا۔
- معانقہ یعنی گلے ملنے کی ابتدا سب سے پہلے آپ نے ہی کی تھی۔
- مہمان نوازی کا عمل سب سے پہلے آپ نے شروع کیا تھا۔

فوائد و نتائج قصۂ لوط علیہ السلام

1- عمل قوم لوط اس قدر بڑا جرم ہے کہ اس کے فاعل اور مفعول دونوں کو انتہائی بے دردی سے قتل کرنے کا حکم ہے۔

2- جہاں یہ عمل حرام ہے وہاں یہ مختلف قسم کے مہلک امراض جیسے سیلان، آتشک اور ایڈز وغیرہ کا باعث بھی ہے۔

3- قصۂ لوط سے مہمانوں کے اکرام اور ان کے دفاع کا سبق بھی حاصل ہوتا ہے۔

فوائد و نتائج قصۂ شعیب علیہ السلام

1- شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کا لقب دیا گیا تھا کیونکہ آپ دعوت دیتے وقت نہایت فصیح و بلیغ انداز اپناتے تھے

2- سب سے پہلے زبردستی ٹیکس وصول کرنے والی قوم قوم شعیب ہے۔

3- داعی کا بنیادی اور لازمی وصف یہ ہے کہ وہ جس کام کی دوسروں کو دعوت دے رہا ہے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہو۔
4- نماز برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔
5- دھوکہ دہی اور ناپ تول میں کمی ہلاکت کا موجب بن سکتی ہے۔

فوائد ونتائج قصہ اسماعیل علیہ السلام

1- نماز اور زکوٰۃ کا حکم پہلے انبیاء کی شریعتوں میں بھی موجود تھا، یہی وجہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام خود بھی نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کا حکم دیتے۔
2- سب سے پہلے گھوڑوں کو پالتو جانور بنانے والے اسماعیل علیہ السلام ہیں۔
3- سب سے پہلے عربی میں فصیح و بلیغ کلام کرنے والے بھی اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

فوائد ونتائج قصہ اسحٰق و یعقوب علیہما السلام

1- سابقہ اقوام میں بھی یہ رواج نہیں تھا کہ بڑی بیٹی سے پہلے چھوٹی کا نکاح کردیں جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کے سسر نے اپنی چھوٹی بیٹی کی بجائے بڑی بیٹی یعقوب علیہ السلام کے ساتھ رخصت کردی اور بعد میں جب آپ علیہ السلام نے پوچھا تو اس نے یہی جواب دیا کہ ہم میں یہ رواج نہیں۔
2- خوبصورت عورت کو پسند کرنا ایک فطری امر ہے یہی وجہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں کی دو بیٹیوں میں سے خوبصورت کو ہی پسند فرمایا تھا۔
3- یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں بیک وقت دو بہنوں سے نکاح اور سجدۂ تعظیمی جائز تھا۔
4- سابقہ شریعتوں میں بھی احکام منسوخ کیے جاتے رہے ہیں جیسا کہ دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کا جواز تورات میں منسوخ کردیا گیا۔

فوائد ونتائج قصہ یوسف علیہ السلام

1- خوابوں کی تعبیر ایک مستقل علم ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا۔
2- انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔
3- مقصد میں کامیابی کے لیے اپنے ترقی کے کام کو چھپا کر رکھنا چاہیے کیونکہ ہر نعمت والے پر حسد کیا جاتا ہے۔
4- کسی کو روتے ہوئے دیکھ کر دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ بعض اوقات ظالم بھی سچا بننے کے لیے روتا ہے جیسا کہ

یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کا خون آلود کرتا یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے لائے تھے۔

5- جب انسان کے تمام سہارے ساتھ چھوڑ جائیں تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ ایک سہارا ابھی بھی باقی ہے جو ہر لحہ پکارنے والے کی پکار کو سنتا اور اس کی مدد فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس وقت کنوئیں سے باہر نکالنے کا سامان مہیا کیا جب اپنے سب انہیں چھوڑ کر جا چکے تھے۔

6- متقی وہ ہے جو وہاں بھی برائی سے بچے جہاں اسے کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔

7- یوسف علیہ السلام کو آدم علیہ السلام سے نصف حسن دیا گیا تھا۔

8- جہاں موقع ملے وہیں دعوت توحید پیش کر دینی چاہیے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھیوں کو دعوت پیش کی۔

9- تمام انبیاء کی دعوت عقیدۂ توحید کے پرچار پر ہی مشتمل تھی۔

10- مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کا نتیجہ ہمیشہ برا ہی سامنے آتا ہے، جیسا کہ عزیز مصر کی بیوی یوسف علیہ السلام سے آزادانہ میل جول کی وجہ سے آپ سے عشق میں مبتلا ہو گئی۔

11- جیت ہمیشہ حق و سچ کی ہی ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکال کر مصر کے خزانوں کا والی بنا دیا۔

12- برائی کا بدلہ بعض اوقات یوں بھی ملتا ہے کہ ایک اور برائی سرزد ہو جاتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے پہلے آپ کو آپ کے والد سے دور کر کے برائی کی اور پھر بنیامین کو بھی والد سے جدا کر دیا۔

13- حسد وبغض کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ہوا۔

14- بدلہ لینے سے معاف کر دینا ہی بہتر ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا (اور فتح مکہ کے موقع پر محمد ﷺ نے بھی سب کو معاف کر دیا تھا)۔

15- یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کا کرتا آپ کے والد کے چہرے پر ڈالا گیا تو ان کی بصارت لوٹ آئی اور وہ پہلے کی طرح بینا ہو گئے۔

16- یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا اور پھر جائز ہی رہا حتی کہ شریعتِ محمدیہ میں اسے حرام کر دیا گیا۔

فوائد ونتائج قصہ ایوب علیہ السلام

1- بڑی سے بڑی مصیبت و آزمائش میں بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

2- ہر تکلیف میں صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارنا چاہیے۔

3- شوہر اگر مفلس و معذور ہو جائے تو بیوی کو اسے چھوڑ کر میکے نہیں چلے جانا چاہیے بلکہ ہر ممکن طریقے سے اس کا ساتھ دینا چاہیے اور اس کا تعاون کرنا چاہیے۔

4- بیماری کا علاج کرانا اور دواء استعمال کرنا صبر و توکل کے منافی نہیں بلکہ جائز اور انبیاء کی سنت ہے۔

5- عظیم صبر اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو نہ صرف بیماری سے شفا عطا فرمائی بلکہ بطورِ انعام آپ کے لیے آسمان سے سونے کی بارش بھی کر دی۔

فوائد و نتائج قصہ ذوالکفل علیہ السلام

1- انسان جو بھی ذمہ داری اٹھائے اسے لازماً پورا کرے۔

2- لوگوں کے مقدمات کے فیصلے انبیاء ہی کیا کرتے تھے۔

3- شیطان انبیاء کو نہیں بہکا سکتا کیونکہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت ہوتی ہے۔

فوائد و نتائج قصہ یونس علیہ السلام

1- یونس علیہ السلام کی قوم وہ واحد قوم ہے جو عذاب کو دیکھ کر ساری کی ساری ایمان لے آئی تھی۔

2- انبیاء بھی اگر اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کام کریں تو اللہ کی پکڑ میں آجاتے ہیں۔

3- یونس علیہ السلام نے جس مقام پر (یعنی مچھلی کے پیٹ میں) سجدہ کیا اور اللہ کی تسبیح بیان کی وہاں کسی دوسرے انسا نے نہ سجدہ کیا اور نہ تسبیح بیان کی۔

4- یونس علیہ السلام کی دعا مانگ کر جو دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

5- اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لینا نجات کا ذریعہ ہے۔

فوائد و نتائج قصہ موسیٰ علیہ السلام

1- اللہ کی مرضی کے آگے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اللہ کی مرضی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون کا خاتمہ ہو تو فرعو نے موسیٰ علیہ السلام کو ختم کرنے کی ہزاروں تدبیریں آزمائیں مگر وہی ہوا جو رب العالمین کی منشا تھی۔

2- اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی بھیجی کہ ہم موسیٰ کو تمہاری طرف واپس لوٹائیں گے تو بظاہر اس کی کوئی امید نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کر کے دکھا دیا۔

3- موسیٰ علیہ السلام کے ایک ہی مکے سے قبطی ہلاک ہو گیا، اسی طرح جس پتھر کو 10 آدمی مل کر اٹھاتے تھے اسے آپ نے اکیلے ہی اٹھا لیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتنی قوت عطا فرما رکھی تھی۔

4- جو دوسروں کے کام آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام آتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کی مدد کی، بدلے میں اللہ

تعالیٰ نے رہائش کا بندوبست بھی کر دیا اور بیوی کا بھی۔

5- موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت مل گئی اور اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ دنیا میں ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر سب سے بڑا احسان ہے۔

6- آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور جب بھی کوئی طاقتور ظالم آزاد انسانوں کو غلام بنانے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ کمزوروں کی مدد فرما کر ظالموں کو انتہائی برے انجام سے دوچار کرتے ہیں۔

7- جب موت کا یقین ہو جائے تب توبہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسا کہ فرعون کو ہلاکت کے وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

8- فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام اور مریم علیہا السلام جنت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی۔

9- اطاعت و فرمانبرداری کے حوالے سے بنی اسرائیل اور امت محمد کا معاملہ بالکل برعکس ہے، بنی اسرائیل نے ہمیشہ اپنے انبیاء کی مخالفت کی جبکہ امت محمد ہمیشہ اطاعت شعاری کا مظاہرہ کرتی رہی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کو جہاد کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا اے موسیٰ! تو اور تیرا رب جا کر جہاد کرو اور جب صحابہ کو جہاد کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں سمندروں میں کود جانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم کود جائیں گے۔

10- بنی اسرائیل نے ایک عظیم گناہ یہ بھی کیا کہ بہت سے انبیاء کو قتل کر ڈالا۔

11- موسیٰ علیہ السلام جس روز اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے وہ عید الاضحیٰ کا دن تھا۔

12- خواہ کوئی کتنا ہی چھپا کر گناہ کرے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ اسے کب' کیسے لوگوں کے سامنے لانے والا ہے اس کا کسی کو اندازہ بھی نہیں۔ جیسا کہ گائے کے قصے سے معلوم ہوتا ہے۔

13- کسی بھی کام میں اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، جیسے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو سب سے زیادہ علم والا کہا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے اور انہیں کہا تم سے بھی زیادہ علم ہمارے بندے خضر علیہ السلام کے پاس ہے۔

14- ایمان کے بغیر مالی فراوانی اور ظاہری شان و شوکت نہ تو اللہ کے محبوب ہونے کی علامت ہے اور نہ ہی کامیابی کی۔ جیسے کہ قارون بہت سے خزانوں کا مالک تو تھا مگر ایمان سے تہی دامن تھا' لہٰذا زمین میں دھنسا دیا گیا۔

15- بنی اسرائیل پر جو اللہ تعالیٰ نے انعامات فرمائے ان کا خلاصہ یہ ہے:

- فرعون کے ظلم اور غلامی سے نجات دی۔
- فرعون کو لشکر سمیت ان کے سامنے غرق کیا۔
- ہر قبیلے کے لیے الگ پانی کا چشمہ جاری کیا۔
- سورج کی تپش میں بادلوں کا سایہ کیا۔
- خوراک کے لیے آسمان سے من و سلویٰ نازل کیا۔
- ذلت و پستی سے نکال کر عزت و شرف عطا کیا۔

فوائد ونتائج قصہ شعیا علیہ السلام

1- دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے جیسے شعیا علیہ السلام کے زمانے کے بادشاہ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر بڑھا دی۔
2- شعیا علیہ السلام ان انبیاء میں سے تھے جنہیں بنی اسرائیل نے قتل کیا تھا۔

فوائد ونتائج قصہ ارمیا علیہ السلام

1- ظالم حکمران کا مسلط ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ہی ایک صورت ہے اور اس کا سبب قوم کے برے اعمال اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں حد سے بڑھ جانا ہی ہوتا ہے۔

فوائد ونتائج قصہ دانیال علیہ السلام

1- دانیال علیہ السلام وہ نبی ہیں جنہیں پیدائش کے بعد ظالم بادشاہ سے بچانے کے لیے شیروں کی کچھار میں پھینک دیا گیا اور شیروں نے انہیں کچھ نقصان نہ پہنچایا بلکہ انہیں چاٹتے رہے، اسی لیے انہوں نے پھر اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے یاد دہانی کے طور پر ایک ایسی انگوٹھی بنوائی جس پر ایک آدمی اور اس کے گرد دو شیروں کا نقش تھا جو اسے چاٹ رہے تھے۔

فوائد ونتائج قصہ عزیر علیہ السلام

1- عزیر علیہ السلام وہ نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے 100 برس تک نیند کو مسلط کیے رکھا اور پھر انہیں دکھایا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا۔
2- عزیر علیہ السلام وہ واحد پیغمبر ہیں جو خود جوان تھے مگر ان کی اولاد بوڑھی تھی۔ کیونکہ جب ان پر نیند مسلط کی گئی تھی اس وقت ان کی عمر 40 برس تھی اور پھر 100 برس بعد جب انہیں بیدار کیا گیا تب بھی ان کی عمر اتنی ہی تھی مگر ان کی اولاد اپنی زندگی کے 100 برس پورے کر چکی تھی۔
3- عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس لیے قرار دیا گیا کیونکہ انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنے حافظے سے ہی ساری تورات لکھوا دی تھی۔

فوائد ونتائج قصہ زکریا و یحییٰ علیہما السلام

1- اولاد صرف اسی پروردگارِ عالم سے مانگنی چاہیے جو بڑھاپے اور بانجھ پن میں بھی اولاد عطا فرمانے پر قادر ہے۔

2- کسی حال میں بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔
3- زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے اور اپنے ہاتھ سے روزی کما کر کھایا کرتے تھے۔

فوائد و نتائج قصہ یوشع علیہ السلام

1- موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے گئے تو آپ کے ساتھ جو خادم تھا وہی یوشع علیہ السلام تھے۔
2- میدانِ تیہ سے نکلنے کے بعد یوشع علیہ السلام نے ہی بیت المقدس کو فتح کیا تھا۔
3- بدکاری ایسا قبیح فعل ہے کہ جو قوم بھی اس میں ملوث ہو جائے اس سے اللہ تعالیٰ کی مدد چھن جاتی ہے، کفار اہل ایمان کو مغلوب کرنے کے جہاں دیگر حربے آزماتے رہے وہاں اپنی خوبصورت عورتیں پیش کر کے انہیں بدکاری میں ملوث کرنے کی بھی کوشش کرتے رہے۔ جیسا کہ قصہ بلعام سے معلوم ہوتا ہے۔
4- یوشع علیہ السلام وہ واحد نبی ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورج روک دیا تھا۔
5- بیت المقدس کی فتح کے بعد جب بنی اسرائیل کو شہر میں توبہ کرتے ہوئے اور عاجزی کے ساتھ داخل ہونے کا حکم ہوا تو انہوں نے نافرمانی کی اور سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے اور "گندم بالی میں" کہتے ہوئے داخل ہوئے تو ان پر بطورِ سزا طاعون کی وبا مسلط کر دی گئی۔

فوائد و نتائج قصہ خضر علیہ السلام

1- خضر علیہ السلام ایک نبی تھے۔
2- خضر علیہ السلام اپنی زندگی کا وقت پورا کر کے وفات پا چکے ہیں اور اب دنیا میں موجود نہیں۔

فوائد و نتائج قصہ شمویل علیہ السلام

1- جہاد کا ایک مقصد ظلم و زیادتی کا بدلہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں بنی اسرائیل کا یہ قول ذکر کیا گیا ہے کہ ہمیں گھروں سے نکالا گیا ہے اور بیوی بچوں سے دور کر دیا گیا ہے اس لیے ہم جہاد کرنا چاہتے ہیں۔
2- بادشاہت و امارت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو علمی وسعت اور جسمانی قوت میں زیادہ ہو، جیسا کہ بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کو بادشاہ مقرر کرنے کی یہی دو وجوہات بیان کی گئیں۔
3- امیر کی اطاعت ضروری ہے (بشرطیکہ امیر کتاب و سنت کے منافی کسی کام کا حکم نہ دے) جیسا کہ جب بنی اسرائیل نے اپنے امیر طالوت کے حکم کی نافرمانی کی اور نہر سے پانی پی لیا تو وہ لڑائی کے قابل نہ رہے۔

4- جہاد میں مسلمان افرادی قوت اور دیگر ظاہری اسباب کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی مدد کی وجہ سے غالب آتے ہیں۔

فوائد ونتائج قصۂ داود علیہ السلام

1- داود علیہ السلام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے نبوت وبادشاہت کو ایک ہی خاندان میں جمع کر دیا جبکہ پہلے نبوت ایک خاندان میں اور بادشاہت دوسرے خاندان میں ہوا کرتی تھی۔

2- لوہے کی زرہ سب سے پہلے داود علیہ السلام نے بنائی تھی۔

3- داود علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے۔

4- داود علیہ السلام کی نماز اور روزے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند تھے۔

5- داود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کر رکھی تھیں ان میں لوہے کا نرم ہونا' خوبصورت آواز' قوت فیصلہ' عدل وانصاف اور کثرت عبادت کی توفیق نمایاں ہیں۔

6- شجاعت و بہادری کا درس ملتا ہے کہ جب داود علیہ السلام نے دعوت مبارزت قبول کی اور جالوت کا خاتمہ کر دیا۔

فوائد ونتائج قصۂ سلیمان علیہ السلام

1- انسان کو جب بھی اپنے اوپر اللہ کی کسی نعمت کا احساس ہو تو اسے فوراً اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جیسے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی فریاد کو سمجھ لیا تو فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ سے اعمالِ صالحہ بجالانے کی توفیق طلب کی۔

2- ہدہد بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کو سمجھتا تھا کہ جب اس نے یہ کہا کہ ملکہ سبا اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پوجا کرتے ہیں....

3- اللہ کے علاوہ کوئی بھی عالم الغیب نہیں، جیسا کہ سلیمان کو علیہ السلام نہ تو ہدہد کی غیر حاضری پر اس کا علم تھا کہ وہ کہاں ہے اور نہ ہی جو وہ خبر لے کر آیا اس کا علم تھا۔

4- جنات میں بھی مومن اور غیر مومن ہوتے ہیں کہ جب ایک ایماندار جن نے کہا کہ میں پلک جھپکتے ہی تخت لے آؤں گا۔

5- جہاد کے لیے اولاد طلب کرنا اور پھر اسی غرض سے بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنا جائز ہے۔

6- انسان مستقبل میں جس کام کے کرنے کا ارادہ ظاہر کرے اس کے ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہے۔

7- سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے رکھا تھا کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں جیسے چاہیں تصرف کریں، آپ سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔

8- اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام پر جو خاص انعامات کر رکھے تھے ان میں جانوروں کی زبانوں کا سمجھنا، بے مثل حکمرانی (یعنی انسانوں کے ساتھ جنات، چرند پرند اور ہواؤں پر بھی حکومت) اور حکمت و دانائی پر مبنی فیصلے کی قوت زیادہ ظاہر ہیں۔

فوائد و نتائج قصہ عیسیٰ علیہ السلام

1- مریم علیہا السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص انعام تھا کہ انہیں بے موسم کے پھل عطا کیے جاتے تھے یعنی موسم گرما کے پھل موسم سرما میں اور موسم سرما کے پھل موسم گرما میں۔

2- مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہرنے سے پہلے ہی یہ خبر دے دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سارے جہان کی خواتین میں سے اس غرض سے چن لیا ہے کہ اللہ ان کے بطن سے بغیر باپ کے بچہ پیدا کر کے اپنی قدرت کا اظہار فرمائیں گے۔

3- مریم علیہا السلام ان چار خواتین میں شامل ہیں جنہیں ساری کائنات کی خواتین سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

4- اطباء کا کہنا ہے کہ اگر دورانِ حمل کھجور کھائی جائے تو ولادت کے وقت آسانی ہوتی ہے۔ غالباً یہی باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو بھی دورانِ حمل کھجوریں کھانے کا ہی کہا تھا۔

5- عیسیٰ علیہ السلام نے پیدائش کے بعد اپنی ماں کی گود میں ہی کلام فرمایا اور لوگوں کے سامنے واضح کر دیا کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور پھر لوگوں کی طرف سے اپنی والدہ پر لگائے جانے والے الزامات کی تردید بھی فرمائی۔

6- عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ کے ایک بندے، اللہ کی پیدا کردہ ایک روح اور اللہ کے کلمہ ''کن'' سے پیدا ہونے والے ایک نبی تھے۔ لہٰذا عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث باطل ہے۔

7- عیسیٰ علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی تھی اور یہ بشارت تورات و انجیل میں بھی موجود تھی۔

8- کچھ یہودیوں کی سازش کی وجہ سے جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی کوشش کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا اور آپ کے ایک حواری کو آپ کی صورت دے دی، انہوں نے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا اور مشہور یہ کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور وہ قیامت کے قریب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اتباع کریں گے، دجال کا خاتمہ کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور پھر کوئی عیسائی ایسا نہیں بچے گا جو آپ کی وفات تک آپ پر ایمان نہ لے آئے۔ پھر جب آپ کی عمر پوری ہو گی تو اللہ تعالیٰ آپ کو فوت کر دیں گے۔

[از قلم: حافظ عمران ایوب لاہوری]

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

تفہیم کتاب و سنت کا تحقیقی وطباعتی ادارہ

لاہور - پاکستان

Fiqh-ul-Hadith Publications

Lahore - Pakistan

Phone : 0300-4206199

E-mail: fiqhulhadith@yahoo.com